# اردو میں
# نعتیہ شاعری

محقق و مصنف
پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری

نہایت مسرت کی بات ہے کہ عزیزی ڈاکٹر سراج احمد قادری اور منصور سلیم احمد صاحب کی مساعی سے پروفیسر سید رفیع الدین اشفاقؔ ناگپوری (2017-1918) کا تحقیقی مقالہ ۔اردو میں نعتیہ شاعری ،نعت ریسرچ سینٹر،انڈیا کی بیش قیمت مطبوعات میں ایک اہم اضافہ کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔

محترم اشفاقؔ صاحب ناگپوری کو اس تحقیقی مقالہ پر ناگپور یونیورسٹی سے 1955 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی تھی۔نعتیہ شاعری کے کثیر سرمایہ میں اس وقیع کارنامہ کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر ہی اسے منشۂ شہود پر لایا گیا ہے۔ کتاب کے 9/ابواب میں عربی، فارسی اور اردو نعتِ پاک کی تاریخ اور روایت کا جس عرق ریزی ، دردمندی،خلوص اور بصیرت کے ساتھ منتخب اشعار کی شمولیت کے ساتھ محاکمہ کیا گیا ہے،نہایت قابلِ ستائش ہے۔بیسویں صدی کے اہم شعراء میں زائرِ حرم حمیدؔ صدیقی کی نعت گوئی پر گفتگو کا اختتام ہوا ہے۔تاریخی طور پر ممتاز نعت گو شعراء میں سے بیشتر کا ذکر نمونۂ کلام کے ساتھ اس میں موجود ہے۔ہر چند کہ کتاب میں بیسویں صدی پر گفتگو قدرے تشنہ ہے،تاہم اس دور میں نعت گوئی کی روایت پر کام کیا جانا نِسبتاً آسان ہوگا اس لیے کہ بیشتر کلام ہماری دسترس میں ہے۔

پروفیسر اشفاقؔ نے ہندوستان میں اصنام پرستی اور غزل سرائی کی مستحکم روایت کے پس منظر میں نعت گوئی میں خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین فرقِ مراتب کے جو مسائل پیدا ہوتے رہے ہیں، اُن کی نشان دہی کر کے صحیح معنوں میں ایک عظیم اسلامی فریضہ سر انجام دیا ہے۔مشرق میں مذہب وملت کی قید سے ماورا مرد و خواتین شعراًو ادبا ہمیشہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ہدیۂ عقیدت ومحبت پیش کرتے رہے ہیں، تاہم مغربی اہلِ دانش بھی اس سعادت میں پیچھے نہیں رہے ہیں ۔متعدّد عقیدت مندوں نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور خلق عظیم کو خراج پیش کیا ہے ۔مدّاحِ آقائے نامدار ڈاکٹر محمد اقبال کے شعری مجموعہ ’’پیامِ مشرق‘‘ میں ۔جوئے آب،معروف اطالوی شاعر گوئٹے (1834-1749) کی نظم ’’نغمۂ محمدی‘‘ کا ترجمہ اس قدر رقّت آمیز اور وفورِ جذبات کا حامل ہے کہ بیان کرنا مشکل ہے۔

نعت خیر البشر کی زرّیں روایت وتاریخ کے اس بے حد وقیع وموقّر علمی وتحقیقی کارنامہ کی قدر ومنزلت میں امید ہے وقت کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

نئی دہلی

۴/مارچ ۲۰۲۲ء

قاضی عبید الرحمن ہاشمی

# اردو میں نعتیہ شاعری

محقق و مصنف
پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ ناگپوری

نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | اردو میں نعتیہ شاعری |
| | | (تحقیقی مقالہ برائے پی،ایچ ڈی۔ناگپور یونیورسٹی،ناگپور) |
| مصنف | : | پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری |
| ناشر | : | ڈاکٹر سراج احمد قادری،نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا |
| سال اشاعت | : | ۲۰۲۲ء |
| صفحات | : | ۵۳۶ |
| قیمت | : | ۶۰۰ روپے |
| کمپوزنگ | : | عزیز الرحمٰن انصاری،لکھنؤ– 9792913331 |

Naat Research Centre-India

| | |
|---|---|
| Book Name | : **Urdu Mein Naatia Shairi** |
| | (A-research Work for the Degree of Ph.d) |
| | From the Nagpur University-Nagpur (M.S) |
| Written by | :Prof. Dr. Syed Rafeeuddin Ashfaque Nagpuri |
| Pages | :536 |
| Published in | :2022(1st Editoin) |
| Quantity | :600 (Six Hundred Only) |
| Published by | :Dr. Siraj Ahmed Qudri |
| | **Naat Research Centre-India** |
| | Mohlla Banjaria West, Khalilabad |
| | Distt. Sant Kabeer Nagar (U.P) India-272175 |
| | 9415875761,7985754611 |
| | www.naatresearchcenterindia.com |
| | drsiraj123@gmail.com/anees11435@gmail.com |
| Printer | :M.K.Ofset Printers, Delhi |
| Price | :Rs.600 |
| ISBN | :978-81-956005-3-3 |

# انتساب

اپنے برادرعزیز **منصور سلیم احمد ابن فیروز احمد سیفی** (نیویارک)

کے نام

جنہوں نے اس عظیم علمی وادبی کاوش کی نشرواشاعت کا بیڑا اُٹھایا۔
اللہ کریم جلّ مجدہ حضورتاجدارکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل
ان کی اس خدمت جلیلہ کوشرف قبولیت عطافرمائے نیزانہیں اوران
کے اہل خانہ کودارین کی سعادتوں سے شادکام فرمائے۔آمین۔

ڈاکٹرسراج احمد قادری

# فہرست

# ''اردو میں نعتیہ شاعری'' کی پہلی بار ہندوستان سے اشاعت

الحمدللہ ربّ العالمین! نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا آہستہ آہستہ اپنے اغراض ومقاصد کی جانب آگے بڑھ رہا ہے۔اس سے قبل ہم نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا کے زیر اہتمام حسب ذیل کتب (۱) اردو کی اوّلین تخلیق۔ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری (۲) لولاک۔(سیرت پاک پر مبنی ایک طویل نظم)۔چندر بھان خیالؔ (۳) چمنستان نعت (بیسویں صدی کے اردو کے مشاہیر نعت گو شعراء کے کلام کا نمائندہ انتخاب)۔پروفیسر فاروق احمد صدّیقی (۴) صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری (فکری وتنقیدی تناظر)۔ڈاکٹر شمع افروز۔شائع کر چکے ہیں اور یہ پانچویں کاوش لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔

کسی بھی کتاب کی اشاعت سے قبل ہم اس کی عصری افادیت ومعنویت پر سنجیدگی سے غور وخوض کرتے ہیں، باہم مشورے کرتے ہیں، اس کے بعد ہی اس کی اشاعت کا فیصلہ کرتے ہیں۔اب تک ہمارے اس ادارے سے جو بھی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کی عصری معنویت کسی بھی صاحب علم سے مخفی نہیں۔

ہم نے اس تحقیقی مقالے کی نشر واشاعت کا بیڑا کیوں اُٹھایا، ہمیں کیوں محسوس ہوا کہ اس اہم تحقیقی وتنقیدی نگارش کی اشاعت ہندوستان سے بھی ہونا چاہیے۔اس کے پسِ پردہ ایک درد وکرب اور احساس کی شدت ہے جس نے ہمیں مضطرب کیا اور ہم نے اس کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا۔

ایک بار دوران گفتگو میرے برادرِ عزیز ڈاکٹر سراج احمد قادری نے مجھ سے بیان کیا کہ جب وہ ۱۹۹۱ء میں اپنا تحقیقی مقالہ ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری'' قلم

بند کر رہے تھے تو انہیں اس تحقیقی مقالے کی اشد ضرورت تھی اس لیے کہ اس مقالے کو نعتیہ ادب میں بنیادی ماخذ کا درجہ حاصل ہے۔ جس کی دستیابی کے لئے وہ بے حد سرگرداں تھے مگر کہیں سے ان کو یہ مقالہ دستیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ چونکہ اس مقالے کو نعتیہ شاعری کی حوالہ جاتی کتب میں بنیادی ماخذ کا درجہ تو حاصل ہے ہی، اس کی استنادی حیثیت کا یہ عالم ہے کہ نعتیہ شاعری پر کوئی بھی تحقیق یا تحریر اس کے حوالے کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی اسی افادیت واہمیت کے پیشِ نظر انہوں نے اس کی حصول یابی کے لئے اولاً ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ المیہ یہ ہے کہ آج تک یہ کتاب ہندوستان سے شائع نہیں ہو سکی جسکی وجہ سے ہندوستان میں نعت کے موضوع پر کام کرنے والوں کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں اردو اکیڈمی، کراچی، سندھ سے شائع ہوئی تھی جس کی صرف ایک کاپی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے اسی سے میں نے بھی استفادہ کیا تھا، مگر اس کی اہمیت کے پیشِ نظر کوئی نہ کوئی اسکالر اس کو اپنے نام جاری کرائے رہتا ہے، اب اگر آپ اس کے لئے علی گڑھ جائیں تو پہلے ہی کسی ذریعے سے کنفرم کرلیں کہ بر وقت یہ وہاں موجود ہے بھی کہ نہیں، ورنہ آپ کا جانا بے سود ہوگا۔ ان کی یہ بات بالکل معقول تھی۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے مزید بیان کیا کہ ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیلؔ راٹھوی صاحب کے فرمان کے بعد میں اس کی دستیابی کی دوسری سبیلیں تلاش کرنے لگا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سوچا کہ کیوں نہ براہ راست محترم جناب ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ ناگپوری صاحب سے ہی رجوع کروں ممکن ہے کہ ان کے پاس کوئی کاپی ہو یا وہ اور کوئی صورت بتائیں۔ چونکہ اس قت ان کے پاس ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ ناگپوری صاحب کا ایڈریس نہیں تھا مگر وہ دورانِ تحقیق بہت سے اربابِ علم وفضل کے رابطے میں تھے۔ اسی حوالے سے انہوں نے ایک خط پروفیسر ڈاکٹر سید وحید اشرف صاحب سابق صدر شعبۂ اردو، فارسی، مدراس یونیورسٹی، مدراس کو لکھا۔ انہوں نے ان کو اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی کے سابق ڈائریکٹر محترم جناب ڈاکٹر نظام الدین گوریکر صاحب کا ایڈریس فراہم کرایا اور ان سے رجوع کرنے کی ہدایت کی۔ ان کی ہدایت پر ڈاکٹر صاحب نے محترم جناب ڈاکٹر نظام الدین گوریکر صاحب کو خط لکھ کر رجوع کیا، جس کے جواب میں ڈاکٹر نظام الدین گوریکر صاحب

نے ۱۱رمئی ۱۹۹۲ءکوڈاکٹر صاحب کولکھا کہ :

''ڈاکٹر سید وحید اشرف صاحب کاممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے یادفرمایا۔ ذرہ نوازی کے لئے دلی شکریہ۔

ہاں : آپ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق صاحب سے خط وکتابت کیجئے اور میرا حوالہ دیجئے ۔ وہ حتی الامکان مدد کریں گے ۔ یہ ان کا اپنا میدان ہے۔ ان کا پتہ ذیل میں درج ہے:

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق صاحب Dr.Syed Rafiuddin Ashfaque

احباب کالونی Ahbab Colony

ٹکلی پولیس اسٹیشن کی پیچھے Behind Takli Police Station

ناگپور(مہاراشٹرہ) NAGPUR (M.S)

میرے لائق اورکوئی خدمت! دعاوؤں میں یادرکھئے۔اہل خانہ کوسلام ودعائیں۔''

ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے نیز بتایا کہ میں نے فوراً محترم جناب ڈاکٹر نظام الدین گوریکر صاحب کے مذکورہ خط کے حوالے سے محترم جناب ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری صاحب کوایک خط لکھا اوران سے ان کے مذکورہ تحقیقی مقالے کی فراہمی کے بارے میں التماس کیا،تو ڈاکٹر صاحب نے جواب میں تحریرفرمایا(جس کا مفہوم یہ ہے ) کہ میرا یہ مقالہ ہندوستان سے اب تک اشاعت پذیرنہیں ہوسکا ہے میں اس کو ہندوستان سے شائع کرانا چاہ رہا تھا کہ اسی دوران ایک مولانا صاحب میرے پاس آئے اورانہوں نے کہا کہ میں اس کو چھپوانا چاہتا ہوں آپ مجھے مسودہ دے دیں میں اس کو چھپوا دیتا ہوں ۔ میں نے اعتبار کر کے ان کواصل مسودہ اس امید پہ دے دیا کہ شاید کہ چھپوا دیں، مگرانہوں نے نہ تو چھپوایا اور نہ ہی اصل مسودہ ہی مجھے واپس کیا۔ ہاں اردو اکیڈمی ،کراچی سندھ نے ۱۹۷۶ء میں اس کوطبع کرایا تھا آپ میرے حوالے سے ان کولکھیں ممکن ہے کہ وہ آپ کو بھیج دیں۔

ڈ اکٹر سراج احمد قادری صاحب نے فوراً ہی ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری صاحب کے خط کی فوٹو کاپی کرا کرایک التجایہ خط اردو اکیڈمی ،کراچی سندھ کے ڈائریکٹر کو رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کیا، اس خط کو پانے کے بعد ڈائریکٹر صاحب نے انہیں اس کی ایک کاپی رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کردی۔اس طرح یہ گراں مایہ علمی وادبی تحفہ ان کودستیاب ہوسکا۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کے اس بیان نے مجھے تڑپا دیا اور میں ایک لمحے کے لئے اس فکر میں ڈوب گیا کہ اسی طرح نعت کے موضوع پر کام کرنے والے دیگر اسکالروں کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہوگا جس کے پیشِ نظر ہم نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا۔ مستزاد یہ کہ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ ناگپوری صاحب کی دیرینہ خواہش کی تکمیل بھی ہو جائے گی، کاش کہ ڈاکٹر صاحب باحیات ہوتے اور اپنی دیرینہ آرزو کو پایہ تکمیل تک پہونچتے ہوئے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے ملاحظہ فرماتے ،مگر ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ کاوش ان کی روح کو ضرور سکون وطمانیت کا ساماں فراہم کرے گی ، نیز اس کی اشاعت کے بعد ہندوستان میں نعتیہ ادب پر کام کرنے والے اسکالروں کے لئے آسانیاں ہوجائیں گی۔ان شاءاللہ تعالیٰ۔

ناانصافی ہوگی اگر ہم محترم جناب پروفیسر سعد اللہ صاحب ( جل گاؤں ، بلڈانہ، مہاراشٹر ) کا شکریہ نہ ادا کریں اس لئے کہ جب ہم نے اس تحقیقی مقالے کی اشاعت کا عزم کیا تو سب سے پہلے انہیں سے مشورہ کیا اور ان سے اس کتاب پر پیش لفظ لکھنے کی گذارش بھی کی۔ ڈاکٹر صاحب کی بے حد و بے کراں نوازش کہ انہوں نے ہمارے اس قدم کی پذیرائی کرتے ہوئے پیش لفظ لکھنے پر آمادگی کا اظہار فرمایا۔ نیز مزید کرم گستری کہ کچھ ہی دنوں بعد ایک مختصر مگر جامع پیش لفظ تحریر فرما کر ارسال بھی کر دیا۔ہم نے پیش لفظ کے لئے ڈاکٹر صاحب کا ہی انتخاب کیوں کیا ؟ ہم ملک و بیرون ملک کے کسی بھی دانشور سے اس پر پیش لفظ لکھوا سکتے تھے ۔اس سوال کے جواب میں ہم یہ وثوق سے کہ سکتے ہیں کہ محترم جناب پروفیسر سعد اللہ صاحب کا انتخاب ہم نے اس لئے کیا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کے بہت قریب رہے ہیں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے روز شب یعنی علمی ،ادبی ،معاشرتی اور تہذیبی مشاغل کو بہت قریب سے ملاحظہ کیا تھا،ایسی صورت میں ہماری دانست میں ان سے بہتر اور معلوماتی پیش لفظ اور کوئی نہیں لکھ سکتا تھا اسی لئے ہم نے ان کا انتخاب کیا۔اب جب کہ یہ مقالہ اشاعت کے لیے پریس جارہا ہے ہمیں نہایت ہی دکھ کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔عبدالعظیم رحمانی ملکاپوری ڈاکٹر صاحب کی علمی وادبی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

’’ڈاکٹر محمد سعد اللہ ۱۹۲۹ء کو جلگاؤں جامود میں پیدا ہوئے ۔ایم۔اے ( اردو، فارسی ) ناگپور یونیورسٹی سے دوران ملازمت کیا۔ابتدا میں جلگاؤں میونسپل کمیٹی اردو مڈل

اسکول میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ربانیہ امیریہ اردو ہائی اسکول، ملکاپور میں ٹیچر رہے بعد ازاں جلگاؤں کے ایس کے کالج میں اردو کے لیکچرار مقرر ہوئے اور ۱۹۸۹ء میں بطور ریڈر اِن اردو، فارسی اسی کالج سے سبک دوش ہوئے۔ مختلف یونیورسٹیوں میں بحیثیت ایگزامنر اور گائڈ خدمات انجام دیں۔ امراوتی یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیز کے رکن رہے۔ یوک بھارتی، پونے کی نصابی کتب کے بورڈ ممبر رہے۔ آپ کی ادبی خدمات، تحقیق اور ادب نوازی نصف صدی پر مشتمل ہے۔ آپ نے ملک کے مشہور ادبی اور تعلیمی مراکز میں سیمینار میں مقالے پڑھے اور کانفرنسز میں شرکت کی۔ آپ کی رہبری میں ۰۷/ سے زائد طلبہ نے Phd (ڈاکٹریٹ) حاصل کی۔

آپ کی Phd کا مقالہ شہر آشوب ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ اپنے وطن جلگاؤں میں سعد ریسرچ انسٹیٹیوٹ قائم کیا۔ آپ کی لائبریری میں ۱۰۰۰۰ ہزار سے زائد کتابیں موجود ہیں۔ ایم فل، پی، ایچ، ڈی ڈیز رٹیشن کے سیکڑوں طلبہ اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔

آج مورخہ ۱۷/ نومبر ۲۰۲۱ء یہ چراغ اپنے حصے کی روشنی بکھیر کر گُل ہو گیا۔‘‘

اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی جاہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا ہے کہ ان کی بخشش و مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کو اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

ہم اپنے کرم نواز محترم جناب پروفیسر عبد الحق صاحب سابق صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی اور پروفیسر قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی، سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ یونیورسٹی، نئی دہلی کے صمیم قلب سے مشکور وممنون ہیں کہ انہوں نے ہماری خواہش کا احترام کرتے ہوئے بیک کور اور فلیپ کے لیے ایک وقیع اور خوبصورت تحریر سے نواز کر ہماری ہمت افزائی فرمائی۔

**فیروز احمد سیفی**

فاؤنڈر ر ڈائریکٹر نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا

نیو یارک

۳۱/ مارچ ۲۰۲۲ء

# اردو میں نعتیہ شاعری پر پہلی تحقیق

## از۔ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ (ناگپور)

امت مسلمہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور اہم ذات رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔ ہر مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقیدت، احترام اور محبت موجود ہے اور اُن پر درود وسلام اور ان سے اظہار محبت اور ان کی مدح مروج عمل ہے۔ شعرائے کرام بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت اور ان کی مدح اپنے اشعار میں کرتے ہیں۔ شاعری میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اظہار محبت وعقیدت اور ان کی مدح صنف نعت کہلاتی ہے۔ یہ موضوع کے لحاظ سے صنف ہے اور کسی بھی شعری ہیئت میں کہی جاسکتی ہے۔ تاریخی لحاظ سے نعت گوئی کا آغاز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوران حیات میں ہی عربی زبان میں ہو گیا تھا۔ عربی میں کئی نعت گو شعراء ہوئے ہیں۔ اس کے بعد یہ صنف فارسی ترکی میں مروج ہوئی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد، بود و باش وحکومت کے قیام کے بعد یہاں اردو زبان پیدا ہوئی۔ دہلی شمالی ہند دکن، گجرات۔ آخری مغلوں کے عہد میں، عہد برطانیہ میں، اور عہد آزادی میں یہ برصغیر کے مختلف علاقوں میں مختلف شکلوں میں مروج رہی۔ اس زبان میں شاعری کا آغاز ہوا تو شعراء نے دیگر اصناف سخن کے ساتھ نعت گوئی کو بھی اپنایا اور ابتدا تا ایں دم بے شمار شعراء نے نعتیہ شاعری کی۔ نتیجۃً اردو میں نعتیہ شاعری کا ایک گنج گراں مایہ مہیا ہو گیا ہے۔

اردو میں ادبی تحقیق (ریسرچ) کا عمل شروع ہوا تو آزادی تک اردو نعتیہ شاعری کی روایت کے تحقیقی وتنقیدی جائزے پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ آزادی کے بعد ناگپور کے پروفیسر سید رفیع الدین اشفاقؔ کو اس کا احساس ہوا اور انہوں نے اس موضوع پر

تحقیق کاارادہ کرلیا۔

سید رفیع الدین اشفاقؔ برار کے ضلع امراوتی کی ایک بستی تلے گاؤں دسا سر کے رہنے والے ہیں۔ وہ ۱۴/ جنوری ۱۹۱۸ء کو پیدا ہوئے۔ہائی اسکول کی تعلیم انجمن ہائی اسکول، کھام گاؤں (ضلع بلڈانہ، برار) میں حاصل کی۔علی گڑھ گئے عربی سے ایم۔اے کیا۔ بی۔ٹی ایچ کی ڈگری حاصل کی۔ناگپور کے مورس کالج (Morris College) موجودہ نام (وسنت راؤ گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، ناگپور) (Vasant Rao Naik Government Institute of Arts & Social Sciences Nagpur) میں عربی کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ناگپور یونیورسٹی سے ارد، وفارسی میں ایم۔اے کیا۔عربی، فارسی اردو شعبوں کے مشترک ہیڈ بھی رہے۔ ۱۹۷۷ء میں مدت ملازمت پوری کر کے سبک دوش ہوئے۔ناگپور کے مختلف مذہبی،علمی،ادبی، سیاسی،، معاشرتی فلاحی کاموں میں مصروف رہے۔ ۲۷/نومبر ۲۰۱۷ءکووفات پائی۔ناگپور میں مدفون ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین مرحوم اردو میں نعتیہ شاعری پر ریسرچ کر کے ڈگری حاصل کرنے والے پہلے اسکالر ہیں اوران کا مقالہ اس موضوع پر پہلا تحقیقی کام ہے۔یہ مقالہ انہوں نے ۱۹۵۳ء کے آس پاس رجسٹرڈ کرایا تھا ان کے نگراں اس زمانے میں ناگپورامراوتی میں موجود مشہورادیب، محقق ونقاد واستاد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں تھے۔مقالہ تیار ہونے پر ڈاکٹر صاحب نے اسے حیدرآباد میں اردو ٹائپ رائٹر پر ٹائپ کروایا تھا اور جلد بندی کروائی تھی۔ ڈاکٹر رفیع الدین کے تعلقات اس زمانے کے کئی اہل علم وادب سے تھے۔ڈاکٹر صاحب کے پروفیسر عبد القادر سروری سے گہرے روابط تھے۔گمان غالب ہے کہ انہوں نے ہی اس مقالے کی ٹائپنگ وجلد بندی کا اہتمام کروایا ہوگا۔اشفاقؔ صاحب نے ۱۹۵۵ء میں یہ مقالہ یونیورسٹی میں پیش کیا اور ۱۹۵۶ء میں پی۔ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔وہ اس یونیورسٹی کے پہلے اردو پی۔ایچ ڈی بھی ہیں۔

راقم کی ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم سے پہلی ملاقات ۱۹۶۵ء میں ہوئی جب یہاں کالج قائم ہوا اور اس میں اردو فارسی شعبہ قائم کرنے کی تجویز ہوئی اوراس کے لئے یونیورسٹی نے انکوائری کمیٹی بھیجی جس میں اشفاقؔ صاحب اردو فارسی کے لئے تھے۔وہ مجھ سے بڑی شفقت

سے ملے ہمت افزائی کی ،شعبوں کی منظوری دی ،میرے نام کی سفارش کی اوراس طرح میں کالج کی سروس میں داخل ہوگیا۔ کالج اور یونیورسٹی کے کاموں کے سلسلے میں مجھے ناگپور جانا پڑتا تھا۔ رفیع الدین مرحوم نے مجھے وہاں کے اساتذہ ڈاکٹر خواجہ محمد حامد، پروفیسر منشاء الرحمٰن منشا اور کالج و یونیورسٹی کے کئی افراد سے ملوایا۔ مجھے یونیورسٹی میں ممبر شپ ،اکزامنر شپ ملی۔ میں ممبر، چیئر مین بورڈ آف اسٹڈیز ان اردو وغیرہ بنا۔ فارسی ایم۔اے کیا۔ پی۔ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ریسرچ گائڈ بنا۔۱۹۸۴ء میں امراوتی یونیورسٹی کے قیام کے بعد میرا کالج اس یونیورسٹی سے ملحق ہوا تو اس طرف آ گیا۔ اس تمام عرصہ میں جب بھی ناگپور گیا حضرت سے ملاقات کا شرف و رہنمائی حاصل کرتا رہا۔

ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی کام کا علم تو مجھے تھا لیکن ان کا مقالہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ اس کی پاکستان میں اشاعت ہوئی لیکن وہ کتاب بھی دستیاب نہ ہوسکی۔ کچھ عرصہ قبل ڈاکٹر سید رفیع الدین مرحوم کے تھیسس کی ایک ٹائپ شدہ (کاربدن) تیسری کاپی دیکھنے کو ملی ہے۔ یہ فل اسکیپ سائز کے کاغذات پر ٹائپ کی ہوئی ہے۔ ایک صفحہ پر ہی ٹائپ ہے پشت پر نہیں۔ حیدر آباد میں (یمذ گئن) اردو ٹائپ رائٹر پر اسے ٹائپ کیا گیا ہے۔ کاغذ تھوڑا زردی مائل ہو گیا ہے۔ ۳۰ کے قریب سطور ٹائپ ہیں اس ٹائپ میں نون غنہ نہیں ہے۔ ٹائپ بڑی صفائی اور فنکاری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اغلاط بہت کم ہیں۔ اس کاپی پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے قلم سے حک و اضافہ کیا ہے۔ کچھ عربی عبارات اور فارسی عربی اشعار کے ترجمے بھی لکھے ہیں۔ درمیان میں کچھ صفحات ہاتھ سے لکھے بھی لگائے گئے ہیں۔ ٹائٹل پر گائڈ کا نام نہیں ہے۔ ایک جگہ اسے تھرڈ کاپی بتایا گیا ہے۔ دیباچہ مختصر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اردو میں نعتیہ شاعری پر ریسرچ نہ ہونے کا ذکر کر کے اپنی ریسرچ کی کوششوں، مشکلات وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ عنوان مقالہ نستعلیق میں لکھ کر لگایا گیا ہے۔ بہت خوبصورت ہے۔ مقالہ نو ابواب اور ایک خلاصہ پر مشتمل ہے۔ باب اوّل نعت کی تعریف و ماخذات پر مشتمل ہے۔ باب دوم میں اردو نعتیہ شاعری کے ماخذات (عربی فارسی) پر ہے۔ باب سوم اردو میں نعتیہ شاعری پر ہے۔ اس میں دکنی نعتیہ شاعری کا جائزہ ہے۔ باب چہارم قدماء کے حوالے پر ہے۔ باب پنجم نظیرؔ اکبر آبادی پر ہے۔ باب ششم میں متوسطین دور کے شعراء کی نعتوں کا جائزہ ہے۔ باب ہفتم متاخرین کی نعتیہ

شاعری کا جائزہ ہے۔ باب ہشتم جدید دور کے شعراء کی نعتیہ شاعری کا جائزہ ہے۔ باب نہم میں دور حاضر کے شعراء ہیں اور پھر مقالے کا خلاصہ ہے۔ آخر میں فہرست ماخذات ہے اس میں ۱۵۵ / کتب و رسائل ہیں۔

یہ اردو نعتیہ شاعری کا تفصیلی جائزہ ہے۔ زبان و بیان، معلومات، جائزے ہر لحاظ سے بلند پایہ ہے۔

**پروفیسر ڈاکٹر محمد سعداللہ**
سابق صدر شعبہ اردو۔ ایس. کے. کے. شری پد کرشنا کولہٹکر، مہاودیالیہ
جل گاؤں (ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر)

# دیباچہ

اُردو میں نعت گوئی ایک ایسا موضوع ہے جو اربابِ علم و ادب کی توجہ سے تا حال محروم رہا ہے۔ یوں تو مذہبی شاعری کے ضمن میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے لیکن اُردو شاعری میں اس کی عظمت کا بیان کسی کے قلم سے پیش نہیں کیا گیا۔

تذکروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اندازہ کماحقہٗ اب تک نہیں ہوا کہ اردو ادب کا یہ باب اس قدر مہتم بالشان اور درخشاں ہے۔

میں نے اپنی اس تحقیق کے سلسلے میں عربی فارسی اور ترکی کی نعتیہ ادب کی بھی چھان بین کی ہے تا کہ اسلامی ادب میں نعتیہ شاعری کے فروغ کا اندازہ ہو سکے۔ ترکی زبان میں کم اور عربی و فارسی میں نعتیہ ادب کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن اس کو تنقیدی نظر سے پرکھنے کی تا حال کوشش نہیں کی گئی اور نہ تاریخ ادب میں اس کی حیثیت کو اجاگر کیا گیا۔ زکی مبارک مصری نے عربی زبان میں صوفیانہ شاعری کے ضمن میں ''المدائح النبویہ'' کو بھی شامل کیا ہے لیکن اس میں عربی کے چند ممتاز نعت گو شعراء کے تذکرے کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ فارسی میں بھی نعت گوئی کے متعلق کوئی تصنیف منظر عام پر نہیں آئی۔ اس لحاظ سے یہ مقالہ نہ صرف اردو ادب میں بلکہ اسلامی ادب میں پہلی اور نادر کوشش ہے جو اس صورت میں ہدیۂ ناظرین ہے۔

یہ مقالہ جہاں اُردو کے نعت گو شعراء کا تذکرہ ہے وہاں اردو شاعری کے مختلف ادوار میں نعت گوئی کی تاریخ بھی ہے اور اسلامی ادب میں نعت کی اصل، اس کی اہمیت اور اس کے آغاز و ارتقاء کا بیان بھی ہے۔ اس میں قرآن اور حدیث کے نعتیہ مضامین کو مختصراً بیان کر کے عربی فارسی اور اردو نعت کو تقابلی صورت میں بھی اجمالاً پیش کیا گیا ہے۔ نیز نعت پر عجمی اثرات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس مقالے میں شعراء کی طبقہ واری تقسیم ادوار کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ دبستانی تقسیم کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ ساتھ ہی ہر دور کے شعراء کے کلام پر تبصرے سے پہلے اس دور کی عام خصوصیات کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ اُردو شاعری کے روز آفرینش سے دورِ حاضر تک کی نعتیہ شاعری کا جائزہ ہے۔ اس میں صرف اُن شعراء کو شامل کیا گیا ہے جو نعت گوئی میں مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور جنہوں نے اس کی طرف خاصی توجہ کی ورنہ یوں تو نعتیہ اشعار تقریباً ہر چھوٹے بڑے شاعر کے کلام میں لازماً پائے جاتے ہیں۔ اس مقالے میں اردو ادب کے مشہور شعراء کے علاوہ کئی شعراء ایسے بھی ہیں جن کا ذکر ادبی تذکروں اور تواریخ میں نہیں ملتا، گو ان کی حیثیت نعت گوئی میں مستقل اور ممتاز ہے۔ ان کا مقام ادبی حیثیت سے کیا ہے، اس کا جواب ان کے کلام پر تبصرہ میں ملے گا۔

شعراء کے حالات پیش کرنے میں زیادہ تر اختصار سے کام لیا گیا ہے اور جہاں بھی زندگی کے حالات درج ہیں ان کا تعلق عموماً شاعر کے نعتیہ رجحانات سے رکھا گیا ہے۔ جن شعراء کے کلام پر بحث کی گئی ہے ان کی تصانیف کا گہرا مطالعہ کیا گیا۔ کلام پر تبصرے کے ساتھ نمونۂ کلام اس قدر ضرور پیش کیا گیا ہے کہ کلام کی قدر و قیمت کا اندازہ ان نمونے کے اشعار سے بخوبی ہو جائے۔ اس تبصرے کے ساتھ دیگر ناقدین کی رائے کو بھی جا بجا شامل کر کے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس وجہ سے تبصرہ اکثر طویل ہو گیا ہے۔ جن شعراء کا کلام شائع نہیں ہوا ان کے قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا گیا۔ چنانچہ جو قلمی نسخے اس سلسلہ میں نظر سے گزرے ان کی تفصیل فہرست ماخذ میں درج ہے۔ اس کے علاوہ وہ تمام تذکرہ جات، تواریخ، دواوین، تنقیدات اور دیگر کتابیں جو اس مقالے کی تیاری میں پیشِ نظر رہی ہیں، ان کے نام فہرست میں شامل ہیں۔

سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری

# فہرست مطالب

## باب اوّل



## باب دوم

ابتدائی دور کے نعت گو شعراء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کیئے۔ نعت اور منقبت میں تعلق۔ الکمیت۔ دعبل۔ الشریف الرضی اور مہیار کی منقبتِ اہلبیت کا نعتیہ پہلو۔ بردۃ البوصیری اور اس کے اثرات نعتیہ ادب پر۔

فارسی نعت: ابوسعید ابوالخیر کا نعتیہ کلام۔ فریدالدین عطار۔ نظامی۔ خاقانی۔ مولانا رومی۔ شیخ سعدی۔ شیرازی۔ امیر خسرو۔ جامی۔ عرفی۔ قدسی۔ اقبال۔ فارسی نعت کا اثر اردو نعتیہ شاعری پر۔

اُردو نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کا اثر: اسلامی ادب پر عجمی اثرات۔ ہندوستان میں اصنام پرستی کے عقائد اور تصوف کے زیر اثر مسلمانوں کے عقائد پر ان کا اثر۔ مہابھارت اور رامائن میں دیوتاؤں کی مدح سے متعلق مضامین اور اردو نعتیہ مضامین سے ان کی مماثلت یا مشابہت۔ بھگتی تحریک اور اس کے اثرات، مسلمانوں کے عقائد پر۔ اللہ کی صفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کرنے کی طرف عام رجحان۔ فوق العادت قصوں سے لگاؤ۔ لہٰذا معراج کے بیان کا مرغوب خاطر ہونا۔ اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی منقبت میں بھی شعراء کی عقیدت مندی کا غیر اسلامی اظہار۔ ہندوستانی شاعری کی خصوصیات نعتیہ شاعری میں۔ عورت کی زبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا اظہار۔ ہندوستانی ماحول کا نقشہ نعتیہ ادب میں۔ نعت میں ہندوستان کی مذہبی اصطلاحوں اور ہندی الفاظ اور ترکیبوں کا بلا تکلف استعمال۔

## باب سوم

اُردو نعت گوئی: آغاز۔ قدیم دور کے اردو نعت گو شعراء۔ حضرت سید محمد حسینی۔ سید محمد اکبر حسینی۔ نظامی۔ صدرالدین۔ عبدالملک بہروچی۔ سلطان محمد قلی قطب کی نعتیہ شاعری۔ مُلا وجہی۔ غواصی۔ صنعتی۔ ابن نشاطی۔ نصرتی۔ سید بلاقی۔ طبعی۔ مختار۔ قدرتی۔ فتاحی۔ قصہ ہرن کا۔ باز وفاختہ۔ قصیدۂ معجزہ۔ قصیدۂ معجزہ (جنونی) نور نامہ۔ وفات نامہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (دریا) وفات نامہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (امامی)۔ شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم (عبدالحمد ترین) ولی۔

# باب چہارم

# قدماء کا دَور

## اس دَور کی خصوصیات:

سِراؔج اورنگ آبادی، حالات۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

سوؔدا، مختصر حالاتِ زندگی۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

نوازش علی شیدؔا، حالات۔ مثنوی اعجاز احمد پر تبصرہ۔ نمونۂ کلام۔

مولانا باقر آگاؔہ، حالات و واقعات۔ اُردو نعتیہ ادب میں آگاؔہ کی نعتیہ مثنوی ''ہشت بہشت'' کی اہمیت۔

مثنوی کے آٹھ رسالے اور ان کے مضامین۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

# باب پنجم

نظیؔر اکبر آبادی، حالات۔ نعتیہ کلام کا نمونہ۔ تبصرہ۔

# باب ششم

# متوسِّطین کا دَور

## اس دَور کی خصوصیات:

مولوی کرامت علی شہیدؔی، مختصر سوانح حیات۔ شہیدؔی سے متعلق گلشن بے خار میں نواب شیفتہؔ کی رائے۔ نعتیہ قصیدے۔

شہیدؔی کی مشہور نعتیہ غزل پر تبصرہ۔ نعتیہ کلام کی خصوصیات۔

حکیم مومن خاں مومؔن: حالات۔ اس دَور کے نعت گو شعراء میں مومن کی خصوصیات نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

راجہ مکھن لال مکھؔن: حالات۔ مکھن کے مجموعۂ کلام کے قلمی نسخہ موجودہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد پر تبصرہ۔ نمونۂ کلام۔

لطف علی خاں لطفؔ: حالات و واقعات۔ تذکرۂ مہر جہاں تاب میں لطفؔ کی نعتیہ شاعری کا ذکر۔ نعت گو شعراء میں لطفؔ کی خصوصیت،''دیوانش بتمامہا در نعت'' کلام پر رائے۔

نواب اختر محل اخترؔ: مختصر حالات۔ کلام پر عبدالباری آسی کی رائے۔ نمونۂ کلام۔

مولوی غلام امام شہیدؔ: سوانح حیات۔ شہیدؔ کی تصانیف۔ نعت گو شعراء میں ان کا مرتبہ۔ نعتیہ شاعری میں شہیدؔ کا اجتہادی رنگ۔ کلام پر رائے۔

منشی شنکر لال ساقیؔ: حالات۔ کلام پر رائے اور نمونۂ کلام۔

# باب ہفتم

# متاخرین کا دور

اس دَور کی خصوصیات پر عمومی تبصرہ۔ متاخرین نعت گو شعراء۔

امیرؔ مینائی: حالات اور واقعات۔ نعتیہ شاعری کی طرف امیرؔ کا میلان طبع۔ صنم خانۂ عشق میں نعتیہ اشعار۔ نعتیہ کلام کا مجموعہ۔ محامد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔ نعتیہ قصائد پر تبصرہ۔ نعتیہ غزلیں۔ کلام کی والہانہ کیفیت۔ بے قراری اور نیاز مندی کے مضامین۔ شوق زیارت۔ نعتیہ اشعار کا ڈرامائی انداز۔ امیرؔ کی مشہور و مقبول نعتیہ غزلیں۔

محسن کاکوروی: حالات زندگی۔ نعت گوئی کی طرف فطری رجحانات۔ کلام پر عبدالسلام ندوی اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی رایوں میں تضاد اور ان کا تجزیہ۔ نعت گو شعراء میں محسنؔ کی انفرادیت۔ کلام میں صداقت۔ خلوص۔ محبت اور وارفتگی۔ لفظی صناعی میں الفاظ کے انتخاب کا اعجاز، تشبیہوں اور استعاروں کی ندرت اور لطافت۔ حسن تعلیل کی مسلسل اور حسین صورتیں۔ تخیل کی بلندی اور رعایت لفظی کی حیرت انگیز پابندی۔ قرآن اور احادیث کے مضامین کا دلآویز شاعرانہ بیان۔

محسنؔ کی قصیدہ گوئی: ''قصیدہ مدیح خیر المرسلین'' کی تشبیب کے محاسن و معائب۔ محسنؔ کے نعتیہ کلام میں ہندوستانی عنصر۔ محسنؔ مثنوی نگار کی حیثیت سے۔ نعتیہ غزل کا نمونہ۔ نعتیہ رباعیاں۔ کہیں کہیں رعایت لفظی میں غلو اور کلام کی ناہمواری۔

شائق حیدر آبادی: حالات۔ نعتیہ بیان میں تغزل کا غلبہ۔ زبان کی سادگی سلاست اور

روانی۔ بیقراری اور وارفتگی کے مضامین۔ نعت میں ہندوستانی عنصر۔ نعتیہ ٹھمریاں۔کلام کی بعض ناہمواریاں۔

محوؔ ابوالعلائی: مختصر سوانح حیات۔کلام پر رائے۔نمونۂ کلام۔

## باب ہشتم

# دَورِ جدید اور اس عصر کے دیگر شعراء

اس دور کی خصوصیات: سنہ ۱۸۵۷ء کے رستا خیز بیجا کے عام احساس کی بیداری۔ادب میں حقیقت پسندی کا دور دورہ، تاریخی، سیاسی، اخلاقی اور نیچرل مضامین کی طرف رجحان۔ نعت میں اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں کا بیان۔دورِ جدید کا اثر دورِ حاضر پر۔

مولانا حالیؔ: زندگی کے حالات اور واقعات۔حالیؔ کی شاعری کے ارتقائی مدارج۔ان کے نعتیہ قصیدے۔ مدح غائبانہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق۔ فیوض و برکات وغیرہ کا ذکر۔حالیؔ کی نظر میں زندگی کی شیرازہ بندی کی صورت۔اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں۔حالیؔ کی نعت گوئی کے متعلق مولانا سلیمان ندوی کی رائے۔نعت میں سیاسی، تاریخی اور اخلاقی مضامین۔بیان کی سادگی اور زبان کی صفائی۔مسدس حالی کے نعتیہ بندوں کے متعلق نواب صدر یار جنگ بہادر حبیب الرحمٰن شروانی کی رائے۔نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف کا بیان۔اسلوب کی ندرت اور مضامین کی صداقت۔کلام میں خلوص، محبت، درد اور تڑپ۔حالیؔ کی نعتیہ شاعری کے اثرات اقبال اور دیگر شعراء کے کلام پر۔

مولانا شبلی نعمانی: حالات و واقعات۔تصانیف۔نعتیہ شاعری کا رنگ۔سیرت نگاری۔ اخلاقی اور تاریخی مضامین کا بیان۔کلام کا مؤثر انداز۔شبلی کی نعتیہ شاعری پر ان کے سیاسی طرز فکر کا اثر۔نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اوّلین اصلاح امت۔ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین۔حقیقی اوصاف کا بیان۔خاتمہ بالخیر۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی: حالات۔مولانا کے نعتیہ کلام میں مشکل پسندی کے نمونے۔ سنگلاخ زمینوں میں نعتیہ اشعار۔مولانا کا تبحر علمی۔محاورات کی کثرت۔نعتیہ

قصیدوں کی خصوصیات۔علم ہیئت اور نجوم کی اصطلاحات کا استعمال۔مترنم بحریں۔ شگفتہ مضامین۔لطیف استعارات اور بدیع تلمیحات۔ جذبات نگاری اور عقیدت مندی۔کلام کی نمایاں خصوصیات۔نعتیہ غزلوں اور قصیدوں کی عام مقبولیت۔

نظم طباطبائی: سوانح حیات۔نعتیہ شاعری کی اصلاح میں نظم کا حصہ۔نعتیہ قصائد۔نعت میں تاریخی اور اخلاقی مضامین۔نمونۂ کلام۔تبصرہ۔

حمزہ: حالات و واقعات۔حمزؔہ کی نعت گوئی۔سوز و گداز۔مشکل زمینوں پر اچھے مضامین، قصیدوں میں واعظانہ رنگ۔عوام میں حمزؔہ کے نعتیہ کلام کی مقبولیت۔نعت میں ہندوستانی عنصر۔حمزؔہ کی نعتیہ ٹھمریاں۔

محمد مظفر الدین معلؔی: زندگی کے حالات۔معلؔی کے کلام پر مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کی رائے اور جلیلؔ کے قطعے۔نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق معلؔی کا خواب۔نمونہ کلام۔تبصرہ۔

# باب نہم

# دَورِ حاضر

دَورِ حاضر کی خصوصیات: دَورِ حاضر دَورِ جدید کی حسین ترین صورت۔موجودہ دور میں مسلمانوں کی اصلاح کی تحریکیں اور ان میں نعتیہ شاعری کا حصہ۔اس دَور کے شعراء کا سنجیدہ انداز۔زبان کی صفائی اور ترکیبوں کی خوش آہنگی۔نعتیہ شاعری کا حکیمانہ اور مصلحانہ رنگ۔

عزؔیز لکھنوی: سوانح حیات۔عزؔیز کے نعتیہ قصائد اور ان کی خصوصیات عقیدت مندی اور خلوص۔الفاظ کے حسن انتخاب اور ترکیبوں کی خوش آہنگی سے تقدس کی فضا۔طرزِ ادا کی ندرت۔زبان کی صفائی اور سلاست۔مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حسن و عشق کے مکالمے کی حسین صورتیں۔کلام میں رنگ تغزل کا غلبہ۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جمالی شان سے زیادہ جلالی شان کا بیان۔مترنم بحریں۔کہیں کہیں بعید از فہم معنویت اور مذہبی تلمیحات کی دشواری۔

علامہ اقبال: حالات۔اقبالؔ کی تعلیمات کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شاعر کا عشق۔کلام میں حکمت آفرینی۔فلسفۂ خودی کی وضاحت

میں شانِ مصطفائی کا بیان۔نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نیا اور نرالا انداز۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال وجلال کے بیان کی دلآ ویز صورتیں۔

مولانا ظفر علی خاں: سوانح حیات۔تصنیفات۔مولانا کی شاعری میں ان کی زندگی کے تاثرات۔ان کے نعتیہ کلام کے متعلق شورش کاشمیری کی رائے۔نعت میں حقیقی اوصاف کا بیان۔قرآن اور حدیث کے مضامین۔حالی کی نعت گوئی کا اثر مولانا ظفر علی خاں کے نعتیہ کلام پر۔نعتیہ کلام میں سیاسی رنگ کا غلبہ۔شاعر کی نظر میں حقیقتِ احدیت اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ذرہ نوازی کے مضامین۔تصدق اور جانثاری کے جذبات۔کلام کی اثر آفرینی۔ نعتیہ کلام کی مقبولیت۔

سید امجد حسین امجد حیدرآبادی: حالات وواقعات۔تصانیف۔شعر اور شاعری کے متعلق امجد کا نظریہ۔امجد کی نعتیہ شاعری۔حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین کی کثرت۔شیفتگی، بیقراری اور جذب وشوق کی فراوانی کلام کا حکیمانہ اور متصوفانہ رنگ۔عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رشک کے مضامین۔تشبیہوں اور استعاروں کی سادگی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے مضامین میں قرآنی مضامین۔امجد کی نعتیہ شاعری میں ہندوستانی عنصر۔

مہاراجہ کشن پرشاد شاد: زندگی کے مختصر حالات۔شاد کی نعت گوئی کے متعلق اختر مینائی کی رائے۔نمونۂ کلام۔تبصرہ۔

سید افضل شاہ خان طوفان: حالات۔کلام پر رائے۔نعتیہ کلام میں تغزل کی کارفرمائی۔حسن تعلیل کی اچھی مثالیں۔حقیقی جذبات کی ترجمانی۔ سنگلاخ زمینوں میں اچھے مضامین۔کلام میں بعض مقامات پر سقم۔

محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت: سوانح حیات۔ تصانیف۔ حسرت کا خیال اپنی شعر گوئی کے متعلق۔نعت میں عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان۔خلوص ومحبت کی ترجمانی۔ حقیقی اوصاف۔ کلام میں مولانا کے تبحر علمی اور تصوف سے لگاؤ کا جابجا ثبوت۔ حسرت کی نعتیہ ٹھمریاں۔

نواب فصاحت جنگ جلیلؔ: حالاتِ زندگی۔ جلیلؔ کا نعتیہ کلام اوراس کی خصوصیات۔ رنگ تغزل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بے خودی، شیفتگی اور بے قراری کے مضامین۔ زبان کی سلاست، روانی اور سادگی۔ طرزِ ادا کی ندرت اور محاورہ بندی کی دلآویزی۔ ترنم ریز بحریں۔ جذبات کے اظہار میں بارگاہ رسالت کے آداب کا لحاظ اور سلجھے ہوئے انداز میں حقیقی اوصاف کا بیان۔

اکبرؔ میرٹھی: مختصر حالات۔ تصانیف۔ میلادِ اکبر کی شہرت اور مقبولیت نعتیہ اشعار میں قرآنی مضامین اور قرآنی قوافی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوص اور عقیدت کا والہانہ انداز۔ کلام کی استادانہ فنی خوبیاں۔ حسنِ تعلیل کے محاسن۔ تبحر علمی کا جابجا ثبوت۔ زبان کی سلاست وروانی اور بندش کی چُستی وصفائی۔

دلورام کوثری: حالات وواقعات۔ کلام پر رائے۔ نمونۂ کلام۔

سید محمد ہادی ہادیؔ: حالات وواقعات۔ ہادیؔ کی نعت گوئی پر صفیؔ لکھنوی کی رائے۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

زاہدہ خاتون: حالات۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

الیاس برنی: حالات۔ اپنی شاعری کے متعلق برنیؔ صاحب کی رائے۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

حفیظ جالندھری: مختصر حالات اور واقعات۔ جدید نعتیہ شاعری کا اثر حفیظؔ کے کلام پر۔ حفیظ کی عظمت کا دار و مدار شاہنامۂ اسلام پر۔ نعتیہ ادب میں شاہ نامہ کا درجہ۔ نعت گوئی کے لوازم اور کلام میں ان کی پابندی کا حیرت انگیز التزام۔ حفیظؔ کی مشکلات تاریخ اور سیرت نگار کی حیثیت سے۔ نعتیہ کلام کی خصوصیات۔ اثر آفرینی۔ بیان کی ڈرامائی کیفیت۔ حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ وصفِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن اور حدیث کے مضامین کا شاعرانہ بیان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلالی اور جمالی دونوں پہلوؤں کا حسین نقشہ۔ صاف اور واضح تشبیہیں۔ لطیف استعارے۔ سادہ زبان۔ دلآویز انداز بیان۔ واقعات کی پُرعظمت سادگی میں تخیل کی حسین رنگینی۔

بہزادؔ لکھنوی: بہزادؔ کے خودنوشت حالاتِ زندگی، نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

ماہر القادری: ماہرؔ کے خودنوشت حالات۔ ماحول اور تربیت کا اثر ان کی نعتیہ شاعری پر۔ اپنی نعت گوئی پر ماہرؔ کا تبصرہ۔ ماہرؔ کی نعتیہ شاعری کا اصلاحی رنگ اور حکیمانہ انداز۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش کرنے میں تبلیغی مقصد۔ اس لئے اخلاقی مضامین کا بیان تاریخ کی روشنی میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء میں قرآنی اوصاف کا بیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تصدق کے جذبات کی جاندار اور موثر ترجمانی۔ والہانہ جذب وشوق کے اظہار میں بارگاہ رسالت کے آداب کا انتہائی لحاظ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان میں تصوف کی زبان کے استعمال سے پرہیز۔ زبان سادہ اور الفاظ وترکیبیں خوش آہنگ۔ بیان شگفتہ۔ بحریں اکثر مترنم۔

نور جہاں نورؔ: مختصر حالات۔ تبصرہ۔ نمونۂ کلام۔

انیسہ شروانیہ: حالاتِ زندگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الفت اور محبت کے مضامین نعت میں رنگ تغزل کی فراوانی۔ فراقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بے قراری کا اظہار۔ کلام میں سوز وگداز۔ بیان میں سادگی۔ زبان سادہ اور صاف۔ داخلی جذبات کے اظہار کے ساتھ اوصاف کا بیان۔

عرش ملسیانی: عرشؔ کے خودنوشت حالاتِ زندگی۔ تصانیف۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔

رسول جہاں بیگم بیدل: حالات۔ بیدلؔ کی نعت گوئی کا مصلحانہ انداز۔ وصفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن اور حدیث کے مضامین۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوص اور محبت کا مودبانہ اظہار۔ نعت میں قومی شاعری کا رنگ۔ عورتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا ذکر۔

حمید لکھنوی: حمیدؔ کی زندگی کے خودنوشت حالات وواقعات۔ کلام پر حضرت جگرؔ مرادآبادی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور حضرت امجدؔ حیدرآبادی کی رائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شاعر کا خلوص ومحبت اور اس کی والہانہ ترجمانی۔ وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن وجمال کا نشاط انگیز نقشہ۔ جوش تمنا اور وفور شوق کا انداز تغزل۔ ہر جگہ جذب وشوق کا نیازمندانہ اظہار۔ انتہائی بے خودی

اور سرمستی کے عالم میں بھی بارگاہ نبوت کے آداب کا ہر لحظہ لحاظ۔ زبان شیریں۔
بیان صاف اور شگفتہ۔ انداز عاشقانہ۔ دلآویز ترکیبیں۔ مترنم بحریں۔

نوشابہ خاتون: حالات۔ نمونۂ کلام۔ کلام پر رائے۔

تہنیت النساء بیگم صاحبہ: حالات وواقعات۔ نمونۂ کلام۔ تبصرہ۔ مقالے کا خلاصہ

# باب اوّل

## (الف) نعت کی تعریف

**"النعت وصف الشئی بما فیه من حسن ماله الجلیل ولا یقال فی المذموم الا یتکلف متکلف فیقول نعت سوء۔ فاما الوصف فیقال فیهما ای فی المحمود والمذموم۔"[۱]**

(الحافظ ابو موسیٰ)

یعنی نعت وصف محمود کو کہیں گے۔ اگر بتکلف اس میں وصف مذموم کا مفہوم پیدا کرنا ہو تو ''نعت سوء'' سے اسے ظاہر کریں گے۔ نعت جب وصف محمود ہے تو وصف کیا ہے؟ وصف کے معنی ہیں کشف اور اظہار۔ شاعرانہ اصطلاح میں وصف کسی چیز کے عوارض اور اس کی خصوصیات کو نمایاں کرنے کو کہتے ہیں۔

## میر معزی

جاوید ہمیں باش بایں نعت و بایں وصف — پاکیزہ باخلاق و پسندیدہ بہ افعال
وصفش ہمہ تقدیس ز پیوند و ز فرزند — نعتش ہمہ تنزیہہ ز امثال و ز اقران

ابن قدامہ کے نزدیک ''بہترین وصف شعار شاعر وہ ہے جو اپنے شعر میں ان اوصاف کے اکثر حصے لائے جن سے موصوف مرکب ہے۔ اس کے بعد وہ اوصاف اس قسم کے ہوں جو موصوف میں زیادہ نمایاں ہیں اور اس کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتے ہیں۔[۲]

---

[۱] جامع الترمذی۔ مطبوعہ مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۱۷ھ صفحہ-۵۲۸-حاشیہ-۳

[۲] شعر الہند حصہ دوم، صفحہ-۳۸۹ (مولانا عبد السلام ندوی) مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ

ابن رشیق نے جو وصف کی تعریف کی ہے وہ نہایت بلیغ اور جامع ہے۔

"**ابلغ الوصف ما قلب السمع بصرا۔**" بلیغ ترین وصف (بیانی) وہ ہے جو کان کو آنکھ بنادے۔

نعت کے معنی یوں تو وصف کے ہیں لیکن ہمارے ادب میں اس کا استعمال مجازاً صرف حضرت رسول کریم سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصف محمود وثناء کے لئے ہوا ہے جس کا تعلق دینی احساس اور عقیدت مندی سے ہے۔ لہٰذا اسے خالص دینی اور اسلامی ادب میں شمار کیا جائے گا۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں نعت کے لفظ کا پہلے پہل استعمال

نعت کا لفظ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے غالباً اسلامی ادب میں اس معنی میں اس کا استعمال پہلی دفعہ کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے بجائے واصف کے ناعت استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

**من رآه بديهةً هابه۔ و من خالطه معرفةً احبّه يقول ناعته لم ار قبله و لا بعده مثله صلى الله عليه وسلم۔**
(شمائل ترمذی، صفحہ-۵۶۷)

آپ پر یکا یک جس کی نظر پڑتی ہے ہیبت کھاتا ہے۔ جو آپ سے تعلقات بڑھاتا ہے، محبت کرتا ہے۔ آپ کا وصف کرنے والا یہی کہتا ہے کہ آپ سے پہلے نہ آپ کے جیسا دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے جیسا دیکھا۔[1]

## (ب) مضامین نعت کے ماخذ: (۱) قرآن۔ (۲) حدیث

### (۱) قرآن

قرآن مجید جس طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اسی طرح وہ اسلامی ادب کی بھی پہلی کتاب ہے، اس میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے مضامین ملتے ہیں۔ حقیقت

---

[1] جامع الترمذی۔ صفحہ-۵۶۷

تو یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ''خلقہ القرآن'' کہہ کر ساری کتاب آسمانی کو نعت کے موضوع سے متعلق کر دیا۔اس پر تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں صرف ان اوصاف کا ذکر کیا جائے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اوصاف کی بنیاد ہیں مثلاً عبدیت۔ رسالت۔محبوبیت۔ بنی آدم علیہ السلام سے آپ کی رافت و رحمت۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت وغیرہ۔

## (۱) عبدیت:

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت عبدیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ شرف کی زیادت صرف وصف عبدیت کے کمال پر منحصر ہے۔ رشتۂ عبدیت جس قدر قوی ہوتا جائے گا اسی قدر شرف بھی بڑھتا جائے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی کمال ہے جس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق میں یکتا ہیں۔محبوبیت میں یکتا ہیں اور مقام محمود آپ کو حاصل ہے۔

عبدیت کی صفت پر جو قرآن مجید نے اس قدر زور دیا ہے اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بندگان حق کی عظمت سے مسئلہ میں فہم انسانی نے اکثر دھوکا کھایا ہے اور عبد کو معبود کا درجہ دے دیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام نیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہم کے باب میں مخلوق اسی کج فہمی کا شکار ہوئی لیکن قرآنی تعلیم کی شان ہے کہ باوجود معجزات اور خوارق عادات کی کثرت کے اور گوناگوں فضائل کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو کسی نے اس وصف سے متہم نہیں کیا گو یہ امر بھی مسلّم ہے کہ آپ کی ذات سے آپ کی اُمت کی الفت و محبت جو والہانہ کیفیت رکھتی ہے وہ کسی اور نبی علیہ السلام کی اُمت کو نصیب نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی اس عبدیت ہی پر افتخار فرمایا۔معراج کے بیان میں یہ نکتہ پوری وضاحت سے سامنے آتا ہے کہ کمال رفعت صرف اس بناء پر تھا کہ اس سعادت کی ساعت میں جو خطاب آپ کو رب کی طرف سے عطا کیا گیا وہ یہی ''عبد'' ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا۔
(سورہ بنی اسرائیل-۱۵/۱)

(ترجمہ: وہ پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تا کہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے)

## (۲) رسالت

لَقَدْ جَاءكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ۔ (سورہ توبہ-۱۱/ ۱۲۸)

ترجمہ: آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا۔ شاق ہے اس پر جس سے تم کو تکلیف پہنچے۔ حریص ہے تمہاری بھلائی پر ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا رسول صلی اللہ علیہ وسلم آیا کہ جسے تم خود جانتے ہو۔ اس کی منزلت کو پہچانتے ہو۔ اس کے صدق کا یقین رکھتے ہو اور اس کے امین ہونے پر خود شاہد ہو۔ اگر ہم ''انفسکم'' کے فاء کو بالفتح پڑھیں جیسا کہ بعض نے پڑھا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تم میں اشرف ترین، بلند ترین اور افضل ترین ہے۔ آپ کے وصف میں یہ مدح انتہائی ہے جو کسی کی کی جا سکتی ہے۔ ''حریص'' فرما کر خداوند تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رافت و رحمت کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کو اللہ کی مخلوق کے ساتھ تھی۔ یہ ثناء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بکثرت کی گئی ہے کہ دنیا کو گمراہی میں دیکھ کر مضطرف قلب ہمیشہ پیچ و تاب کھاتا رہا کہ کاش دنیا اس رشد و ہدایت کی دولت سے محروم نہ رہتی جسے پروردگار عالم نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔ بالمومنین ''رؤف الرحیم'' کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں سے دو صفات بخشی ہیں۔ آپ کے یہ اوصاف ایک جگہ نہیں کئی جگہ بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً

لَقَدْ مَنَّ اللّهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ۔
(سورہ آل عمران-۴/۱۶۴)

ترجمہ: اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہیں میں کا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّیْنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔
(سورۃ الجمعہ-۲/۲۸)

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم انہی میں کا۔

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ۔
(سورۃ البقرۃ-۲/۱۵۱)

ترجمہ: جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم ہی میں کا۔

جعفر بن محمد نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اپنی مخلوق کے عجز سے خوب واقف تھا جو انہیں اللہ کی اطاعت میں لاحق ہوتا لہٰذا اس نے ایک ایسا سفیر بھیجا جو مخلوق ہی کی جنس سے تھا اور اسے رافت ورحمت کی صفات سے نوازا۔ اور اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔

مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ۔ (سورۃ النساء-۵/۸۰)

ترجمہ: جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا۔

## (۳) رحمۃ للعالمین:

اس کے ساتھ آپ کو جمال رحمت سے زینت بخشی چنانچہ آپ کا وجود رحمت ہے۔ آپ کی تمام صفات رحمت ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔
(سورۃ الانبیاء-۱۷/۱۰۷)

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

حتیٰ کہ آپ کی زندگی اور آپ کا عالم برزخ میں منتقل ہوجانا دونوں رحمت ہیں آپ نے خود ارشاد فرمایا: حَيَاتِىْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ مَمَاتِىْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَام اذا اراد اللّٰه رحمة بامة قبض نبيها قبلها فجعله لها فرطاً و سلفا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا رحمت عالم بن کر جلوہ گر ہونا صرف آدم علیہ السلام کی اولاد ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ جن وانس اور تمام مخلوق کے لئے ہے۔ جہاں مومنین کے لئے آپ چشمۂ ہدایت ہیں تو منافقین کے لئے بھی امان ہیں اور کافرین کے لئے تاخیر عذاب کا باعث بن کر رحمت ہیں۔ جن وانس کے علاوہ کائنات کے لئے اس طور پر رحمت ہیں کہ بزم ہستی کی آراستگی اس رحمت سے ہے کہ آپ ہی ساری کائنات کے وجود کا حاصل ہیں۔

## (۴) نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم:

زندگی کی تاریکیوں کو روشن کرنے والی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے نور سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ صفت بھی اللہ ہی کی ہے۔ جو اس نے اپنے بندے کو بخشی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۔

ترجمہ: اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی، مثال اس کی روشنی کی۔ جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ۔

(سورۃ النور: ۱۸/ ۳۵)

کعب بن جبیر نے کہا کہ یہاں نور ثانی سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مثل نور سے مراد نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ دیگر مقامات پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِيْن۔ (سورۃ المائدہ-۶/ ۱۴)

ترجمہ بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔

یٰأیها النبی إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيْراً۔ وَدَاعِيَاً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيْراً۔

ترجمہ: اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا (گواہ) اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ۔

(سورۃ الاحزاب: ۲۲/ ۴۵، ۴۶)

## (۵) محبوبیت صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ امر بھی بکثرت ثابت ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کو خداوند تعالیٰ نے ان کے ناموں سے خطاب فرمایا ہے مثلاً یا آدم۔ یا نوح۔ یا ابراہیم۔ یا داؤد۔ یا زکریا۔ یا یحییٰ۔ یا عیسیٰ۔ یا موسیٰ۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ خصوصیت ہے کہ آپ کو آپ کے نام کے ساتھ خطاب کرنے کے بجائے **یا ایها الرسول۔ یا ایها النبی۔ یا ایها المزمل۔ یا ایها المدثر۔** وغیرہ سے خطاب فرمایا ہے

جو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کی قدر و منزلت اور آپ کی محبوبیت خالق کائنات کی نظر میں نہایت بلند و ارفع ہے اور آپ بارگاہ حق کے پیارے بندے ہیں۔ اس لئے خطاب بھی انہی الفاظ میں کیا گیا جن سے شان محبوبیت پوری طرح نمایاں ہوتی ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب بھی طرح طرح سے کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا مقبول اور ہر انداز محبوب ہے۔ قسمیں بھی کھائی جا رہی ہیں تو اس پاکیزہ زندگی کی۔ **لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْن**۔ (سورۃ الحجر: ۱۴/ آیت ۷۲)

اہل تفسیر کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدتِ حیات کی قسم کھائی ہے یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے تیری حیات کی۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سوائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے کسی اور نبی کی رسالت کی قسم نہیں کھائی۔ **(قال النقاص)**

## (٦) عطائے الٰہی:

عہدۂ رسالت سے سرفرازی اور رحمۃ للعالمین کی بخشش اور عطائے نور کے ساتھ ظرف کی بے پایاں وسعت کے لئے جو سامان کئے گئے ہیں اس کی تفصیل ذیل میں ہے۔

**اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ۔ الَّذِيْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔**
(سورۃ الانشراح: ۳۰)

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ اور اتار رکھا ہم نے تجھ پر سے بوجھ تیرا جس نے جھکا دی تھی پیٹھ تیری اور بلند کیا ہم نے ذکر تیرا۔

حضرت سہل نے فرمایا: ''شرحہ بنور الرسالۃ''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شرحہ بالاسلام اور الحسن کا قول ہے کہ: ''ملاء حکماً وعلماً''۔ گویا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک نور رسالت کے لیے کھول دیا۔ اسلام کے لئے کھول دیا اور علم و حکمت سے بھر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو کائنات میں بلند کیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قلب کو ایمان اور ہدایت کے لئے کھول دیا اور قلب میں وسعت دی کہ علوم کو سمجھیں اور امور حکمت کے متحمل ہوں نیز امور جاہلیت کے

بوجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھالیا۔

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو دنیا اور آخرت دونوں میں بلند فرمایا۔اس کی حقیقت ہر خاص وعام پر ظاہر ہے کہ جہاں ہر کلمہ گو آپ کا نام لیوا ہے وہاں عالم ملکوت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کا ورد جاری ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً۔ (سورۃ الاحزاب:٢٢/٥٦)

ترجمہ: اللہ اور اس کے فرشتے ''درود'' بھیجتے ہیں رسول پر ایمان والو ''درود'' بھیجو اس پر اور سلام بھیجو۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ مربوط فرمایا وہاں آپ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ شامل فرمایا ہے۔

أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ أَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔

(ترجمہ: اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر)

نبوت کے عہدہ پر فائز کر کے خداوند تعالیٰ نے جن صفات سے متصف فرمایا ان کا بیان یہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيْراً۔ وَدَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيْراً۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ تک آپ کی رسالت پہنچا کر آپ کو شاہد مقرر کیا اور اہل طاعت کے لئے مبشر یعنی خوشخبری دینے والا بنایا۔ساتھ ہی اہل معصیت کے لئے نذیر یعنی ڈرانے والا مقرر کیا۔اور توحید ورسالت کی طرف داعی بنا کر بھیجا۔نیز راہ کی تاریکی کو روشنی بخشنے کی خاطر سراجاً منیرا بنایا۔

قال اللہ تعالیٰ:

| | |
|---|---|
| وَالضُّحٰی۔ وَاللَّیْلِ إِذَا سَجَی۔ مَـــا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَـــا قَـلٰـی۔ وَلَلْآخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَی۔ وَلَسَـــوْفَ یُـعْـطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضَی۔ (سورۃ الضحیٰ:۳۰) | قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے تمھیں تمھارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ بیزار ہوا البتہ آخرت کی زندگی پہلی زندگی سے بہتر ہے اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا۔ |

اس سورۃ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت وعظمت حسبِ ذیل وجوہ کی بناء پر ہے۔

اوّل یہ کہ خداوند تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کی خبر دینے سے پہلے قسم کھائی ہے والضحیٰ یعنی ورب الضحیٰ۔

دوسرے یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے، فرمایا "مَـا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَـا قَلٰی۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تجھے چھوڑا اور نہ بیزار ہوا یا یہ کہ "**ما اهملك بعد ان اصطفاك**" مقام اصطفا عطا کیا ہے اور مصطفیٰ بنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیسری بزرگی "وَلَـلْـآخِـرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَی۔" بتائی۔ یعنی الطاف وعنایت کرامت اور بزرگی جو آپ کے لئے آخرت میں مقرر ہے وہ اس دنیا کے اکرام سے بہتر ہے۔

سہل نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جو مقام محمود اور شفاعت کا اکرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آخرت میں رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ جو اس دنیا میں عطا کیا گیا ہے۔

چہارم یہ کہ "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضَی۔"

فرما کر گویا گوناگوں انعامات کرامت اور سعادت کے اکرام کا اظہار ہے جو دنیا اور آخرت میں آپ کے شامل حال ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ راضی کرے گا دنیا میں کامیابی سے اور آخرت میں ثواب سے (**بـالـفـلـج ای الفوز فی الدنیا و فی الثواب فی الآخره**)

نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کو حوض اور شفاعت عطا فرمائے گا۔

پنجم یہ کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی نعمتیں گنائی ہیں کہ کس کس حال سے اللہ تعالیٰ نے درجات کی بلندی عطا فرمائی۔ ہر حال کو ایک امتیازی شان بخشی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال نہ تھا مال عطا فرمایا ''قلب میں عنایت ودیعت کر کے غنی بنایا۔'' یتیمی کے زمانے میں دادا اور چچا کی محبت کی آغوش میں پالا اور نہایت عزت و اکرام سے خبر گیری کی۔ اللہ تعالیٰ کی یہ لطف کی نظر اس وقت بھی رہی جب معرفت الٰہی کی منزل دُور تھی۔

قال تعالیٰ:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى. مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى. وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى. عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوَى. ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى. وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى. ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى. فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى. فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى. مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى.
(سورۃ النجم: ۲۷/ ۱ تا ۱۰)

قسم ہے تارے کی جب گرے بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا اس کو سکھلایا مضبوط قوت والے نے پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان برابر یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا نہ غلطی کی دل نے جو اس نے دیکھا۔

ان آیات فضیلت میں کئی امور بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قسم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر، خواہشات سے پاکی پر، نیز پیام کی صداقت پر شہادت دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور فعل وحی الٰہی کے تابع ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فضیلت کا ذکر فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی اور بندے کو نصیب نہ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بڑی شان دیکھی۔ عجائب الملکوت کا مشاہدہ فرمایا۔ "فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى" میں ایجاز کا بلیغ ترین نمونہ ہے اور اس کنایہ کا تعلیمی پہلو بھی واضح ہے۔

"لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى" میں تفصیل وحی اور تعین آیات کبریٰ سے فہم

عاجز ہے۔قلب کی پاکیز گی "مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَی" سے واضح ہے۔زبان پر الطاف تقدس کے نزول کو "وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوَی" کہہ کر بیان کیا ہے۔

کائنات کو دیدۂ بینا بخشنے والی آنکھ کی کیفیت "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" کہہ کر بیان کی ہے کہ جس میں بارگاہ قدس کی تجلیاں بسی ہوئی ہیں۔

قال تعالیٰ:

| | |
|---|---|
| ن وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُونَ۔ مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ۔ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَیْرَ مَمْنُونٍ۔ وَإِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ (سورہ القلم: ۲۹/ ۱ تا ۴) | قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں تو نہیں اپنے رب کے فضل سے دیوانہ اور تیرے واسطے بدلہ ہے بے انتہا اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر۔ |

قسم کے بعد حسن خطاب "مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ" سے فرمایا۔ "وَإِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَیْرَ مَمْنُونٍ" میں ان نوازشوں اور ثواب دائم کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے رکھا ہے۔ "إِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" کی تفسیر میں خلقہ القرآن۔ الاسلام۔ الطبع الکریم کہا گیا ہے۔ نیز یہ کہ "لَیْسَ لَكَ ھِبَةٌ اِلَّا لِلّٰہِ تَعَالٰی" اب وہ آیت درج کی جاتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے پایاں جذبۂ عبادت کا اظہار کیا گیا ہے اور آپ کو اس میں مبالغہ سے روکا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| مَا أَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی۔ (سورہ طٰہٰ: ۱۶/ آیت: ۲) | ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو تکلیف میں پڑے۔ |

جب اللہ اپنے بندے کو قریب کرتا ہے تو غیریت کے سارے پردے اٹھا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی زبان اس کی اپنی زبان نہیں رہتی بلکہ منزل بن کر بارگاہ اقدس سے رشتہ جوڑ لیتی ہے۔ "وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوَی إِنْ ھُوَ إِلَّا وَحْیٌ یُوحٰی" سے یہ حقیقت ظاہر کی جا چکی ہے۔

دوسرے یہ کہ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ" (تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے) اور "یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ أَیْدِیْھِمْ" (اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے) سے بھی یہ مضمون واضح ہے۔ "مَا رَمَیْتَ اِذَا رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" بھی اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔

ساقئ کوثر کے لئے عطائے الٰہی کی یہ بھی صورتیں ہیں:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ۔ (سورۃ الکوثر:۳۰) — بیشک ہم نے دی تجھ کو کوثر سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر بیشک جو دشمن ہے تیرا وہی رہ گیا پیچھا کٹا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ۔ (سورہ الحجر:۱۴/ ۸۷) — اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں اور قرآن بڑے درجہ کا۔

وَأَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً۔ (سورہ النساء:۱۱۳/۵) — اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔

فضل عظیم سے نبوت مراد لی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ فضیلت ہے جو ازل میں آپ کو بخشی گئی۔ نیز الواسطی نے احتمال رویت الٰہی کو بڑا افضل قرار دیا ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی محروم رہے۔

## (۷) بنی نوع انسان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رافت ورحمت

بنی نوع انسان کی گمراہی اور زندگی کے خسارے کو دیکھ کر رحمۃ للعالمین کا پیچ و تاب، اضطراب، تاسف اور افسوس ذیل کی آیت کریمہ سے واضح ہو جائے گا۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلٰى آثَارِهِمْ اِنْ لَمْ يُوْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفاً۔ (سورہ کہف:۱۵/ ۶) — سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچھتا پچھتا کر۔

## (۸) فضیلت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لِمَا اٰتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَّ حِكْمَةٍ۔ (سورہ آل عمران:۳/ ۸۱) — اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتب اور علم۔

مفسرین نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے میثاق وحی کے ذریعے لیا کہ اگر وہ آپ کا زمانہ پائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔ نیز اس حقیقت کو اپنی امت پر ظاہر کریں گے۔

| | |
|---|---|
| تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ (سورہ بقرہ:۳/۲۵۳) | یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے۔ |

درجات کی رفعت سے مراد رسولِ کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسود واحمر کے لئے مبعوث ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے "كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً" فرما کر آپ کی فضیلت میں میثاق انبیاء۔ نبوت۔ رسالت۔ خلت ومحبت۔ رویت وقربت۔ اصطفیٰ واسراء۔ وحی۔ شفاعت۔ وسیلہ۔ درجہ رفیعہ۔ مقام محمود۔ براق۔ معراج۔ بعثۃ الی الاسود و الاحمر۔ سیادت۔ امانت۔ ہدایت۔ رحمت عالم۔ کوثر۔ شرح صدر۔ رفع ذکر۔ نصرت وامانت الٰہی۔ سکینہ۔ تائید ملائک۔ علم وحکمت سبعا من المثانی والقرآن العظیم۔ صلوٰۃ الٰہی و ملائک وغیرہ وغیرہ کو شامل فرما دیا۔ پھر جبلت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں کمالِ خلقت۔ جمال صورت۔ قوت عقل۔ صحت فہم۔ فصاحت زبان۔ قوت حواس۔ قوت اعضاء۔ اعتدال۔ حرکات وسکنات۔ شرف قوم و نسب بھی اللہ کے فضل ہی کا نتیجہ ہیں۔ آپ کے خلق عظیم میں بھی اللہ کا فضل آپ کے علم۔ حلم۔ وقار۔ بصیرت۔ عدل۔ زہد۔ تواضع۔ عفو۔ عفت۔ جود وسخا۔ شجاعت۔ مروت۔ شرم وحیا۔ رافت ورحمت۔ حسن ادب۔ حسن معاشرت سے ظاہر ہے۔

اتنے اخلاق کریمہ کا ایک انسان میں بدرجہ کمال جمع ہو جانا کمال بشریت کے انتہائی مقام کو ظاہر کرتا ہے جس کے بیان میں نعت گو شعراء نے بہتر سے بہتر الفاظ کو بھی عظمت کے صحیح اظہار کے لئے تہی داماں پایا۔ زیادہ سے زیادہ تخیل نے پرواز کی بھی تو یہ کہہ کر رہ گئے کہ:

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لیکن اس سے بھی منعوت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مقام متعین نہ ہو سکا اور آخر اپنے عجز کے اعتراف میں کہنا پڑا کہ:

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

## (۲) حدیث

قرآنِ کریم کے بعد مستند طور پر جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ملتا ہے ان میں سب سے بڑا ذخیرہ حدیث کا ہے۔ بہت سی احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور نعت ملتی ہے۔ سیرت وشمائل کی تمام حدیثیں اس میں داخل ہیں۔ یہاں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ احادیث ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدیث نعمت اور نفس واقعہ بیان کرنے کے لئے ایسے الفاظ بیان فرمائے ہیں جن سے نعت کا پہلو بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل احادیث بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

**قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان اللّٰه اصطفیٰ من ولد ابراهیم اسماعیل و اصطفٰی من بنی اسماعیل کنانة و اصطفیٰ من بنی کنانة قریشا و اصطفیٰ من قریش بنی هاشم و اصطفانی من بنی هاشم۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو اور بنی کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔

**قال الامام الترمذی رحمة اللّٰه علیه هذا حدیث حسن صحیح۔**

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ [۱]

(ابواب المناقب ترمذی صفحہ-۵۱۹-جلد-۲/۱)

**(۲) وفی روایة عن الترمذی باسناده عن العباس بن عبدالمطلب قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فانا خیرهم نفسا و خیرهم بیتا۔**

ترمذی نے اپنی سند سے عباس بن عبدالمطلب سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"بس میں ان سب میں ذات اور خاندان کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں۔

(ترمذی۔ صفحہ-۵۱۹۔ جلد-۲)

**(۳) عن انس بن مالك قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انا اول الناس خروجا اذا بعثوا و انا**

(قیامت کے روز) لوگ جب اٹھائے جائیں گے تو میں پہلا شخص ہوں گا (جو قبر سے اٹھے گا) اور جب وفد بنا کر پیش کریں گے تو میں ان کی ترجمانی کرنے والا ہوں

---

[۱] ترمذی کے جتنے حوالے درج ہیں وہ ترمذی مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ سنہ ۱۳۱۶ء سے منقول ہیں۔

خطبيهم اذا وفدوا و انا مبشرهم اذا ايسوا لواء الحمد يومئذ بيدی و انا اكرم ولد بنی آدم علی ربی و لا فخر۔

گا۔ اور میں ان کو بشارت دوں گا جب کہ وہ ناامید ہوں گے۔ اس دن میرے قبضے میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور میں اپنے پروردگار کے نزدیک اولادآدم میں سب سے زیادہ عزت یافتہ ہوں گا۔ لیکن (یہ بطور) فخر نہیں ہے۔

(ترمذی۔ صفحہ۔ ۵۱۹۔ جلد۔ ۲)

(۴) عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا كان يوم القيامة كنت امام النبيين و خطيبهم و صاحب شفاعتهم غير فخر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو میں انبیاء کا امام اور ان کا خطیب اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ لیکن (اس پر مجھے) فخر نہیں ہے۔

(ترمذی۔ صفحہ۔ ۵۲۰/ جلد۔ ۲)

(۵) انا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر و بيدی لواء لحمد و لا فخر و ما من نبی يومئذ آدم فمن سواء الا تحت لوائی۔

میں قیامت کے روز بنی آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا اور میرے قبضہ میں لواء حمد ہوگا اور اس روز ہر نبی، آدم ہوں یا اور کوئی، ہر ایک میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا لیکن مجھے (اس پر) فخر نہیں ہے۔

(۶) فی حديث طويل قال النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم و انا حبيب اللّٰہ و لا فخر و انا حامل لواء الحمد يوم القيامة ولا فخر و انا اول شافع و اول مشفع و لا

ایک طویل حدیث کے مضمون کے بعض اجزاء ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں اللہ کا حبیب ہوں اور روزِ قیامت لواء حمد کا علمبردار ہوں اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اور میں تمام

فخر...... و انا اکرم الاولین والآخرین ولا فخر۔

اوّل آخر لوگوں میں سب سے زیادہ بزرگ اور عزت یافتہ ہوں۔لیکن فخرنہیں ہے۔

(ترمذی۔صفحہ-۵۱۹/ جلد-۲)

## (۲)احادیث کی دوسری قسم

دوسری قسم کی وہ احادیث ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے متعلق تعریفی جملے بیان کئے ہیں۔اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ۔اوصاف۔سیرت اور کردار۔رفتار و گفتار۔معاشرت۔تعلقات اور معاملات آپ کی نشست و برخاست،غرض زندگی کے ہر شعبہ اور ہر گوشے کے متعلق مدحیہ اور نعتیہ جملےنقل ہیں مثلاً۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کی ابتداء ہی میں باب بدءالوحی کے عنوان کے تحت درج کی ہے۔اس حدیث میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حسب ذیل تعریفی جملے آپ کے متعلق کہے ہیں۔

(۱)فقالت خدیجة کلا واللّٰه ما یخزیك اللّٰه ابدا۔ انك تصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضعیف و تعین علیٰ نوائب الحق۔[۱]

پھر خدیجہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہرگز نہیں۔اللہ کی قسم آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلہ رحمی کرتے اور بوجھ اٹھاتے اور محتاج کی مدد فرماتے اور مہمان نوازی فرماتے ہیں۔

(۲)حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے اخلاق حسنہ اور سراپا کو نقل کرتے ہوئے فرمایا:

وھو خاتم النبیین اجود الناس صدر اصدق الناس لھجة والینھم عریکة اواکرمھم عشیرة۔

(شمائل ترمذی۔صفحہ-۵۶۸)

اور آپ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم،سخاوت میں سب سے زیادہ سخی،گفتگو میں سب سے زیادہ سچے،طبیعت میں سب سے زیادہ نرم اور کنبے و خاندان کے لحاظ سے شریف ترین تھے۔

---

[۱] بخاری باب بدءالوحی صفحہ-۳ مطبوعہ عثمانیہ مصری سنہ ۱۹۳۲ء

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گفتگو کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

(۳)(عن عائشة قالت) ماكان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يسود سود كم هذا و لكنه كان يتكلم بكلام بينه فصل يحفظه من جلس اليه هذا حديث حسن صحيح۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح جلد جلد گفتگو نہ فرماتے جس طور پر کہ تم کرتے ہو۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو صاف ہوتی اور الفاظ ایک دوسرے سے جدا ہوتے۔ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا اسے آپ کا کلام یاد ہو جاتا۔

(ترمذی۔ابواب المناقب۔صفحہ-۵۲۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گفتگو کرنے کی تعریف کی ہے۔امام ترمذی نے ابواب المناقب میں درج کیا ہے۔

(۴)عن انس بن مالك قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعيد الكلمة ثلاثاً لتعقل عنه۔

(ترمذی۔ابواب المناقب۔۵۲۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (گفتگو کرتے وقت) لفظ کو تین تین بار دُہراتے تھے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے (اچھی طرح) سمجھ لیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جسے امام بخاری نے باب بدءالوحی میں ذکر کیا ہے۔اس طویل حدیث کا نعتیہ مضمون مندرجہ ذیل ہے۔

(۵)فلرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اجود بالخير من الريح المرسلة۔

آپ تیز رو ہوا سے زیادہ تیز سخاوت کرنے والے تھے۔

(باب بدءالوحی بخاری مصری۔جلد-۱،صفحہ-۴)

غرض کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور ثناء میں کثرت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی نہ کوئی قول یا لفظ منقول ہے۔اور ہر طبقے کے صحابیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعریف کے سلسلے میں آپ کے اخلاق ۔آ داب ۔معاشرت ۔سیرت ۔کردار ۔گفتار ۔رفتار کی تعریف اور توصیف کی ہے۔

یوں تو حدیث کی ہر کتاب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہے لیکن امام ترمذی نے اپنی کتاب سنن ترمذی میں دوسری کتب حدیث کی طرح ابواب مناقب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث کا ایک چھوٹا سا مجموعہ الگ مرتب کیا ہے جسے شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے موسوم کیا ہے۔اس کتاب میں ۵۶ عنوانات کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ تعریف وتوصیف نقل کی ہے۔ان میں سے چند عنوانات نمونۃً دیئے جاتے ہیں:-

۱- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا کا بیان (اس میں اخلاق حسنہ کا بیان کیا ہے)۔

۲- مہرِ نبوت کا بیان۔

۳- بالوں کا بیان۔اوران میں کنگھی کرنے کا بیان۔

۴- بال سفید ہونے کا ذکر۔

۵- خضاب کا ذکر۔

۶- زرہ۔تلوار۔خود کا بیان۔

۷- عمامہ۔تہ بند۔لباس کا بیان۔

۸- کھانے کا طریقہ۔روٹی۔سالن کا بیان۔

۹- وضو۔ بات چیت۔ میوہ جات کا استعمال۔ پانی پینے کی کیفیت۔عطر۔ نیند۔ مذاق۔ عبادت اوراس کی تفصیل کا بیان۔

۱۰- تواضع ۔اخلاق ۔حیاء۔اسمائے مبارک۔بسر اوقات۔

ان عنوانات میں سے بعض کو ملا کر لکھا گیا ہے لیکن اصل کتاب میں الگ الگ ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر احادیث میں اس طور پر بھی آنحضرت صلی اللہ علے ہ وسلم کی تعریف اور توصیف پائی جاتی ہے۔

۱- احادیث قدسیہ میں حضرت حق جل مجدہٗ کے کلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف۔

۲- انبیاء سابقین کے کلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف۔

۳- ملائکہ کے کلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء وغیرہ۔

## مخالفین اور مشرکین کی تعریف

نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء کی ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی مخالفت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس قول کی تائید حسب ذیل واقعات میں ملتی ہے۔

۱- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے وقت جناب ابوطالب کا خطبہ۔

۲- حجر اسود نصب کرتے وقت آپ کو کفار مکہ کا حکم بنانا۔

۳- فتح مکہ کے وقت کفار کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تعریفی جملے کہنا۔

۴- قیصر روم کے دربار میں حضرت سفیان کی شہادت وغیرہ وغیرہ۔

## (ج) نعتیہ شاعری بحیثیت نوعِ سخن

ہمارے ادب میں شاعری کی تقسیم زیادہ تر بحر۔ وزن۔ قافیہ۔ ردیف وغیرہ کے لحاظ سے کی گئی ہے اور نتیجتاً اصناف شاعری کو قصیدہ۔ غزل۔ مثنوی اور اسی قبیل کے دیگر اصناف تک ہی محدود رکھا گیا ہے جس میں مضمون اور معنی کا لحاظ کم پایا جاتا ہے حالانکہ شاعری کا یہ پہلو زیادہ توجہ طلب ہے۔ جن محققین نے اس کی تقسیم ادبی حیثیت سے کی ہے۔ انہوں نے اس کے دیگر اصناف پر بھی روشنی ڈالی ہے جو بحر۔ وزن۔ قافیہ۔ ردیف وغیرہ میں مروجہ اصناف شاعری سے الگ نہیں ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اس معنوی تقسیم کے لئے ضروری ہے کہ ادب کو مختلف حیثیتوں سے سمجھا جائے اور اس کے متعلق محققین نے جو رائیں پیش کی ہیں انہیں بھی نظر میں رکھا جائے۔

ثعالبی نے ادب کو بارہ شاخوں میں تقسیم کیا ہے جن میں صرف۔ نحو۔ اشتقاق۔ لغت۔ قافیہ۔ عروض۔ معانی و بیان کو اصول قرار دیا ہے۔ اور علم الخط۔ انشاء۔ شعر اور تاریخ کو فروع گردانا ہے۔

یہاں ہم ادب کی مختصر لیکن جامع تعریف پر اکتفار کریں گے۔

''رومانی اور ذہنیاتی شخصیت کے استخراج کو حروف کے ذریعے اجاگر کرنے کو ادبیات اور خصوصاً ''شاعری'' یا ''ڈرامائی'' ادبیات کہیں گے۔''[۱]

اس طرح شاعری کو ادب کی اس صنف سے متعلق کیا جائے گا، جسے فنون لطیفہ کہا جاتا ہے۔ فنونِ لطیفہ انسان کے لئے دماغی، وجدانی اور روحانی غذا فراہم کرتے ہیں۔ فن کار اپنے قلبی واردات کی ایسی جیتی جاگتی کیفیت آمیز اور کیفیت انگیز تصویر پیش کرتا ہے جو احساسات کو جھنجھوڑ دیتی ہے۔ انسان کا دل و دماغ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ارسطو نے فنونِ لطیفہ کو فطرت کی محاکات قرار دیا ہے۔ یہ فطری امر ہے کہ جب انسان کسی چیز سے متاثر ہو کر مسرت محسوس کرتا ہے اور ان مسرت کے جذبات کو الفاظ کے جامے میں دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے تو گویا وہ اس طرح فطرت کے نقوش۔ تاثر کو دوسروں کے دل و دماغ پر منعکس کر کے ان کے محسوسات کو اس داخلی صداقت سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ یہی اس فن کی اصل ہے۔

ادب کو نظم و نثر میں تقسیم کر دینا بھی صرف صوری تقسیم ہوئی۔ معنوی حیثیت سے اب بھی مناسب تقسیم عمل میں نہیں آئی۔ قدیم عرب میں جو شعر کے معنی سمجھے جاتے تھے اس کا بیان ہمارے اس خیال کو اور واضح کرے گا۔ مولانا حالؔی کے الفاظ میں۔ ''جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا تو اس کو شاعر جانتے تھے۔ جاہلیت کی قدیم شاعری میں زیادہ تر اس قسم کے برجستہ اور دلآویز فقرے اور مثلیں پائی جاتی ہیں جو عرب کی عام بول چال سے فوقیت اور امتیاز رکھتی تھیں۔ یہی سبب تھا کہ جب قریش نے قرآن مجید کی نرالی اور عجیب عبارت سنی تو انہوں نے اس کو کلام الٰہی نہ مانا۔ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے لگے، حالانکہ قرآن شریف میں وزن کا مطلق التزام نہ تھا۔''[۲]

ملٹن نے نظم و نثر کے درمیان جوش اور سنجیدگی سے فرق پیدا کیا ہے جو ایک حد تک صحیح ضرور ہے لیکن کلیۃً اطمینان بخش نہیں ہے۔

---

[۱] ''ایچ کورسان ان لٹریری اسٹیڈی۔ صفحہ-۲۴۔ ملاحظہ ہو۔ روح تنقید۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن۔ ۱۹۴۰ء۔ صفحہ-۵۰

[۲] مقدمہ شعر و شاعری، صفحہ-۳۰، ۳۱

ہزلٹ نے شاعری کو تخیل اور جذبات کی زبان قرار دیا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ انسان کا قلب مختلف احساسات کی آماجگاہ ہے۔ کبھی وہ خوشی محسوس کرتا ہے اور کبھی غم۔ جب اس کا دل خوشی سے پھولے نہیں سماتا تو زندگی اس کے لئے ہر رنگ میں محبوب بن جاتی ہے۔ اس کے لئے ذرہ ذرہ کیف آور اور مسرت انگیز ہوتا ہے اور جب وہ دل میں غم کی تنگی محسوس کرنے لگتا ہے تو زندگی اس کے لئے وحشت خیز بن جاتی ہے۔ کبھی وہ خوف کے جذبات سے دوچار ہوتا ہے، کبھی وہ رغبت محسوس کرتا ہے اور کبھی غصہ۔

حقیقت میں شاعری کا میدان انسان کے قلب کی یہی کیفیت ہے لہٰذا اصنافِ سخن کی تقسیم میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ جذبات کے اختلاف کی مناسبت سے ان کا جدا جدا نام دیا جاسکے۔ چنانچہ مسرت کے جذبات میں جہاں شعراء نے غزل سرائی کی تو غصہ ہجو کی شکل میں نمودار ہوا۔ رغبت نے مدح وشکر کو جگہ دی تو خوف نے اعتذار اور استعطاف کو۔

بعض آدمیوں نے اصولاً شعر کی صرف دو قسمیں بتائی ہیں یعنی مدح وذم اور دیگر اقسام کو انہی سے متعلق کردیا ہے مثلاً وصف۔ مرثیہ۔ فخریہ۔ تشبیب۔ غزل تشبیہ۔ استعارہ۔ امثال۔ زہد۔ تقویٰ۔ وعظ ونصیحت وغیرہ کو مدح شمار کیا ہے اور باقی اصناف کو ہجو قرار دیا ہے۔[1]

ہمارا موضوع یعنی ''نعت'' پہلی قسم میں شمار ہوگا جسے ہم تعریف۔ توصیف مدح وثنا سے تعبیر کریں گے۔

عربی میں نعت کا بیشتر حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کہا گیا اور اس لحاظ سے اسے مرثیہ سے تعبیر کرنا چاہئے تھا لیکن یہ صورت نہیں ہے۔ یہی حال فارسی اور اردو نعت کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر بزرگان دین کے ساتھ یہ خصوصیت رہی کہ ان کی حیات ارضی کے بعد بھی خطاب کا طرز وہی رکھا گیا جو ایک زندہ کے لئے ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کا اصلی حیات ہونا صاحب ایمان کے نزدیک مسلم ہے اور آپ کی وساطت سے بزرگان دین کا حیات جاودانی حاصل کرلینا بھی عقیدت ہے اس کے علاوہ مرثیہ کا مقصد متوفی کے غم میں اظہار حزن وملال ہے۔ اس کے برخلاف یہاں بارگاہِ نبوت میں عقیدت کے پھول چڑھا کر محاسنِ دین اور شمائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان

---

[1] کتاب العمدہ جلد اوّل صفحہ-۷۷،۷۸

مقصود ہے تا کہ یہ تقرب الٰہی کا ذریعہ بنے۔اس لحاظ سے اس قسم کے اشعار کو مدائح نبوی میں شمار کریں گے۔ یہ ضرور ہے کہ نعت گو شعراء نے وفات نامے بھی لکھے ہیں جن میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حال نظم کیا ہے۔اس قسم کے کلام کو اگر ہم مرثیہ کا نام دیں تو غلط نہیں ہوگا۔لیکن یہ تفریق موقوف ہے اس مضمون پر جو شاعر نے نظم کیا ہے۔

## (د) لوازم نعت

یوں نعت گو شعراء کی تعداد بے حد وحساب ہے۔ ہر کس و ناکس نے عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر میلا دخوانوں کے لئے آئے دن اس ادب میں اضافہ ہی کیا۔ان میں ہم عوام کے نعت گو شعراء بھی کثرت سے پاتے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ موضوع ایسا نہیں جس پر ہر کس و ناکس تخیل اندازی اور خامہ فرسائی کر سکے۔اس راستے میں شاعر کو جگہ جگہ رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ایک تو موضوع کا احترام شاعر کو مجبور کرتا ہے کہ وہ نپے تلے الفاظ۔حسن خطاب اور حسن بیان کے ساتھ عقیدے کی تفصیلات اور باریکیوں کو صحت کے ساتھ لے کر چلے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ کرے کہ تخیل کی پرواز کہیں ان مقامات تک نہ پہنچا دے جن سے صادق البیانی پر حرف آئے اور نتیجۃً نعت نعت نہ رہے کیونکہ جس بارگاہ میں بآ واز بلند گفتگو بھی سوئے ادب قرار پائے اس بارگاہ کے آداب کا انداز کیا جا سکتا ہے۔

یہ میدان وسیع بھی ہے اور تنگ بھی۔ وسیع اس لحاظ سے کہ ممدوح کے فضائل جس قدر بے حد وحساب ہوں گے شاعر کو اسی قدر موضوع کی وسعت ہاتھ آئے گی اور اس کے تخیل کی بلند پروازی کا سامان ہو سکے گا۔ یہاں شاعر حسن وخوبی پیدا کرنے کے لئے مبالغہ کی زحمت سے بھی بچ جاتا ہے۔اور پھر جہاں منعوت (ممدوح) کے فضائل مبالغے کی حدود سے آگے گزر گئے ہوں وہاں تخیل کی بلند ترین پرواز کو بھی کمالِ ممدوح سے پسماندہ ہونا پڑتا ہے۔ فضائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں شاعر زمین سے پرواز کر کے افلاک کی سیر کرتا ہے۔وہ ستاروں سے آگے گزر کر مقام مصطفائی کا مشاہدہ کرتا ہے یہاں تک تمام افلاک اس کے تخیل کی زد میں آجاتے ہیں۔اور اب وہ اپنے ممدوح کو عرش و کرسی پر جلوہ فرما پاتا ہے۔اس لحاظ سے نعت گو شاعر کو طبع آزمائی کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ آتا ہے۔ساتھ ہی ساتھ وہ

نقاد کی دسترس سے بھی باہر رہتا ہے اور اپنے معتقدات کو سپر بناتے ہوئے ہر تنقید سے کامیاب گزر جاتا ہے۔ یہ میدان تنگ اس لحاظ سے ہے کہ باوجود اس فضا کی کشادگی اور وسعت کے تخیل کے حوصلوں کو اس بلندی کا ساتھ دینا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے شاعر میں گونا گوں صلاحیتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ فقط عشق و محبت کی داستان ہے جس کے راگ کو جس نے جیسا چاہا الاپ لیا۔ دراصل یہ ایک ایسے ممدوح کی مدح ہے جس کی بارگاہ میں مبالغہ قربت ممدوح کا وسیلہ نہیں بن سکتا اور نہ یہاں اس بیان کو باریابی حاصل ہے جو صادق البیانی کی ترجمانی سے محروم ہے۔ پھر صدق وصفا کی زندگی کو سمجھنے کے لئے صدق وصفا کی حقیقت اور اس کی کیفیت کو قلب ونظر میں بسائے بغیر بھی کام نہیں چلتا۔ غرض کہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ کر ان کے مرتبہ کا بیان علم۔ فضل۔ بصیرت اور شاعرانہ صلاحیت چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان فضائل کا ایک جگہ جمع ہونا آسان نہیں ہے اور انجام کار نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا بھی مشکل ہے۔

## (ھ) نعتیہ شاعری کے محرکات

نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذہبی شاعری کے مقدمات میں شامل ہے جس کا تعلق دینی احساس۔ صدق۔ اخلاص اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی شاعری کی ابتداء میں نعت کو اوّلیت حاصل ہے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ نعتیہ شاعری نے اسلامی ادب کے لئے ایک نہایت جلیل القدر اور مہتم بالشان باب فراہم کیا ہے۔ آخر اس کے محرکات کیا رہے ہیں اس کا اجمالی بیان درج ذیل ہے:

مومن کے لئے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو مذہباً وجوب کا درجہ حاصل ہے۔ چنانچہ احادیث میں جو تاکید اس خصوص میں وارد ہوئی ہے اس سے اس کی کیفیت کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے:

| | |
|---|---|
| عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلاث من کن فیہ وجدبھن | حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں تین چیزیں ہوں گی وہ ایمان |

حلاوة الایمان، من کان اللّٰہ و رسوله احب الیه مما سوا هما و ان یحب المرء لا یحبه الا للّٰـه و ان یکره ان یعود فی الکفر بعد ان انقذه اللّٰہ منه کما یکره ان یقذف فی النار[۱]

کی مٹھاس پائے گا۔ وہ کہ جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ محبوب ہوں اور وہ کسی شخص سے محبت کرتا ہے تو فقط اللہ کے لئے کرتا ہے اور وہ ناپسند کرتا ہے کہ کفر کی طرف لوٹنے کو بعد اس کے کہ اللہ نے اسے اس سے (کفر سے) نکالا ہو اسی طرح جس طرح کہ وہ ناپسند کرتا ہے اپنے آپ آگ میں ڈالے جانے کو۔

یہ حدیث اصول اسلام میں نہایت اہم اور عظیم القدر شمار کی جاتی ہے اس لئے کہ حلاوت ایمان کی لذت محبت کے بغیر ممکن نہیں اور طاعت کی طرف رغبت حلاوت کے بغیر محال ہے۔ محبت ہی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی میں ہر ایثار کے لئے تیار کر سکتی ہے۔ جو طاعت کی راہ میں ناگزیر ہے۔ اطاعت کے معنی ہی دل کا لگاؤ ہیں۔

عشق و محبت کے چند محرکات ہوتے ہیں اور وہ حسن و جمال ہیں۔ پھر حسن و جمال بھی ظاہر اور باطن دو طرح کے ہیں۔ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں محبت کے دونوں اصل اصول جمع ہیں۔ کمالِ خلق جس میں جمال کی ساری صورتیں پائی جاتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشا گیا ہے۔ پھر وہ کمال احسان جو دلوں کو موہ لیتا ہے اور میلان طبع کو زیادہ بڑھاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ جب حقیقت اور حق شناسی کا شعور اس حد تک بیدار ہو جاتا ہے کہ ایک مومن اس احسان کو ہر سانس کے ساتھ محسوس کرنے لگتا ہے تو محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رگ و پے میں بس جاتی ہے۔ جس کے صدقے میں صراط مستقیم۔ شفاعت سعادت اور آخرالامر جہنم کی آگ سے خلاصی اور جنت سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے، اس کی محبت کا ماں باپ۔ اولاد اور جان و مال کی محبت پر غالب آ جانا ایک فطری امر ہے۔ یہی مطلب ہے اس دوسری حدیث کا کہ:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من اهله

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کسی نے اس وقت تک ایمان نہ لایا جب

---

[۱] صحیح مسلم جلد اوّل صفحہ۔ ۴۹۔ مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۴۹ء

وماله والناس اجمعین۔ (مسلم جلداوّل،صفحہ:۴۹)

تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل وعیال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن انس بن مالك۔ قال قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم لا يومن احدكم حتى اكون احب اليه من ولده و والده والناس اجمعين۔ (مسلم جلداوّل،صفحہ-۴۹)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایانہیں ایمان لایاتم میں سے کوئی جب تک میں اس کے بیٹے، والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس کے علاوہ نعتیہ ادب کے محرکات میں مندرجہ ذیل حدیث نہایت مہتم بالشان ہے جس نے نثر ونظم،تحریراور تقریر کے مقدمات میں نعت کو لازم قرار دیا اور اس طرح ادب کے لئے پابندی عائد کر دی۔

كل امر ذى بال لا يبداء فيه بحمد الله والصلوٰة على فهو اقطع ابتر ممحوق من كل بركة۔ اخرجه۔ الرهاوى فى الاربعين والدّيلمى فى مسند الفردوس۔ و فى سنده ضعف۔

ہر مہتم بالشان کام جو اللہ کی تعریف اور مجھ پر درود کے ساتھ نہ شروع کیا جائے تو وہ ناقص اور ہر برکت سے مٹا ہوا (محروم) ہے۔
اس حدیث کو راوی نے اپنی کتاب اربعین میں اور ویلمی نے کتاب مسندالفردوس میں درج کیا ہے لیکن اس کی سند کمزور (ضعیف) ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی ادب کی نظم ونثر دونوں میں حمد ونعت کے مضامین لازماً ملتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم کسی شاعر کو نعت گوشعراء کے زمرے سے خارج نہیں کر سکتے البتہ باہم یہ فرض ضرور ہے کہ کسی نے نعت رسماً، تبرکاً اور عقیدۃً تمہیدی طور پر کہی ہے اور کسی نے جوش عقیدت کے طور پر اکثر یا مستقلاً نعت کہی ہے۔ اس طرح نعت گوشعراء کے تین طبقے ہو گئے۔ ایک تو وہ جن کے کلام میں نعت حمد کے سامنے تمہیداً ہے۔ دوسرے وہ جن کے کلام میں دیگر مضامین کے

ساتھ نعتیہ مضامین کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔تیسرے وہ جن کا کلام اغلب طور پر کلیۃً نعتیہ ہے۔

## (و) نعت گوئی کی قسمیں

نعت کو ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔

(۱) ایک وہ نعت جو عقیدۃً ،تبرکاً اور رسماً برائے نام لکھی گئی۔

(۲) دوسری مقصدی نعت جو شعراء نے مستقلاً لکھیں۔

(۳) تیسری قسم کو اصلاحی نعت قرار دیں گے جو دراصل مقصدی نعت ہی کی ایک قسم ہے۔

## (۱) رسمی نعت

اسلامی ادب میں نظم ونثر کی ہر کاوش نے اپنے تمہیدی حصے میں حمد ونعت کو لازماً جگہ دی۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی میں ایک بار درود بھیجنا واجب ہے اسی طرح ہر نثار اور شاعر کے لئے فرض رہا ہے کہ حمد اور نعت کو نثر یا نظم کے ساتھ شامل کرے۔اس سے پہلے وہ حدیث درج کی جاچکی ہے جس میں ہر مہتم بالشان امر کو حمد اور نعت کے بعد شروع کرنے کا حکم ہے۔اور بصورت دیگر کلام کو برکت سے محروم قرار دیا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسمی اور اعتقادی طور پر نعت شعراء کے کلام میں لازماً داخل ہوگئی۔ یہاں تک کہ غیر مسلم شعراء نے بھی تقلیداً یہ روش اختیار کی جس کی مثالیں ہمیں اردو شاعری میں کثرت سے ملتی ہیں۔

## (۲) مقصدی نعت

جب کسی کام کا کوئی مقصد قرار پاتا ہے اور اس کے پیش نظر فکر کو حرکت دی جاتی ہے تو اس میں ایک نظم، ضبط، ترتیب، ہم آہنگی، خلوص اور اثر پایا جاتا ہے۔نفس مضمون کے اظہار میں قوت، جوش اور تڑپ ہوتی ہے۔اس کے برعکس فنکار کا دماغ جب مقصدی فکر سے خالی ہوتا ہے تو اس کے تخیل کو بمصداق "فی کل واد یهیمون" بھٹکنا پڑتا ہے۔وہ فقط وقتی طور پر اپنے سریلے نغموں سے لوگوں کے دلوں کو لبھانا جانتا ہے اور یہ کیف جذب اور مستی کی بے مقصدی اعصاب میں اضمحلال پیدا کردیتی ہے۔ایسا کلام احساسات کے لئے پراگندی کا باعث ہوتا ہے۔

مقصدی شاعری ہی حقیقت میں زندگی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔اس کا لازوال جذبہ زندگی کو حرکت عطا کرتا ہے۔اس کا نغمہ دل کی گہرائیوں سے خلوص کو لے کر بلند ہوتا ہے۔وہ قلوب

سے ٹکرا کر آواز بازگشت پیدا کرتا ہے اور اپنی کیفیت کے تاثرات چھوڑتا ہوا زندگی کے لئے دوامی بقا کا سامان کرتا ہے۔ حقیقت میں اس کو حق وصداقت کی آواز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ کلام "**ان من البیان لسحرا**" ہی کا نمونہ نہیں ہوتا بلکہ "**ان من البیان لحکمۃ**" کا بھی اس پر اطلاق ہوتا ہے۔

اس طرح جب شعر مقصدی بن جاتا ہے تو وہ اپنی ہر لے میں کسی نہ کسی طور پر اس تصور حیات کی ترجمانی کرتا ہے جو اس کا مقصود ہے۔ وہ زندگی پر نہایت گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ پوشیدہ صلاحیتوں کو حوصلہ بخشتا ہے اور جمالی جذبات کو ابھار کر انہیں زندگی کی تعمیر میں لگاتا ہے۔ جہاں اس کا ظاہری حسن دلوں کو کھینچتا ہے وہاں وہ روحانی اور اخلاقی معلم بن کر مقدرات کو بدل دیتا ہے حقیقت میں مقصدی شاعری کی یہی خدمت زندگی کی پراگندی کو دور کرسکتی ہے۔

آرٹ اور زندگی کے نظریے کو مختلف طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اس نظریے کو ماننے والوں کے نزدیک یہ امر متفق علیہ ہے کہ آرٹ حقیقت میں زندگی کی تفسیر ہے اور اس کی تعبیر ہے۔ لیکن زندگی کیا ہے۔ یہ مسئلہ خود جتنا مہتم بالشان ہے اتنا ہی حیران کن ہے۔ اس عقدہ کشائی پر آرٹ اور زندگی کے نظریے کا حل موقوف ہے۔ زندگی کی قدروں کا تعین، طہارت کا مفہوم، اخبارات کا تصور، عدالت کا معیار، ساجت کی کیفیت وغیرہ ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق صحیح فکر ونظر پیدا کئے بغیر زندگی کا راز سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس کی غایت اور اس کا مقصد واضح ہوتا ہے۔ حکیمانہ نظر ان سب کو عقل کے سہارے حل کرنا چاہتی ہے لیکن ایک تو انسانی فہم کی کوتاہی حقیقت حال تک پہنچنے نہیں دیتی۔ دوسرے نظری اور عملی صورتوں کے درمیان ناقابل عبور خلیج کا پاٹنا انسانی تدابیر کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے پیش نظر ایک ایسی زندگی کا نمونہ ہو جو نظری طور پر زندگی کو بے نقاب دکھا کر اسوۂ حسنہ کو پیش کرے اور زبان حال سے یہ کہے کہ "عملی لحاظ سے بھی یہ تصور حیات اسی طرح درست ہے جس طرح نظری حیثیت سے۔"

اگر اس خلق عظیم کی ترجمانی ہمارے آرٹ کا مقصد ٹھہرا تو اس کے اظہار کے لئے ایک صحت بخش موضوع ہاتھ آئے گا جس کی ہمہ گیری میں زندگی کی جملہ تفصیلات آجائیں گی۔ مذہبی، اخلاقی، روحانی، معاشی، معاشرتی، دنیاوی، اخروی، جمالی، جلالی غرض کہ زندگی کے ساتھ جتنی بھی صورتیں پیش آسکتی ہیں سبھی کا بیان اس تفسیر حیات میں آجائے گا۔ آرٹ کا

موضوع اگر زندگی ہے تو اسے مکمل زندگی ہونا چاہئے۔ایسی زندگی کہ جس کے کمال کے آگے عروج کی منزلیں پسماندہ ہوں اور فکر ونظر کی انتہائی پرواز کو بھی اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑے۔ زندگی کا یہ کمال اپنی تفسیر کے لئے جب شاعری کا موضوع بن جاتا ہے تو شاعری حقیقت میں وہ شاعری نہیں رہتی کہ جس پر بے مقصدی یا آوارہ خیالی کی تہمت لگائی جائے۔ نعت گو شعراء نے جس زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اس کا نمونہ زندگی کے گونا گوں مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ وہ مسائل نظری بھی ہیں، فکری بھی ہیں اور عملی بھی۔ مثال کے طور پر اقبال کی شاعری کو مقصدی شاعری کہا جاتا ہے۔ اوران کے آرٹ کو زندگی کے ساتھ ہم آہنگ بتایا جاتا ہے۔ دراصل اقبال کی یہ مقصدی شاعری بھی اس ایک حقیقت کی ترجمانی کررہی ہے جسے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اقبال کا مردخودی، مردکامل، مردمومن، مردقلندر، عشق، عقل، حکمت سب کچھ اس ایک زندگی کا ترجمان ہے۔ اقبال کی شاعری دراصل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی آئینہ دار ہے جو منطقی، حکیمانہ، ادیبانہ اور شعری دلآویزیوں کے ساتھ نغمۂ حیات بن کر زندگی کا پیام پہنچارہی ہے۔ دراصل نعت گوئی ابتدا میں قطعاً مقصدی رنگ لئے ہوئے تھی۔ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نعت گو شاعر جس نے صداقت اور حقیقت شناس بن کر اپنے آقا کی مدح سرائی کی وہ دراصل دشمنوں کا جواب تھا۔ اس کی شاعری ''خلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی آئینہ دار تھی۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمان تھی اور جو بھی تھا خلوص اور محبت کی زبان میں تھا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی زبان نے وہ کام کیا جو خطیبوں کی جادو بیانی سے نہ ہوسکا۔ جہاں ترغیب وتحریص کی ہزاروں تدابیر بے نتیجہ ثابت ہوئیں وہاں شاعر کی سحر آفرینی کام کرجاتی۔ جہاں مجاہدین کی سرفروشی کارگر نہ ہوتی وہاں شاعر خوش فکر کی گرم گفتاری اور شعلہ بیانی سے کام لیا جاتا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنی نعتیہ شاعری کے مقصدی ہونے کو اس طرح ظاہر کیا ہے:

**هجوت محمدا فاجبت عنه　　　و عند اللّٰه فی ذاك جزاء**[۱]

(ترجمہ: تونے ایسے کی ہجو کی جو سراپا تعریف میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

---

۱　دیوان حسان بن ثابت۔صفحہ-۲

اور میں نے اس کا جواب دیا اور اس کی جزا اللہ کے نزدیک ہے )

تو یہاں نعت گوئی کا مقصد ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت، تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ، اپنے خلوص عقیدت اور محبت کا اظہار اور اللہ سے اس کی جزا کی امیدواری قرار پایا۔

## (۳) اصلاحی نعت

مقصدی نعت کے ساتھ اصلاحی نعت کی اردو ادب میں کمی نہیں ہے جو بذاتِ خود ایک طور پر مقصدی ہے کثیر تعداد معراج نامے، وفات نامے، شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، معجزے ناموں میں ایسا کلام کثرت سے ملتا ہے جس میں اصلاحی روش اختیار کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دکن میں اس ادب کی ابتدا مقصدی اور اصلاحی رنگ سے ہوئی۔ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کرنے کے لئے اسوۂ حسنہ کو لوگوں تک پہنچانے کی غرض سے عقائد میں پختگی اور مذہبی معلومات میں وسعت پیدا کرنے کی خاطر شعراء نے سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف ابواب کو نظم کیا۔ مولانا باقر آگاہ نے ''ہشت بہشت'' لکھ کر سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم اور ضخیم کتاب صحت روایات کا لحاظ کرتے ہوئے لکھی اور جیسا کہ انہوں نے کتاب کے شروع میں تصنیف کے مقصد میں لکھا ہے اس منظوم سیرت لکھنے کی غرض وغایت یہ تھی کہ ان غلط روایات کا سدباب کیا جائے جو عام طور پر نعت میں داخل ہوگئی ہیں اور اس طرح لوگوں کے غلط عقائد کی اصلاح ہو۔ اس کے علاوہ میر نوازش علی شیدا کی ''اعجاز احمدی'' انہی خصوصیات کی حامل ہے۔ جدید اردو شاعری میں نعتیہ کلام نے ایک نیا رنگ اختیار کیا جو زمانے کے مزاج اور اس کے تقاضے کا آئینہ دار ہے۔ اس کی اصل محرک مسلمانوں کی مذہبی یعنی اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی زبوں حالی ہے۔ مولانا حالؔی اور مولانا شبلؔی کا دور اردو شاعری کے لئے اصلاحی دور کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی برکات سے نعتیہ شاعری کیوں کر محروم رہتی۔ ہر دو بزرگوں نے نعتیہ شاعری کی مقصدی مگر غیر حقیقی روش کو چھوڑ کر ایک ایسی راہ نکالی جس نے اصلاح قوم کا بڑا سامان کیا۔ مولانا حالؔی نے ایک نہایت مستند اور اثر میں ڈوبی ہوئی نظم لکھی جو صاف، سادہ اور شگفتہ انداز میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی نعتیہ ادب میں اس رنگ کی نظم مشکل سے ملے گی۔ مولانا شبلؔی کی نظمیں بھی نہایت مؤثر انداز میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی آئینہ داری کرتی ہیں۔ چنانچہ اس دَور میں نعت گوئی کی ایک نئی طرح ڈالی گئی جس کی تقلید آنے والے نعت گوشعراء نہایت خوش اسلوبی سے کرسکیں۔ اب نعتیہ مضامین کونظم کرنے میں معراج نامے، وفات نامے، شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، معجزات کونظم کرنے کے قدیم رجحانات میں زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ فوق العادت واقعات سے شعراء کی دلچسپی کم ہوگئی اب وہ سیرت پاک کے وہ مضامین نظم کرنے کی فکر میں ہیں جن سے ہماری زندگی کے موجودہ مسائل متعلق ہیں۔ مسلمانوں کے زوال اوران کی نکبت کا سبب شعراء نے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوتاہیوں کو بتایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہونے کی ترغیب دی۔

اس اصلاحی نعتیہ رنگ کے شعراء ہیں۔ نظم طباطبائی، ڈاکٹر اقبال، مولانا ظفرعلی خاں، حفیظ جالندھری ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ماہرالقادری کا نعتیہ کلام بھی انہی اثرات کے تحت اصلاحی رنگ لئے ہوئے ہے۔

# باب دوم

## اردو نعتیہ شاعری کے ماخذ

### (الف) عربی نعت (ب) فارسی نعت

### (ج) نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کا اثر

### (الف) عربی نعت:

عربی نعت میں ہم سب سے پہلی مدینہ کی بچیوں کا وہ گیت پیش کرتے ہیں، جو نہایت معصوم انداز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں استقبال کے موقع پر گایا گیا:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعیٰ للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

ان اشعار میں بیان کی سادگی کے ساتھ خلوص اور محبت کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر سے تشبیہ دی گئی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر کا اظہار ہے کہ اس نے انہیں ہدایت سے نوازا۔ ساتھ ہی اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم کا بیان بھی سادہ اور پر عظمت ہے۔

سب سے قدیم قصیدوں میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی گئی ہے وہ اعمشؔ کا ہے۔ یہ وہ نعت گو شاعر ہے جو ایمان سے مشرف نہیں ہوا۔ اس کے نصیب میں عقیدت کے

صرف یہی چند پھول آئے جو شاعر بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرنے کے لئے روانہ تو ضرور ہوا لیکن آخر شقاوت سعادت پر غالب آ گئی اور دنیا کے لالچ نے دینی نعمت کو ہاتھ سے چھین لیا۔ اس قصے کا بیان طوالت سے خالی نہیں لہٰذا یہاں اسے نظر انداز کرتے ہوئے کلام کا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

نبی یری مالا ترون و ذکره     اغار لعمری فی البلاد و انجد
له صدقات ما تغب و نائلی     و لیس عطاء الیوم مانعه غدا
متی ماتناخی عند باب ابن هاشم     تراحی و تلقی من فواضله ندی

دوسرا قصیدہ اسی نوعیت کا حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو حالت خوف میں کہا گیا لیکن اس کی فضیلت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سماعت فرمایا اور اس کے صلے میں شاعر کو چادر مبارک عطا فرمائی۔ اس نعتیہ قصیدہ کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ ان تضمینوں سے ظاہر ہے جو مختلف زبانوں میں قصیدہ کے اس شعر پر بکثرت کی گئی ہیں:

ان الرسول لنور یستضاء به     وصارم من سیوف اللّٰه مسلول

قصیدہ عام رواج کے موافق تشبیب اور تغزل سے شروع ہوتا ہے۔ پھر شاعر ناقہ کی تعریف کی طرف گریز کرکے چغل خوروں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ ساتھ ہی ان دوستوں کی بھی شکایت ہے جو خفگی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اس سے کنارہ کشی اختیار کر رہے تھے۔ مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گریز کی یہ صورت ہے:

اُنبئت ان رسول اللّٰه او عدنی     والعفو عند رسول اللّٰه ماٰمول
فقداتیت رسول اللّٰه معتذراً     والعفو عند رسول اللّٰه مقبول
مهلاً هداك الذی اعطاك نافلةً     القرآن فیها مواعیظ و تفصیل

شاعر نے اس قصیدے میں نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح اس طرح کی ہے:

ان الرسول لنور یستضاء به     مهند من سیوف اللّٰه مسلول
فی فتیة من قریش قال قائلهم     ببطن مكة لما اسلموا زولو
زالو فما زال انکاس ولا کشف     عندااللقاء ولا میل معازیل

شم العرانین ابطال لبوسهم | من نسبح داود فی الهیجا سرابیل

## حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

نعت گوشعراء میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ شرف نہایت جلیل القدر ہے کہ وہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہیں۔ان کے نعتیہ اشعار میں بے پایاں صدق اور خلوص پایا جاتا ہے جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبۂ ایمان یعنی حبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی کرتا ہے۔

بیان اور استدلال کی قوت بھی قابل صد تحسین ہے۔لیکن تعجب ہے کہ قصیدے کے خدوخال بالکل وہی ہیں جو زمانۂ جاہلیت کے رہے ہیں۔یعنی تشبیب کے اشعار میں وہی عشق و عاشقی کا مضمون ہے۔محبوبہ اور دیار خالیہ کا ذکر ہے۔تذکرہ شراب ہے وغیرہ وغیرہ۔

فتح مکہ کے دن جو نعتیہ قصیدہ کہا اس کا رنگ یہ ہے:[۱]

عفت ذات الاسابع فالجواء | الی عذراء منزلها خلاء [۲]
دیار من بنی الحسحاس فقر | تعفیها الروامس والسماء

محبوبہ کی یاد اور شراب کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی اعانت،نصرت اور عطائے فتح عظیم کا بیان ہے۔اس کے ساتھ شجاعت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ بھی ہے کہ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب دشمن کے شعر کا جواب شعر سے دیتے ہیں اور تلوار کا جواب تلوار سے:

فنحکم بالقوافی من هجانا | و نضرب حین نختلط الدماء

وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار یہ ہیں:

وقال اللّٰه قد ارسلت عبداً | یقول الحق ان نفع البلاء
شهدت به و قومی صدقوه | فقلتم ما نجیب و ما نشاء
و جبریل امین اللّٰه فینا | و روح القدس لیس له کفاء
بان سیوفنا ترکنك عبدا | وعبدالدار سادتها الاماء
الا ابلغ ابا سفیان عنی | فانت مجوف نخب هواء

---

[۱] دیوان حسان بن ثابت،صفحہ-۱-EDITED BY DR. H. HIRSCHFELD 1910

[۲] دیوان حضرت حسان رضی اللہ علیہ بن ثابت۔ص-۲

هجرت محمداً فاحببت عنه — و عند الله فی ذالك الجزاء
اتهجوه و لست له بکفو — فشرکما لخیر کما الفداء
فمن یهجو رسول اللّٰہ منکم — و یمدحه و ینصره سواء
فان ابی ووالده وعرضی — لعرض محمد منکم وقاء

قصیدے کے خدوخال سے یہ امر واضح ہے کہ اسلام کی برکات سے عرب کا مذہب تو ضرور بدل گیا لیکن مذاہب ادبیہ ایک عرصے تک جاہلیت کا رنگ لئے ہوئے رہے۔ چنانچہ متاخرین کے دور میں بھی ادب کا یہی رنگ پایا جاتا ہے۔ البتہ باہم اس قدر فرق ضرور ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان مضامین کا بیان حقیقت کا بیان تھا اور متاخرین عملی طور پر ان کیفیات سے ناواقف تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جاہلیت میں ان سے ناآشنا نہ تھے۔

اس دور میں شعراء نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوی اوصاف کے بیان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن صورت کا نقشہ بھی پیش کیا ہے لیکن اوصاف حسنہ کا بیان جس قدر واضح اور حقیقی طور پر اس زمانہ کے کلام میں پایا جاتا ہے وہ متاخرین کے یہاں نہیں ملتا۔ ظاہر ہے کہ جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے کیا تھا اور یہ سعادت متاخرین کو نصیب نہ ہوسکی۔ چنانچہ سراپے کے بیان میں انہوں نے زیادہ تر تخیل سے کام لیا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی نعت گوئی کی خصوصیات ان کے مندرجہ ذیل اشعار سے واضح ہوجائیں گے:

مستشعری حلق الماذی یقدمهم — جلد نحیزة ماض غیر رعدید
اعنی الرسول فان اللّٰہ فضله — علی البریة بالتقویٰ و بالجود
فینا الرسول و فینا الحق نتبعه — حتی الممات و نصر غیر محدود
ماض علی الهول رکاب لما قطعوا — اذا الکماة تحامو فی الصنادید
واف و ماض شهاب یستضأبه — بدرانار علیٰ کل الاماجید
مبارك کضیاء البدر صورته — ما قال کان قضاء غیر مردود [1]

---

[1] دیوان حضرت حسان رضی اللہ علیہ بن ثابت۔ ص-۲۹

مندرجہ ذیل مدحیہ اشعار جو بہ طور مرثیہ لکھے گئے ہیں ان میں جذب، کیف اور روح پائی جاتی ہے۔ شاعر منبر، مصلی، مسجد، وحی، بکائے زمین و آسمان کا ذکر کر کے لقائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں بے تاب ہو جاتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ فردوس میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہو۔ نیز اس رشد و ہدایت کا ذکر بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دُنیا کو نصیب ہوئی:

ما بال عينى لا تنام كانما — كحلت مآقيها بكحل الارمد
جزعاً على المهدى اصبح ثاوياً — يا خير من وطئى الحصى لا تبعد
جنبى يقيك الترب لهفى ليتنى — غيبت قبلك فى بقيع الغرقد
أ أقيم بعدك بالمدينة بينهم — يا لهف نفسى ليتنى لم اولد [1]
نوراً اضاء على البرية كلها — من يهد للنور المبارك يهتد
يارب فاجمعنا معا ونبينا — فى جنة تنبى عيون الحسد
فى جنة الفردوس فاكتبها لنا — يا ذالجلال و ذالعلا والسودد
والله اسمع ما حييت بهالك — الا بكيت على النبى محمد
ضاقت بالانصار البلاد فاصبحوا — سوداءً وجوههم كلون الاثمد
ولقد ولدناه وفينا قبره — وفضول نعمته بنا لم نجحد
صلى الا له و من يحف بعرشه — والطيبون على المبارك احمد [2]

ایک اور مرثیہ کے نعتیہ اشعار یہ ہیں:

باللّٰہ ما حلت انثى ولا وضعت — مثل النبى رسول اللّٰه الرحمة الهادى
ولا مثل فوق ظهور الارض من احمد — او فى بذمة جارا و بميعاد [3]

یہ قصائد تاریخ مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت اہم ہیں۔ وہ مرثیے جن میں حزن و ملال اور بکاء کے مضامین پائے جاتے ہیں حقیقت میں ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں

---

[1] دیوان حضرت حسان رضی اللہ علیہ بن ثابت۔ ص-۵۸
[2] دیوان حضرت حسان رضی اللہ علیہ بن ثابت۔ ص-۵۹
[3] دیوان حضرت حسان رضی اللہ علیہ بن ثابت۔ ص-۵۹

داخل ہیں اور عام مرثیوں سے اس طور پر مختلف ہیں کہ ان میں غم فراق کے اظہار کے ساتھ ''لقائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فی الخلد'' کی تمنا بھی پائی جاتی ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نعتیہ کلام میں چند الفاظ مثلاً ہادی مہدی بدر، نور وغیرہ توجہ طلب ہیں۔ اسی طرح شاعر نے صلی اللہ (جملہ دعائیہ) کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دونوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ مثلاً:

صلی الا له علی الذین تتابعو　　یوما الرجیع فاکرموا واثیبو [۱]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وہ نعتیہ فقرات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ نعتیہ کلام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاتا ہے۔ نمونہ کلام ذیل ہے:

رزأنا رسول اللّٰه فینا فلن نریٰ　　بذاك عدیلا ما حیینا من الدری
وکان لنا کالحصن من دون اهله　　له معقل حرز حریز من العدی
و کنا بمراه نری النور والهدی　　صباحاً مساءً راح فینا او اقتدی
لقد غمیتنا ظلمة بعد موته　　نهاراً فقد زادت علی ظلمة الدجی
فیاخیر من ضم الجوانح والحشا　　و یا خیر میت ضمه الترب والتری
فقد نزلت للمسلمین مصیبة　　کصدع الصفا لاشعب للصدع فی الصفا
وفی کل وقت للصلوة یهیجه　　بلال و یدعوا باسمه کلما دعی
و یطلب اقوام مواریث مالك　　وفینا مواریث النبوة والهدی [۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نعتیہ اشعار میں شعری عنصر غالب ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت میں اضطرابی کیفیت پائی جاتی ہے لیکن ان جذبات کا اظہار بھی نور۔ ہدیٰ۔ صلوٰۃ وغیرہ جیسے الفاظ کے ساتھ کیا جارہا ہے جن کے ذریعے عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیمات کا صحیح نقشہ پیش کرنا مقصود ہے۔

فرزدق [۳]۔ تابعین کے دور میں فرزدقؔ نہایت ممتاز شاعر گزرا ہے۔ اس نے نعت میں یہ

---

[۱] دیوان حضرت حسان رضی اللہ علیہ بن ثابت۔ ص-۳۹

[۲] دیوان امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۹ھ)

[۳] فرزدق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانے میں پیدا ہوا

جدت پیدا کی کہ مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آل بیت کو ایک ساتھ شامل کر دیا۔ چنانچہ جس قصیدہ میں شاعر نے حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کی منقبت کہی ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے:

**ھذا الذی تعرف البطحاء وطأته　　والبیت یعرفه والحل والحرم**

فرزدق کا یہ قصیدہ نہایت بلند پایہ ہے جس میں تصوف کی نفحات بھی پائی جاتی ہیں۔ شاعر اللہ کے شکر کو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شکر کے ساتھ شامل کر دیتا ہے اور ان کی محبت کو عین ایمان اور ان سے دشمنی کو کفر قرار دیتا ہے۔ اہل بیت سے خلوص کی بدولت فرزدق کو ہشام عبدالملک کے ہاتھوں قید کی سختی بھی اٹھانی پڑی اور جب اس حالت میں حضرت زین العابدین نے بارہ ہزار درہم بطور ہدیہ بھیجے تو اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں نے مدح جو کی وہ اللہ کے لئے تھی نہ کہ عطاء کی خاطر۔ "**مدحت للّٰہ تعالیٰ لا للعطاء**" لیکن جب حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اہل بیت جب ایک چیز دے دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے تو شاعر[1] نے احتراماً یہ عطیہ قبول کر لیا۔ آداب اہلِ بیت کا یہ ایک ایسا باب ہے جس سے اسباط رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت کا سبق ملتا ہے۔

اپنی ادبی خوبیوں کے علاوہ فرزدق کی مدح سرائی اس لحاظ سے بھی قابلِ تحسین ہے کہ اس نے بلا رغبتِ نفع اور خوفِ ضرر اہل بیت سے خلوص کا ثبوت دیا ہے اور اس سلسلے میں وہ بنی امیہ کی جابرانہ سختیاں برابر برداشت کرتا رہا۔

نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتقاء میں ہم نے ان مدحیہ اشعار کا جائزہ لیا جو نعت کی ابتداء سے تعلق رکھتے ہیں۔ الاعشیٰ اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا رنگ بالکل بادشاہ اور رؤساء کی مدح سرائی کا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہاں خلوص اور محبت کی فراوانی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہاں یہی صورت دینی فریضہ کی ادائی کے طور پر ہے۔ پھر اہل بیت پر مظالم اور ان سے محبت نے نعت کے ساتھ منقبت کو بھی شامل کر دیا اور یہ آخری صورت جو نعت نے اختیار کی اس کا چرچا چوتھی صدی ہجری میں انتہائی کمال پر تھا۔

نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو فقرات شعراء وغیرہم نے اپنے کلام میں جا بجا استعمال کئے ہیں وہ بے حد وحساب ہیں۔ نموتۃً چند ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

---

[1] "انا اهل البيت اذا وهبنا شيئا "لا نستعيده"

**سليل اكرم نبعة و فريع اشرف بقعة– جاء بامته من الظلمة الى النور– وافاء عليهم الظل يعد الحرور – محمد نبی اللّٰه و صفوة – و خيرته من بريته– خيرة اللّٰه من خلقه و حجته فی ارضه– والهادی الیٰ حقه والمنبه علی حکمه– والداعی الیٰ رشده – مبارك مولده – سعيد مورده – ساطع صباحه متوقد مصباحه – مظفرة حروبه – ميسرة خطوبه– آخرالانبياء فی الدنيا عصرا – واولهم يوم الدين ذکرا و ارجحهم عند اللّٰه ميزاناً واوضحهم حجةً و برهانا وغيره وغيره۔**

اس طرح منقبت اہل بیت کونعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گہرا تعلق ہو گیا۔ چنانچہ عربی ادب میں مدح اہل بیت کوفروغ واقعہ کربلا کے بعد ہوا جب اہلِ بیت مسلسل جور وستم کا شکار ہو کر راہ خدا میں شہید ہوئے۔فرزدقؔ کے علاوہ الکمیت بن زید الاسدی بھی مداحین اہل بیت میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شاعر ٦٠ ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوا۔ وہ انساب، اشعار اور احوال زمانۂ جاہلیت کا بڑا عالم تھا اور حبِّ اہل بیت اس کا ایمان رہا۔الکمیت کا عقیدہ تھا کہ حبِّ اہل بیت ہی سے حق وصداقت کی منزل طے کی جاسکتی ہے جو تقرب الی اللہ کا وسیلہ ہے۔ اس محبت کی پاداش میں اسے قید کی مصیبت بھی اٹھانی پڑی۔ ایک روز شاعر قید سے بھاگ کر روپوش ہو گیا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوخواب میں دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ تیرا خوف کس وجہ سے ہے۔شاعر نے جواب دیا۔" بنی امیہ سے خائف ہوں اور یہ شعر پڑھا:

**الم ترنی من حبِّ آلِ محمد　　　اروح واغد و خائفا اترقب**

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"**اظهر فان اللّٰه قد امنك فی الدنيا والآخرة۔**"

الکمیت کے علاوہ دعبلؔ، الشریفؔ الرضی اور مہیار نے اہل بیت کی مدح خلوص سے سرشار ہو کر کی ہے۔ مہیاؔر نے اپنے ان مدحیہ قصائد میں سیاسی دقت نظری کا بھی ثبوت دیا ہے۔ اس کا بیان شہادت نہایت درد انگیز ہوتا ہے اور وہ قتل حسین رضی اللہ عنہ کو تقریباً شرک قرار دیتا ہے۔

## بردۃ البوصیری

بوصیری (متوفی ٦٩٦ھ) ساتویں صدی ہجری کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ نام محمد بن سعید بن حماد بن عبداللہ بن صنہاج ہے۔ شاعر کے آباء واجداد میں سے کوئی ابوصیر کا رہنے والا تھا لہٰذا یہ بھی اسی مقام سے منسوب ہوئے، اور بوصیری کہلائے۔

بوصیری کے قصیدۂ بردہ نے نعتیہ ادب میں جو مقام حاصل کیا وہ کسی اور نعتیہ قصیدے کو نصیب نہ ہوسکا۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اقطار اسلامیہ میں اسے نہایت کثرت سے پڑھا جاتا ہے اور اس کی خاص مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ اس قصیدے نے مسلمانوں کی تعلیم، ان کے ادب، تاریخ اور اخلاق پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ اس کی شرحیں بیشمار لکھی گئیں۔ اسے نصاب تعلیم میں شامل کر کے ادبی شاہکار کے طور پر آج تک پڑھایا جاتا ہے۔ اس کی تضمینیں بھی کثرت سے کی گئیں اور اس طرح شعری ادب میں اس ایک قصیدے نے بڑی وسعت کا سامان کیا۔

بردہ (١٨٢) ابیات کا قصیدہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:

**امن تذکر جیران بذی سلم　　مزجت دمعاً جریٰ من مقلة بدم**

**ام هبت الریح من تلقاء کاظمة　　واومض البرق فی الظلماء من اضم[1]**

شاعر نے تشبیب کے بعد خواہش نفسانی کی مذمت کی ہے۔ پھر مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون باندھا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، معجزات، قرآن، معراج اور جہاد کا بھی ذکر ہے۔ آخر میں شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کے علاوہ بارگاہ ایزدی میں مناجات کو بھی شامل کر دیا ہے۔

قصیدے کی تشبیب عام رنگ میں ہے یعنی وہی عشق کا بیان ہے۔ اظہار شوق ہے۔ آنسوؤں کی بارش ہے۔ لاغری، درد اور مصیبت کا مضمون ہے:

**ایحسب الصب ان الحب منکتم　　ما بین منسجم منه و مضطرم[2]**

پھر ہوائے نفس سے باز رہنے کی خواہش ہے۔ حقیقت میں شاعر کے اعلیٰ مذاق اور اس

---

[1] قصیدہ بردہ (مطبوعہ تاج کمپنی لاہور) صفحہ-٢

[2] قصیدہ بردہ (مطبوعہ تاج کمپنی لاہور) صفحہ-٢

کی شاعری کا انتہائی کمال ہمیں ان اخلاقی مضامین میں نظر آتا ہے جنہیں تشبیب کے ساتھ نہایت حسن وخوبی سے جوڑ دیا گیا ہے۔ تشبیب کی اس عام روش میں بھی بوصیری نے انفرادی شان پیدا کی ہے اوراس طرح قصیدے کے اس حصہ کو مقدس موضوع کی مناسبت سے اخلاقی مضامین سے سنوارا ہے۔ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف گریز کی صورتیں بے ساختہ ہیں جن میں باہم ربط نہایت حسن وخوبی سے پیدا کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو محسوس نہیں ہوتا کہ شاعر ایک بات کہتے کہتے خواہ مخواہ دوسری بات چھیڑ رہا ہے۔ تشبیب کے بعد شاعر معلم اخلاق بن کر تمثیلات کے ذریعے اخلاقی مضامین ذہن نشین کراتا ہے۔

**والنفس کالطفل ان تهمله شب علیٰ　　حب الرضاع و ان تفطمه ینفطم**

**فاصرف هَواها و حاذران تولیه　　ان الهویٰ ما تولی یصم او یصم[1]**

قصیدے میں مضمون کا یہی رنگ نہایت بدیع ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اشعار ضرب الامثال کے طور پر استعمال ہونے لگے ہیں۔ مندرجہ بالا اشعار میں شاعر نے نفس کو بچہ سے تشبیہ دی ہے کہ جب تک دودھ پلایا جائے گا وہ برابر پیتا رہے گا لیکن جب اس کا دودھ چھڑا دیا جائے گا تو یقیناً وہ چھوڑ بھی دے گا۔ پھر اس امر کی تلقین ہے کہ نفس کو اس کی آرزؤں سے روکنا چاہئے۔ اس لئے کہ ہوا و ہوس کا غالب ہو جانا زندگی کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اوصاف کا بیان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی مشقت کا ذکر بھی ہے۔ کثرتِ عبادت کے ساتھ فاقوں کا تذکرہ بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آمر اور ناہی ہونے کا اظہار بھی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت خلق وخُلق دونوں کی وضاحت ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

**محمد سید الکونین و الثقلین　　والفریقین من عرب و من عجم**

**نبینا الآمر الناهی فلا احد　　ابر فی قول لا منه و لا نعم**

**هو الحبیب الذی ترجیٰ شفاعته　　لکل هول من الاهوال مقتحم**

**دعا الی الله فالمستمسکون به　　مستمسکون بحبل غیر منفصم[2]**

---

[1] قصیدہ بردہ۔ صفحہ۔ ٦١٥　　[2] قصیدہ بردہ۔ صفحہ۔ ٩

بوصیری کے قصیدے کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ باوجود خلوص کی فراوانی کے شاعر نے وصفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حدود سے کہیں تجاوز نہیں کیا اور نہ کہیں غلو کی صورت پیدا کی۔ شاعر اس کی تلقین شدت سے کرتا ہے کہ مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں وہ روش ہرگز اختیار نہ کی جائے جو ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں پاتے ہیں:

دع مادّعته النصاریٰ في نبیهم　　　و احکم بما شئت مدحا فیه و احتکم [۱]

عربی نعت میں ابوبکر تقی الدین بن علی بن عبداللہ الحموی (ولادت ۷۶۷ھ/ وفات ۸۳۷ھ) کا قصیدہ بدیعیۃً بھی نہایت اہم ہے جو ''خزانۃ الادب'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصیدے میں دیگر مضامین کے ساتھ نعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہے۔ جس کے (۱۴۲) اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ مدائح ابن نباتۃ المصری بھی عربی نعتیہ ادب میں گرانقدر اضافہ ہے جو جمال الدین محمد بن محمد مصری (ولادت ربیع الاوّل ۶۸۶ھ/ وفات سہ شنبہ صفر ۷۶۸ھ) کی تصنیف ہے۔ اس میں پانچ نعتیہ قصیدے ہیں۔ ان قصائد میں زیادہ تر لفظی صناعی سے کام لیا گیا ہے۔ ان کا رنگ اُردو کے مشہور نعت گو شاعر محسن کاکوروی کے کلام سے ملتا ہے۔ نمونۃً چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

شجون نحوها العشاق فائوا　　　وصبِّ ماله فی الصبر راء

......

صحا القلب لولا نسمة تتخطّر　　　ولمعة برق الغضا تتعسّر

بنيِّ اتمّ الله صورة فخره　　　و آدم فی فخّاره یتصوّر [۲]

اردو ادب میں نعت گوئی کے پس منظر کو پیش کرنے میں عربی نعت سے متعلق نہایت اختصار سے کام لیا گیا ہے اور صرف وہ حصے نمایاں کئے گئے ہیں جن کا اثر ہم فارسی اور اُردو نعت پر پاتے ہیں۔ مضامین اسلوب اور اصناف سخن کے اعتبار سے فارسی نعت گو شعراء نے عربی ہی سے خوشہ چینی کی ہے۔ گو مقامی اور وقتی اثرات نے ان خصوصیات میں اضافہ کی اچھی اور بری دونوں صورتیں پیدا کیں۔

---

[۱] قصیدہ بردہ۔ صفحہ-۱۱

[۲] المدائح النبویہ، زکی مبارک۔ صفحہ-۱۸۸

## (ب) فارسی نعت

فارسی میں نعتیہ شاعری کی ابتداء اور اس کے ارتقاء کو معلوم کرنے کے لئے جب عہد سامانی پر نظر ڈالتے ہیں تو اس دور کے ممتاز شعراء میں ہمیں رودکیؔ نظر آتا ہے جو فارسی شاعری کے دَورِ اوّل کا پہلا اہم اور ممتاز شاعر ہے۔ رودکیؔ کے یہاں نعتیہ کلام نہیں ملتا۔

دوسرا دور عہد غزنوی سے متعلق ہے جس نے فردوسی جیسے نامور شاعر کو پیدا کیا۔ فردوسی کے کلام کے محاسن اور کمالات نے اس کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا۔ شاعر نے شاہ نامہ میں تبرکاً نعتیہ اشعار کہے ہیں اس کا ایک شعر یہ ہے:

بگفتار پیغمبرت راہ جوئی — دل از تیر گیہا بدیں آب شوئی[1]

فارسی شاعری کے تیسرے دور یعنی عہد سلجوقی میں تصوف نے شعر کو ایک نئے انداز، نئی فکر، نکھرے، ستھرے لطیف پیرائے میں جذب، کیف اور مستی سے سرشار پیش کیا ہے۔ اب شعر میں عرفان اور معرفت کے مسائل عشق کی لطافتوں کے ساتھ بیان میں آنے لگے۔ شاعر کی نظر شاہد مجازی کے حسن و جمال میں شاہد حقیقی کی جلوہ فرمائیاں دیکھنے لگیں۔ اس دَور کی ممتاز رباعی گو شعراء میں باباطاہر (اوخر قرن چہارم) ابوسعید ابوالخیر (ولادت ۳۵۷ھ، ۹۶۸ء۔ وفات ۴۴۰ھ، ۱۰۴۹ء) اور عبداللہ انصاری (ولادت ۳۹۶ھ/ وفات ۴۸۱ھ) ہیں۔ ان کے یہاں نعتیہ رباعیات بھی ملتی ہیں۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر کی ایک رباعی نمونۃً ذیل میں درج کی جاتی ہے:

خداوندا بگردانی بلا را — ازیں آفت نگہداری تو مارا
بحق آں دو گیسوئے محمد ﷺ — زبوں گردان زبردستان مارا[2]

اس دور کے ممتاز صوفی شعراء میں حکیم سنائی (ولادت ۴۳۷ھ/ وفات ۵۳۵ء) نے نعت کی طرف خاص توجہ کی۔ چنانچہ ان کی تصانیف نعتیہ مضامین سے پُر ہیں۔ سنائیؔ کی مثنویات حدیقہ، طریق التحقیق، سیر العباد وغیرہ میں نعتیہ کلام مستقل عنوانات کے تحت ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مثنوی اور قصیدہ دونوں اصناف سخن میں نعتیہ مضامین بیان کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حکیم سنائیؔ کو اس لحاظ سے بھی اوّلیت کا مرتبہ حاصل ہے کہ انہوں نے نعتیہ مضامین کو

---

[1] آغاز شاہ نامہ گفتار در ستائش پیغمبر و یاراں‌ش

[2] رباعیات حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر مطبوعہ عالم گیر پریس لاہور۔ ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۲

مستقل اور مسلسل مباحث کی صورت بخشی۔ ان کے خیالات میں صوفیانہ گہرائی، ذہنی پختگی اور الہامی برجستگی کے علاوہ خلوص کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ نعتیہ مضامین کے لئے ان کی نظر ہمیشہ قرآن و حدیث پر رہتی ہے۔ تصوف کی زبان میں قرآنی مضامین کا بیان ایک نئے انداز کی دلآویزی کا کام کرتا ہے جو شاعر کے والہانہ احساسات کی راہ سے جلوہ گر ہو کر کیف آور سماں باندھ دیتا ہے۔ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں شاعر کا حکیمانہ انداز شعری محاسن کے ساتھ ایجاز کا نادر نمونہ ہے جو سنائؔی کے کلام کے اعجاز پر شاہد ہے۔

عالم جزو را نظام بدو | غرض "نفس کل" تمام بدو
قدمش در ازل نفرسودہ | قدمش در ابد نیاسودہ
فیض فضل خدائی دایۂ او | فرّ پر ہما مئی سایۂ او
آمدر اندر جہاں جان ہر کس | جان جانہا محمد ﷺ آمد وبس[۱]

## فریدالدین عطار

(ولادت ۱۱۱۹ء/وفات ۱۲۳۰ء) بھی اسی عہد کے ممتاز نعت گو شاعر گزرے ہیں جن کی مثنوی منطق الطیر نے ان کے نام کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ عطاؔر نے اپنی مختلف مثنویوں میں نعتیہ کلام کو شامل کیا ہے۔ ان کا ایک نعتیہ قصیدہ بھی ہے جو ان کے دیوان میں درج ہے۔ شاعر نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے مراتب اور فضائل نہایت شرح و بسط سے بیان کئے ہیں۔ ان کے بیان میں سادگی، سلاست، روانی اور شیرینی پائی جاتی ہے۔ عطاؔر کی اس خصوصیت میں صرف شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ہی ان کے ہم پلہ قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ شاعر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں نیاز مندانہ اور عاجزانہ شان سے پیش ہوتا ہے اور حقیقت میں اس کی باریابی بھی اسی خلوص کی مرہونِ منت ہے:

وصف او در گفت چوں آمد مرا | چوں عرق از شرم خود آید مرا
او فصیح عالم و من لال او | کے توانم داد شرح حال او
انبیاء در وصف او حیراں شدہ | سرشناساں نیز سرگرداں شدہ[۲]

---

۱؎ حدیقۃ الحدائق، صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۴

۲؎ منطق الطیر (عطار) در نعت سید المرسلین۔ صفحہ ۱۰

## نظامؔی

(ولادت ۵۳۵ھ/وفات ۵۹۹ھ اور ۶۰۲ھ کے درمیان)

عہد سلجوقی میں نعت گو شاعر کی حیثیت سے نظامی کا مقام نہایت بلند ہے۔ ''مثنویات خمسہ'' میں نظامی کی عظمت کا دارومدار ان کے نعتیہ کلام پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعر نے کمالِ فن کے اظہار کا ذریعہ بھی نعت کو بنایا اور اپنی ساری صلاحیتیں اس میں صرف کیں۔ نظامی جو خمسہ کے موجد گردانے جاتے ہیں ان کے خمسہ کی ہر مثنوی کے آغاز میں حمد کے بعد نہایت بلند پایہ اور روح افزا نعتیں ملتی ہیں۔ معراج نامہ لکھنے میں انہیں امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بداعت اسلوب، مرقع نگاری، اثر آفرینی، زور اور روانی ان کے نعتیہ کلام کی ممتاز خصوصیات ہیں۔ بارگاہ رسالت سے وابستگی اور انعام طلبی شاعر کی زندگی کا حاصل ہے۔ جو کچھ ہے بس اسی جناب کی غلامی میں ہے۔ شاعر دست سوال دراز کرتا ہے تو اللہ کا واسطہ دے کر اللہ کے نام پر سوال کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر باریابی نہ ہوگی تو پھر کہاں ہوگی:

چوں تربیت حیات کردی — حل ہمہ مشکلات کردی
زاں لوح کہ خواندی از ہدایت — در خاطر ما فگن یک آیت
اے کرا مرا تمامی از تو — نیروئی دل نظامی از تو
زیں دل بدعا قناعتی کن — و ز بہرِ خدا شفاعتی کن [۱]

## خاقانؔی (وفات درسن ۵۹۵ھ)

خاقانؔی کا پایہ قصیدہ گوئی میں نہایت بلند ہے۔ یہاں تک کہ اسے قصیدہ کا بادشاہ کہا گیا ہے۔ خاقانؔی کا شاہکار جس نے فارسی شاعری کو قصیدہ گوئی کے محاسن سے مالا مال کر دیا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا گیا۔ شاعر نے اس کا نہایت اہتمام کیا ہے کہ افضل البشر کی مدح بھی افضل المدائح کی شان میں پیش کی جائے۔ دراصل یہ سخن آفرینی شاعر کا انتہائی خلوص ہے کہ وہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بہتر سے بہتر ہدیہ سخن لے کر پیش ہوا۔ اس کے لئے شاعر نے جو جتن کئے اس کے ثبوت میں اس کا کلام کافی ہے۔ خاقانؔی

---

[۱] لیلیٰ مجنوں صفحہ-۱۶۔ نسخہ مرتبہ ''وحید دستگردی'' تہران

کا نعتیہ قصیدہ نہ صرف خاقانؔی کے بلکہ فارسی زبان کے شاہکار قصیدوں میں شمار ہوتا ہے۔ خاقانی اپنی طرز کا آپ موجد ہے۔مشکل ردیف اور قافیے پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ زورطبیعت کے باعث زور بیان کی فراوانی پائی جاتی ہے:

پےء ثنائے محمد ﷺ بر آر تیغ ضمیر      کہ خاص بر قد او با فتند ورع ثنا
زباں بستہ بمدح محمد ﷺ آرد نطق      کہ نخل خشک پےء مریم آورد خرما

......

مالک الملک سخن خاقانیم کز گنج نطق      دخل صد خاقان بود یک نکتۂ غرائی من
از مصاف بولہب فعلاں نہ پیچانم عناں      چوں رکاب مصطفیٰ شد مقصد و ملجائے من
قاسم الرحمۃ ابوالقاسم رسول اللہ کی ہست      درولائے اوحذیو عقل و جان مولائے من[1]

## رومؔی (ولادت ۱۲۰۷ء/وفات ۱۲۷۳ء)

مولانا جلال الدین رومؔی کو فارسی زبان کے صوفی شعراء میں جو مقام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ان کے یہاں اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ایک نئے ڈھنگ سے، نئے رنگ میں، زمانے کے مذاق کے موافق، تمثیلی انداز میں زندگی کی گتھیوں کو سلجھاتے ہوئے، حکمت وعرفان کے مسائل کو دل نشیں پیرائے میں پیش کرتے ہوئے شاعرانہ دلآ ویزیوں کو لئے ہوئے جس قوت کے ساتھ ہوتا ہے وہ دراصل شاعر کی اس باطنی کیفیت کی ترجمانی ہے جو اس کے سینے کو عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر و بم سے ہمیشہ دوچار رکھتی ہے۔

یوں تو مولانا روم کے دیوانِ غزلیات میں بھی ان کے جستہ جستہ نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ لیکن ان کی مشہور آفاق مثنوی کے چھ دفتروں میں مختلف مباحث کے سلسلے میں جو عظمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حقیقت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکیمانہ نظر اور عارفانہ نکتہ رسی سے اجاگر کیا ہے اس کی مثال نعتیہ ادب میں صرف ڈاکٹر اقبال کے یہاں ملتی ہے۔معانی اور بیان کے نئے نئے اسالیب نعتیہ شاعری کے لئے مولانا ہی نے فراہم کئے ہیں:

لطف خدائی جملہ کمالات خلق را      یک چیز کرد و داد بد و نام مصطفیٰ[2]

---

[1] دیوان خاقانی ردیف ''ن'' صفحہ-۲۳۰ تا ۲۳۷

[2] دیوان غزلیات رومی معروف بدیوان شمس تبریز مطبع منشی نول کشور ردیف ''و''

ما رمیت از رمیت راست داں	ہر چہ دارد جان بود از جان جاں[۱]

......

گر بصورت آدمی انساں بدی	احمد و بوجہل ہم یکساں بدی[۲]

......

شدہ غلامِ صورت بمثال بت پرستاں	توچو یوسفی ولیکن سوئے خودنظر نہ داری
بعصا شگاف دریا کہ تو موسیٰ زمانی	بدرآں قبائے مہ را کہ تو نور مصطفائی[۳]

## سعدؔی شیرازی (ولادت ۱۱۸۴ء/وفات ۱۲۹۱ء)

سعدؔی کے نعتیہ کلام کی ممتاز خصوصیت، بیان کی سادگی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا خلوص ہے۔ اس لئے ان کے اشعار پُر معانی، پُرسوز اور اثر میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ سبک الفاظ اور خوش آہنگ ترکیبوں سے شاعر کلام کو ترنم ریز بنا کر وجد اور حال کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ جو سنتا ہے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سعدؔی کے نعتیہ اشعار دلوں میں گھر کر جاتے ہیں اور حبِّ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دل بے چین ہو جاتا ہے۔ ان کی گلستاں، بوستاں اور کریما کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کی وجہ سعدؔی کا یہی دلنشین پیرایۂ بیان ہے جس کی سادگی پر ہزاروں محاسن قربان ہیں۔ ہر سننے والا یہی محسوس کرتا ہے کہ ''یہ بھی میرے دل میں ہے۔'' لیکن اب تک کوئی وہ بات پیدا نہ کرسکا جو سعدؔی نے باتوں باتوں میں بیان کردی ہے۔ ان کی نعت ''بلغ العلی بکمالہ'' پر جو کثرت سے تضمینیں لکھی گئی ہیں اس سے اس کی مقبولیت خاص و عام کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کے چند ہی اشعار ان کی فضیلت پر شہادت کے لئے کافی ہیں:

بلغ العلےٰ بکمالہ	کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ	صلوا علیہ و آلہ[۴]

---

۱۔ مثنوی مولانا روم دفتر دوم صفحہ-۲۲۴۔ نسخہ مطبع نامی کانپور
۲۔ مثنوی دفتر اوّل صفحہ-۲۶
۳۔ دیوان ردیف ''ی''
۴۔ گلستان مطبوعہ برقی پریس حیدرآباد دکن۔ صفحہ-۳

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتی بان
چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوح کشتی بان[۱]

**امیر خسرؒو** (ولادت ۶۵۱ھ ۱۲۵۳ء، وفات ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء)

ہندوستان کے فارسی شعراء میں امیر خسرؒو کو نہایت ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ غالبؔ نے بھی فیض خسرؒو کا اعتراف اور اپنی عقیدت مندی کا اظہار نہایت نیاز مندانہ الفاظ میں کیا ہے۔ غالبؔ کا مصرعہ ہے:

"پیتا ہوں دھو کے خسرو شیریں سخن کے پاؤں"

خسرؒو نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار کے لحاظ سے اپنے کلام کو مختلف دواوین میں ترتیب دیا ہے۔ ان سب میں نعتیہ قصائد اور غزلیات پائی جاتی ہیں۔ "خمسۂ نظامی" کا نسبتاً کامیاب جواب "خمسۂ خسرو" ہے۔ مثنویات خمسہ اور اپنی تاریخی مثنویات میں خسرو نے طویل نعتیں لکھی ہیں جو آج تک اہلِ تصوف کی محفلوں کے لئے وجد و حال کا سامان کرتی ہیں۔

خسرؒو کا نعتیہ کلام خلوص، جوش، تڑپ، درد اور سوز سے مملو ہے۔ الفاظ کے زیر و بم سے سحر کارانہ موسیقیت ان کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اس کے علاوہ منظر نگاری جو ان کے کلام کی عام اور ممتاز خصوصیت ہے ان کے نعتیہ کلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ ان کا تغزل اپنی سادگی اور اثر آفرینی میں سعدیؒ کے رنگ سے ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خسرؒو ان اہل دل بزرگوں میں ہیں، جن کا سرمایۂ افتخار ہی بارگاہ رسالت سے مخلصانہ وابستگی ہے۔ ان کے کلام میں نعتیہ مضامین کا منبع قرآن وحدیث ہے۔ شاعرانہ رنگ آمیزی کہیں صادق البیانی اور شرعی حد بندیوں سے برسرِ پیکار نظر نہیں آتی۔ جو کچھ ہے حقیقت حال کی ترجمانی ہے جسے شعری دلآویزیوں نے نہایت حسین پیکر بخشا ہے۔ جذب، کیف اور مستی شاعر کی باطنی کیفیت کی آئینہ دار ہے جو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کی ہے۔

خسرؒو کے رنگ کا اثر اُردو نعتیہ شاعری پر نہایت گہرا اور ہمہ گیر ہے۔ وصفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر قرآن، حدیث، تصوف، تخیل، جذب، شوق اور خلوص کی آمیزش سے

---

[۱] گلستان مطبوعہ برقی پریس حیدر آباد دکن۔ صفحہ۔۴

نہایت بدیع مضامین پیدا کرتا ہے۔ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے خسرؔو اپنی شاعری کے سارے محاسن سے کام لیتے ہیں۔ ذیل میں ان کے نعتیہ کلام کا وہ نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس میں اوصاف کا بیان زیادہ ہے اور تغزل کا رنگ کم:

پیشرو کوکبۂ انبیا　　　کوکبش از منزلت کبریا
کون و مکاں در خط امکان او　　　کایں و من کان گہر کان او
کرد لوا نصب در ایوان ہو　　　تحت لوا آدم و من دونہ او
از حد ناسوت برون تاختہ　　　بر خط لاہوت وطن ساختہ
لعل وے از خاتمت آگہ شدہ　　　خاتم انگشت یداللہ شدہ
خاتمش ازہفت فلک حلقہ ساز　　　یافتہ از مہر نبوت طراز
گرچہ سلیماں شود انگشتریں　　　خضر او را نرسد در نگیں
گرد شدہ حلقۂ پیغمبراں　　　خاتمش مہر نہادہ برآں
ختم نبوت شدہ برہان او　　　مصحف ختم آمدہ در شان او[1]

## جامیؔ (ولادت ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء۔ وفات ۸۹۸ھ ۱۴۸۵ء)

مولانا نورالدین جامیؔ نویں صدی ہجری میں علم، ادب اور عرفان کے آفتاب بن کر چمکے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ سے اکتسابِ فیض باطن کے بعد ذوق تصوف نے کمال کی منازل نہایت سرعت سے طے کرائے۔ جامیؔ نے ہر صنف سخن میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے۔ خاص طور پر ان کا نعتیہ کلام اہل دل کے حلقے میں نہایت گراں مایہ سمجھا جاتا ہے۔ جامیؔ نے بھی خسرؔو کی طرح بلحاظ ادوار اپنے کلام کو تین مجموعوں میں تقسیم کیا۔ خمسہ نظامی کا جواب لکھا اور نعتیہ شاعری کو حکمت وعرفان کے مضامین سے مالا مال کر دیا۔ ان کے کلام میں علم، عرفان، جذب اور کیف کی عجیب وغریب جامعیت پائی جاتی ہے۔ شوق دیدار اور اشتیاق زیارت روضۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین میں سے شاعر کی باطنی کیفیت کے طوفان کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔ ذیل کی مثالیں جامیؔ کے کلام کی ان خصوصیات کو واضح کرتی ہیں۔

---

[1] متن قرآن السعدین درنعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ صفحہ-۱۱۔ (علی گڑھ ایڈیشن)

یا شفیع المذنبین بار گناہ آوردہ ام
بر درت ایں بار با پشت دوتاہ آوردہ ام

چشم رحمت برکشا موئے سفید من نگر
گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام

آں نمی گویم کہ بودم سالہا در راہ تو
ہستم آں گمرہ کہ اکنوں روبرو آوردہ ام

عجز و بے خویشی و درویشی و دلریش و درد
ایں ہمہ بر دعویٰ عشقت گواہ آوردہ ام

دیو رہزن در کمین نفس و ہوا اعدائے من
زیں ہمہ با سایۂ لطفِ پناہ آوردہ ام

گرچہ روئے معذرت نگذاشت گستاخی مرا
کردہ گستاخی زباں عذر خواہ آوردہ ام[۱]

کے بود یا رب کہ رو در یثرب و بطحا کنم — گہہ بمکہ منزل و گہہ در مدینہ جا کنم
بر در باب السلام آیم بگریم زار زار — گہہ بہ باب جبرئیل از شوق واویلا کنم
یا رسول اللہ بسوئے خود مرا راہے نمائے — تاز فرق سر قدم سازم زدیدہ پا کنم
آرزوئے جنت الماویٰ بروں کردم زدل — جنتم ایں بسکہ برخاک ورت ماویٰ کنم[۲]

## عُرفؔی (متوفی ۹۹۹ء)

عرفؔی کا مقام شعرائے متقدمین میں نہایت بلند ہے۔ ان کے یہاں شوکت الفاظ اور بلندئ مضامین کے ساتھ سلاست اور عذوبت کا کافی لحاظ پایا جاتا ہے۔ جدید استعارات اور نادر تشبیہات نے کلام کو جو زینت بخشی ہے اس سے شاعر کے تخیل کی بلندی اور خداداد صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ عرفؔی کا نعتیہ قصیدہ ان کی شاعری کے بے شمار محاسن اور ان کی اعلیٰ صلاحیت کا بین ثبوت ہے۔ جس نے اہل علم و فضل سے خراج تحسین وصول کر کے فارسی کے شاہکار قصائد

---

۱ نغمات سماع مولفہ سید نورالحسن (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۵ء، صفحہ-۲۲۰)
۲ نغمات سماع مولفہ سید نورالحسن (مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۵ء، صفحہ-۲۳۱)

میں جگہ حاصل کی ہے۔قصیدے کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

اقبال کرم میگزد ارباب ہمم را — ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را
از رغبت دنیا الم آشوب نگردم — زیں باد پریشاں نکنم زلف علم را
فقرم بسیاست کشد از مسند ہمت — در چشم وجودارندہم جائے عدم را
بے برگی من داغ نہد بر دل ساماں — بے مہری من زرد کند روی درم را

ثنائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار حسب ذیل ہیں:

در کوئے تو تبدیل کند مردمک چشم — اجزائے وجودم خود اجزائے قدم را
از بس شرف گوہر تو منشیٔ تقدیر — آں روز کہ بگزاشتی اقلیم قدم را
تا حکم نزول تو دریں دار نوشتہ است — صدرہ بعبث باز تراشیدہ قلم را
گر جوہر اوّل بحریم تو در آید — تن درندھد قامت تعظیم تو خم را[۱]

عرفیؔ بارگاہِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ خلوص پیش کرتے ہوئے عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید احساس رکھتا ہے۔اس کی نظر میں کےؔ و جمؔ کا جاہ وحشم سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال اور کبریائی کے سامنے گرد کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔اس لئے جب وہ آقائے نامدار کی مدح میں زبان کھولتا ہے تو اس بارگاہ کے آداب کا پورا پورا لحاظ کرتا ہے۔شاعر کے تاثرات ملاحظہ کیجیے:

عرفیؔ مشتاب ایں رہ نعت ست نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بردم تیغست قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرو دن
نعت شہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم و مدیح کے و جم را[۲]

## قدسیؔ (متوفی سنہ ۱۰۵۴ھ)

قدسیؔ کا نعتیہ کلام بھی حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت لطیف اور جوشیلے مضامین سے پُر ہے۔ان کے یہاں زیادہ تر داخلی جذبات کی ترجمانی ہے جس میں شاعر والہانہ انداز

---

۱؎ کلیات عرفیؔ۔مطبوعہ منشی نول کشور کانپور،۱۸۸۲ء درنعت سرور کائنات،صفحہ ۴،۵
۲؎ کلیات عرفیؔ۔مطبوعہ منشی نول کشور کانپور،۱۸۸۲ء درنعت سرور کائنات،صفحہ ۴،۵

میں ہدیۂ خلوص پیش کرتا ہے۔ شاعر جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر فریفتگی کے ساتھ جلالت رسالت سے سہا سہا معلوم ہوتا ہے۔ وہ لقائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کے باوجود خود کو باریابی کے قابل نہیں سمجھتا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے رشتے کا اظہار بھی کرتا ہے تو بارگاہ کی عظمت کے خیال سے جذبۂ انفعال کی پریشانی سے دوچار ہوتا ہے۔ وہ حیران ہے کہ اس جمال عالم افروز کو کس نظر سے دیکھوں۔ شاعر کی ساری امیدیں بس ایک در سے وابستہ ہیں اور اس وابستگی کو وہ زندگی کا حاصل سمجھتا ہے۔ مختصر یہ کہ قدؔسی کی نعت گوئی میں شعری اور ادبی لطافتوں کے ساتھ خلوص کا احساس ہے، تمناؤں کا اظہار ہے، اپنے مقام کی کمزوری اور شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت کا احساس ہے۔ یہ ساری کیفیتیں قدؔسی کے کلام میں جوش، تڑپ، جذب اور مستی کی آمیزش سے نہایت بدیع مضامین پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام محبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہایت جاذب توجہ رہا ہے۔ یہ غزل قدؔسی کی نعتیہ شاعری کی خصوصیات کو واضح کرتی ہے:

مرحبا سید مکی مدنی العربی — دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم — اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر — اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را — بہتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی
باہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات — رحم فرما کر زحد می گزرد تشنہ لبی
نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم — زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدؔسی پئے درماں طلبی[1]

## اقباؔل

فارسی نعت گو شعراء کے سلسلے کی آخری کڑی اقباؔل ہیں۔ ان کے کلام پر روؔمی اور جاؔمی کے نعتیہ رنگ کا اثر نمایاں ہے۔ جس کا اعتراف علامہ نے خود ہی کیا ہے:

---

[1] نغمات سماع۔ صفحہ-۳۵۳

کشتۂ انداز ملّا جامیم　　نظم و نثر او علاج خامیم
شعر لبریز معانی گفتہ است　　در ثنائے خواجہ گوہر سفتہ است [1]

لیکن اقبالؔ کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فلسفیانہ اور حکیمانہ انداز میں زندگی کے مسائل سے ہم آہنگ کیا ہے۔ اس کی مثال نعتیہ ادب میں کسی زبان میں نہیں ملتی۔ اقبالؔ کے فلسفہ تعلیم۔ فلسفۂ معاشرت، فلسفۂ معیشت، غرض کہ ان کے فکرو نظر کے ہر گوشے میں ''حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم'' بسی ہوئی ہے جو جامع ہے تمام کمالات انسانی کی۔ ان کی نظر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ زندگی کے ہر مسئلے کا عملی حل بن کر کتاب زیست کی کھلی ہوئی تفسیر ہے۔ اقبالؔ کا ''مردمومن'' ''مردخودی'' ''مرد قلندر'' ''عشق''، عقل حکمت اسی ایک حقیقت کے ترجمان ہیں۔ اس لحاظ سے اقبالؔ کی شاعری نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا بے نظیر نمونہ ہے جسے دیکھ کر روح پھڑک اٹھتی ہے اور رگوں میں زندگی دوڑنے لگتی ہے۔ اگر زندگی حرکت کا نام ہے تو اقبالؔ کی نعت گوئی اس حرکت کی تفسیر اور زندگی کی تعبیر ہے۔ اقبالؔ نے اسے نہایت خوش اسلوبی سے سنجیدہ، حسین، روح افزا، اور روح فرسا بنا کر پیش کیا ہے۔

اقبالؔ کی شاعری کا ایک انداز حکیمانہ ہے اور دوسرا والہانہ۔ جب والہانہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو شاعر لقائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے چین ہو جاتا ہے وہ خود بھی روتا ہے اوروں کو بھی رُلاتا ہے۔ اس کے سینے میں شوق زیارت کا بے پایاں طوفان بپا ہوتا ہے لیکن اس جذب۔ کیفیت اور مستی کو شاعر آداب سکھاتا ہے کہ وہ بڑی بارگاہ ہے۔ ''باخدا دیوانہ باش و با محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار'' کی حقیقت سے وہ خوب واقف ہیں۔ اس لئے اقبالؔ کا نعتیہ کلام شرعی حدود سے کبھی تجاوز نہیں کرتا۔

اقبالؔ کے نعتیہ کلام کا نمونہ مختصراً درج ذیل ہے جس سے ان کے کلام کی خصوصیات کا اندازہ ہو جائے گا:

اے ظہور تو شباب زندگی　　جلوہ ات تعبیر خواب زندگی
ساز پردازی کہ از آوازۂ　　خاک را بخشد حیات تازۂ

---

[1] اسرار خودی در موز بیخودی۔ صفحہ۔۲۲۔ (مطبوعہ ۱۹۴۰ء لاہور)

فکر شان ریسد ہمی باریک تر    درع شان با مصطفیٰ ﷺ نزدیک تر[1]

غنچۂ از شاخسار مصطفیٰ ﷺ    گل شو از باد بہار مصطفیٰ ﷺ[2]

طینت پاک مسلماں گوہر است    آب وتابش از یم پیغمبر ﷺ است[3]

فارسی کے جن نعت گوشعراء کا یہاں ذکر کیا گیا ان کا کلام ہندوستان میں فارسی تعلیمی نصاب کا ہمیشہ جزو بنا رہا۔ اور فارسی کا ہندوستان میں جو مقام رہا ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی ادب کے اثرات اردو ادب پر نہایت گہرے ہیں۔ نعتیہ شاعری اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اردو نعت کے قصائد، مثنویاں، غزل وغیرہ میں ہم فارسی نعت کا تتبع شدت سے پاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اردو نے اس خصوص میں چند نئی راہیں بھی نکالی ہیں لیکن یہ بعد کی چیزیں ہیں جو ہندوستانی اثرات سے نعت میں داخل ہوئیں۔ اردو نعت گوئی کے ارتقاء کو ہم عربی اور اس سے زیادہ فارسی سے الگ کر کے قیاس بھی نہیں کر سکتے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر کافی روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ چیز ہمارے مقالے کے مقصد سے خارج ہے، لہٰذا اس اختصار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

## (ج) اُردو نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کا اثر

ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ جو تمدن آیا اُسے خالص اسلامی تمدن نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تمدن ایران کے اثرات سے کچھ بدل چکا تھا۔ پھر دیگر ممالک میں پہنچ کر مختلف اقوام سے ربط نے اس میں اور بھی تغیرات پیدا کر دیئے تھے۔ جب مسلمان ہندوستان پہنچے تو انہوں نے ملک کے تمدن پر گہرا اثر ضرور ڈالا لیکن خود بھی ہندوؤں کے تمدن کے اثرات سے نہ بچ سکے۔ یہی اثرات اسلامی ادب میں بھی سرایت کر گئے ہیں اور انہوں نے کچھ ایسا رُوپ اختیار کر لیا کہ اب عام طور پر یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ غیر اسلامی ہیں۔ اسلامی تصوف پر جو ہندوستانی تصوف کے اثرات ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خالص اسلامی ادب میں شمار کیا جائے گا۔ لیکن یہی ادب

---

[1] اسرار خودی در موز بیخودی۔ صفحہ- ۱۴۵،۱۵۲،۱۵۴

[2] اسرار خودی در موز بیخودی۔ صفحہ- ۱۴۵،۱۵۲،۱۵۴

[3] اسرار خودی در موز بیخودی۔ صفحہ- ۱۴۵،۱۵۲،۱۵۴

جب ہندوستان پہنچتا ہے تو اپنی چند ممتاز خصوصیتوں کی بناء پر فارسی اور عربی نعتیہ کلام سے الگ اپنا انفرادی رنگ بھی پیدا کر لیتا ہے جو ملکی اثرات کا نتیجہ ہے۔ یہ امتیاز صوری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے موجود ہے جس میں ملکی شاعری کی خصوصیات من وعن پائی جاتی ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہندوستان میں آ کر ان اصنام یا دیوتاؤں کی مدح سرائی کی طرز سے نہایت متاثر ہوئی جن کے گیت بھجنوں میں گائے جاتے ہیں۔ ان بھجنوں کی حقیقت یہ ہے کہ آریوں کے غیر معین مذہبی خیالات اپنی قوت تخیل کی آزادی کے ساتھ اپنے لئے کوئی حدود قائم نہ کر سکے۔ کبھی تو یہ بھجن پوری کافرانہ توحید کے مضامین سے مملو ہیں اور کبھی بدترین شرک سے پر ہیں۔ اعتقادات میں باہمی ربط نہیں پایا جاتا۔ الفاظ کو اس قدر غیر محدود، اور غیر معین معنی پہنائے جاتے ہیں کہ ان سے پیدا شدہ اعتقادات میں زبردست فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اصنام پرستی کے اس ماحول میں بقول مصنف ''تمدن ہند'' ''ان دیوتاؤں کی کسی قسم کی کوئی تقسیم نہیں ہو سکتی اور نہ ان کے طبقات قائم ہو سکتے ہیں۔''[۱]

خدا کے مفہوم کو بھی کچھ اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ اس میں مبہم اور غیر معین خیالات پائے جاتے ہیں جس کے اظہار کے لئے الفاظ بھی معین اور غیر مبہم نہیں ہوتے۔ اس طرح یہاں الوہیت بھی الوہیت نہیں رہتی۔ مہابھارت اور رامائن جو وید کے بعد کی نظمیں ہیں ان میں دیوتاؤں کی عظمت اور ان کی قدرت کو بہت سراہا گیا ہے لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہی عظیم دیوتا انسان یا راکششوں کے مقابلے میں اپنی عظمت اور قوت کھو بیٹھتے ہیں ان کے عقیدے نے اندر اور یم کو راوݨ کے ہاتھوں شکست دی گو راوݨ کی حیثیت راکششوں کے راجہ سے زیادہ نہیں ہے ایک اور مثال رام چندر جی کی ہے جن کے بھائی لکشمن اپنی بھاوج سیتا جی کی دلجوئی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''یہ بالکل محال ہے کہ میرے بھائی کو اسور اور اندر اور تمام
> دیوتا مل کر بھی شکست دے سکیں۔''[۲]

اس خدائی مفہوم کے عقیدے کی یہ مثال بھی حیرت خیز ہے کہ کالیداس کے ناٹک شکنتلا

---

[۱] تمدن ہند از ڈاکٹر گستاولی بان مترجمہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی مطبوعہ شمسی آگرہ ۱۹۱۳ء صفحہ-۳۰۱

[۲] تمدن ہند از ڈاکٹر گستاولی بان مترجمہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی مطبوعہ شمسی آگرہ ۱۹۱۳ء صفحہ-۲۰۳

میں اندرا اپنا قاصد راجہ دوشنیت کے پاس بھیجتا ہے اور اس سے درخواست کرتا ہے کہ ''تم اسوروں کو جا کر ماردو۔ کیونکہ میرا بس ان سے نہیں چلتا۔''[1]

اور پھر یہ بھی جائے حیرت ہے کہ راجہ اس درخواست کو قبول کر لیتا ہے اور اسوروں کو جنہیں دیوتاؤں کا راجہ، اندر زیر کرنے سے معذور تھا مغلوب کر لیتا ہے۔ ہندوستانی فضاء میں ایک خدا کا تصور محض خیال اور بے بنیاد ہے۔ ہر ایک دیوتا وقتی طور پر اقتدارِ کلی کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔ یعنی جس کے دیوتا کی مدح کی جاتی ہے تو وہ بھجن گانے والوں کے پاس تمام دیوتاؤں سے اعلیٰ اور افضل ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ اصنام پرستی کی یہ تقسیم کم وبیش اس خاکے کے تحت آ جاتی ہے۔

''اوّل۔ قوائے فطرت کی پرستش، دوم، ان قوائے فطرت کو دیوتا قرار دے کر ان کے نام رکھنا۔ سوم، روح کی بقا کا اعتقاد۔ چہارم، پُرکھوں کی پرستش، پنجم۔ کل عالم یعنی انسان اور دیوتاؤں کو ایک بڑے اور زیادہ قوی دیوتا یعنی اندر کے تحت لانے کی طرف میلان۔ ششم، مذہب کو بالکل مادی قرار دینا۔ یعنی دیوتاؤں اور انسان میں ایک غرض کا تعلق قائم کرنا، انسان کو اپنی طرف سے دیوتاؤں کو چڑھاوے دینا اور دیوتاؤں کا اس کے معاوضے میں انسان کو کثرت سے غلہ اور بارش اور مال وصحت عطا کرنا۔''[2]

رگ وید کے سو سے کچھ زیادہ بھجنوں میں تقریباً نصف اندر اور اگنی کی مدح سرائی میں ہیں باقی نصف وہ ہیں جو دیگر دیوتاؤں آفتاب ابر وغیرہ کی تعریف میں ہیں۔ کالیداس بھی بھجن لکھنے والوں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

## مہابھارت

ہندی ادب میں مہابھارت کا بڑا درجہ ہے۔ اس میں بھی وہی کرامات یا معجزے یا خرق عادات داستانیں ہیں جن میں فلسفی خیالات کو بھی حسن وخوبی سے شامل کر دیا گیا ہے۔ کرشن جی اور ارجن دونوں وشنو کے اوتار بتائے گئے ہیں۔ نیز دیگر پانڈو بھائی اور کورو بھی دیوتاؤں کے اوتار شمار کئے جاتے ہیں۔ اس نظم میں دیوتاؤں، رشیوں اور بادشاہوں کا ذکر ہے۔

---

[1] تمدن ہند از ڈاکٹر گستاولی بان مترجمہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی مطبوعہ شمسی آگرہ ۱۹۱۳ء صفحہ۔۲۰۳

[2] تمدن ہند۔ صفحہ۔۲۰۳، ۲۰۴

## رامائن

یہ مہابھارت کی رزمیہ نظم ہے۔اس میں بھی فوق الفطرت ماحول پایا جاتا ہے۔بھوت، پلیت، دیوتا، ہوا کے رتھ، طلسمی مناظر غرض کہ فوق العادت قوت کے مظاہرے شروع سے آخر تک پائے جاتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ قدیم ہندوستان کے ادب میں زیادہ تر دیوتاؤں اور اوتاروں کے قصے ہیں جن میں طلسمی ہتھیاروں سے دشمن کو مغلوب کیا جاتا ہے۔ساری منطق فوق العادت قصوں کی ایک طلسمی داستان ہے۔اس جگہ جو چیز قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اس فضا میں شخصیت پرستی نے مذہبی رنگ اختیار کر کے منعوت کی قصیدہ خوانی کو جزو ایمان ہی نہیں بلکہ اصل ایمان قرار دیا اور اسے عبادت میں شامل کرلیا جو بھجنوں کی تشکیل میں نمودار ہوا اور اس مدح میں غلو نے سارے حدود توڑ دیئے۔ان میں مراتب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔یہاں تک کہ جب کسی ادنیٰ درجہ کے دیوتا کی مدح میں زبان کھولی گئی تو اعلیٰ مراتب کی ترجمانی میں الفاظ تہی دامان پائے گئے۔اس کی مثال یہ ہے کہ جو صفات صرف اللہ کے لئے تھیں انہیں اگر کسی اللہ والے کی مدح میں صرف کر دیا گیا تو اللہ کے لئے کیا باقی رہ گیا۔پھر جب حمد کی باری آئی تو خیال آفرینی نے دونوں کے لئے واحد مضمون پر ذات وصفات کے طلسمی پردے ڈالنے شروع کر دیئے جس کی کافرانہ دلربائیوں نے دلوں کو لبھایا تو ضرور لیکن حقیقت سے بہت دور لے جا کر پھینک دیا۔

ہندوستان کی اصنام پرستی میں وشنو کے دو اوتار یعنی رام اور کرشن زمانہ قدیم سے نہایت مقبول رہے ہیں۔ان کے گن جو رامائن اور مہابھارت میں گائے گئے وہ اس عشق ومحبت کے ولولے کی ترجمانی کرتے ہیں جو زمانۂ قدیم سے ان اوتاروں کے ساتھ اہل ہند کو رہا ہے۔دوسری شکل کرشن کی ہے۔جس کے عشق نے ہزارہا دلوں کو لبھایا اور مردوں کے ساتھ ہندو عورتوں کے لئے جوش اور ولولے کا سامان کیا۔اس عاشقانہ پرستش نے نیازمندانہ عقیدتمندی کو حد سے زیادہ بڑھایا اور ساری خدائی ان شخصیتوں میں مرکوز ہو کر مخلوق کو خالق کی شان میں دیکھنے لگی۔اب ان کے اطراف زندگی رقص کرنے پر مجبور ہوگئی اور جبینیں سجدہ ریزی کے لئے تڑپنے لگیں۔اس والہانہ تصدق کا جذب شوق ان کے چرنوں میں سب کچھ نثار کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔اصنام پرستی کی یہ مثال ہندوستان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ یہ صورت قوائے

فطری کے پرستاروں میں کسی نہ کسی شکل میں ضرور ملے گی۔ تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ہندوستانی شعراء نے جہاں اپنے مذہبی ممدوحین کی مدح سرائی کی ہے تو انہیں عرش و کرسی پر لے جا کر بٹھا دیا۔ ان کے مدحیہ مضامین اسی نوعیت کے ہیں۔

مندرجہ بالا بیانات سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱- دیوتاؤں کی مدح میں جو بھجن نظم کئے گئے ہیں ان کے مضامین میں دیوتاؤں کے حسب مراتب فرق نہیں کیا جاتا اور جوشِ عقیدت میں تخیل کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چھوٹے اور بڑے دیوتا کی مدح کا بیان ایک ہی مضمون لئے ہوئے ہوتا ہے۔

۲- مذہبی یا روحانی پیشواؤں کو اوتار سمجھ کر انہیں خدائی صفات سے متصف گردانا جاتا ہے یہاں تک کہ حصول مقصد کے لئے اکثر خدا کو بھی ان کی محتاجی ہوتی ہے۔

۳- فوق العادت عنصر کی جاذبیت اور اس سے اشتیاق ہر جگہ ہے۔

مسلمانان ہند کے عقائد ان ہندوستانی عقائد سے کس حد تک متاثر ہوتے ہیں اور وہ کونسی قوتیں تھیں جنھوں نے ہندو اور مسلم عقائد میں میل پیدا کرنے کی کوشش کی اور مذہب کو تصوف کا رنگ دے کر دونوں میں یگانگت کی صورت پیدا کی اس اجمال کی وضاحت ہم ڈاکٹر تاراچند کے مضمون Growtn of Islamic Thought in India کے حسب ذیل اقتباسات میں پاتے ہیں۔

1. Among the eclectics, however, interestings attempts were mage is araw close to one another Hindu and Muslim mystic philosophecs a micag these Dara Shikoh`s on the one side and that of the Leaders of the Bhakti movement on the other side were most remarkable. (1)

2. Dara shikoh indicates the close similarity

---

(1) History of Philosophy : Eastern and Western. Vol. 1 "Growth of Islamic thought in India" by Tara Chand. Sponsored by the Ministry of Education, Govt. of India, Published in 1952. Page 512,

between the Hindu and Muslims mystic practices and beliefs, both as regards the descent of god into man and the ascent of man to god. (1)

3. The movement was an earnest effort on the part of many godly men to reconcils the Hindus and Muslims and to show them that in essentials they differed little.(2)

4. They addressed their message largely to the common people. (3)

5. They combined the elements of Sufism and Vedanta in their eclecffers philosophy. (4)

یہ اقتباسات ہمارے مطلوبہ مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتے ہیں لہٰذا اس خصوص میں کچھ اور

---

(1) History of Philosophy : Eastern and Western. Vol. 1 "Growth of Islamic thought in India" by Tara Chand. Sponsored by the Ministry of Education, Govt. of India, Published in 1952. Page 513,

(2) History of Philosophy : Eastern and Western. Vol. 1 "Growth of Islamic thought in India" by Tara Chand. Sponsored by the Ministry of Education, Govt. of India, Published in 1952. Page 513,

(3) History of Philosophy : Eastern and Western. Vol. 1 "Growth of Islamic thought in India" by Tara Chand. Sponsored by the Ministry of Education, Govt. of India, Published in 1952. Page 513,

(4) History of Philosophy : Eastern and Western. Vol. 1 "Growth of Islamic thought in India" by Tara Chand. Sponsored by the Ministry of Education, Govt. of India, Published in 1952. Page 514,

لکھنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستانی صنمیات نے نعت گوئی کو کس حد تک متاثر کیا ہے۔

## (۱) مضامین نعت میں ہندوستانی عقائد

کلام مجید میں جو وصفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مضامین درج ہیں ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت پہلے تو عبد کی بتائی گئی ہے اور پھر رسالت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز دکھایا گیا ہے اور بار بار اس کا اعادہ کیا گیا ہے کہ مخلوق کا انتہائی کمال حقیقت میں اس کی عبدیت کا کمال ہے اور اسی کے اطراف سارے کمالات گھومتے ہیں۔ جہاں اللہ کی وحدانیت کو لا الہ الا اللہ کہہ کر اصل ایمان قرار دیا گیا ہے وہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سفارت سے زیادہ نہیں ہے۔ عطائے الٰہی کی جتنی صورتیں مخلوق کے لئے ہوسکتی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل حال ضرور ہیں، ساتھ ہی بندے کے انتہائی عروج کا مقام بھی یہی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مرتبہ کی اس بلندی کا احاطہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں لیکن یہ امر بالکل واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کمال کی انتہائی بلندی بھی اسی مقام کا پتہ دیتی ہے جو عبدیت کی آخری منزل ہے۔ **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ** کہہ کر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفعت مقام کو بالکل واضح فرما دیا۔ لیکن اکثر نعت گو شعراء کے عقیدت مندانہ خلوص اور عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں جذب و شوق کی کیفیت نے اس بندگی کی رفعت کو شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کے لئے کمتر جانا، اور شاعر کا تخیل ہمیشہ اس فکر میں رہا کہ مربوب کو رب کی کرسی پر کیونکر بٹھایا جائے۔ اس قسم کے مضامین سے اردو ادب کا نعتیہ کلام پر ہے۔ جس میں الفاظ کو توڑ مروڑ کر میم کے پردے کو اٹھا کر، عرب کے عین کو لفظ سے جدا کر کے، احمد کو احد اور رسول عربی کو ''عرب'' نہیں بلکہ ''رب'' کی شان میں جلوہ گر دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ محسنؔ کاکوروی جیسے محتاط نعت گو شاعر کے یہاں یہ مضامین بھی ملتے ہیں:

عینیت غیر رب کو رب سے — غیریت عین کو عرب سے
ذات احمد صلی اللہ علیہ وسلم تھی یا خدا تھا — سایہ کیا میم تک جدا تھا[۱]

محسن کا جی تو یہ چاہتا ہے کہ بیان کے ان پردوں کو بھی چاک کر دیا جائے لیکن کسی خیال سے شاعر یہ کہہ کر زبان بند کر لیتا ہے کہ:

کافی ہے اسی قدر بیان بس　　　بس اے میری طبع نکتہ داں بس[۲]

شائق حیدر آبادی کا یہ شعر بھی سنئے:

میم کا رخ سے اٹھا کر گھونگٹ　　　شکل دکھلا میرے پیارے احمد ﷺ[۳]

صحو نے کہا ہے:

پردہ میم میں چھپے ہیں حضور ﷺ　　　ہم سے نزدیک ہیں نہیں کچھ دور[۴]

شاعر نے اس شعر میں نحن اقرب الیہ من حبل الورید کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کر کے اصنام پرستی کے اثرات کا ثبوت دیا ہے۔

اس رنگ کو کچھ ہلکا بھی کیا ہے تو یہ کہہ ہی گزرے:

مرا دل ہے محو جمالِ محمد ﷺ　　　وصال خدا ہے وصالِ محمد ﷺ[۵]

اور نعتیہ کلام میں اس قسم کے مضامین کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں لیکن یہ صورت کچھ اُردو ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے فارسی میں بھی یہ مضمون ملتا ہے۔ مثلاً:

بہ صورت اگرچہ عرب آمدہ　　　بمعنی مگر عین رب آمدہ

بایں ہمہ اُردو میں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے مماثلت کے مضامین اندھا دھند بیان کئے گئے ہیں اس کی مثال کہیں نہیں ملتی یہاں تک کہ پڑھنے والے کو عبد اور معبود میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ توحید کے متوالے کی عقیدت مندانہ جرأت ملاحظہ کیجئے جو وحدانیت کو پارہ پارہ کر رہی ہے۔ اوتاروں اور دیوتاؤں کی شان میں بھجن کے مضامین بھی اس سے کچھ پیچھے ہی ہیں:

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر　　　اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

---

۱ کلیات محسن کاکوروی، صفحہ-۲۳۲، ۲۳۳

۲ کلیات محسن کاکوروی، صفحہ-۲۳۲، ۲۳۳

۳ کلیات شائق۔ صفحہ-۱۲۷

۴ دیوان صحو۔ صفحہ-۳۶

۵ دیوان صحو۔ صفحہ-۳۳

عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک اور شاعر ضمنیات میں ڈوب کر الوہیت کے تخیل سے برسرِ پیکار ہے۔ شاعر نے اللہ کو فقط ایک وحدت کی لفظی دستاویز دے کر اس قادر مطلق سے سارے اختیارات چھین لئے:

جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمد ﷺ سے　　　اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے

اللہ تعالیٰ کو اکیلا مجبور اور لاچار بنا کر شاعر نے غیر اللہ کے لئے وہی اقتدار اور قوت کا مضمون پیدا کیا ہے جو لکشمن نے اپنے بھائی رامچندر جی کی مدح میں بیان کیا کہ:

''یہ بالکل محال ہے کہ میرے بھائی کو اسور اور اندر اور تمام دیوتا مل کر بھی شکست دے سکیں۔''

عبد اور معبود کے گھمنڈ کو ایک دوسرے کے مقابلے میں لا کر کھڑا کر دینا بھی اس ہندوستانی ذہنیت کا کرشمہ ہے۔ شائقؔ کا شعر ہے:

ہے خدا کو جس قدر اپنی خدائی پر گھمنڈ　　　مصطفی ﷺ کو اس قدر ہے مصطفائی پر گھمنڈ[۱]

مخلوق کے لئے خالق کے حضور میں گھمنڈ کا کیا موقع ہے۔ وہاں تو جبین نیاز ہزاروں سجدوں کی تڑپ کو لئے ہوئے نیازمندانہ جذب وشوق سے بچھی جا رہی ہے۔ اللہ کے حضور میں شانِ مصطفائی کی یہ غیر فطری تصویر کشی اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی ہے۔

اس جذب وشوق کو لئے ہوئے سجدے میں درود پڑھنے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ محسنؔ کاکوروی نے کہا ہے:

سجدے میں درود پڑھنے والے　　　کیا ہو گئے حد سے بڑھنے والے

اللہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت اور دوئی کے خاتمے کے مضامین کی چند اور مثالیں درج ذیل ہیں:

دوئی کا مطلقاً پردہ نہ تھا جب ذات خالق سے
معما کس طرح کھلتا نبی ﷺ کی ذات یکتا کا[۲]

(طالبؔ)

اس خلوت وحدت میں نہ تھا نام دوئی کا

---

۱ کلیاتِ شائق۔ صفحہ۔۱۲۸　　　۲ خزینۂ نعت حصہ اوّل۔ صفحہ۔۱۲

اللہ سے یوں ہوگئے واصل شب معراج [۱]

(متینؔ)

واللہ کہ ہے رویت حق روئے محمد ﷺ کہتے ہیں جسے خلد وہ ہے کوئے محمد ﷺ [۲]

(متینؔ)

ایک غزل میں مسلسل یہی مضمون ہے:

محمد ﷺ سرِّ قدرت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

خدا اور مصطفیٰ کی کنہ میں ادراک عاجز ہے
محمد ﷺ کو خدا جانے خدا کو مصطفیٰ جانے

محمد ﷺ نے خدائی کی خدا نے مصطفائی کی
کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

احد نے صورت احمد میں اپنا جلوہ دکھلایا
بھلا پھر کس طرح سے کوئی اس کا مرتبہ جانے

وہی ہے ایک دریا اور دو عالم اس کی موجیں ہیں
بحر عرفاں ہو تو جب یہ ماجرا جانے

**ھوالاول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن**
اسی کو ابتدا جانے اسی کو انتہا جانے [۳]

(حیدر)

اور کمال یہ ہے کہ شاعر عقیدۂ وحدت کو پارہ پارہ کرکے بھی اس فریب خوردہ خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ اس کے مضمون کو فقط وحدت آشنا ہی سمجھ سکتا ہے۔

نہ ہووے وحدتوں کو بہرہ اس مضمون سے اے حیدرؔ

---

[۱] خزینۂ نعت حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۸

[۲] خزینۂ نعت حصہ اوّل۔ صفحہ-۲۰

[۳] خزینۂ نعت حصہ اوّل۔ صفحہ-۴۶

میری رمز سخن البتہ وحدت آشنا جانے [۱]

اللہ کی صفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کر کے دونوں کو ذات وحدت ثابت کرنے کے مضامین کی مثالیں مختصراً ہم نے دیکھ لیں۔ اب اولیائے کرام کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بخشنے کی کیفیت بھی ملاحظہ فرمائیے:

پیارے نبی ﷺ سے ملتا ہے انداز غوث کا — ہے رازِ احمدی میں نہاں راز غوث کا [۲]
رسول اللہ ﷺ کا جلوہ ہے جلوہ غوث اعظم کا — عجب پیارا عجب بانکا ہے نقشہ غوث اعظم کا
جسے چاہا اسی دم بحر وحدت میں دیا غوطہ — ازل سے تا ابد بہتا ہے دریا غوث اعظم کا
ہمیں کیوں ہو بھلا ڈر گرمئ خورشید محشر سے — مبارک ہو ہمارے سر پہ سایہ غوث اعظم کا [۳]

''شافع محشر'' رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء کرام بھی اس اعزاز سے محروم ہیں لیکن شاعر کا تخیل حضرت غوث اعظم کو حسن عقیدت میں اس اعزاز سے نوازتا ہے۔

کیا تیزی مہر حشر سے خوف — ہیں زیر لوائے غوث اعظم [۴]
ولائے حضرت خالق ولائے غوث اعظم ہے — رضا اللہ کی عین رضائے غوث اعظم ہے [۵]

شاعر کی بھی عقیدت مندانہ ذہنیت جس میں آداب اور مراتب کا لحاظ اٹھ جاتا ہے عجیب عجیب کرشمے دکھاتی ہے۔ حضرت غوث اعظم کی مدح سرائی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ایک ایسا مضمون ہے جس کے جواز کے لئے تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن شاعری یہ افترا پردازی اور کذب بیانی بھی اسی ہندوستانی صنمیات کی پیدا کردہ ذہنیت کے ماحول میں خراج تحسین وصول کر لیتی ہے:

شب معراج گئے فوق سما جب کہ نبی ﷺ — غوث کی روح وہاں آ کے قدمبوس ہوئی
اور کرتے تھے بصد شوق و ادب عرض یہی — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پوچھا احمد نے کہ تم کون ہو اور کیا ہے اسم — جو دیا عز و شرف تم کو خدائے اکرم

---

۱ خزینۂ نعت حصہ اوّل۔ صفحہ-۴۶ ۲ خزینۂ نعت حصہ اوّل۔ صفحہ-۳۶
۳ کلیات شائق۔ صفحہ-۳۶
۴ ذوق نعت معروف بہ صلہ آخرت تصنیف مولانا حسن رضا خاں حسن۔ صفحہ-۶۴
۵ ریاض معلیٰ۔ صفحہ-۶۲

حسن وخوبی میں تیری مثل نہیں دو عالم    من ازیں حسن و جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی [۱]

یہی حسن عقیدت کی صورت دیگر اولیائے کرام کے ساتھ بھی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت پیر کلیر وغیرہم کی شان میں اسی قسم کی مدح سرائی ہے۔ یہی ہندوستانی بھجنوں کی کیفیت ہے کہ جب ایک دیوتا کی ستائش کی جاتی ہے تو دوسرے دیوتاؤں کی شان اس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ بلالحاظ اس کے کہ عقیدے کے لحاظ سے بھی دیگر دیوتا بلند تر مقام رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ اجمیری کے نور کی تعریف ملاحظہ ہو:

اسی کا جلوۂ انور ہوا ہے نور گھر گھر کا    وہی اجمیر کا سورج وہی ہے چاند گھر گھر کا [۲]

منقبت کے چند اور اشعار درج کئے جاتے ہیں:

جب نظر آیا چہرۂ خواجہ    نور حق ہم نے جلوہ گر دیکھا [۳]

مثال ماہ ہر سو جلوہ گر خواجہ ہی خواجہ ہیں
جدھر اے طالبو دیکھو ادھر خواجہ ہی خواجہ ہیں
نہ کیوں حیرت سے دیکھوں آئینہ خانہ کو میں ہر دم
اِدھر خواجہ ہی خواجہ ہیں اُدھر خواجہ ہی خواجہ ہیں
انہیں کی دید کے مشتاق ہیں دیر و حرم والے
یہاں بھی اور وہاں بھی جلوہ گر خواجہ ہی خواجہ ہیں
نہ کیوں جلوہ چمن کا چشم نرگس دیکھے حیرت سے
عیاں ہر رنگ میں اے بے خبر خواجہ ہی خواجہ ہیں
اٹھا مرد خدا پردہ دوئی کا اپنی آنکھوں سے
تجمل دیکھ کر ہر سو جلوہ گر خواجہ ہی خواجہ ہیں [۴]

---

[۱] خزینۂ نعت حصہ اوّل مولفہ محمد شریف، ناشر ملک فضل الدین، لاہور
[۲] نغمہ روحی عرف مناقب اجمیری۔ از تجمل حسین مطبع نامی پریس، بمبئی۔ صفحہ-۱۱
[۳] نغمہ روحی۔ صفحہ-۱۴    [۴] نغمہ روحی۔ صفحہ-۳۵

ہم نے اس سے پہلے ثنائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مضمون میں ملبوس پایا۔ پھر منقبت کو نعت کے رنگ میں جلوہ گر دیکھا۔ اب جو کلام کا نمونہ ہمارے پیش نظر ہے اس میں سارا مضمون حمد کا ہے جو فقط خالق کائنات کی صفات کی ترجمانی کرتا ہے کہ لاموجود الاّ ہو۔ لیکن شاعر کا صنم آشنا لاموجود الا خواجہ کہہ کر مخلوق کی خالقیت پر اپنے ایمان کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

یہاں تک حمد نعت اور منقبت کے مضامین کے الجھے ہوئے اور بے محل استعمال کی مثالوں کو پیش کر کے مضامین نعت میں ہندوستانی عقائد کے اثرات کو دکھایا گیا ہے۔ یہ حقیقت میں ہندوستانی صنمیات کے ان معنوی اثرات کا اجمالی بیان ہے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر مذہبی ادب میں دخیل ہے۔

## (۲) نعت کے بیان میں فوق العادت عنصر کی جاذبیت اور اس سے لگاؤ

اردو نعتیہ ادب میں معجزوں کا بیان نہایت مقبول رہا ہے۔ حالانکہ کلام مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اصل کمال قرار دیا ہے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کو اس نظر سے نہیں دیکھا جس نظر سے کہ اردو نعت گو شعراء دیکھنے کے عادی رہے ہیں۔ ان کے نزدیک رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا کمال بس وہی معجزے ہیں جن میں خوارق عادت قصے عقل کو حیران کر دیتے ہیں اور یہی حیرانی سننے والوں سے ان کے عجز کا اعتراف کرا کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری کو تسلیم کرنے پر انہیں مجبور کر دیتی ہے۔ چنانچہ مولود نامے بھی سیرت کے اس پہلو کو پیش کرنے میں سارا زور صرف کر دیتے ہیں اور عوام الناس یہ قصے سن سن کر عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہی تاثرات لئے ہوئے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ان معجزات کے بغیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا تصور ہی محال ہو جاتا ہے۔ دراصل ہندوستانی مذہب کی صنم پرستی نے انسان پر دیوتاؤں کی عظمت کو طاری کرنے کے لئے ان کے متعلق ایسے قصے گڑھ لئے تھے جو امیر حمزہ کی داستان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لوگ دیوتاؤں کی محیر العقول فوق العادت قوت کے مظاہروں کی داستان سن کر ان کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو ہندوستانی فہم کے سامنے پیش کرنے کے لئے یہی راستہ اختیار کیا گیا جس میں نیک نیتی کو دخل ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان کی روایات اور اس کے قائم کردہ ماحول اور

ذہنیت کے لئے یہی ایک طریقہ کارگر ہوسکتا تھا۔ اس لحاظ سے معجزوں کو نظم کرنے میں مصلحت اور ماحول کا تقاضا دونوں کام کر رہے تھے۔ لیکن یہ قاعدہ ہے کہ انسان کا ہر اچھا کام افراط و تفریط میں پڑ کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ معجزوں کے بیان پر اس درجہ توجہ مرکوز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر غلط روایتوں نے اس میں جگہ پائی اور وہ عوام تک تواتر کے ساتھ پہنچ کر عقیدے کا جزو بن گئے۔ ان غلط روایات کے درج ہونے کی مذمت باقر آگاہ نے اپنی منظوم سیرت پاک ''ہشت بہشت'' میں کی ہے۔ ساتھ ہی حضرت امیر مینائی بھی ''خیابان آفرینش'' کے دیباچے میں اپنی اس تقصیر کا اعتراف کیا ہے۔

معجزوں کے بیان پر ضرورت سے زیادہ جو زور دیا گیا ہے اس سے ایک تو اصل سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے توجہ ہٹ گئی، دوسرے یہ کہ عقائد کی کمزوری نے زندگی کو صحیح عمل سے اپاہج بنا دیا۔ نعت گو شعرائے اُردو معجزوں سے متعلق اپنی خام خیالی ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور ارشادات اور وعظ و پند میں ان سے زیادہ جاذبیت اور اثر ہے۔ معجزے ناموں کے علاوہ معراج نامے بھی کثرت سے لکھے گئے کیونکہ آسمانوں کی سیر میں بھی وہی فوق العادت ماحول کا مشاہدہ عقل کو حیران کر دیتا ہے۔ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان اب بھی اس قدر مقبول ہے کہ شب معراج سارے ہندوستان میں منائی جاتی ہے۔ اور اس ذکر کو ہر سال تازہ کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیلات کے بیان میں بھی بعید از حقیقت روایات اکثر نظم کر دی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ شعراء نے تخیل کو آسمان پر پرواز کا حوصلہ بخش کر معراج کے بیان میں خوب خوب نکتہ سنجیاں کی ہیں۔ غرض یہ کہ معراج کی مقبولیت بھی دیوتاؤں کی آسمانی سیر کے قصوں سے انسیت کا بدل ہے۔

## ۳۔ ہندی شاعری کی خصوصیات نعتیہ شاعری میں

## نعتیہ شاعری میں ہندی عنصر

گوپیوں کی محبت شری کرشن سے ضرب المثل رہی ہے۔ ساتھ ہی جوگن کا اپنے پیا سے عشق ہندی شاعری کی ایسی خصوصیت ہے جو اسی مذہبی روایات کی پیداوار ہے۔ عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دینا اسلامی ادب میں کہیں نہیں ملتا بلکہ اس کے بالکل متضاد عربی اور فارسی شاعری میں مرد کی آشفتہ حالی اور والہانہ کیفیت کے جواب میں عورت کی طرف سے عام

طور پر جفاؤں کا برتاؤ رہا ہے۔ عورت کی زبان سے عشق کے اظہار کی مثالیں ہم امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے پاتے ہیں۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے:

سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

نعتیہ شاعری میں اس رنگ کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ خاص طور پر نعت گو شعراء نے جو ٹھمریاں لکھی ہیں وہ عام طور پر انہی مضامین سے پُر ہیں۔ نعت گوئی کا یہ ایک حسین پہلو ہے جو خالص ہندوستانی ہے۔ عورت کے جذبات کی لطافت اور ان کا عقیدت مندانہ ہیجان اپنے اندر روحانی کیفیت رکھتا ہے۔ جو دنیاوی عشق و محبت سے بلند بے لوث خلوص کو لئے ہوئے ہے۔ عورت کے لطائف جب نفاست اور نظافت کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تو ان کا حسن دو بالا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسلام میں عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرد و عورت دونوں کے لئے اصل ایمان ہے لیکن اسلامی شاعری نے عورت کی زبانی عشق کے اظہار کو ہمیشہ معیوب خیال کیا۔ اُردو نے اس خصوص میں بدعت اور ندرت کو اختیار کیا جو ہندی اثرات کی برکات سے اسے نصیب ہوئی۔ یوں نعت گو شاعرات نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار عقیدت کیا بھی تو عشقیہ مضامین سے وہ عام طور پر پرہیز کرتی رہیں اس لئے کہ اسلامی تمدن کے مذاق پر یہ چیز گراں گزرتی تھی۔ اس خدمت کو شاعروں نے انجام دیا اور بحسن و خوبی اس سے عہدہ برآ ہوئے۔ چنانچہ ہم نعتیہ کلام میں کثرت سے اس رنگ کے مضامین پاتے ہیں خاص طور پر نعت گو شعراء نے جو ٹھمریاں لکھیں وہ ان ملکی اثرات کی بخوبی آئینہ داری کرتی ہیں۔ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فراق اور بے قراری کے مضمون کا نمونہ درج ذیل ہے:

طیبہ کے رنگیلے بانکے میاں موہے چاند سا مکھ دکھلا جانا
میں برھا دیوانی تڑپت ہوں ذرا آ جانا ذرا آ جانا
اے بادِ صبا چوں مدینہ روی پہنچا دے وہاں یہ عرض میری
تورے چرنوں سے کب تک دور رہوں اب دیر نہ کر بلوا جانا
دکھ درد کے مارے تڑپت ہوں مانت نہیں دل فرقت میں ترے
اے کملی والے سائیں میرے روٹھے کو ذرا سمجھا جانا[۱]

[۱] کلیات شائق۔ صفحہ۔ ۳۳

نبی ﷺ جی کی کہانی　　جب میں دنیا میں آئی　　پر وہ نزدیک مجھ کو بلاتے نہیں
میں نے کیا کی برائی　　ان سے دل جو لگائی　　کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں

"تلپت کلپت　　رتیاں نیندا اچھٹ گئی ہائے
سکھی تم ہی بتاؤ　　کیسا ہوگا نبھاؤ　　کس سے بولوں ملاؤ
وہ تو آئے نہیں اور بلاتے نہیں　　کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں[۱]

او مکے والے بلما تو آجارے
آجارے پھر نہ جارے

......

نینوں میں آجا دل میں سماجا　　درس دکھاجا من کو لُبھا جا
آجارے پھر نہ جا رے
جلد بلالو اپنے دوارے　　کب تک حسرت چیری پکارے
آجارے پھر نہ جا رے[۲]

مورا من ہی مچلتا جائے　　نبی ﷺ پہ میں بلہاری
موہے چین نہ اک پل آئے　　نبی ﷺ پہ میں بلہاری
سورج چمکے چندا دمکے　　چھائے سارے جگت پہ بہار
موہے کچھ نہ اس بن بھائے　　نبی ﷺ پہ میں بلہاری
پیت سکھائے پیت نبھائے　　سن پریتم کی جگ میں پکار
وہ تو بھگوان کی پیت لبھائے　　نبی ﷺ پہ میں بلہاری
گیان بتائے گیان دکھائے　　سارے گیانوں کا کرکے نکھار
برنیؔ چرنوں پہ سیس نوائے　　نبی ﷺ پہ میں بلہاری[۳]
سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے

---

[۱] چمنستانِ حمزہ۔ صفحہ۔۱۳۶
[۲] نسیم عرفان مولانا عبدالقدیر حسرت۔ صفحہ۔۶۴
[۳] معروضہ۔ صفحہ۔۹۴۔ از الیاس برنیؔ

صورت تو دکھا دو پیاری میں جان کو اپنے واری ہے آس چرن کی تہاری
سرکار مدینے والے
طیبہ کی پیاری بستی رحمت وہاں پہ برستی دیکھن کونین ترستی
سرکار مدینے والے[۱]

فراق اور بے قراری کے مضامین کے علاوہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت اورزاری کا اظہار جا بجا کیا گیا ہے:

بار گنہ سے ڈوب رہی ہے آن پڑی منجدھار نبی ﷺ جی موری نیّا کردو پار
بالا پن اور چڑھی جوانی دونوں گئے برباد بوڑھے پن میں حرص بڑھی تھی کیا قضا نے یاد
اب تو چھوڑ چلے گھر بار نبی ﷺ جی موری نیّا کردو پار[۲]

بھولی بھالی میں ہوں ناری پیٹ گلے کا ہار
موری نیّا منجدھار
میّا بابل کوئی نہیں ہے بیری ہے سنسار
موری نیّا منجدھار
تیرے دوارے آن پڑی ہوں چھوڑ کے سب گھر بار
موری نیّا منجدھار
کالی کملی والے بھیّا آؤ سب سرکار ﷺ
موری نیّا منجدھار[۳]

ہندی مذاق کا ایک اور نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس میں وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ فراق کی کیفیت کو بالکل عامیانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے:

مورے پیارے نبی ﷺ تک گزر نہیں رے میرے آہوں میں کچھ بھی اثر نہیں رے
نہ تو بلوائے مجھ کو نہ آئے نبی ﷺ میرے دکھ کی کچھ ان کو کھبر نہیں رے

---

۱۔ کلیات شائق۔صفحہ-۳۴۷
۲۔ حمزہ۔مرقع سخن جلد دوم۔صفحہ-۱۸۸
۳۔ زفرات الاشواق مع فغان حسرت۔مطبوعہ ۱۳۵۴۔صفحہ-۱۹،۲۰

وہ تو نورِ خدا ہیں وہ شان خدا سکھی ایسا تو کوئی بشر نہیں رے
صدقے ہوتی میں لے کر بلائیں وہیں ہائے آئے کبھی وہ ادھر نہیں رے [۱]

حضرت امجد کی "مدینہ کی جوگن" اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ قیس سے جوگن کا خطاب اوراس کی اپنی حالت کا بیان ملاحظہ ہو:

تو خاک چھانتا ہے لیلیٰ کی جستجو میں
نکلی ہوں میں بھی گھر سے یثرب کی آرزو میں

جوگن بنی ہوں میں بھی اپنی پیا کے کارن چھوڑا ہے دیس میں نے اک دلربا کے کارن
کرتی ہوں آہ ونالے ایک خوش ادا کے کارن ہے چاک عجیب ودامن رنگین قبا کے کارن

مثل حنا جہاں میں اب پائمال ہوں میں
تیغ مفارقت سے بس لامثال ہوں میں [۲]

جوگن کا محبوب سے خطاب بھی سننے کے قابل ہے:

آئی برہ کی ماری تیرے لئے بروگن درشن سے اپنی کردے دل شاد چشم روشن
ہاں کب سے رو رہی ہوں میں رکھ کے منھ پہ دامن کب سے کھڑی ہے داتا در پر ترے بھکارن

جوگن کی جھولی بھر دے وہ رام نام والے
اس بت کو رام کردے وہ رام نام والے

نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالے پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے
گرنے کو ہوں زمیں پر ہے کون جو سنبھالے یثرب نگر کے راجہ وہ کالی کملی والے

کرپا کی ایک نظر ہو دکھیا پہ اپنی پیارے
بھولی نہیں میں تم کو تم کیوں مجھے بسارے [۳]

امجد کے نعتیہ کلام کے اس ہندی رنگ میں بھی شعریت دبنے نہیں پائی۔ اور ہندی الفاظ عربی وفارسی الفاظ کے ساتھ مل کر بے جوڑ نہیں معلوم ہوتے۔ ان کی موزونیت ایک نئے حسن میں جلوہ گر

---

[۱] کلیات شائق۔ صفحہ۔۳۳۰
[۲] ریاض امجد حصہ اول۔ صفحہ-۱۱ (مطبوعہ ۱۳۵۵ھ)
[۳] ریاض امجد۔ حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۲

ہے۔جس کی ترنم ریزی سننے والے پر اثر کرتی ہے۔مضمون کے محاسن کے بیان کا یہ محل نہیں۔

یہ ہندوستانی خصوصیات معنوی اور صوری دونوں اعتبار سے نعتیہ شاعری میں کچھ اس طرح داخل ہو گئے کہ ان کے اثرات سے محسن کاکوروی جیسے نعت گو شعراء بھی نہ بچ سکے جنہوں نے مضامین کے انتخاب میں قرآن اور حدیث کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور شاعرانہ رنگ آمیزی کے ساتھ بڑی حد تک جادۂ اعتدال پر قائم رہنے کا اہتمام کیا۔محسن کاکوروی کا بادل والا قصیدہ اردو نعتیہ ادب میں بہت شہرت رکھتا ہے اس لئے نہیں کہ قصیدے کے فنی لوازم کے اعتبار سے یا نعت کے بلند مضامین کے لحاظ سے وہ نعت میں بہترین قصیدہ ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا انفرادی اور نرالا رنگ جس میں ہندوستانیت کو بڑی خوبی سے سمویا گیا ہے، اپنے اندر ایک جاذبیت رکھتا ہے۔ یوں قصیدے کی تشبیہات کے مضمون پر لاکھ اعتراض کیا جائے لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ملکی ماحول کی مناسبت سے جو فضا اس تمہیدی بیان میں پیدا کی گئی ہے وہ بجائے خود ایک خوبی ہے۔ ہمارے مطلب کی بات یہاں یہ ہے کہ ہندوستان کا نعت گو شاعر توحید کے علمبردار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بھی جب تخیل کو پرواز کے لئے حرکت دیتا ہے تو وہ کفرستان میں پہنچ کر کبھی سری کرشن کی پیدائش کی جگہ پہنچتا ہے اور کبھی کاشی اور متھرا کی سیر کرتا ہے یہی رنگ دیگر نعت گو شعراء میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس قصیدے پر متعدد نظمیں لکھی گئیں۔ چنانچہ منشی عبدالمجید سحرؔ نے مدح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳۰۶ھ کے عنوان سے نہایت عمدہ نظمیں لکھی ہیں۔

محسنؔ کے قصیدے کا مطلع ہے:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل　　　برق کے دوش پہ لاتی ہے صبا گنگا جل[۱]

محسنؔ نے تشبیب کے ذریعے نہ صرف ہندوستانی ماحول کو پیش کیا ہے بلکہ بیان کو جن الفاظ اور ترکیبوں کا جامہ پہنایا ہے وہ بھی کلیۃً ہندوستانی ہے نیز شاعری کے مذاق سلیم نے جدید استعاروں، رعایت لفظی اور صنعت تضاد وغیرہ سے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے۔ پھر بڑی چیز یہ ہے کہ ہندی الفاظ ایسے نہیں ہیں جن کا مطلب سمجھنے میں زیادہ دشواری کا سامنا ہو۔

چند مثالیں اس بیان کو واضح کر دیں گی:

---

۱ کلیات محسنؔ۔صفحہ-۱۵۹

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوگل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے ایک طول امل[۱]
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا کے بادل
دہر کا ترسا بچہ ہے برق لئے جل میں آگ — ابر چوٹی کا پرہن ہے لئے آگ میں جل
دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن — سینہ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں — تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
اب کے میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا — نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل
قمریاں کہتی ہیں طوبیٰ سے مزاج عالی — لالہ باغ سے ہندوے فلک کھیم کسل
جوگیا بھیس کے چرخ لگائے ہے بھبوت — یا کہ بیراگی ہے پربت پہ بچھائے کمّل
راجہ اندر ہے پری خانۂ مئے کا پانی — نغمۂ نئے کا سری کرشن کنہیا بادل
کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا — کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی اِستھل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر — گھاگرا پر کبھی گزرا کبھی سوئے چمّل

شاعر نے کاشی۔ متھرا۔ گنگا جل۔ مہابن۔ تیرتھ۔ برہمن۔ شری کرشن۔ درشن۔ گوپیاں۔ راکھیاں۔ سلونوں۔ ہنڈولے کا میلا۔ رتھ۔ بڑھوا۔ کھیم۔ کسل۔ جوگیا۔ بھبوت۔ بیراگی۔ پربت۔ راجہ اندر۔ کنہیا۔ مندر۔ استھل وغیرہ کو کچھ اس طرح استعمال کیا ہے کہ اس میں تکلف کو ذرا بھی دخل نہیں اور پڑھتے وقت ان الفاظ اور ترکیبوں میں محل اور وقوع کی مناسبت سے اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ یوں قصیدے سے الگ کر کے ان الفاظ اور ترکیبوں پر نظر کی جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ انہیں نعت کے مضمون کے ساتھ کیونکر چھوڑا جا سکتا ہے۔ اردو نعت گو شعراء کا یہی کمال ہے کہ انہوں نے ملکی رنگ کو نعت کے ساتھ ہمرنگ کر دیا اور اس طرح اس میں ایسے عنصر کو داخل کیا جو عربی اور فارسی نعت میں نہیں پایا جاتا۔

---

[۱] کلیات محسن۔ صفحہ-۱۵۹

# باب سوم

## اُردو میں نعت گوئی

### الف آغاز

اُردو میں نعت گوئی کی تلاش میں ہمیں تاریخ ادب کا جائزہ لیتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ نعت گوئی نے اُردو ادب میں کب جنم لیا اور وہ کیوں پروان چڑھی۔ اس کے ارتقاء کی تحقیق و تدقیق میں ہمیں اُردو کے روزِ آفرینش سے چل کر دورِ حاضر تک پہنچنا ہے۔

یوں اردو زبان کی تشکیل کے اسباب مسلمانوں کی آمد سے بتائے جاتے ہیں ظاہر ہے کہ ہند اور عرب کے تعلقات سے ایک نئی زبان کا جنم لینا فطری امر تھا جس کے ارتقاء کی ابتداء کو معلوم کرنے کے لئے ہمیں اکثر قیاس اور آثار سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ عربوں کا ہند میں داخلہ اور سندھ میں اسلامی حکومت کا قیام پھر غزنی کی حکومت کے لئے پے در پے حملے اور سلطان محمود کی فتوحات آل سبکتگین کے نئے دارالسلطنت یعنی لاہور کی مرکزیت اور آخر کار مسلمان حکمرانوں کی سلطنت کا وسیع پھیلاؤ مشرق میں بہار اور بنگال تک اور جنوب میں دکن اور راس کماری تک یہ ایسے سیاسی ردو بدل ہیں جن کی بدولت اہل ہند کو نئی نئی برکتیں نصیب ہوئیں جن میں ایک اظہار خیال کا آلہ بھی تھا جسے ہم اردو زبان کہتے ہیں۔[1]

---

[1] غزنیوں کا ہندوستان کے باشندوں سے قریب تر تعلق درحقیقت محمد بن قاسم کے حملے سے شروع ہوتا ہے کہ ان فتوحات کے ثمرات سندھ اور ملتان ہیں جو پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اسلامی مقبوضات میں شامل ہوجاتے ہیں۔ (فتوح البلدان لابی الحسن احمد البلاذری باب-۲) پھر تیسری صدی ہجری میں صفاریوں کی فتوحات نے ہندوستان میں ایرانی اثرات چھوڑے۔ اس کے بعد غزنوی دور شروع ہوتا ہے۔ ۴۱۳ھ میں لاہور پر قبضے کے بعد علاقہ پنجاب پر محمود غزنوی کا تسلط ہوجاتا ہے۔ اب مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد فوجیوں کی حیثیت سے ملک میں پھیل جاتی ہے۔ ان کے علاوہ تجار اور سرکاری ملازمین بھی بڑی تعداد میں ملک کے گوشوں میں بس جاتے ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ان سیاسی اثرات سے زیادہ اس خصوص میں صوفیائے کرام کی مساعی ہیں جو زبان کی تشکیل کی ذمہ دار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صوفیائے کرام کی وہ جماعت جس نے صرف مذہبی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے اپنا وطن چھوڑا وہ اپنے ساتھ سیاسی جاہ وحشم کا کوئی سامان نہ لائے۔ ان کے جلو میں سورماؤں کی صف آرائی مجاہدین کے نعرے، ہتھیاروں کی جھنکار اور گردوغبار کی آندھیاں نہ تھیں لیکن اس بے بضاعتی میں بھی یہ جماعت آہنی قلعوں سے مستحکم تر مقامات تسخیر کرتی گئی۔ یہ بے پایاں قوت آندھیوں کے طوفان کی طرح نہ اٹھی۔ اس کے جھونکے نسیم سحر کی طرح آئے اور دل کی کلی کو بامراد کر گئے۔ انہوں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش کرنے کے لئے ملکی بولی کو آلۂ کار بنایا اور حیات سرمدی کا ایسا

---

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا) ہندوستان کی آبادی سے مسلمانوں کا اس قدر قریبی تعلق اس امر کا مقتضی تھا کہ ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے کوئی توسط اختیار کیا جائے یہی حالات زبان کی تشکیل کے ضامن بن گئے۔ غزنوی حکومت کے ایک سو ستر سالہ دور میں سرکاری ملازمین عمال وغیرہ کا ملکی بولی سے ناواقف ہونا بعید از قیاس ہے۔ سندھ۔ پنجاب۔ ملتان۔ ہانسی۔ سرستی اور میرٹھ تک کے علاقہ کا انتظام ملکی بولی سے بے تعلق رہ کر حکمراں طبقے کے لئے ممکن نہ تھا۔ محمود کے زمانے میں ہندی زبان کے ترجمان خود غزنیں میں موجود تھے۔ جن میں تلک اور بہرام سے تاریخ روشناس کراتی ہے۔

معزالدین اور اس کے والی قطب الدین ایبک کے زمانہ میں اسلامی تسلط دور دور پھیل جاتا ہے۔ اب دہلی۔ بدایوں۔ بنارس وغیرہ بھی اسلامی قلمرو میں شامل ہیں۔ قطب الدین ایبک دلی کو آباد کرتے ہیں اور اپنے ساتھ ہر قسم کی آبادی کو کھینچ لاتے ہیں۔ سلطنت کی وسعت کے ساتھ مشترکہ زبان کے حدود کا پھیلاؤ بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ اس کی مثال تاج الدین سنگ زیرہ جو التمش (۶۳۳ھ) اور اس کے اسباط کا مداح شاعر ہے اپنے ایک فارسی شعر میں دو ہندی لفظ ''سیر'' اور ''من'' باندھتا ہے۔

خیزد از مئے قدیم مرا سیر کن برطل  بگذراز یں حدیث کہ یک سیر و یک من است

(پنجاب میں اُردو صفحہ-۴۳)

غازی ملک غیاث الدین تغلق پنجاب سے بڑھتا ہے اور خسرو غدار کی سرکوبی کر کے ۷۲۰ھ میں اپنی وفاشعاری کا انعام پاتا ہے۔ یعنی ہندوستان کے تخت وتاج کا مالک بن جاتا ہے۔ غیاث الدین کا فرزند محمد تغلق (۷۵۲ھ) دہلی کے ماحول کو دکن کی ہوا کھلاتا ہے۔ اب دہلی کی زبان دولت آباد (دکن) پہنچتی ہے۔ سیاسی لحاظ سے محمد تغلق کے تبدیلی سلطنت پر لاکھ اعتراض کئے جائیں اور اس کے نتائج کو تخریبی ثابت کیا جائے اصل میں شہنشاہ ہند کا یہ فرمان ہجرت جو ۷۲۸ھ میں جاری ہوا اُردو زبان کے پھیلاؤ کے اسباب میں نہایت درجہ اہم اور مفید ہے۔ دلی اور اس کے گردونواح کے آٹھ میل پھیلی ہوئی آبادی کا دکن کی طرف کوچ درحقیقت شمالی ہند کے مسلمانوں کی زبان وثقافت کو دکن میں پہنچانا تھا۔

راگ الاپا کہ دلوں کو موہ لیا۔ چنانچہ تاریخی حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اسمٰعیل لاہوری (متوفی ۴۴۸ھ) کی مجالس وعظ میں ہزاروں غیر مسلم شریک ہوتے اور وعظ سن کر اسلام قبول کرتے۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرۂ (سن ولادت ۵۶۹ھ، سن وفات ۶۶۴ھ) کے ہندی مقولے، منظوم قول اور چند نظمیں ملتی ہیں۔ حضرت شرف الدین بوعلی قلندر (متوفی سن ۷۲۴ھ) کا بھی ایک شعر مشہور ہے اور حضرت امیر خسرو (سن ولادت ۶۵۱ھ (۱۲۵۳ء) سن وفات ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) نے تو ہندی میں نظمیں دوہرے وغیرہ سب ہی کچھ کہے تھے۔ ساتھ ہی حضرت شرف الدین یحیٰ منیری (سن ولادت ۶۶۲ھ سن وفات ۷۸۲ھ) ہندی بھاشا کے شاعر گزرے ہیں۔

# قدیم دور کے اُردو نعت گو شعراء

# اور نعتیہ مخطوطات

نعت جسے صوفیانہ یا مذہبی شاعری سے تعبیر کیا جاتا ہے اپنی ابتداء اور فروغ کے لئے صوفیائے کرام کی مرہون منت ہے ظاہر ہے کہ اُردو شاعری کا آغاز مذہبی حیثیت سے ہوا اور مذہبی خیالات ایک عرصہ تک شاعری میں غالب رہے۔ لہٰذا اردو شاعری کے آغاز ہی سے شعراء نے نعت کی طرف توجہ کی۔ اس کا بڑا مقصدی پہلو یہ تھا کہ عوام تک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مضمون دلکش اور دلنشیں پیرائے میں پیش کیا جائے۔ تا کہ عوام کے لئے جاذب توجہ ہو۔ حقیقت میں یہ ایک تبلیغی مہم کا کارنامہ ہے جو نعتیہ ادب بن کر جلوہٗ گر ہوا۔ اس لئے اس دَور میں ولادت نامے، شمائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم، معجزات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور معراج نامے کثرت سے لکھے گئے۔ دکن کی مذہبی مثنویات میں نعتیہ مضامین کا یہ رنگ نعت گوئی کے مقصدی پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ جس میں کلیۃً بیانِ سیرت کو دخل ہے نعتیہ مثنویوں کے ابتدائی رنگ میں تغزل نام کو نہیں پایا جاتا۔ ان میں سے اکثر کا ذکر ہم بلالحاظ ان کی ادبی خوبیوں کے کریں گے تا کہ ہم اس دَور کے ادبی رجحانات کو پرکھیں اور اس زمانے میں نعت گوئی کی محبوبیت اور مقبولیت کی ہمہ گیری کا اندازہ کر سکیں۔

طوالت سے بچنے کے لئے شعراء کا تذکرہ نہایت اختصار سے کیا گیا ہے اور ان کے کلام کا نمونہ بھی صرف نمونہ کی خاطر پیش کیا گیا ہے۔

## (۱) حضرت سید محمد حسینی

آپ خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے نام سے مشہور ہیں۔ خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی

کے خلیفہ تھے۔ ۸۱۵ھ میں گلبرگہ آئے اور ۸۲۵ھ میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز کا سلسلہ رشد و ہدایت عربی و فارسی اور دکھنی تینوں زبانوں کے ذریعے جاری رہا۔ رسالے معراج العاشقین، ہدایت نامہ اور سہ بارہ تصوف میں لکھے۔ ان رسالوں کا سن تصنیف معلوم نہ ہو سکا لیکن ظاہر ہے کہ یہ ۸۱۵ھ و ۸۲۵ھ کے درمیان لکھے گئے ہوں گے۔

خواجہ صاحب سے منسوب اشعار بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب ''اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا حصہ'' میں نعت کے چند اشعار دیئے ہیں۔ پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب کی مملوکہ بیاض میں بھی حسب ذیل نعتیہ اشعار ملتے ہیں:

اے محمد ﷺ ہجلو جم جم جلوہ تیرا ذات تجلی ہوے گے سیس سپور نہ سیہرا
واحد اپنی آپ تھا اپین آپ نجھانا
پر کٹہ جلوے کار نے الف میم ہو آیا
عشقوں جلوہ دینے کر کاف نوں بسایا
لولاک لما خلقت الافلاک خالق پالائے
فاضل افضل جتنے مرسل ساجد سجود ہو آئے
امت رحمت بخشش ہدایت تشریف پائے

ان کے چکّی نامے میں نعت کے اشعار حسب ذیل ہیں:

الف اللہ اس کا دستا میانے محمد ﷺ ہوکر بستا
پہنچی طلب پون کو دستا کہے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ[۱]

(یہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد میں موجود ہے جو دو اوراق پر مشتمل ہے۔ تقطیع ½۵×½۹ سن کتابت ۱۲۲۲ھ)

---

[۱] چکی نامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد، ورق اوّل

## (۲) سید محمد اکبر حسینی

حضرت سید محمد اکبر جو حضرت خواجہ بندہ نواز کے بیٹے تھے علم و فضل میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ یہ اپنے والد کے خلیفہ تھے۔ ۸۰۱ھ میں گلبرگہ آئے اور ۸۲۳ھ میں اس جہانِ فانی کو خیر باد کہا۔ ان کی ایک کتاب تصوف میں دستیاب ہوئی ہے جس میں نظم و نثر دونوں ہیں۔ ان کے ایک شعر کا نعتیہ مصرع ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

بعد از ثنا خدا کی بھیجوں درود نبی ﷺ پر

## (۳) نظامؔی

نظامؔی کے حالات کا بہت کم علم ہو سکا ہے۔ یہ شاعر سلطان احمد شاہ ثالث (۸۶۵ھ تا ۸۶۷ھ) کے دربار کا شاعر تھا۔ اس کی ایک مثنوی کدم راؤ پدم راؤ، انجمن ترقی اُردو پاکستان کے کتب خانے میں موجود ہے جس کے چند صفحات کے فوٹو ''قومی زبان'' میں شائع ہوئے تھے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ اس مثنوی کی تصنیف سلطان احمد شاہ ثالث ہی کے زمانے میں ہوئی۔

شاعر نے حسب دستور مثنوی کی ابتدا حمد سے کی ہے اس کے بعد نعت اور منقبت لکھی ہے۔ نعتیہ کلام کا نمونہ درجِ ذیل ہے:

تہیں ایک سا چا گسائیں امر — سری دوی نین جگ تو را دگر
بٹھایا امولک رتن نور دھر — کرتی دیپ بلکٹ کرن راج کر
امولک کلت سیس سنسار کا — کرے کام نودھار کرتار کا
محمد ﷺ جرم اوم بنیاد نور — دوہی جگ سری دے پوسا دنور

جیسا کہ نمونہ کلام سے ظاہر ہے مثنوی کی زبان نہایت مشکل ہے۔ شاعر نے عربی فارسی الفاظ بہت کم استعمال کیے ہیں۔

## (۴) صدرالدین

صدرالدین بہمنی دَور کے ایک صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ ۸۷۶ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی ایک کتاب ''کسب محویت'' دستیاب ہوئی ہے۔ جو کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد میں موجود ہے۔ اس کتاب میں تصوف کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ حمد و نعت کا

ایک شعر درج ذیل ہے:

نا ؤں لے اللہ محمد ﷺ کا اوّل　　　کسب کا سب کو کہوں در ہر محل[۱]

## (۵) عبدالملک بھروچی

عبدالملک بھروچی نے ۱۰۰۹ھ میں ''مولودنامہ'' یا ''تولدنامہ'' تصنیف کیا جو ڈھائی سو اشعار کی ایک مثنوی ہے۔ اس میں رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے حالات درج ہیں۔ شاعر کا نام، اس کا وطن، کتاب کا نام اور سن تصنیف آخری ابیات میں ظاہر کیا گیا ہے۔

عاجز غریب عبدالملک لیا محمد ﷺ سوں پناہ
بخشے الٰہی توں اسے تیرے کرم سوں سب گناہ

میرا بھروج ہے یا وطن میں جس جا گہ احمد ﷺ کاٹ ہیں
بھولوں کی تیئں جنگل میں اکثر ملیں وے باٹ ہیں

نوائے ہزار اوپر لکھی تاریخ ہجرت کی جدھاں
اس سال اے مولود میں لکھ کر سنائے جگ مہاں[۲]

شاعر نے اپنا وطن بھروچ بتایا ہے اور حضرت شیخ احمد کو بھی اسی مقام سے وابستہ کیا ہے گو حضرت شیخ احمد کی وفات ۱۴ر شوال ۸۴۹ھ میں بمقام سرخس یا سرکھیچ ہوئی جہاں وہ رہتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانہ سرخس ضلع بھروچ میں شامل ہو۔ مولودنامے کی زبان مقام اور وقت کے تقاضے سے گجراتی زبان سے متاثر نظر آتی ہے۔ نمونۃً چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مثنوی کا آغاز:

یا الٰہی شکر تیرا کس زبان سے ہوں کروں　　　تو خدا صاحب سبھوں کا حکم تیرے میں رہوں
تیں کیا پیدا احمد ﷺ جس نبی ﷺ سوں سب ہوا　　　عرش و کرسی لوح تینو اور قلم چوتھا کیا
توں خدا خالق زمین اور آسماں کا بالیقیں　　　تیں فرشتے آدی پیدا کیا دنیا و دیں[۳]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا مضمون یوں بیان کرتا ہے:

---

۱۔ کسب محویت مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد، ورق اوّل الف

۲۔ مولودنامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد، ورق، ۱۶۔ الف

۳۔ مولودنامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد دکن، ورق اول۔ الف، ب

مہینے برس سب پہلے لے کر ربیع الاول منیں
احمد نبی ﷺ پیدا ہوئے جیوں چاند چودھی رات منیں
تب ہوا یہ حکم رضواں کو کہ جنّتاں کو سوار
سب بہشتوں سوں اوٹھا پردا انیں حوراں سنگار
ہور دیکھاؤ سب فرشتوں کوں نبی کا نور آجہ
جس نبی ﷺ کون میں دیا جو دین دنیا نکا سوراجہ[۱]

شاعر نے عام واعظوں کی طرح نصیحت بھی کی ہے:

مومنا غافل نہو مولود سن کر سب تمیں — بھیجو محمد پر درود اور دیو خدا کی راہ میں
لاکھوں کرور وہوئے تو بن جائے خالی ہاتھ سب — جودئی نبی ﷺ کے نام پروی پاویں گے خوبیاں عجیب
ایسے نبی ﷺ کے نام پر قربان ہویں آج سوں — جس دو ستے بخشے خدا فردا نبی ﷺ کی لاج سوں[۲]

شاعر نے دعویٰ کیا ہے کہ مثنوی کے مضامین اس کے اختراعی نہیں ہیں بلکہ اس کی سند حدیثوں سے ملتی ہے اور اسی روشنی میں یہ مثنوی لکھی گئی ہے:

مولود حضرت کے لکھے ہیں میں حدیثوں سوں اتار
سن کر اسے کچھ خیر کر جو تجھ دیا پروردگار[۳]

## (۶) سلطان محمد قلی قطب شاہ

اردو شاعری میں اوّلیت کا سہرا اولی کے سر سے اتارنے والا سلطان سخن تحقیقی و تدقیق کی کاوشوں سے اُردو کے افق پر اندھیروں سے نکل کر نمودار ہوتا ہے۔ اس صاحبِ دیوان شاعر کو دنیا زیادہ تو عیش وعشرت کے دلدادہ بادشاہ کی حیثیت سے جانتی تھی یہ نہ معلوم تھا کہ یہ بادشاہ سخن بھی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ بروز جمعہ ۱۴؍رمضان ۹۷۳ھ میں پیدا ہوا اور سلطان ابراہیم کے لئے نوید مسرت لایا۔ جشن ولادت بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ شعراء نے اس کے گیت گائے اور خزانوں کو سادات، علماء مساکین اور فقراء کے لئے کھول دیا گیا۔ وجہی کی مثنوی

---

[۱] مولود نامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد دکن، ورق-۲-الف
[۲] مولود نامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد دکن، ورق-۱۵-الف
[۳] مولود نامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد دکن، ورق-۱۶-الف

قطب مشتریؔ سے بھی ہمیں اس کی شہادت ملتی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ ۹۸۸ھ میں تخت نشین ہوا اور ۱۰۲۰ھ میں تیس سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔

جیسا کہ حالات سے ظاہر ہے محمد قلی قطب شاہ فطرۃً حسن پرست واقع ہوا تھا۔ اس کا آوارہ جنوں رعنائیوں کی تلاش میں ہرجائی نظر آتا ہے۔ دلربائی کے لئے تکلفات کی دنیا بسانے کے لئے وہ ہمیشہ مصروف کار ہے۔ حسن پرست کے لئے ناکامی اور ہجر ہی آتش عشق کو تیز تر اور اس کی لطافت کو لطیف تر بنا سکتا ہے، یہاں تک کہ وہ نکھر کر پاکیزہ سرشت پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے ناکامی اور ہجر عشق کے فروغ کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ لیکن یہاں پر تمنا تسلی کے لئے ہزاروں سامان پاتی تھی نتیجتاً یہ عشق ہوس پرستی میں تبدیل ہو گیا اور اس کے نشاط کار میں ساری صلاحیتوں کو برباد ہونا پڑا۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کی زندگی کے حالات اور اس کے کلام کے مطالعے سے اس کی شخصیت کا ایک حد تک اندازہ ہوسکتا ہے۔ جہاں محمد قلی نے گوری پیاری وغیرہ کی شان میں عشق و محبت کے جذبات کا اظہار کیا ہے وہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ وابستگی بھی جتائی ہے۔ جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام جس عقیدت مندی سے ہر سال اس کے دَورِ حکومت میں ہوتا رہا وہ اس کی زندگی کے ایک روشن پہلو کی آئینہ داری کرتا ہے۔ اس نعت گو شاعر کا کلام اس کے سینے میں ایک ایسے سریع الحس قلب کا ثبوت دیتا ہے جو حسن و جمال کا فدائی بن کر ہمیشہ نظارہ کے لئے بےقرار رہتا ہے۔ وہ عشق و محبت کے گیت عمر بھر گاتا رہا اور اس نے عشق کو عقل پر قولاً اور فعلاً ہمیشہ ترجیح دی:

سبھی عالمان آپ پڑن جانتے ہیں — نہیں کوئی پایا اے پیرت کا مایا
پرم کے سو پیمانے سوں مد پلا کر — پیا طاق ابرو سوں سجدا کرایا
عقل کے تحت پر پرم تخت بیٹھا — عشق عقل کے ہاتھ اپسے نوایا
نہ عاشق کو کٹتا ہے بن عشق یک تل — دو عاقل سدا جن پرت سوں گمایا [۱]

شاعر کا دعویٰ ہے کہ مکتب عشق کے فارغ التحصیل کو علم لدنی کی دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ وہ خارجی علوم کا محتاج نہیں رہتا۔ اس کی طبیعت ازل ہی سے ان علوم سے بے رغبت

---

۱ کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ، مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ۔ صفحہ۔ ۳۱۷

رہتی ہے، وہ ان علوم کی حقیقت اصوات اور نقوش سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ جذبۂ عشق کی تحریک پر جو بھی کلام پیدا ہوتا ہے وہ زندہ جاوید ہوتا ہے۔ اسے کبھی فنا نہیں:

عالم مجھے تعلیم کریں علم و ہنر کی　　لکھے ہیں ازل تھے ہمنا عشق قرار

ازل تجھے عشق کے پلڑے کے تئیں کئے منج بٹ

فقیہ و زاہداں میانے منجے کئے ہیں سراج

دوسری جگہ کہتا ہے:

عالم مجھے سکھائیں گے کیا اپنا عِلم　　وہ نانوں کے حروف ہمن دل میں ہیں کلام

......

عشق کی کتاباں کیا عشق سوں　　قطب شہ نبی ﷺ صدقے جاوید ہے

محمد قلی قطب شاہ کو ناز ہے کہ اس کا علم عشق کے سرچشموں سے سرشتہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار کا جاننا غیروں کے مقسوم میں نہیں ہے۔ جو مضامین عشق نے اس کے قلب پر القاء کئے ہیں اس کی شرح کسی کے بس میں نہیں ہے:

نہ لکھ سکے گا کنے شرح منج کتاباں کا　　ہمارا علم ہے سب عالماں میں جواں اعجاز

محمد قلی قطب شاہ کے دل و دماغ کی صلاحیتیں اس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کی زندگی پر عیش و عشرت کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ لیکن اس افق پر جہاں بادلوں کی سیاہیاں ہوتی ہیں وہاں بجلیوں کا خندہ ابر گہربار کا گریہ بھی پایا جاتا ہے۔ رقاصہ دکن کی محبت سے جب سیری ہو جاتی ہے تو شاعر نسیم حجاز کے جھونکے بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ بندہ اللہ کا ہے، سلطانی اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ زندگی اسی کی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں بندے کی جان ہے۔

''سلطانی کی بخشش اور عزت و جاہ کی نوازش اس ایک بادشاہ کی عطا کردہ ہے، اسی جذبۂ شکر میں ندامت کے آنسو بھی ہیں۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ وابستگی کا بے پایاں جذبہ بھی ہے ہر دم ہر گھڑی نام اسی کا ہے یہ غلام اس بارگاہ کا انعام یافتہ ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام پیارا ہے۔ کیسا مبارک نام جو اپنے اندر ارض و سما کی کل نعمتیں رکھتا ہے۔ شاعر کو ناز اس پر ہے کہ محمد نام پایا ہے اور حقیقت میں اسی نام کی برکت سے زندگی کو سہارا ہے۔''

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر شاعر کا دل کیسا اُچھلتا ہے وہ اس کی شفقت کا کتنا ممنون ہے اور اس سے کیسی امیدواری ہے۔ نازاں اس پر ہیں کہ محمد قلی ہیں اور اس غلامی کے صدقے میں دکن کی سلطانی عطا ہوئی ہے۔ شاعر کی خوش گفتاری ملاحظہ کیجئے۔ کیسی وابستگی کیسی محبت۔ خلوص سے دل مملو ہے۔ جذبات سے سینہ اچھل رہا ہے۔ وہ بندگی کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔ شہنشاہ ثقلین محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناءخوانی کس والہانہ انداز میں کی ہے:

اسم محمد ﷺ تھے اہے جگ میں سوخا قانی مجھے
بندہ نبی ﷺ کا جم رہے ہستی ہے سلطانی مجھے
شاہان غزوری ٹھاؤں تھے کرتے ہیں اپنی دھاوں تھے
مستی میری تج ناؤں تھے کیتی ہے دیوانی مجھے
اس ناؤں کی بڑپن جھلک مج سربلندی تا فلک
آ کہیں سدا سارے ملک تو یوسف ثانی مجھے
کیا ڈر مجھے فرعون کا ہور سامری افسوں کا
موسیٰ عصا زیتون کا ہے تیغ ربانی مجھے[۱]

......

خدا منج مہکر سوں آپی نبی ﷺ صدقے کیا رافع
منجے تخت سلیماں جوں وہی آپی دیا رافع
یقین کر دل میں مانیا ہوں خدا جس کوں اپنے دیتا
وہ ہرگز زیر ہو سے نا کیا جس کوئی خدا رافع
جو کوئی دل میں محبت دھر کر رہیا ہے ایمان کا
سو اس کا ہٹ پکڑ کر آپ کرتے مصطفا ﷺ رافع[۲]

دربار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر کی مدح سرائی کا یہ انداز بھی ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا کیف اور ذکر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں نشاط کی سرمستی کن پیارے

---

[۱] کلیات سلطان قلی قطب شاہ نعت مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زورؔ۔ صفحہ-۱۰
[۲] کلیات سلطان قلی قطب شاہ نعت مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زورؔ۔ صفحہ-۱۳

الفاظ میں سمودی گئی ہے:

چاند سورج روشنی پایا تمارے نور تھے
آب کوثر کو شرف تھڈی کے پانی پور تھے

دل پرم جپنے تھے دیتا گل صبا بوئے وصال
کیا رضا ہے منج کو آؤں یا نہ آؤں دور تھے

دل دریا میں غم کی موجیں آوتی ہیں فوج فوج
عشق کے تختے اوپر کیا ڈر ہے طوفاں زور تھے

کیا کھلے گا مدعا کیا پھول دل گل زار میں
ناز جینے سوں میرے دل کو ڈگاتی دور تھے

دور ہوں فرسنگ در فرسنگ تیرے وصل تھے
میرے دل کا خیال تیرے شیوے بن تا دور تھے

تو سلیمان ثانی و تج برج فیروزی وفتح
مشتری پایا شرف تیری نظر منظور تھے

اے معانی رات دن نام محمد ﷺ ورد کر
تج دعا با مدعا ہے رتبہ منصور تھے [۱]

دوسری جگہ شاعر ترانۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں شاد ہے:

تج مکھ اجت کے جوب تھے عالم و پنھارا ہوا
تج دین تھے اسلام سے مومن جگت سارا ہوا [۲]

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت نے شاعر کے کلام کو ستاروں کی بلندی اور درخشانی عطا کی ہے:

باتاں گھرسیاں نو ملیاں واریا جو تیرے نانوں پر
سو جائے کر آسمان پر ہر ایک بچن تارا ہوا [۳]

---

[۱] کلیات سلطان قلی قطب شاہ نعت مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زور۔ صفحہ-۱۲
[۲] کلیات سلطان قلی قطب شاہ نعت مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زور۔ صفحہ-۹
[۳] کلیات سلطان قلی قطب شاہ نعت مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زور۔ صفحہ-۹

محمد قلی قطب شاہ نے نعتیہ رباعیاں بھی کہی ہیں، نمونہ حسب ذیل ہے۔

احمد ﷺ کے سوحق پرتوں سب احسان دیکھے — جیتا توں دل و جیو سون قرآن دیکھے
دل نیں سوں تا اضیع رحمان دیکھے — دیکھ حلقۂ خاتم النّبیین ﷺ میں توں[۱]

دورِ اوّل میں محمد قلی قطب شاہ کا مقام نعت گو شاعر کی حیثیت سے نہایت بلند ہے۔ اس کے تقریباً ہر مقطع میں نعت کا مضمون ملتا ہے۔ پھر پانچ نعتیہ غزلوں کے علاوہ ''عید میلاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' پر چھ نظمیں لکھی ہیں۔ ساتھ ہی ''عید بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' پر بھی پانچ نظمیں ملتی ہیں۔ شاعر نے شب معراج کا مضمون بھی مختصراً نظم کیا ہے۔ نعتیہ رباعی نمونۃً درج کی جا چکی ہے۔

اس دور کا جو نعتیہ کلام ملتا ہے وہ زیادہ تر مثنویوں میں رسماً حمد کے بعد شامل کیا گیا ہے۔ کسی شاعر نے اس کو مستقل موضوع بنا کر اصناف سخن میں اپنی عقیدت اور خلوص کا اظہار نہیں کیا۔ جو مثنویاں سیرت سے متعلق لکھی گئیں ان میں ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم، فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم، معراج وغیرہ کا بیان ضرور ہے لیکن ان میں شعریت کم پائی جاتی ہے۔ ان کی حیثیت منظوم واقعات سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ہم اپنی موجودہ معلومات کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ محمد قلی قطب شاہ کا نعتیہ کلام تاریخ نعت گوئی میں پہلا اہم شعری کارنامہ ہے۔

## (۷) ملّا وجہی

ملّا وجہی کی شاعری کا آغاز ابراہیم قطب شاہ کے زمانے سے ہوا۔ شاعر سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں زندہ تھا۔ ملا وجہی کا مقام دکنی اُردو کے مصنّفین میں نہایت ممتاز ہے۔ اس کو نظم و نثر دونوں پر بڑی قدرت تھی۔ چنانچہ سب رس، تاج الحقائق اور قطب مشتری اس پر شاہد ہیں۔ وجہی کو نعت گو شعراء میں جگہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس دَور کے ممتاز شعراء کے اس رنگ کا اندازہ ہو سکے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی کوئی مستقل تصنیف نعت میں نہیں ملتی۔ عام طور پر اردو مثنویوں کی ابتداء میں حمد و مناجات، نعت اور منقبت کے طول طول مضامین کے بیان کا رواج رہا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی ان کی حیثیت میں بھی اکثر نعتیہ اشعار پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ قطب مشتری (مصنفہ ۱۰۱۸ھ میں وجہی نے ۲۶/ ادبیات کی نعت لکھی ہے۔ اس کے بعد ذکر معراج ہے۔ جو ۳۴/ ابیات پر مشتمل ہے۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

---

۱؎ کلیات سلطان قلی قطب شاہ نعت مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زوؔر۔ صفحہ-۴۶

محمد نبی ﷺ نانو تیرا ہے
عرش کے اوپر چھا نو تیرا ہے
کہ چودہ فلک کا تو سلطان ہے
علی سا تیرے گھر میں پردھان ہے
اس ہوریک لاک پیغمبر آئے
ولے مرتبا کوئی تیرا نہ پائے
چھپیا نور سب کا ہے تیرے انگے
کرجیون تارے چھپے اہے سورا نگے
(قطب مشتری۔مرتبہ عبدالحق۔ص-۸)

وجہی کے نعتیہ اشعار صحیح وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پر ہیں۔شاعر صفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو یکے بعد دیگرے نہایت واضح طور پر بیان کرتا جاتا ہے۔جس میں کوئی الجھاؤ نہیں۔تصوف کے مبہم مسائل کا بیان نہیں اور نہ داخلی جذبات کا اظہار ہے۔تشبیہیں بھی نہایت صاف ہیں۔مثلاً سب کے نور پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو غالب دکھانے کے لئے یہ تشبیہ دیتا ہے کہ جس طرح تارے سورج کے سامنے چھپ جاتے ہیں اسی طرح آپ کے نور کے آگے سب کا نور چھپ جاتا ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایا نہ ہونے کی توجیہ شعراء نے مختلف طور پر کی ہے۔یہاں وجہی کا بیان نہایت صاف ہے۔اور دلنشیں ہے:

کہ تو نور تج چھا نو بھی نور ہے
اندھارا اجالے ستی دور ہے
اُجالا ہے جان وان اندھیرا نہیں
اندھارا ہے جان وان اجالا نہیں
ترا چھانو ووھے جو مُکھ طور تے
نکلیچ جھلکیا ادکھ سورتے
تری چھانو کافور جگ دیک کر
خبر سن کے موسیٰ ہوا بے خبر
(قطب مشتری۔صفحہ-۹)

شاعر نے آخر میں شفاعت کی امیدواری کا مضمون بھی باندھا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کو ظاہر کیا ہے:

امیدوار ہے جگ تیرے پیار کا
کہ بخشائے تو پاپ سنسار کا
شفاعت کر نہار سب کا تہین
اپی لاڈلا ایک رب کا تہین
(قطب مثنوی۔صفحہ-۹)

## (۸) غواصیؔ

غواصیؔ [۱] جو قطب شاہی دربار کا ملک الشعراء گزرا ہے، اس نے اپنی دو مثنویوں سیف الملوک و بدیع الجمال (سن تصنیف ۱۰۳۵ھ، اور طوطی نامہ (سن تصنیف ۱۰۴۹) میں حسب دستور مثنویوں کی ابتداء حمد اور نعت سے کی ہے۔ یہاں نعت کا نمونہ صرف کلام کی قدامت کے پیش نظر دیا جاتا ہے، تا کہ اردو نعت کے ارتقاء میں مختلف ادوار کے نعتیہ کلام کے عام رنگ کا اندازہ کیا جاسکے۔

نمونۂ کلام:

سچا توں محمد ﷺ سچا مصطفیٰ — سچا ہے توں احمد مرتضیٰ ﷺ
توں طٰہٰ تو یٰسین تو ابطحیٰ — توں امی تو مکّی توں مرسل سہی
توں اوّل توں آخر تو ہی ہے امیر — توں ظاہر توں باطن نبی ﷺ بے نظیر
تہیں ہاشمی ہور قریشی رسول ﷺ — جکچ تو کہے سو کرے رب قبول
توں قائم تو حجت توں حافظ سچا — توں شافع توں سابق تو واعظ سچا
تقی ہور سخی توں ولی ہور خلیل — دیا تج نبی ﷺ ناؤں رب الجلیل
خدا کے نبیاں کا سو سلطان توں — دیو نہار ساریان کو ایمان توں [۲]

اسی رنگ میں شروع سے آخر تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان ہے جس میں رنگ تغزل بالکل مفقود ہے۔ آخری تین شعروں میں اپنے خلوص کا اظہار اور حضرت ابوبکر عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ذکر ہے۔ جملہ نعتیہ اشعار کی تعداد ۲۱ ہے۔ اس مثنوی میں شاعر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت بھی کہی ہے۔ جس میں آپ کی ولایت، کرامت اور شجاعت کا وصف بیان کیا ہے اور پھر اپنی محبت اور خلوص کو جتایا ہے۔

---

[۱] غواصی کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں، قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطان ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں پیدا ہوا اور شاعری محمد قلی قطبی شاہ کے دور میں شروع کی۔ ۱۰۳۵ھ تک زندگی کو فارغ البالی نصیب نہ ہو سکی۔ آخر ۱۰۴۵ھ میں سلطان عبداللہ کے سفیر کی حیثیت سے وہ بیجا پور بھیجا گیا۔ شاید وہ آخری عمر میں تارک الدنیا ہو گیا تھا اور قرینِ قیاس یہ ہے کہ اس کا انتقال سلطان عبداللہ ہی کے زمانے میں ہوا۔

[۲] مثنوی سیف الملک و بدیع الجمال مرتبہ میر سعادت علی صاحب رضوی۔ صفحہ ۴-۸

شاعر نے حضرت میران محی الدین کی مدح بھی لکھی ہے۔ اور اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے ساتھ نعتیہ مضمون پیدا کیا ہے:

قسم کھاؤں میں سورہ یٰسین سوں ۔۔۔ کو حق بعد ہے جیو میرا تیں سوں
حمایت جو مج بس اہے تین کا ۔۔۔ محمد ﷺ علیؓ ہور محی الدین کا [1]

مثنوی کے آخری دو اختتامی شعر ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کہے ہیں۔

''طوطی نامہ'' کے چند نعتیہ اشعار درج ذیل ہیں اس میں جملہ ۲۴ نعتیہ شعر کہے ہیں:

رتن خاص دریائے لولاک کا ۔۔۔ جھلک لامکاں نور افلاک کا
محمد نبی سیّد المرسلین ﷺ ۔۔۔ سدا روشن اس تے ہے دنیا و دین
عدم میں تے عالم کو پروردگار ۔۔۔ اسی کے کیا نور سوں آشکار
رواج آفرینش کیا سو وہیچ ۔۔۔ چراغ اہل بینش کیا سو وہیچ
ازل محض اس کا خزینا دسے ۔۔۔ ابد عین اس کا مدینہ دسے
ہوئے ختم اس پر نبوت کے گن ۔۔۔ بجے طبل اس کا قیادت لگن
تم اس کے دسے لطف کا سلسبیل ۔۔۔ مکھی اس کے ہے شہد کا جبرئیل
حرم کبریا کا سو اس کا مقام ۔۔۔ بندا شمس ہور بدر اس کا غلام [2]

آخری دو شعر یہ ہیں:

بڑے بخت جو میں غواصی غلام ۔۔۔ ہوں ایسے نبی ﷺ کا علیہ السلام
سدا پاؤں سکھ میں اسے یاد کر ۔۔۔ ہزاروں درود اس کی اولاد پر [3]

طوطی نامہ کے آخر میں شاعر نے دنیا سے بیزاری کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے غواصیؔ کا مذہبی اور صوفیانہ رجحان پایا جاتا ہے۔ طوطی نامہ سیف الملوک و بدیع الجمال کے چودہ سال بعد لکھی گئی۔ لہٰذا دونوں میں زبان کا فرق نمایاں ہے۔ طوطی نامے کی زبان سلیس اور دلکش ہے۔ نیز اس میں تصوف کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا ہے۔ دونوں مثنویوں کے نعتیہ کلام کے

---

[1] مثنوی سیف الملک و بدیع الجمال مرتبہ میر سعادت علی صاحب رضوی۔ صفحہ۔۴، ۸

[2] طوطی نامہ مرتبہ میر سعادت علی رضوی۔ صفحہ۔۴

[3] طوطی نامہ مرتبہ میر سعادت علی رضوی۔ صفحہ۔۵

موازنہ سے خود اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ سیف الملوک میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا صاف صاف بیان ہے۔ نہ اس میں ''چراغ اہل بینش'' کا ذکر ہے اور نہ ابد اور ازل کا تذکرہ ہے۔ مثنوی چندا ولورک میں غواصی نے رسماً جو منقبت کہی ہے اس کے اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے:

محمد نبی ﷺ سروری اولیاء　　نبیاں مرسلاں پر شفاعت کیا
منور کیا جستیں اسلام کوں　　شفاعت دیا خاص ہور عام کوں

......

محمد نبی ﷺ خاتم الانبیاء　　شرف جستیں حق جگمیں ہمنا دیا
دیا جس کو تشریف لولاک کا　　ہوا جیتی مظہر یو افلاک کا[۱]

نعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان ہے۔ آخر میں شاعر نے خلوص اور عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے تصدق کے مضمون کو نظم کیا ہے:

تصدق ہمن سار کی کئی ہزار　　محمد ﷺ کے نعلین پر بار بار
ہزاروں ہمن سار کی نیک نام　　محمد ﷺ پر صدقہ ہیں ساری تمام

## (۹) صنعتی

''قصۂ بے نظیر'' جو عام طور پر قصۂ تمیم انصاری کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا مصنف صنعتی ہے۔ جو بیجاپور کا رہنے والا تھا۔ اور محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ھ) کا معاصر تھا۔ قصہ بے نظیر ۱۰۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس کی ابتداء بھی حمد و نعت سے کی گئی ہے۔ نعت کافی طویل ہے جو ۷۶/اشعار پر مشتمل ہے۔ نعت کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی منقبت بھی لکھی ہے۔ جس کے ۴۹/شعر ہیں:

شاعر نے حمد میں انسان کی عظمت اور خلافت کی بخشش کا ذکر کرتے ہوئے قصۂ آدم اور تخلیق کائنات کے ساتھ جملہ جلیل القدر انبیاء کرام کی یکے بعد دیگرے مدح کی ہے۔ جس میں نعت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہے۔ مثلاً:

---

[۱] مثنوی چندا لورک۔ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد دکن صفحہ ۲-۳

تون ایسا محمد ﷺ کونِ بخشنا شرف — کہ جان سب نبیاں کا شرف ایک طرف [۱]

حمد میں طویل مضمون ہے جس کا اختتام دعائیہ اشعار پر کیا ہے۔
نعت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ درج ذیل ہے۔

نبی کریم ﷺ شفیع امین — رسولِ خدا رحمت العالمین
کہ جن سر پر لولاک کا تاج ہے — سو اسکوں عرش آپی محتاج ہے
ثنا جس کی بولیا ہے سبحان نے — سو طٰہٰ و یٰسین و قرآن ہے
احد میں تجے نانوں احمد دیا — بجز میم بھی فرق کچھ نیں کیا [۲]

شاعر کا بیان ہے کہ ساری کائنات کو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخشانی حاصل ہے۔اور زحل۔مشتری۔مریخ۔عطارد۔چندر سب ہی بارگاہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گزار ہیں:

چندر مشعلہ دار ہو وقت شام — جمع کر ستارے کرے تجھ سلام
شرف ہے دو عالم کو تجھ ذات سے — بھی آخر خلاصی ہے تجھ بات سے
ترا نانوں عزت ہے آدم کے تیئں — ترا اِسم ہے ورد عالم کے تیئں
ترا نانوں ہے ذات بعدے صفات — کہ جوں بیج اوّل بزاں پھول پات [۳]
دو عالم ہے یکتاب تجھ سورتے — شرف سب ہے آدم کوں تجھ نورتے

......

تجلی تے تجھ پائے جب یک جھلک — کئے سجدہ آدم کون سارے ملک [۴]
عیاں تجھ میں ہے جلوۂ ذوالجلال — ہے عالم کوں معراج تیرا جمال
سزاوار توں جلوۂ ذات کوں — شرف تجھ تے معراج کی رات کوں
ہوا جب تو اس رات براق سوار — سرافیل تھا خاص و غاشہ دار
زہے شہ سوار و زہے خنگ پاک — کہ جس سم پہ البرج تھا چاک چاک [۵]

---

۱ قصۂ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔صفحہ-۳
۲ قصۂ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔صفحہ-۷
۳ قصۂ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔صفحہ-۸
۴ قصۂ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔صفحہ-۸،۹
۵ قصۂ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔صفحہ-۹

شاعر اس نعتیہ نظم میں معراج کا قصہ بھی بیان کرتا ہے۔ یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کو بیان کرتا ہے:

سو دیدار اپنا دکھلیا تجے        عجب ذوق لذت چکایا تجے
سوا و ذوق کھنے میں آئے کہاں        اور لذت بیان میں سماوے کہاں
وہ مازاغ کا کحل انکھیاں میں کر        نہ واں زاغ دکھیا نہ واں باغ پر
کسی انبیاء کو نہیں تھی یو بات        جو بے پردہ واصل رہے حق سنگات[۱]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدار الٰہی سے محرومی کا ذکر کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت کو پیش کرتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے سفارش کا مضمون باندھا ہے:

دیا جب یو تشریف رب العباد        کیا آخر امت کو بھی اس میں یاد
فاوحی علی عبدہ کا شرف        بزاں حق تے نازل ہوا تج طرف[۲]

صنعتیؔ کو اپنی اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش بختی پر ناز ہے کہ آپ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ شاعر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی سے ایک اچھا مضمون پیدا کیا ہے جس میں امت کی بخشش پر دلیل قائم کی ہے:

ازل سے ہمن بخت ہیں نیک خواہ        جو تج سا ابد لگ ہے ہمنا پناہ
تری خوشنودی حق کو مقصود ہے        توں امت کو بخشش پہ خوشنود ہے
جو کئی تجھ پر ایمان یاں لیائیں گے        سو دوزخ میں کیوں کر کہ او جائیں گے
ترے تابعاں میں خدا کر قبول        کہ بولیا خدا امن یطیع الرسول ﷺ
چلے صنعتیؔ سوں تیری بات پر        دو جگ میں اسے توں سرافراز کر[۳]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا اظہار اس طرح کیا ہے:

تیرے پاس رہنے کی ہے آس اوس        رکھ اپنے کرم سوں اپس پاس اوس

---

۱۔ قصۂ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔ صفحہ-۱۰
۲۔ قصۂ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔ صفحہ-۱۱
۳۔ صنعتی مرتبہ جناب پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔ صفحہ-۱۱-۱۲

کراوس خاک کوں یک نظر سوں پچن　　بحق چار یاراں حسین و حسن
نہ دھرتا ہوں کچھ تحفہ از بہر خود　　تیری بازگہ میں بغیر از درود
اچھو حق تعالیٰ تے نازل سلام　　بر اصحاب بر اہل بینش تمام [1]

صنعتی نے جو قصہ نظم کیا ہے اس کی مرکزی شخصیت حضرت تمیم انصاری ہیں جو اصحاب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ لہٰذا اس میں مذہبی عنصر کا غالب ہونا بھی لازمی امر ہے۔ اس میں جگہ جگہ ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پیر پری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت مندی کا بیان ہے۔ جو آپ کی وفات کی خبر سن کر بیہوش ہو جاتی ہے:

بزاں مجھ کوں پوچھی کہ اے نیک ذات　　رسولِ خدا ہیں جہاں میں حیات
کہا میں تب اس کوں کہ اے نیک نام　　ہوئی رحمت حق علیہ السلام
خبر سن کر تب او اٹھی آہ مار　　کری تن پر کسوت آپس تار تار
ادک درد ہور غم سوں رونے لگی　　سو پلکھیاں کوں موتی پرونے لگی
لگی چابنے ہاتھ کی پیٹ تب　　زرینہ اپس کا سٹی کاڑ سب
سو اس درد ہور غم سوں مدہوش ہو　　پڑی تھی کتیک وقت بے ہوش ہو
بھی آخر کتیک وقت کون ہو ہوشیار　　میرا نانوں لے مجکوں پوچھی پکار
کہ تم سچ کہو مجھ ستی ایک بات　　اس انکھیاں سوں دیکھے ہیں او پاک ذات
کیا ہوئے دیکھیا ہوں اس ذات کون　　بھی بوسہ دیا ہوں سو اس بات کوں
یوسن دیکھو بوسہ مجھ انکھیاں اوپر　　چلی لے کر عزت سوں گھر کے بھتر [2]

حضرت تمیم انصاری کو ایک حسین لڑکی نظر آتی ہے۔ اس نے ان کا نام لے کر پکارا۔ بعد ازاں اس نے اس دیو کا حال پوچھا جو حضرت تمیم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی حاصل کرنے کے فریب سے لے گیا تھا۔ حضرت تمیم نے اس کی موت کا حال سنایا۔ اور اس لڑکی سے پوچھا کہ تمہیں میرا نام کیوں کر معلوم ہوا۔ اس نے کہا میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ادھر سے گزریں گے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] صنعتی مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری۔ صفحہ-۱۲
[2] قصہ بے نظیر۔ صفحہ-۴۵-۴۶

وسلم کی نعت میں جو اشعار اس لڑکی کی زبان سے ادا ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

کہ توریت ہے حق تعالیٰ کی بات　　　محمد ﷺ کی دیکھی ہوں اس میں صفات
محمد نبی ﷺ سرورِ سروران　　　حبیب خدا ختم پیغمبران
نبی ﷺ سب ستارے ہیں او آفتاب　　　دو عالم کوں ہے ان سوں پر نور تاب
سکل انبیاء کے وہ سرتاج ہیں　　　کہ جس کوں شرف حق نے معراج ہے
محمد ﷺ کون ہے سب نبیاں پر شرف　　　اس امت کو سب امتاں پر شرف [1]

## (۱۰) ابنِ نشاطی

مصنف پھول بن (سن تصنیف ۱۰۷۶ھ) نے حسب معمول اصل قصے سے پہلے حمد نعت اور منقبت کہی ہے۔ چنانچہ مثنوی کے اختتام پر جو اشعار لکھے ہیں۔ ان میں دعائیہ شعر کے بعد یہ شعر درج ہیں:

درود اوّل نبی ﷺ پر بھیج کر میں　　　مرتب اس حکایت کوں کیا ہیں
سچا پن سو نبی ﷺ پر ہے مسلم　　　سنیاتیوں کہیا واللہ اعلم [2]

حمد کے (۴۷) اشعار کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کے (۲۴) شعر کہے ہیں۔ اس کے بعد نعتیہ اشعار ہیں جن کی تعداد ۲۹ ہے۔ ایک نعتیہ شعر بطور عنوان کہا گیا ہے۔ یہ ہے:

کہوں میں نعت سرور کا شفیع المذنبیں برحق
کہ جس کے نور سے پرتو کیا دو جگ کون تابانی [3]

نمونۂ کلام:

محمد ﷺ پیشوا ہے سروراں کا　　　اہے سرخیل سب پیغمبراں کا
محمد ﷺ توں نبی ہے آج برحق　　　قمر کوں ایک اشارت میں کیا شق
ہوا عالم بنج احمد ﷺ کی خاطر　　　پیالہ جیوں کہ آیا مد کی خاطر [4]

---

[1] قصۂ بے نظیر مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ۔ ۸۷
[2] پھولبن مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ۔ ۱۶۹
[3] پھولبن، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ۔ ۷
[4] پھولبن، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ۔ ۸

ترى تعريف كا اونچا ہے پايا | خدا قرآن ميں تجھ كو سرايا
نبیﷺ تو پاک تيرا پاک دیں ہے | سچا توں رحمت للعالمیں ﷺ ہے
اگر ہوتا نہ تو آدم نہ ہوتا | نہ آدم بلكہ يہ عالم نہ ہوتا
شرف پايا ہے آدم تجھ طرف تے | ہوا موجود عالم تجھ طرف تے
ترى تعريف كرنے كس كوں حد ہے | ہوا تو روح اور آدم جسد ہے[۱]

نعت کا شروع سے آخر تک ایک ہی رنگ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان واقعہ کے طور پر نظم کئے ہیں۔ کلام میں جدّت اور تنوع نہیں پایا جاتا۔ شاعر آدم کی بزرگی اور عالم کی تخلیق کو آپ ہی کے وجود کا مرہونِ منت قرار دیتا ہے اور دیگر انبیائے کرام پر آپ کی بزرگی جتاتا ہے۔ پھر شریعت، طریقت اور معرفت کا ذکر کرتا ہے:

شريعت كا سٹيا آوازه جگ ميں | طريقت كوں كيا توں تازه جگ ميں
حقيقت تجھ سوں ہے حق كا ہويدا | خدا كا معرفت تجھ سوں ہے پيدا
صفا دارى كى ره ميں تيرى ہر سو | كريں جاروب حوراں اپنے گيسو
ہے تجھ مکھ نور كا ديوانہ جبريل | اہے تجھ شمع كا پروانہ جبريل
شب معراج ہے تجھ مہ سوں روشن | فلک كا سبز ہے تجھ شہ سوں گلشن
ہے تيرے خلق سوں جنت معطر | كرم سوں ہے ترے طوبیٰ مثمر
سُرج كوں چھانوں كئى ديكھے نہيں كيں | توں سورج تھارسى تے چھانوں تجھ نين[۲]

بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر کی التجا بھی سن لیجیے:

شہا جس دن جُو رستاخيز ہوگا | سُرج كا آنچ بھوتچ تيز ہوگا
تو كر ابن نشاطی كے سر اوپر | شفاعت كے ترے سايہ كوں چھتر
تيرى اولاد پر ہو رنج پہ ہر دم | ہزاروں سو اچھوا صلوات سلم[۳]

---

[۱] پھولبن، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ-۸
[۲] پھولبن، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ-۹
[۳] پھولبن، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ-۱۰

## (۱۱) نصرتی

نصرتی کا نام محمد نصرت تھا۔ جو علی عادل شاہ کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ نصرتی نے بڑی عمر پائی اور تین بادشاہوں یعنی محمد عادل شاہ علی عادل شاہ ثانی اور سکندر عادل شاہ کا زمانہ دیکھا۔ اس کی حسب ذیل تصانیف دستیاب ہوئی ہیں۔[۱]

۱۔گلشن عشق۔۲۔علی نامہ۔۳۔تاریخ اسکندری۔۴۔قصائد۔۵۔غزلیات۔رباعیات۔

حسبِ دستور شاعر نے اپنی مثنویاں حمد اور نعت سے شروع کی ہیں۔ گلشن عشق کے نعتیہ اشعار کی تعداد ۱۳۷ ہے جو بجائے خود ایک چھوٹی سی نعتیہ مثنوی ہے۔ شاعر نے عنوان یوں قائم کیا ہے:

یو نعت سرور عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کا　　کھلایا گلشن ہستی اوّل جس نور کا پانی[۲]

نعت کا ابتدائی مضمون یہ ہے:

رہے نامور سید المرسلین　　کہ آخر ہے وے شافع المذنبین
ادا ہوئے نہ حمد احد کے بچن　　نرا کھے جگ مدح احمد ﷺ میں من
عجب آفرینش کے دریا کا در　　کہ جس نورتی بحر ہستی ہے پر[۳]

شاعر نے صفات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے ساتھ اپنے خلوص اور محبت کا جگہ جگہ اظہار کیا ہے۔ نعت حقیقی وصف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پُر ہے جس میں آپ کے اوصاف کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ احد اور احمد کے مضمون کو شعراء نے زمانۂ قدیم سے باندھا ہے۔ نصرتی کے یہاں یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا ہے:

حبیب خدا تو نج اے مصطفیٰ ﷺ　　ترا ناؤں تج ہوئے دل صفا
احمد ﷺ ہور احمد میں جگ کون عظیم　　معما ہوئی گرچہ میانے کی میم
اس میم تھے بن معما شگاف　　دیکھیں عین احد کون (تجھ) چہ احمدتی صاف[۴]

اسی نعت میں شاعر نے معراج کے ذکر کو مستقل عنوان کے تحت لکھا ہے عنوان یہ ہے:

---

۱۔ تذکرہ قدرت، تذکرہ غلام محی الدین اویسی میں لکھا ہے کہ ایک معراج نامہ بھی لکھا تھا جو تیرہ شعر پر مشتمل ہے۔
۲۔ مثنوی گلشن عشق، مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق شائع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی۔۱۹۵۲ء، صفحہ-۱۰
۳۔ مثنوی گلشن عشق، مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق شائع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی۔۱۹۵۲ء، صفحہ-۱۰
۴۔ مثنوی گلشن عشق، مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق شائع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی۔۱۹۵۲ء، صفحہ-۱۱

صفت معراج کی جس تس ترنگ جڑاؤ حبیب حق
پھر آیا لامکان تک جا کرے لگ وہم جنبانی[1]

معراج کے مضمون کی ابتدا اس طرح کی ہے:

دھریا پردہ سوز جہاں جب حجاب		ہوئی حجلۂ راز کوں نس نقاب
کھولی بات طالب کی مطلوب دھیر		مقاماں ہوئے وصل کے دلپذیر
جوتھی من میں مطلوب طالب کی آس		انپڑنے کی باری آپی آئی پاس

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرش پر پہنچنے کو اس طرح بیان کیا ہے:

رکھے تب نبی ﷺ عرش عالی پہ پاؤں		چلے چھوڑ دے تس کے انگے کی ٹھاؤں
سمندِ ہوا رہ نورد جہاں		دیکھا یا لجا منزل لامکاں
لکھی جائے تا لامکاں کی صفت		کہ اس شرح میں ہے سخن بے سکت
مکاں لامکاں ہے جم اس ذات کی		نہ تمثیل اچھے تس کسی دھات کی
تشاریف رحمت کی برکات کی		عنایت لگی ہونے کئی دھات کی
محبت کے دریا کو تھا عین جوش		خلاصی کیاں موجاں دھرے خوش خروش
اوفیاض ساقی کی بزمِ لطیف		دیکھت ہو رھیا خلوتی ات حریف[2]

نصرتی کے کلام کے نمونے سے ظاہر ہے کہ شاعر نے نعت کے بیان میں زیادہ تر صفات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی شاعرانہ رنگ آمیزی سے بھی کام لیا ہے لیکن اسی قدر جتنا کہ تصوف کی راہ سے جگہ پا سکتا تھا۔ جہاں مضمون میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شاعر کی قلبی وابستگی کی جھلکیاں ہیں وہاں تصوف کی زبان میں عشق و محبت کا بیان بھی ہے۔

## (۱۲) سیّد بلاقی

معراج نامۂ ۱۰۸۰ھ میں لکھا جو ۵۲۵ رابیات پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی حیدرآباد کے ایک شاعر سید بلاقی کی تصنیف خیال کی جاتی ہے۔ اس میں معراج کے واقعات تفصیل سے بیان

---

[1] مثنوی گلشن عشق۔ صفحہ۔۱۳
[2] مثنوی گلشن عشق۔ صفحہ۔۱۶

کئے گئے ہیں۔اس کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ تین نسخے سر سالار جنگ مرحوم کے کتب خانے میں ہیں۔

ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد دکن کا نسخہ سب سے قدیم ہے جس کا سن کتابت ۱۱۶۵ھ ہے۔شاعر مثنوی کا آغاز حمد سے کرتا ہے۔جامعہ عثمانیہ کے نسخے کے ابتدائی اشعار درج ذیل ہیں:

اوّل نام اللہ سو بولوں احد ثنا و صفت اس کی ہے بے عدد
ثنا اس اپرنت سزاوار ہے کر نہار قدرت میں کرتار ہے

جس طرح کہ عام طور پر معراج کے بیان کا قاعدہ ہے ہم سید بلاقی کے معراج نامے میں بھی آسمانوں کی سیر کا حال پاتے ہیں جہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات فرماتے ہیں۔بہشت و دوزخ کے مشاہدے کا حال بھی درج ہے۔آخر ان تفصیلات سے گزر کر شاعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جناب باری میں پہنچنے کی کیفیت کو بیان کرتا ہے۔اور آخر معراج سے دنیا کی طرف مراجعت کا ذکر کرتا ہے۔نعت کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

کہ معراج تم کو خدانت کرے فرشتیا نے سن کر بھی کلمہ پڑے
خوشی سوں کھڑا رہ مبارک بدن دسی خوب رونق کہ گل در چمن
سچی توں محمد ﷺ تیرا ناوں ہے دو عالم کے سر پر تیرا چھانوں ہے
توں ہی بادشاہی تجی راج ہے دو عالم کی شاہا ئمین سرتاج ہے[۱]

مثنوی کا اختتام مندرجہ ذیل اشعار پر کیا ہے:

جو سیّد بلاقی نبی ﷺ کا غلام قصہ بوکھیا تجھ لطف سوں تمام
ہزاروں درود و ہزاروں سلام بحق محمد علیہ السلام[۲]

ایک اور معراج نامہ جو مختار کی تصنیف ہے پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب حیدرآباد کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔اس کا سن تصنیف ۱۰۹۴ھ اور سن کتابت ۱۲۵۲ھ ہے۔

---

۱؎ معراج نامہ، بلاقی۔صفحہ-۱۰۔کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد، دکن
۲؎ معراج نامہ، بلاقی۔صفحہ-۱۰۶۔کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد، دکن

## (۱۳) طبعیؔ

سلطان عبداللہ قطب شاہ کے آخری دور کا شاعر ہے۔ یہ ابوالحسن تانا شاہ کا درباری شاعر تھا۔ یہ شاہ راجو حسینی سے عقیدت رکھتا تھا۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید یہ ان کا مرید ہو۔ طبعیؔ اپنی اعلیٰ شعری صلاحیت کا خود بھی مداح ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے معترضین پر چوٹیں بھی کی ہیں۔ اس کی مثنوی قصہ بہرام وگل اندام سے اس کی اعلیٰ قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ مثنوی کا سن تصنیف ۱۰۸۱ھ ہے۔ اس نسخہ کا قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ مثنوی میں حمد اور مناجات کے بعد شاعر نے جو نعت کہی ہے اس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

محمد نبی ﷺ توں خدا کا رسول　　　یو پیغمبران باغ ہی توں سو پھول
خدا نے کیا تجکوں اپنا حبیب　　　یو منصب نہیں ہر کسی کو نصیب
سہاتا ہے مہر نبوت تجی　　　یو دولت ہوا ہی عنایت تجی
نبیاں جگ میں یک لاکھ اسّی ہزار　　　یو ساری پیادی ہیں توں ہی سوار[۱]

شاعر کی تمنا دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں:

ہوئے ہیں میرے ہات تے کئی گناہ　　　نہیں کوئی تجھ باج پشت و پناہ
کہ تیری شفاعت کے دھرنا امید　　　قیامت میں طبعیؔ کون رکھ رو سفید[۲]

## (۱۴) معراج نامہ مختارؔ

مختار کا نہ تو نام معلوم ہوسکا اور نہ اس کے حالات ملتے ہیں۔ اس کی ایک نعتیہ تصنیف یعنی معراج نامہ معراج کے بیان میں ایک تفصیلی مثنوی ہے۔ جو ۱۲۸۔ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے میں ۱۱ شعر درج ہیں۔ اس طرح جملہ ابیات کی تعداد تقریباً ۲۷۹۳ ہے۔ زیر نظر نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے جو رمضان ۱۱۷۲ھ کا نوشتہ ہے۔ شاعر نے کتاب کے آخری ورق پر نام اور سن تصنیف درج کیا ہے:

محمد ﷺ یو مختار گوں کر فدا　　　تو ایمان اسکوں اچھیگا سدا

---

۱۔ مثنوی بہرام وگل طبعی۔ صفحہ-۴۔ مخطوطہ۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، دکن
۲۔ مثنوی بہرام وگل طبعی۔ صفحہ-۴۔ مخطوطہ۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، دکن

یو معراج نامہ لکھیا یادگار — نبی ﷺ کے کرم کا اسے ہے ادھار
یو معراج نامہ ہوا ہے تمام — سلام علی روح خیر الانام
سنہ تھا یو ہجرت کا دن قرار — تھے گذرے نود چار پر ایک ہزار[1]

اس طرح اس مثنوی کا سن تصنیف ۱۰۹۴ھ قرار پاتا ہے۔

مختار نے مختلف روایات کو جمع کیا ہے جو معراج کے بیان میں وارد ہوئی ہیں۔ اور مضامین کے لئے مختلف عنوانات قائم کئے ہیں۔ مثلاً۔

در بیان سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت دیگر سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت سوم سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت چہارم سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان روایت پنجم سبب معراج پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

فی معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم پنج روایت ست

بیان رفتن در آسمان اوّل نبی صلی اللہ علیہ وسلم

در بیان دیدن عجائب ......................

بیان رسیدن آسمان دویم و دیدن عجائب و غرائب آن

اس طرح مختار نے آسمان ہفتم تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر دکھائی ہے اور ان عجائبات کا ذکر کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمائے۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کا بیان ہے۔ شاعر نے تفصیل سے عجائب و غرائب کے تحت آپ کے عالم ملکوت کے مشاہدے کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ آخر لقائے الٰہی کا ذکر ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے ذکر میں اتنی مبسوط مثنوی اپنی نوعیت کی پہلی مثنوی ہے جس میں صحیح روایات کے بیان کا اہتمام کیا گیا ہے۔

شاعر نے مثنوی کی ابتداء حمد سے کی ہے اور حمد کے پہلے ہی شعر میں معراج کا ذکر کر کے گویا براعت الاستہلال کی کیفیت پیدا کی ہے۔ پڑھنے والے کے لئے یہ ایک اشارہ ہے کہ یہ

---

[1] معراج نامہ مختار ورق۔ صفحہ ۔۱۲۸۔ مخطوطہ۔ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد، دکن

مثنوی معراج کے بیان میں ہے:

کہوں حمد اوّل او سی راج کا　　نبی ﷺ کوں دیا تاج معراج کا[۱]

نعتیہ اشعار حسبِ ذیل ہیں:

عجب دیک محبوب ہے بے بدل　　محمد شہ انبیاء از ازل
اس چار حرفاں کا ہے ناؤں آج　　رکھے اسکوں لولاک کا سر پر تاج
سو ہر حرف کا میں کہوں یوں بیان　　کہ ہے میم محبوبیت کا نشان
سو حی لے دلادت حمایت اپر　　حمایت کی ساری شفاعت اپر
سو میم دگر سب مدد کی خبر　　قیامت میں دیتا ہے امت اپر
لہوں دال ہے او نشانی دوا　　جو ہے درد عصیاں کا او ہے شفا

......

خزینہ سو دارو کا قرآن ہے　　کہ سب موموناں کا او ایمان ہے
دیکھے درد جیسا سو ویسا علاج　　کرے او کہ ہے سب خلائق کا تاج
نتیجہ کئے اسکوں دارین کا　　خلاصہ کئے اسکوں کونین کا[۲]

نعت گو شعراء نے احد اور احمد کو ایک دکھانے میں مختلف خیال آرائیاں کی ہیں۔ یہ ایک قدیم روایتی بیان چلا آرہا ہے جس میں بے اعتدالیاں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مختار کے یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اس شعر سے بیان کی وضاحت ہو جائے گی:

کیتے ہیں اور احمد ہیں لا میم کا　　ہے نقطہ جلالین کے جیم کا[۳]

نعت کا یہ رنگ بھی ہے:

عجب نور نور علی النور ہے　　جہاں سب سمجھنے تی او دور ہے
سمجھنے منے او سماتا نہیں　　زباں سوں کتے کوں او آتا نہیں
بیان میں سو اسکو عیاں کیوں کروں　　حقیقت اسی کا بیان کیوں کروں

---

۱ معراج نامہ ورق-۱
۲ معراج نامہ ورق-۲-(ب) و ۳(الف)
۳ معراج نامہ مختار، ورق-۳ (ب)

بیان کو نہیں ٹھاراس ٹھار میں — نکو کھول اسرار بازار میں
ولے کھولنا کس کو آتا نہیں — جو او پوچنے میں سماتا نہیں [1]

شاعر کے بیان میں تسلسل اورروانی کے ساتھ صدق وخلوص کی فراوانی ہے۔نعت کے مضمون کے بعد خلفائے راشدین کی ثناء میں بھی مختار نے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اورمحبت کا اظہار کیا ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تعریف میں چند شعر ملاحظہ ہوں:

نبی ﷺ کو اسے عشق اپروپ تھا — کہ سب عاشقان میں اومحبوب تھا
مسلمان کون حجت ہے ایمان کا — سو عثمان فرزند عفان کا

مختار عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی جان سمجھ کر صحابہ رضی اللہ عنہ کے وصف میں بھی اسی صفت کو زیادہ اجاگر کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت کے اشعار میں بھی یہی انداز ہے:

چلیا لشکر عشق سب فوج فوج — کیا علم کا بحر سب موج موج
اتھا دلدل عشق پر او سوار — شجاعت سخاوت کا تھا نور پار
محبت دو جگ میں سو باقی ہوا — کہ سب عاشقاں کا او ساقی ہوا
ولیاں کی انی بادشاہی کیا — کہ سب کو ولایت کا خلعت دیا
عجب شاہ محبوب ہے دلنواز — کہ سارے ولیاں کون کیا سرفراز [2]

مختار نے حضرت غوث الاعظم اوراپنے پیر حضرت شیخ عبدالصمد کی مدح سرائی کے بعد معراج کا بیان اس طرح شروع کیا ہے:

اتا کچھ بیان کرتوں معراج کا — نبیّاں ہور ولیاں کے سرتاج کا
جواہر جور ولوں اسی تاج کے — کیتک ہیں سبب اس کے معراج کے [3]

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تشریف آوری کو یوں بیان کیا ہے:

کہے جبرئیل آکے قم یا حبیب — بڑا ہے خدا کے کنے تجھ نصیب

---

[1] معراج نامہ مختار۔ورق-۳(ب)
[2] معراج نامہ مختار، ورق-۵،(الف)
[3] معراج نامہ مختار، ورق-۱۲،(الف)

سو جبرئیل نے حق تے ان پر سلام ‏ ‏ پچھیں ان ستے یوں کئے ہیں کلام
کہیا حق تعالیٰ نے حق تھے سو کام ‏ ‏ بھی صلوات بولیا درود و سلام
کیا حق تعالیٰ نے یوں تم کون سب ‏ ‏ جو پیدا کیا تمکوں میں اس سبب
شفاعت منگے سب گناہگار کی ‏ ‏ جو بخشاوے سب اونکوں یکبارگی
چلو بیگی مکے کے جنگل منے ‏ ‏ سب امت کے اعمال کو دیکھنے
تو عبرت ہوے گی تمن دل اپر ‏ ‏ کہ یو وقت میں نیند کا سر بسر
پکڑ ہاتھ جبرئیل کا ہوشیار ‏ ‏ تب آئے ہیں سرور مکے کے بہار[۱]

اس طرح سبب معراج میں مختار نے پانچ روایتیں بیان کی ہیں۔ اور پھر یکے بعد دیگرے آسمانوں کی سیر کا حال درج کیا ہے۔ آسمانوں پر پیغمبروں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا ذکر بھی ہے۔

## (۱۵) قدرتی

قدرتی کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہوسکے سوائے اس کے کہ وہ عادل شاہی دَور کا شاعر تھا۔ جس کی ضخیم مثنوی ''قصص الانبیاء'' سے اس کی قادرالکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں موجود ہے۔ جس کا طول ۷ء۱۲، انچ اور عرض ۱۱ء۹، انچ ہے۔ جملہ اوراق ۴۲۳ ہیں اور اشعار کی تعداد دس ہزار سے زیادہ ہے۔ دستیاب شدہ دکنی مثنویوں میں رسمی کی مثنوی ''خاورنامہ'' کے بعد ضخامت کے لحاظ سے یہ دوسری مثنوی ہے۔ مثنوی کا سن تصنیف ۱۰۹۵ھ شمار کیا جاتا ہے۔

''مثنوی قصص الانبیاء'' میں اکیس انبیائے کرام کا تذکرہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ۳۳۹ ویں ورق سے شروع ہوتے ہیں جن میں صرف حبش کی ہجرت تک کا ذکر ہے۔

شاعر نے مثنوی کی ابتداء اس طرح کی ہے:

کہ الحمد للہ و پروردگار ‏ ‏ کیا جگ آپس نور تے آشکار
سراؤں اول میں جو سبحان کوں ‏ ‏ جب کوئی جیو دیا ہے سو سلطان کوں

---

۱ معراج نامہ مختار، ورق-۱۲ (ب)، و۱۳ (الف)

خلیفہ ہے اس کا نبی ﷺ مصطفیٰ　　کیا جس کتیں والیل ہور والضحیٰ
کیا قدرتی قصۂ نرملا　　اچھی سب کوں معلوم یہ سلسلہ
کہ یک دن نبی ﷺ سوعلی یوں کہے　　دنیا دین کسی دھات پیدا اہے
کہے یوں محمد ﷺ سنو یا علی　　وہی ذات کا نور تھا اولی [۱]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صرف ہجرت حبش تک درج ہے۔ نظم میں شعری عنصر بہت کم ہے۔ صرف سیرت پاک کا ایک منظوم خاکہ ہے۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے عقد کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

نہیں مسخرانی یو ہے جان توں　　قبول ہوں میں اپنی ایماں سوں
سو جتنے تمارے اچھیں گے جو خویش　　بلاکر جمع کر توں سارے قریش
سو میرا چچا ورقہ نوفل کتیں　　بلالیای توں میری منزل کتیں
محمد ﷺ کوں ہاں تم بلالیائے کر　　کرو خواستداری میری آئے کر

(قصص الانبیاء، ہندی۔ ورق-۳۹۹)

وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ مضمون پیدا کیا ہے:

جو آدم کوں حق آپ ظاہر کیا　　اسی نور کے سات باہر کیا
انو کیرے سب پشت میانی تمام　　وہی نور ظاہر ہے دنیا میں نام [۲]

## (۱۶) فتاحی

مفید الیقین (مولود نامہ) فتاحی کی تصنیف ہے جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں موجود ہے۔ مصنف نے مفید الیقین کا سن تصنیف اس شعر میں ظاہر کیا ہے:

سو ہجرت کے بعد از برس یکہزار　　نو دھوا تھا پانچہ کا بھی شمار

۱۰۹۵ھ

یہ ایک طویل مثنوی ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت مختلف عنوانات کے تحت بیان کی گئی ہے۔ شاعر نے بیان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ابواب فضیلت کے انتخاب

---

[۱] قصص الانبیاء ہندی ورق اوّل
[۲] قصص الانبیاء ہندی ورق اوّل

میں اہتمام کیا ہے۔ یہ ایک منظوم سیرت سیدھا سادا بیان نہیں ہے بلکہ منتخب عنوانات کے تحت شاعر نے مضامین نظم کیے ہیں جن میں معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ نمایاں کیا ہے مثلاً در بیان دیباچہ کتاب مفید الیقین کہ معجزات وتولد نور و ذات حضرت خیرالانام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم درست۔

## مولود

در بیان آنکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نماز را برصورت حروف احمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ساخت۔

در بیان آنکہ حق سبحانہ وتعالیٰ آدم را برصورت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ساخت۔

در بیان آنکہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نوکر حضرت خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا شدہ بہ شام امین قافلہ گشتہ رفتہ کدام بہ ظہور آمدہ وغیرہ۔

در بیان جلوۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام با خدیجہ کبری رضی اللہ عنہا۔

در بیان اوّل وحی ونزول جبرئیل علیہ السلام وغیرہ۔

در بیان آنکہ ابوجہل ملعون ویاران او معجزات و دیگر طلب نمودند و برغلانیدہ بادشاہ دیگر برائے آزمودن معجزات۔

در بیان معجزات کہ ابوجہل ملعون پادشاہے را برائے طلب معجزۂ شق قمر در مکہ معظّمہ آوردہ بود۔

شق قمر را راجا ملیبار دیدہ نجومیانرا حاضر کردہ پرسید۔ نجومیان در علم فلکی ندیدہ حیران شدند وازفیض ملاقات علیہ الصلوٰۃ والسلام سامر یرا بشارت دادند۔

فتاحی کا مولودنامہ صحت مضامین کے لحاظ سے معتبر نہیں گردانا گیا ہے۔ چنانچہ مولانا باقر آگاہ نے ''ہشت بہشت'' کی وجہ تصنیف میں جہاں دیگر شعراء کی اس بے احتیاطی کی شکایت کی ہے وہاں فتاحی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اس نے معجزات کے بیان میں غلط روایات شامل کردی ہیں:

جیسا فتاحی لکھا ہے معجزات — اکثر اوسمیں ہے غلط ہور جھوٹ بات[1]

فتاحی نے حمد کے چھ صفات کے بعد مولود کا ذکر اس طرح کیا ہے:

---

[1] ''ہشت بہشت''، مخطوط کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، ورق -۲۴- الف

یہ مولود ہے سرورِ انبیاء
چونی کئی ہیں عالم تھے ہور اصفیا
یوسن کان دھرا بتدا سوں بیان
کو دکھنی زبان سوں ہوا ہے عیاں
خدا نے جو یک جھاڑ پیدا کیا
اس جھاڑ شاخاں ہویدا کیا
بڑا خالق ہے اوسورت المتین
رکھیا جھاڑ کا نانو شجر الیقین
بزان اجلے موتی کے سروی بہتر
رکھیا نور احمد کوں پیداش کر
دیا مہور کا شکل اس نور کوں
ہوا فلک اوجھاڑ اس نور کوں
کہ بغلی رکھے نور اس جھاڑ پر
سو تسبیح نت او کرے واں فکر
یو تسبیح کر سال ستّر ہزار
یو مدت کا واں جب ہوا ہے شمار
بزان آرسی یک شرم کے کیا
ایسے نور کی تب مقابل دیا
دیکھیا نور کا مصور اپنے کماں
بہوت خوب اپنا او دیکھیا جمال

وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار یہ ہیں:

جو کوئی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا صفت نت کرے
دو عالم کو او پر شرف بی او دھرے
پورا وصف اس کا کہاں منجھ سکت
کہ سبحان جس کا کیا ہے صفت
سو او ہاشمی ابطحیٰ پاک ذات
محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش جو عالی جناب
اتھے خود سالی میں او نیک نام
سو چھور او مل شاہ بولہن تمام
برس آٹھ ہور نو کے جب تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
یو سردار ہیں کر کئی تھے قبول

## (۱۷) قصہ ہرنی کا

یہ ایک ۱۹-اشعار کی نظم ہے۔ اس کا زمانہ تصنیف قبل ۱۱۰۰ھ ہے۔ شاعر کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نظم کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ایک ہرنی کے ضامن ہوئے تھے اور وہ وعدے کے مطابق واپس آئی۔

### آغاز

پیدا کیا حق نے نبی ایسا نہ کوئی نبیوں منے
دیتا بڑائی ان کے تئیں نبیاں ستی محشر منے

سب انبیاں ہور اولیاں کر گئے ہیں دل میں آرزو
پاویں دو جگ میں ہم شرف ہوویں جو اس امت منے[۱]

### اختتام

جنگلی جناور ہیں جتے لاگے نبی کے آچرن
توڑیا کفر دل کا سبھی لاصدق سب کے دل منے
نیکی عبادت تم کرو غافل نہ ہو ہوشیار ہو
پینا پیالا موت کا دینا جو ہے فانی منے[۲]

## (۱۸) بازو فاختہ[۳]

یہ تقریباً (۷۰) ابیات کی مثنوی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت عزرائیل علیہما السلام باز اور فاختہ کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ فاختہ نے آپ سے فریاد کی کہ باز مجھے کھانا چاہتا ہے۔ آپ نے باز کو منع فرمایا تو باز نے کہا آپ اپنے رخسار مبارک کا گوشت کھلائیں تو میں فاختہ کو چھوڑ دوں گا۔ اہلِ بیت اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا گوشت پیش کیا لیکن باز نے قبول نہیں کیا۔ آخر جب اپنا گوشت کاٹنے لگے تو باز نے ہاتھ پکڑ لیا اور بتایا کہ ہم فرشتے ہیں صرف آپ کی سخاوت آزمانا چاہتے تھے۔ مثنوی کی زبان قدیم ہے اس لئے قیاس ہے کہ یہ ۱۱۰۰ھ سے قبل کی تصنیف ہوگی۔ نموتہً چند اشعار درج ذیل ہیں:

قضا میں کیوں یک نبی خاص کا — دو عالم کے صاحب کی اخلاص ہے
کہ یک روز محمد ﷺ نے یاراں سنگات — مدینے کی مسجد میں کرتے تھے بات[۴]

شاعر مثنوی کا اختتام ان اشعار پر کرتا ہے:

چلے گئے فرشتے یہاں سے مگر — کئے جا خدا کو یہ ساری خبر

---

۱ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۲۴۴
۲ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۲۴۴
۳ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۱۸۱
۴ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۱۸۱

الٰہی ہمیں کیا جو تعریف کرے | کہ پیارے حبیب کی صفت کیا کرے
سخن صفت او سکا سو اثبات ہے | کہ سب حال میں پاک اوذات ہے
کہیں کس زبان سوں جو تعریف ہم | کہ دریا بھرا نور ہے در فہم
ہزاروں درود اور ہزاروں سلام | زبان پر محمد ﷺ علیہ السلام [1]

## (۱۹) قصیدہ معجزہ

ایک تین اوراق قصیدہ ہے۔ اس کے متعلق قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس کا لکھا ہوا ہے۔ گمان ہے کہ شاید جنونی گجراتی کا ہو۔ نعت کے دو شعر درج کئے جاتے ہیں:

زبان کتی سکت نا ہی جو اس کے سو نبی ﷺ اوپر
جنے نوری نبی ﷺ کتے اپس کے نور سیں اظہر
اونہو کے نور سیں کتے ملائک جن سب حیوان
زمین نو آسمان کرسی عرش شمس و قمر اختر [2]

## (۲۰) ایک اور قصیدہ معجزہ

جو پانچ اوراق اور ۲۷/اشعار پر مشتمل ہے جنونی کی تصنیف ہے جو ۲۴/ربیع الاول ۱۱۰۲ھ میں لکھا گیا۔ شاعر نے تاریخ تصنیف اور اپنے وطن کا نام بھی لکھا ہے۔ اصل میں یہ قصیدہ حضرت مولانا روم کے اس کلام کا ترجمہ ہے جس میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کے مکالمے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ظاہر کئے گئے ہیں۔ شاعر ہندی زبان میں نعت لکھنے کا سبب بیان کرتے ہوئے اپنا تخلص بھی بتاتا ہے۔ وہ سبب تالیف یوں بیان کرتا ہے: [3]

سب عاقلوں کے سدھ گئے ان کی صفت کہتے منیں
بس میں جنونیں (جنونی) کیا کہوں کیا آسرا ہے اس اندر

---

[1] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۱۸۱
[2] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۲۲
[3] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۲۲

اندر زبان فارسی یہ معجزہ ملائے روم
ہے گا جو کیا خوبونکو تم نے سنا ہے پیشتر
بولی عرب کی ہے سری سب بولیوں کی بےسخن
ترکی شجاعت کا رتی ہے فارسی باشد شکر
میں اس کو در ہندی زبان اس واسطے کہنے لگا
جو فارسی سمجھے نہیں سمجھے اسے خوش دل ہو کر[۱]
اوّل کہوں حمد خدایا را سنو تم کان دھر
جس نے زمین و آسمان پیدا کیا شمس و قمر
ستار وہ کرتار وہ غفار وہ جبار وہ
قہار وہ داتار وہ اس میں نہیں کوئی دگر[۲]

قصیدہ کا اختتام:

میں مانگتا ہوں یہ ہوئے اپنین دلوں میں جادام
یا رب بحق مصطفیٰ ﷺ برخلق عالم کر کرم[۳]

## (۲۱) نورنامہ

یہ نعتیہ مثنوی فارسی نثر کے ایک رسالے کا ترجمہ ہے۔ اس کا تصنیف ۱۱۱۱ھ ہے۔ اوراق ۱۸ ہیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور نے تذکرہ اردو مخطوطات (صفحہ-۴۳) میں لکھا ہے کہ اس کے مصنف شاہ عنایت اللہ غالباً وہی بزرگ ہیں جن کا تذکرہ گلزار آصفیہ (صفحہ-۳۵۳) اور تذکرہ اولیائے دکن (جلد-۵۹۳) میں درج ہے۔ ان کا انتقال سن ۱۱۵۵ھ میں ہوا۔ اس کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے:

| | |
|---|---|
| الٰہی منگوں لکھنے دکھنی سوں میں | ترے نور کے نامے کوں میں |
| جو دکھنی سوں میں اس کو سارا لکھوں | سکت دے مجھے اے سکت کارتوں |

---

۱۔ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۲۲
۲۔ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۲۲، ۲۳
۳۔ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۲۳

کرم کر الٰہی گناہ گار پر      گناہاں پہ میرے نکو کر نظر
شفاعت نبی ﷺ کی مجھے کر نصیب      نکو پوچھ مجھ سے حساب اے حبیب [۱]

نورنامہ کا اصل مضمون مندرجہ ذیل بیت سے شروع ہوتا ہے:

الٰہی کر نہار کرتار توں      سنواریا ہے قدرت سوں سنسار توں [۲]

اس نعتیہ نظم میں حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اور آپ کے خلق عظیم کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔اس میں زیادہ تر عقیدت مندی کے جذبات کا اظہار ہے۔

اختتامی ابیات:

مرتب کیا مختصر یو کلام      کہ عاجز ہوں بندا نبی ﷺ کا غلام
ختم کر کہا فاختہ نت مدام      بحق محمد علیہ السلام [۳]

## (۲۲) وفات نامہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم [۴]

یہ ۳۶-اوراق کی مثنوی ہے جو ۲۳۵-ابیات پر مشتمل ہے۔اس میں دریا نے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے حالات نظم کئے ہیں۔اس کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے میں ہے۔شاعر کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ممکن ہے کہ وہی بزرگ ہوں جنہیں شاہ محمد قادری دریا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے کہ شاید یہ محمود بحری مصنف ''من لگن'' (متوفی سنہ ۱۱۳۰ھ) کے والد ہیں۔واللہ اعلم۔

وفات نامہ کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں بھی موجود ہے۔جو ۲۳۲-ابیات پر مشتمل ہے۔سن تصنیف شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

ہوئے برساں ایگیارہ سو پر گیارہ      ہوا نسخہ یو ہجری بعد سارا [۵]

---

[۱] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔صفحہ-۴۳
[۲] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔صفحہ-۴۴
[۳] تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔صفحہ-۴۴
[۴] مخطوطہ۔ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد، دکن
[۵] وفات نامہ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ۔صفحہ-۱۹

نمونہ کلام:

اتھی باقی سو آیت ہوئی نازل ہوئے یکدھرتے سن اصحاب خوب دل

**قال اللّٰہ تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا:**

مگر صدیق سن کرنیں ہوی شاد ستی دل میں آپ کی غم کی بنیاد
مبارک سر رکھی زانو پہ ان کی کہ ام المومنین تھا نام جن کی
ہوئے جب مصطفیٰ بیتاب اس دھات دیکھی تب عائشہ سینے پر دھر ہات
ہوا ہے مرض یہ حق کی رضا تے نہیں چارا کسی کا اب قضا تے
بدن تھا گرم پوچھے مصطفیٰ کوں کہے پھر مصطفیٰ نی اس وضا سوں
صفر کی چاند میں زحمت ہمارا ربیع الاول میں ہے رحلت ہمارا
یہ سن کر عائشہ نے آہ ماری حرم رونی لگی یکدھرتے ساری[۱]

مثنوی کا بیان درد انگیز ہے۔ شاعر نے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا واسطہ دے کر دعائیہ اشعار کہے ہیں:

نبی ﷺ کی روح کی حرمت سوں یارب کہ تایوں بخش میرے یو گناہ سب
نہیں مرے گناہاں کوں نہایت طفیلی مصطفیٰ کرتوں عنایت
تیرے لطف و کرم سے کر مجھے پیار نبی ﷺ تیرے قدم کا مجکوں ادھار
کرم تیرا تو در روز قیامت توں دیوے گر نبی مجکوں شفاعت[۲]

## (۲۳) امامی دکنی

امامی دکنی نے بھی وفات نامہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ایک نعتیہ مثنوی لکھی ہے جو ۱۱۴۰ھ سے قبل کی تصنیف ہے۔ یہ مثنوی ۲۱-اوراق اور ۵۱۵-ابیات کی ہے۔ اس میں شاعر نے اپنا تخلص امامی وطن (دکن) اپنے مرشد کا نام اور ان کا وطن بتایا ہے۔ شاعر مثنوی کا آغاز حمد اور نعت کے ایک ایک بیت سے کرتا ہے:

---

[۱] وفات نامہ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ۔ صفحہ-۴

[۲] وفات نامہ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ۔ صفحہ-۱۸

اول حمد عاشق کتاہوں پوکار | کہ عاشق سوں معشوق ہو آشکار
پیچھے نعت معشوق بولو بیان | جنے ایک ہوکر کیا لکھ ایان [1]

اس کے بعد ساقی نامہ میں اس نے اپنے مرشد (شاہ عبداللہ ہمشیر زادہ میر سید جلال) کی محبت میں ان کے وطن (دہلی) کا اشتیاق ظاہر کیا ہے۔ شاعر اپنے مرشد اور ان کے ماموں کی مدح میں ممدوح کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ظاہر کرتا ہے:

کہ ہیں دو نگینے سلیمان کے | مہر ہیں محمد ﷺ کے فرمان کے
دو مالک رسالت ولایت کے ہیں | دو ہادی حقیقت ہدایت کے ہیں
مرا تن میرے پیر کے تن منیں | میرے پیر کا تن محمد ﷺ منے
کہ حیدر سری کا ہے اس کا جمال | محمد ﷺ کی خصلت ہے اس میں کمال [2]

وفات کے بیان میں چند اشعار درج ذیل ہیں:

محمد ﷺ کئے کوچ جنت طرف | قیامت جہاں میں پری ہر طرف
جہاں کی عمارت کوں برباد کر | جنت کی عمارت کوں آباد کر

اختتامی اشعار حسب ذیل ہیں:

کہ صانع کی قدرت نبی پر تمام | علیک الصلوٰۃ و علیک السلام
ہزاروں درود و ہزاروں سلام | محمد ﷺ اوپر آل یاراں تمام
ختم کر امامی تو خیر الکلام | وصال محمد علیہ السلام [3]

## (۲۴) شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(مصنفہ قبل سن ۱۱۵۰ھ) یہ عبدالمحمد ترین کی مثنوی ہے۔ جو پشتو زبان سے ترجمہ کی گئی ہے۔ پشتو میں اس کا مصنف اخوند اویزائی ہے۔ اس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل نظم کئے ہیں۔ شمائل میں سراپا، خلق وغیرہ کا بیان ہے۔ مثنوی کا سن کتابت اوائل بارہویں صدی ہجری ہے۔ اور اس کے اوراق ۱۲ ہیں۔

---

[1] وفات نامہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مخطوطہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد۔ ورق (۱-الف)
[2] وفات نامہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مخطوطہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد۔ ورق (۴-الف و ب)
[3] تذکرۂ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ-۲۱

آغاز مثنوی:

الٰہی سچا توں ہے پروردگار — دونو جگ میں قدرت ترا آشکار
سچا توں ہے قادر سچا تو حکیم — سچا توں ہے صانع سچا توں رحیم[۱]

اختتام:

شمائل نبی ﷺ کا سچ بہترین — کیا نظم دکھنی میں عبدل ترین
اگر کوئی پڑے یاد کر کوئی سنے — دعا نیک سوں یاد کرنا او نے
خدا یا گنہ بخش ہور منج خطا — دئے کر توں ایمان کی منج عطا
بحق محمد ﷺ ہے تیرا رسول ﷺ — مناجات کر منج بندے کی قبول[۲]

## (۲۵) ولؔی

ولی محمد نام۔ ولؔی تخلص تھا۔ پیدائش کا صحیح سن معلوم نہ ہوسکا۔ دکن کے رہنے والے تھے۔ تعلیم گجرات میں پائی اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہے۔ فیض باطنی حضرت شاہ وجیہہ الدین گجراتی سے پایا۔ عالمگیر کے عہد میں پہلی مرتبہ دلّی گئے۔ وہاں ان کی بڑی شہرت ہوئی اور ان کی وجہ سے اردو شاعری کی طرف عام رجحان پیدا ہوا۔ دوسری مرتبہ جب ولؔی دلّی پہنچے تو محمد شاہ کا زمانہ تھا۔ مولوی عبدالحق صاحب کی تحقیق کے لحاظ سے ولؔی کے انتقال کے متعلق بیانات میں اختلاف ہے۔ بعض نے انتقال کا ۱۱۵۵ھ بتایا ہے۔ بعض کا خیال ہے ۱۱۴۳ھ میں انتقال ہوا۔ مولوی عبدالحق صاحب کی حالیہ تحقیق نے ۱۱۱۹ھ قرار دیا ہے۔ ولؔی کی اوّلیت مسلم ہے۔ ساتھ ہی اردو زبان کے لئے ان کے مجدد ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ ولؔی کی عربی اور فارسی کی لیاقت بھی اچھی تھی۔ ان کے کلام میں الفاظ ترکیبیں اور تلمیحیں ان کی قابلیت پر شاہد ہیں۔ ولؔی کا کلام متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے پھر بھی قلمی دواوین میں ایسا کلام ملتا ہے جو شائع شدہ کلیات میں نہیں پایا جاتا۔ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا آقائے نامدار سے عشق ان کے ایمان کا جزو ہی نہیں بلکہ اصلی ایمان رہا ہے۔ خطیبوں نے اس نام سے زبان کھولی ہے، اہل قلم نے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لازماً کلام کی تمہید قرار دیا ہے اور شاعروں نے اس کا گیت گایا

---

۱ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ۔ صفحہ-۳۴
۲ تذکرہ اردو مخطوطات جلد اوّل مرتبہ پرنسپل ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ۔ صفحہ-۳۴

ہے۔ کسی نے مستقلاً اور کسی نے تبرکاً اور عقیدۃً ۔ ولؔی جیسا قادر الکلام شاعر جس کی زندگی پر مذہبی رنگ غالب ہے۔ اس سعادت سے کیونکر محروم رہ سکتا تھا۔ چنانچہ ہم ان کے کلام میں نعتیہ غزلیں، قصیدے، مثنوی، مخمس اور مستزاد شامل پاتے ہیں۔ ولؔی نے درباداری اور خوشامد کی راہ سے کسی کی مدح نہیں کی۔ ان کے سارے کلام میں صرف ایک جگہ بادشاہ وقت کا نام ہے جو تغزل کے رنگ میں ہے۔ ولؔی کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہایت قانع اور درویش صفت مسلمان تھے۔ شاعر کی حسن پرست طبیعت ظاہری اور معنوی حسن پر فریفتہ ضرور رہی ہے لیکن ان دنیاوی مطبوع نظروں کے لئے بھی ولؔی نے کوئی مدحیہ قصیدہ نہیں لکھا۔ ان کی تعریف دو چار غزلوں میں کر دی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں میں سید معالی، گوبند لال، محمد یار خاں، محمد مراد، امرت لال وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ یہ مثالیں صرف عاشقانہ نیازمندی کی ہیں اس میں دنیا دارانہ مدح کو دخل نہیں ہے۔

ولؔی کے دیوان میں ٦ مدحیہ قصائد ہیں جن میں ایک حمد، نعت، منقبت، موعظت میں ہے۔ دوسرا نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ تیسرے میں حضرت مولا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی منقبت ہے۔ چوتھے میں بیت الحرام کی مدح ہے۔ پانچواں حضرت میراں محی الدین کی مدح میں ہے اور چھٹے میں حضرت شاہ وجیہہ الدین کی مدح سرائی کی ہے۔

ولؔی کی نعت گوئی کے سلسلے میں ان کی یہ خصوصیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ شاعر کے دل میں کسی کی عظمت ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ ان کے کلام میں حمد، نعت، منقبت اور پیران سلسلہ کی مدح فقط ان کے جذبۂ ایمان کی ترجمانی ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی نے شاعر کے دل میں پیدا کیا ہے۔ شاعر کی ساری امیدیں اسی ایک بارگاہ سے وابستہ ہیں اور وہ مطمئن ہے کہ اس نے ایسا سہارا پا لیا جس کی پناہ میں دونوں عالم کی سرفرازیوں کے سامان ہیں۔ ولؔی نے کس جذب و کیف میں اپنے اس ایقان کو ظاہر کیا ہے:

ہم کوں شفیع محشر وہ دیں پناہ بس ہے　　　شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے [۱]

ایک اور شعر ہے:

---

[۱] کلیات ولؔی مرتبہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء۔ صفحہ ۴-۲۷

مغفرت تیری ولؔی سہل بلا ریب ہے کیوں
نام احمد ﷺ کا جو لب پر تیرے ہر دم آیا [۱]

وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ولؔی کی ایک غزل کے اشعار درج ذیل ہیں:

لامکاں پر بنا احمد ﷺ جو بنا بٹھلایا
تب ملائک نے وہیں صلّوا علیکم گایا

حور و غلماں نے ترانے سوں وہ نغمے بولے
قاب قوسین کا نوشہ تو ہے سب کو بھایا

تھے براتی وہاں آدم سوں لگا تا عیسیٰ
اور جبریل امیں گوندھ کے سہرا لایا

حق نے لولاک لما حق میں محمد ﷺ کے کہا
ان سوا کون ہے مرسل نے یہ رتبہ پایا [۲]

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر کی نظر نہ تو قرآن سے ہٹتی ہے اور نہ حدیث کے مضمون کو بھولتی ہے۔ ''قاب قوسین'' سے قرآنی وصف بیان کیا ہے اور ''**لولاك لما**'' کہہ کر حدیث قدسی کو نظم کیا ہے۔

ایک غزل میں سارا مضمون عشق مجازی کا ہے لیکن شاعر نے اس میں جو حمد، نعت اور منقبت کا مضمون پیدا کیا ہے اس نے ایک انوکھے انداز میں کلام کو عجیب حسن بخشا ہے:

سجن کی خرد سالی پر خدا ناصر خدا حافظ
رقیباں کی ملامت سوں محمد مصطفیٰ حافظ

سجن کے حسن افزوں پر خدایا تو اماں کرنا
کہ اس امید گلشن پر علی مرتضیٰ حافظ

سجن کی تیغ ابرو سوں شہادت گاہ پاؤں میں
میرے اس قتل ہونے پر شہید کربلا حافظ [۳]

---

[۱] کلیات ولؔی مرتبہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء۔ صفحہ-۵۹
[۲] کلیات ولؔی مرتبہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء۔ صفحہ-۵۸و۵۹
[۳] کلیات ولؔی مرتبہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء۔ صفحہ-۱۱۹

## ولیؔ کے نعتیہ قصیدے

ولیؔ نے نعت میں دو قصیدے کہے ہیں۔ان میں سے ایک میں حمد، منقبت اور موعظت کو بھی شامل کر دیا ہے۔اس قصیدے کے ۱۲۳ شعر ہیں۔حمد کے بعد نعت کا مضمون اس طرح شروع ہوتا ہے:

بعد حمد خدائے بے ہمتا ۔۔۔ یاد کر نعت سید مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں ۔۔۔ دوجہاں مثل دانۂ خردل
اس کی مجلس میں آ ہوا ہے کھڑا ۔۔۔ صف آخر میں جوہر اول
گر ہو وہ آفتاب گرم عتاب ۔۔۔ آسماں جائیں مثل موم پگھل
دیکھ اس کے جلال و عظمت کوں ۔۔۔ بادشاہوں کا دنگ ہے دنگل
کاملاں سوں سنا ہوں یہ نکتہ ۔۔۔ عشق اس کا ہے ہادی اکمل
نام اس کا ہے حرز ہر مومن ۔۔۔ یاد اس کی ہے دافع کلول
دیکھ اس زلف و مکھ کوں بے جا ہے ۔۔۔ بحر اور بر میں عنبر و صندق [۱]

دوسرے قصیدے کے ۲۹ شعر ہیں۔یہ قصیدہ پورا نعت میں ہے۔مطلع ہے:-

عشق میں لازم ہے اوّل ذات کوں فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے [۲]

ابتداء شاعر نے عشق کی فضیلت، اس کی برکت اور بالآخر عاشق کی کامرانی اور حصول کمال کے ساتھ اخلاقی مضامین بھی بیان کئے ہیں۔مثلاً۔

عشق کی آتش میں جالے تن کوں جو کئی رات دن
وہ قیامت لگ سو جیون سورج درخشانی کرے

وہچہ پاوے مطلب راضیۃً مرضیۃ
محض للہ جگ میں جو اعمال پنہانی کرے [۳]

---

[۱] کلیات ولیؔ مرتبہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء۔صفحہ-۳۴۹، ۳۵۰
[۲] کلیات ولیؔ مرتبہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء۔صفحہ-۳۶۰
[۳] کلیات ولیؔ۔صفحہ-۳۶۰

مدح کے اشعار یہ ہیں:

یا محمد ﷺ دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کوں لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے

وہ اچھے آزاد جو بازار میں تجھ حسن کے
بندگی میں آپ کو جیوں ماہ کنعانی کرے

نوح تجھ رحمت کی کشتی باج کہیں پاوے نہ ہاتھ
تجھ غضب کا گر سمندر جوش طوفانی کرے

جس مکاں میں ہے تمہاری فکر روش جلوہ گر
عقل اول آ کے وہاں اقرار نادانی کرے

دیکھ طوبیٰ قد ترا جنبش میں آوے شوق سوں
جب گلستان ارم کی تو خرامانی کرے

عارفاں بولیں گے جان و دل سوں لاکھوں آفریں
جب ولؔی تیری مدح میں گوہر افشانی کرے[۱]

ولؔی کی مثنویات جو ان کے کلیات میں درج ہیں صرف دو ہیں۔ ان میں سے ایک مناجات، حمد اور نعت ہے۔ نعتیہ اشعار نمونتہً درج ذیل ہیں:

محمد ﷺ وہ کہ جس کے حق میں لولاک | کہا ہے خالق املاک و افلاک
عجب گلزار ہے وہ مظہر کل | کہ ہے جس باغ کا خورشید اک گل
وہی ہے بے دلاں کا دلکشا باغ | وہی ہے عاشقاں کا مرہم داغ
اسی کا ذکر ہے ایمان مومن | اسی کی یاد اطمینان مومن

......

وہی ہے باغ اقدس سرور دین | کہ جس کے باغ کا رضواں ہے گلچیں
کھلا کونین میں وہ دیں کا گل | دو جگ مشتاق اس کے مثل بلبل
دکھایا عاشقاں کوں عشق کی راہ | کیا عارف کوں عرفاں سیج آگاہ[۲]

---

[۱] کلیات ولؔی۔ صفحہ۔ ۳۶۱، ۳۶۲
[۲] کلیات ولؔی۔ صفحہ۔ ۳۳۰

مخمس:

ولی کے دیوان میں ۱۲ مخمس ہیں جو خود ان کی غزلوں پر ہیں۔ مخمس نمبر ۸ میں تمام مضمون نعتیہ ہے۔ دوسری جگہ بھی شاعر نے نعت کہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ منقبت اور دیگر مضامین کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

نعتیہ مخمس کا نمونہ درج ذیل ہے:

یٰسین و طٰہٰ والضحیٰ نازل ہوئے تجھ شان میں
واللیل اور والشمس ہے تجھ زلف ومکھ کے دھیان میں
افلاک سب پیدا ہوئے لولاک کے الحان میں
تجھ یاد سوں راحت اچھو پر مومناں کی جان میں
تیرے چرن کی خاک سوں روشن نین سب دن اچھو[۱]

شاعر نے اس مخمس میں والہانہ جذب وشوق کا اظہار کیا ہے۔ وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں خلوص کی فراوانی اور تصدق اور نیاز وناز کے مضامین ولی کی باطنی کیفیت کے آئینہ دار ہیں۔ عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون ملاحظہ کیجیے:

دل کی صدف میں کر جتن تجھ عشق کا گوہر رکھوں
سینے کے معدن کے بھتر تجھ نیہ کا جوہر رکھوں
دائم سخن کے لب اپر تجھ قول کی شکر رکھوں
ہر دم طبع کے سیس پر تجھ یاد کا افسر رکھوں
تیری محبت کا رتن دل میں جتن سب دن اچھو[۲]

ولی کے نعتیہ کلام میں نہ تو تصوف کی زبان میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یگانگت یا مماثلت کے مضامین ہیں اور نہ عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار میں وہ بے احتیاطی ہے جو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے۔ ہمیں اس عہد تک نعت میں تقدس اور انتہائی احترام کی فضا ملتی ہے کہ شاعر نپے تلے الفاظ میں آقائے نامدار صلی اللہ

---

۱۔ کلیات ولی۔ صفحہ-۳۷۸

۲۔ کلیات ولی۔ صفحہ-۳۳۱

علیہ وسلم کی ثنا کرتا ہے۔ اندازِ بیان صاف، سادہ، نکھرا ستھرا ہوتا ہے۔ قرآن اور حدیث کے مضامین کے ساتھ نیاز مندانہ کیفیات کی ترجمانی بھی پائی جاتی ہے۔

ولیؔ کی شاعری جہاں اپنی دیگر خصوصیات کی بنا پر انہیں مجتہد کا رتبہ بخشتی ہے وہاں ان کا نعتیہ کلام بھی اس دور میں امتیازی خصوصیت رکھتا ہے۔

# باب چہارم
# قدماء کا دَور

دکن میں اُردو شاعری کے ابتدائی دَور میں نعتیہ ادب نے جو فروغ پایا، اس کا جائزہ لیا جا چکا ہے۔ ولؔی کے زمانے میں نعتیہ شاعری ارتقائی منازل سے گزر کر ادبی لحاظ سے بھی بلند ہو جاتی ہے۔ قدماء کے دَور میں نعت گوئی کے مذاق میں انحطاط پایا جاتا ہے۔ البتہ اس دَور کے آخری طبقے میں سوؔدا کا نعتیہ کلام گو مقدار میں کم ہے لیکن اس کی ادبی حیثیت بلند ہے۔ اس دَور کی چند عام خصوصیات ہیں جن سے نعتیہ شاعری مستثنٰی نہیں ہے۔ شعراء کی کاوشوں نے فارسی ترکیبوں اور محاوروں کو اُردو کا لباس بخشا، اور اس طرح خیالات کے اظہار کے لئے وسعت کا سامان کیا۔ دراصل یہ زمانہ زبان کی اصلاح اور صفائی کے لئے نہایت ممتاز ہے۔ زبان کے حسن وقبح کو تنقیدی نظر سے پرکھا گیا اور اساتذہ نے اس کے کھوٹ کو دور کرنے میں بڑی جانفشانی سے کام لیا۔ ان کے مذاق سلیم نے ہندی کے ثقیل الفاظ کے ساتھ فارسی کی نامانوس ترکیبوں کو بھی کلام سے خارج کر دیا۔ یہ ضرور ہے کہ دکن کے نعت گو شعراء کے کلام میں دکنی رنگ اب بھی نمایاں ہے۔

یہ دَور مثنوی اور قصیدے کے فروغ کے لئے مشہور ہے۔ نعتیہ مضامین کے لئے بھی شعراء نے انہی اصناف سخن کو اختیار کیا۔ چنانچہ نعت میں ہم سوؔدا کے یہاں قصیدہ، نوازؔش کے یہاں قصیدہ و مثنوی اور آگاؔہ کے یہاں مثنوی پاتے ہیں۔ اس عہد کا ایک اور کارنامہ یہ ہے کہ شعراء نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو بالتفصیل احادیث صحیحہ کی روشنی میں نظم کیا اور اسوۂ حسنہ کے وہ پہلو پیش کئے جن سے اصلاح امت کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ غلط روایات جو نعتیہ ادب میں ایک عرصے سے دخیل ہو گئی تھیں انہیں خارج کیا اور اس کی قباحت کو واضح کیا۔ ساتھ ہی اردو ادب میں منظوم سیرت پاک کے اچھے نمونے پیش کئے جو آنے والے شعراء کی رہنمائی کے لئے مفید ثابت ہوئے۔

# سید شاہ سراج الدین سرآج اورنگ آبادی

سرآج کی ولادت ۱۱۲۸ھ میں ہوئی۔ بارہ سال کی عمر تک ان کی تعلیم وتربیت توجہ سے ہوتی رہی۔ پھر جذب کی کیفیت طاری رہی اور اضطراری طور پر فارسی اشعار کہنے لگے۔ دیوانگی کا زمانہ ۱۱۴۱ھ سے ۱۱۴۸ھ تک رہا۔ جب افاقہ ہوا تو فقیروں کی صحبت کی طرف میلان ہوا۔ اور حضرت شاہ عبدالرحمٰن چشتی سے باطنی فیض حاصل کیا۔ ۱۱۶۱ھ میں مرشد کا انتقال ہوگیا۔ سرآج کا انتقال یوم جمعہ ۴؍شوال ۱۱۷۷ھ کو ہوا۔

سرآج کی کلیات میں حمد باری تعالیٰ میں ۴۰ شعر ہیں اور اس کے بعد ۲۷؍اشعار پر مشتمل مناجات ہے۔ پھر ۲۳؍اشعار نعت کے ہیں۔ ''درصفت چار یار'' کے عنوان سے ۲۰؍اشعار کی منقبت بھی کہی ہے۔ جس میں خلفائے راشدین کے ساتھ اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی شامل کیا ہے۔ کلیات کے آخری حصے میں ایک اور مناجات ہے جس میں حشر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ بیت، ائمہ اہلِ بیت، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اولیائے کرام کی معیت کے لئے دعا ہے۔ ایک منقبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں علاحدہ لکھی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ حمد، مناجات اور منقبت میں نعت کا مضمون آجاتا ہے، ورنہ مستقل نعت سرآج کے کلام میں اور کہیں نہیں ملتی۔ چند نعتیہ اشعار متفرق طور پر مل جاتے ہیں۔

نعتیہ کلام کا نمونہ:

رسولِ خدا ﷺ سید المرسلین — قیامت کے دن شافع المذنبین
نبوت کی مسند کا ہے جانشین — کیا جس کی تعظیم روح الامین
عجب روز محشر کا سردار ہے — صف اصفیا میں وہ سالار ہے
جگت میں روئے سلطنت ہے مدام — جماعت میں ہے انبیاء کی امام

رہِ شرح کا ہادی مستقیم　　شریعت کے دریا کا درِّ یتیم
حبیب خدا والیٔ روزگار　　دوعالم کی اقلیم کا تاجدار
شہ انس وجاں سب کا مقبول ہے　　نبوت کے گلزار کا پھول ہے
کہ جس واسطے خلق پیدا کیا　　زمین آسمان سب ہویدا کیا
کہا حق نے لولاک جس شان میں　　شہنشاہ ہے ملک عرفان میں
سدا گمرہوں کا وہی رہنما　　ہے خیر الوریٰ احمد مجتبیٰ ﷺ
عجب ذات مقبول کونین ہے　　کہ کونین کا قرۃ العین ہے[۱]

نعت میں شروع سے آخر تک سلاست، روانی اور بیان کی دلکشی پائی جاتی ہے۔ مضمون سادہ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام اوصاف کا بیان ہے جس کی سند حدیث اور قرآن میں ملتی ہے۔ شاعر نے اس میں داخلی جذبات کو نعت کے مضمون پر غالب ہونے نہیں دیا۔ لیکن اشعار کے اندر ایک کیف اور خلوص کا پتہ چلتا ہے۔ نعت کے آخری حصے میں سراؔج نے تصوف کی گفتگو چھیڑ دی لیکن اس مقام کی نزاکتوں سے وہ خود ہی دم بخود رہ گئے۔ لکھتے ہیں:

سراؔج اب نہ کر گفتگو بیشتر　　ادب کے محل سے نہ جا بیشتر
کہ دم مارنے کی یہاں نہیں ہے بات　　اگرچہ وہی ذات یہاں ہوئی صفات
وہی نور یہاں آ کے ظاہر ہوا　　آپس آپ قدرت پر قادر ہوا
ولیکن ادب تجھ کو درکار ہے　　شریعت کی یہ راہ دشوار ہے[۲]

غزل کے دو نعتیہ شعر درج ذیل ہیں:

جو دل میں غلام احمدی ہے　　حق سیں اسے فیض سرمدی ہے
محشر میں سراؔج کیا مجھے خوف　　ایمان مرا محمدی ﷺ ہے[۳]

## مرزا محمد رفیع سوؔدا

سوؔدا کے آباء واجداد کابل کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مرزا محمد شفیع ایک تاجر تھے

---

[۱] مثنویات سراج، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ-۱۲۸
[۲] مثنویات سراج، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ-۱۲۹
[۳] مثنویات سراج، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری۔ صفحہ-۵۲۹

جو کابل سے ہندوستان آئے اور دلّی کو اپنا نیا وطن بنایا۔ سوؔدا دلّی ہی میں پیدا ہوئے۔ سن ولادت کا تعین نہ ہو سکا۔ اغلباً ۱۱۱۹ھ اور ۱۱۲۵ھ کے درمیان پیدا ہوئے ہوں گے۔

سودا نے پہلے سلیمان قلی خاں وداد کو کلام دکھایا پھر شاہ حاتم کی شاگردی اختیار کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی خداداد صلاحیت کا ثبوت دیا۔ دلّی کی تباہی اور معاشی پریشانی نے فرخ آباد پہنچایا۔ نواب بنگش کے یہاں تقریباً سترہ سال آسودگی سے گزارے۔ آخر فیض آباد پہنچ کر شجاع الدولہ کے دربار میں عزت پائی۔ عمر کا باقی حصہ لکھنؤ میں گزرا یہاں تک کہ ۱۱۹۵ھ میں اس دارفانی کو خیر باد کہا۔

شعر وسخن میں سوؔدا خداداد قابلیت کے مالک تھے۔ قدرت نے جو نعمتیں سودا کو عطا کی تھیں وہ بہت کم شعراء کو نصیب ہوتی ہیں۔ ان کی طبیعت کی ہمہ گیری نے کسی صنف سخن کو اچھوتا نہیں چھوڑا۔ اس لحاظ سے ملک الشعراء کا خطاب انہیں ہر طرح زیب دیتا ہے۔ ان کے کلام کی خصوصیات گوناگوں ہیں۔ کلام کا زور اور مضامین کی نیرنگی ان کا ادبی کرشمہ ہے۔ زبان کی لطافت اور بیان کی رنگینی کہیں ساتھ نہیں چھوڑتی۔ الفاظ کا حسنِ انتخاب، نئی نئی ترکیبیں اور محاورات کا رنگِ ایجاد ان کی اجتہادی اور اصلاحی صلاحیت پر شاہد ہے۔ فارسی کی روایات اور تلمیحات کے ساتھ ہندوستانی رنگ کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ دراصل فارسی کے محاسن کو اختیار کرنے اور مروجہ ثقیل الفاظ کو خارج کرنے میں ان کے صحیح فطری مذاق نے ان کا ساتھ دیا۔

سوؔدا کی شاعری کو گوناگوں محاسن کو زیر بحث لانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہمیں یہاں صرف ان کی نعتیہ شاعری سے بحث ہے۔ اس خدائے سخن نے جہاں دیگر موضوعات میں اپنے کلام کے جوہر دکھائے ہیں وہاں نعت کے مقدس موضوع سے بھی اپنے کلام کو سنوارا ہے اور سعادت دارین کا سامان کیا ہے۔ سوؔدا نے نعت میں ایک اڑتالیس اشعار کا قصیدہ لکھا ہے۔ دوسرا قصیدہ نعت اور منقبت دونوں مضامین پر مشتمل ہے۔ باقی نعت یا تو غزل کی شکل میں ہے یا مثنوی کی تمہید میں۔

سوؔدا قصیدے کے بادشاہ شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کی جودت طبع، زور بیانی اور تخیل کی بلندی کو اپنے کمال کے اظہار کے لئے قصیدے میں وسیع میدان ہاتھ آتا ہے۔ انہوں نے اس فن میں عرفؔی اور خاقاؔنی کے قصائد کی شان پیدا کی۔ ان کی تشبیب عموماً زمانۂ جاہلیت کے پامال مضامین کی بھونڈی تقلید نہیں ہوتی۔ وہ مدح کے مضمون کی مناسبت سے تشبیب کا مضمون پیش

کرتے ہیں۔ فنّی اعتبار سے ان کے قصائد میں کہیں سقم نظر نہیں آتا۔ تخیل کی گرمی اور شگفتگی، جذبات کی لطافت کے ساتھ کلام کو دلآویز بنادیتی ہے۔ تشبیہیں نہایت لطیف اور بدیع ہوتی ہیں۔ استعاروں کا بھی یہی رنگ ہے۔ الفاظ پُرشکوہ، بندش دلکش، زبان صاف اور رواں ہے۔ کلام کی یہ تمام خصوصیات شاعر کے حسنِ مذاق کی آئینہ دار ہیں۔

سودا کے نعتیہ قصیدے کا مطلع یہ ہے:

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی    نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی ۱؎

قصیدے کی تشبیب کو اخلاقی مضامین سے سنوار کر نعت کی تمہید کو مدح سے ہم آہنگ بنایا ہے۔ گریز کی صورت بھی حسنِ مذاق کی اچھی مثال ہے۔ یعنی اس میں عشق مجازی سے بیزاری کا اظہار ہے اور اس کفر کو دل سے نکال کر دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کی تلقین کی ہے:

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی ۲؎

اس کے بعد دین محمد کی تعریف کے ساتھ نعت کا مضمون شروع ہو جاتا ہے:

زہے دین محمد ﷺ پیروی میں اوسکو جو ہووے
رہے خاک قدم سے اوسکی چشم عرش نورانی
ملک سجدے نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کے
امانت دار نور احمدی ﷺ ہوتی نہ پیشانی
اوسی کو آدم و حوّا کی خلقت سے کیا پیدا
مراد الفاظ سے معنی میں تا آیات قرآنی
خیال خلق اوس کا گر شفیع کا فراں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی
رکھا جب سے قدم سمند پر آن اون نے شریعت کا
کرے ہے موج بحر معدلت تب سے یہ طغیانی ۳؎

---

۱؎ کلیات سودا مطبوعہ مطبع منشی نول کشور۔ کانپور ۱۹۱۶ء۔ صفحہ ۔۳۔۷

۲؎ کلیات سودا مطبوعہ مطبع منشی نول کشور۔ کانپور ۱۹۱۶ء۔ صفحہ ۔۴۔۷

۳؎ کلیات سودا۔ صفحہ ۔۴۔۷

حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء میں سوداؔ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف بیان کئے ہیں۔ جن میں شفاعت اور حسن و جمال کا خاص طور پر ذکر ہے۔ شاعر کو افسوس ہے کہ وہ جمال محمدی کے دیدار سے محروم رہا۔ اسے تمنا ہے کہ کاش وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے مضمون کو زمانہ قدیم سے شعراء باندھتے آئے ہیں۔ سوداؔ کے یہاں بھی اس مضمون کا یہ شعر ہے:

نہ ہونے سے جدا سایہ کے اوس قامت کے پیدا ہے
قیامت ہو ویگا دلچسپ وہ محبوبِ سبحانی [۱]

آخری چند اشعار میں عقیدت مندی کی فراوانی میں مبالغے کی بے اعتدالی کا پتہ بھی چلتا ہے۔ مثلاً:

جو صورت اوسکی ہے لاریب ہے وہ صورت ایزد
جو معنی اوس میں ہیں بے شک وہ ہیں معنی ربانی

حدیث من رآنی دال ہے اوس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اوسکو اون نے دیکھا شکل یزدانی

غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کرکے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی میرا ثانی [۲]

لیکن سوداؔ اس بے احتیاطی کا احساس بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد جو آخری شعر ہے اس میں استغفار بھی کیا ہے:

بس آگے مت چل اے سوداؔ میں دیکھا فہم کو تیری
کر استغفار اس منہ سے اب ایسی کی ثنا خوانی [۳]

دوسرا قصیدہ ”در نعت و منقبت حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ“ لکھا ہے۔ اس میں نعت اور منقبت دونوں کو شامل کر دیا ہے۔ نمونتہً چند اشعار

---

۱ کلیات سوداؔ۔ صفحہ-۴۷

۲ کلیات سوداؔ۔ صفحہ-۴۷

۳ کلیات سوداؔ۔ صفحہ-۴۷

درج ذیل ہیں:

کہتی ہے مجھ سے مغفرت ہووے گی خوب یہ غزل
ہمرہ نعت و منقبت کر اسے انصرام دو

مطلع نعت ومنقبت کہہ تو چکا ہے میری جان
بس مجھے آگے مانگ لے کر کے تو اب کلام دو

مثل زبان خامہ ہیں گرچہ نبی و امام دو
معنی تو اون میں ایک ہیں گو کہ ہوئے بنام دو

ہونے نہ دے غروب ایک بہر نماز مہر کو
ایک کرے اشارے سے قرص مہ تمام دو

اون کے طواف روضہ کو پہنچے کبھو نہ جبرئیل
رکھنے زمین پہ ایک گام تا نہ کرے سلام دو

موسیٰ وخضر اور مسیح در پہ انہوں نے وقت طوف
ایک بنے جو چوب دار کرتے ہیں اہتمام دو[1]

اس قصیدے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور عظمت کے مضمون کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ ان قصائد میں سوداؔ کا خلوص مادی صلہ سے بے پروا ہو کر صرف مغفرت کی امید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مدح خوانی کرتا ہے جہاں اوصاف کے بیان میں قرآن اور احادیث کے مضامین نظم کئے ہیں وہاں تخیل کی رنگ آمیزی سے بھی آپ کی عظمت کو ظاہر کیا ہے۔ دیگر انبیائے کرام سے تقابل بھی اسی تخیل کی ایجاد ہے۔

قصائد کے علاوہ مثنوی میں بھی سوداؔ کے یہاں نعت کا مضمون ملتا ہے۔ لیکن یہ مثنوی کی تمہید کے طور پر حمد کے ساتھ رسماً اور تبرکاً نظم کی گئی ہے۔ مثلاً ''مثنوی در عشق پسر شیشہ گر بہ زرگر پسر بطور ساقی نامہ و دیگر حکایات شیخ و دعاء پادشاہ'' کی تمہید میں حمد کے بیان کو نہایت طول دیا ہے اور شگفتہ مضامین پیدا کئے ہیں۔ اس کے بعد نعت بیان کی ہے جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

محمد ﷺ باعث ایجاد افلاک     محمد ﷺ علت غائی افلاک

---

[1] کلیات سوداؔ۔ صفحہ۔ ۷۵

محمد ﷺ کنت کنزاً کی گواہی　　محمد ﷺ عالم علم الٰہی
محمد ﷺ ہے مشیر عالم غیب　　محمد ﷺ راز دار حق ہے لاریب
محمد ﷺ عادل و کامل و عاقل　　محمد ﷺ ہے جو کچھ تھا اس کے قابل[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثنا خواں یکے بعد دیگرے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف، مترنم بحر اور رواں دواں سبک الفاظ میں پیش کرتا جاتا ہے۔ جس کی سادگی اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہے۔ نعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کی ہے لیکن اس میں بھی ایک مستقل نعت کہہ ڈالی جس کے چند اشعار یہ ہیں:

محمد ﷺ جگ میں سالار رسل ہے　　محمد ﷺ ماہر ہر جز و کل ہے
نہ پیدا خاک سے ہوتا جو وہ پاک　　نہ پھرتی آسمان گرد سر خاک
اسی کی ذات سے اثبات حق ہے　　کہ اوس کی ذات عین ذات حق ہے
لیا جب نام پاک اپنا بہ تعظیم　　یہ فرمایا انا احمد بلا میم
خدا کا اوس کو ہم سمجھیں نہ ثانی　　پر اوس سے ہے حدیث من رانی
ہمیں کیونکر نہ رحمت پر یقین ہو　　کہ جب ایسا شفیع المذنبیں ہو
کہوں کیا خلقت انساں میں کیا ہے　　شرف آدم کا فخر انبیاء ہے[۲]

اس طرح دیگر مقامات پر حکایات کے بیان میں بھی حمد و نعت کے مضامین ملتے ہیں۔ مثلاً:

الا اے ساقی فرخندہ فرجام　　ادب کی مئے سے تو آتش کا بھر جام
کہ یاں نقد فضولی ناروا ہے　　نہیں یہ حمد، نعت مصطفٰی ﷺ ہے
محمد ﷺ وہ کہ ہیں جتنے پیمبر　　ہیں اس کے مرتبے سے سب فروتر
نہ ہوتا وہ اگر زینت دہ خاک　　تصدق خاک کے ہوتے نہ افلاک
جہاں میں ہے یہ جتنا کچھ ہویدا　　ہوا اس کے لئے سب کچھ یہ پیدا
یہ منھ اس کی ثناء لائق نہیں ہے　　ثنا گر واں کا جبریل امیں ہے[۳]

---

۱ کلیات سودا۔ صفحہ-۱۵۹
۲ کلیات سودا۔ صفحہ-۱۶۰
۳ کلیات سودا۔ صفحہ-۲۱۵،۲۱۶

نعتیہ غزل نمونہ یہ ہے:

دلا دریائے رحمت قطرہ ہے آب محمد ﷺ کا
جو چاہے پاک ہو پیر و اصحاب محمد ﷺ کا

محمد ﷺ علم کا گھر ہے علی اوس کا ہے دروازہ
غلام اوس کا ہو تو جو کلب ہو باب محمد ﷺ کا

قدرعنا جب اپنا خم کیا بہر نماز اون نے
ہوا اس وقت ساجد کعبہ محراب محمد ﷺ کا

زمین وآسمان کیوں ہوں نہ روشن نور سے اس کے
کہ ہے اک پرتو خورشید مہتاب محمد ﷺ کا

ادا کس کی زباں سے ہوسکے شکر اس کی نعت کا
دو عالم ریزہ چیں حق نے کیا قاب محمد ﷺ کا[۱]

اس کے علاوہ نعت میں جا بجا متفرق اشعار بھی ملتے ہیں۔سوداؔ کے کلام کی ضخامت کے اعتبار سے ان کے یہاں نعتیہ اشعار زیادہ نہیں ہیں۔لیکن جو کچھ ہیں ادبی لحاظ سے بلند پایہ ہیں۔ان کے نعتیہ قصائد کی شان وشوکت مسلمہ ہے۔نعتیہ غزل میں تغزل کا رنگ نہیں ہے۔اوصاف کا بیان ہے اور یہ خصوصیت ان کے نعتیہ کلام میں ہر جگہ موجود ہے۔

## نوازِش علی شیداؔ

نام اور خطاب،نوازش علی خاں بہادر تھا۔شیداؔ تخلص کرتے تھے۔نواب نظام علی خاں کے میر سامان تھے۔شاہی عاشور خانہ کے منتظم بھی رہے۔علم ومغفر وغیرہ کی نگرانی کی خدمت بھی آپ ہی سے متعلق ہے۔

شیداؔ کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں علم وادب سے گہرا لگاؤ رہا۔مثنوی روضۃ الاطہار میں واقعات کربلا نظم کئے ہیں۔اس مثنوی کا سن تصنیف ۱۱۷۳ھ ہے۔ایک اور مثنوی ’’گلشن ایمان‘‘ کے نام سے لکھی تھی جو اب نایاب ہے۔شیداؔ کی تیسری اور ضخیم مثنوی

---

۱ کلیات سوداؔ۔صفحہ۔۲۴۸

''اعجاز احمدی'' ہے جو ۱۱۸۶ھ کی تصنیف ہے۔ یہ مثنوی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم سیرت پاک ہے۔ جس میں شرح و بسط سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات نظم کئے گئے ہیں۔ اس کی داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیدا نے نعتیہ قصائد بھی لکھے تھے۔ ان کے علاوہ ''جامع الفوائد'' اور ''قانون سوم'' بھی ان کی تصانیف ہیں۔ ''روضۃ الاطہار'' اور اعجاز احمدی صلی اللہ علیہ وسلم'' کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن، کتب خانہ جامعہ عثمانیہ، کتب خانہ سرسالار جنگ، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد وغیرہ میں موجود ہیں۔

شیدا بڑے پرگو شاعر گزرے ہیں۔ انہوں نے مرثیہ خوانی اور عزاداری کو بھی بڑا فروغ دیا۔ وہ خود بھی مرثیہ گو تھے۔ پھر عاشور خانہ کے منتظم بھی رہے۔ اس لحاظ سے ان کی شاعری کے موضوعات تمام تر مذہبی ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ان کی مثنوی ''اعجاز احمدی'' اپنی ضخامت اور مضامین دونوں کے اعتبار سے نعتیہ ادب میں نہایت اہم ہے۔ یہ مثنوی چار جلدوں میں ہے۔ پہلی تین جلدوں کے جملہ صفحات ۳۶۶ ہیں۔ پہلی جلد صفحہ ۳۷ پر ختم ہوتی ہے۔ دوسری ۱۰۵ پر اور تیسری صفحہ ۳۶۶ پر۔ اس کے بعد چوتھی جلد شروع ہوتی ہے۔ اس کے صفحات درج نہیں ہیں جو تقریباً ۱۱۰ ہیں۔ فی صفحہ-۴۲، اشعار کے حساب سے پہلی تین جلدوں میں کم و بیش ۱۵۳۷۲، ابیات ہیں۔ جلد چہارم میں فی صفحہ-۳۲- ابیات ہیں۔ اس لحاظ سے اس جلد میں جملہ ابیات ۳۶۴۸ ہیں۔ اس طرح کل مثنوی کے ابیات کی تعداد ۱۹۰۲۰ ہوئی۔ سرخیوں کا لحاظ کیا جائے تو تعداد کو کچھ گھٹانا ہوگا۔

شیدا نے ہر جلد کے خاتمہ پر اپنا تخلص ظاہر کیا ہے۔ مثلاً:

اے شیدا کہاں تک کہاں جائے گا — سمندر کو کوزے میں کیوں لائے گا [۱]
اے شیدا قلم پر ہے یہ اضطراب — کہ منزل کو مقصد کے پہنچے شتاب [۲]
اے شیدا ہے مضمون یہ دردناک — کیا صبر اپنے گریباں کو چاک [۳]
اے شیدا تو تاریخ لکھ اس کی اب — کریں ختم کا سال دریافت سب [۴]

وجہ تالیف میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کو ظاہر کیا ہے اور ساتھ ہی نعت

---

۱ اعجاز احمدی جلد اوّل۔ صفحہ-۳۷
۲ اعجاز احمدی جلد دوم۔ صفحہ-۱۰۵
۳ اعجاز احمدی جلد سوم۔ صفحہ-۳۶۶
۴ اعجاز احمدی جلد چہارم۔ آخری صفحہ

گوئی سے گہرے لگاؤ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیدؔا نے نعت میں متعدد قصائد بھی لکھے تھے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کے بیان میں ''گلشن ایمان'' مثنوی بھی لکھی تھی:

بہوت نعت کے توں قصائد کہا ۔۔۔ معطر دماغ سخت کون رکھا
توں کر مثنوی معجزوں کی تمام ۔۔۔ رکھا گلشن ایمان کر اوس کا نام[۱]

شاعر نے اپنے کلام کی زبان کو ہندی قرار دیا ہے:

توں ہندی زبان میں لکھے گا اگر ۔۔۔ سبھی پڑھ اوسے ہوئیں گے بہرور[۲]

نوازشؔ کے بیان میں شعریت کا عنصر ان کی طبیعت کی شگفتگی اور موزونیت کا آئینہ دار ہے۔ وجہ تالیف ہی کو لیجیے اور انداز بیان ملاحظہ کیجئے:

میں اک روز بیٹھا تھا خاطر فراغ ۔۔۔ سخن کے گلستاں میں ہو باغ باغ[۳]
کبھی قد کے شمشاد کی دلبری ۔۔۔ کری جلوہ دل میں بہ رنگ پری
نین کا کبھی نرگس نیم خواب ۔۔۔ یہ مستی شوق کا تھا جواب
کبھی زلف کا سنبل پیچ دار ۔۔۔ کرے رشتۂ فکر سب تار تار
حنا ند نظارہ تھا ہر طرف ۔۔۔ کھلے تھے معانی کے گل کئی صنف
تماشے کے بازار گرمے تھے سب ۔۔۔ نگہ کا مہیا تھا سارا طلب
میرا شاہد طبع ویسے میں آ ۔۔۔ نہایت تلطف سیں کہنے لگا
کہ اے نخل بند ریاض سخن ۔۔۔ تیرے شعر کا دھوم ہے چوکدھن

......

میں آیا ہوں دینے تجھے اب نوید ۔۔۔ کہ ہے مغفرت تیری جس میں امید
توں سن ہوش کے کان دھر یہ سخن ۔۔۔ بیاں تجھ سے کرتا ہوں میں من وعن
جناب رسالت کا سب ماجرا ۔۔۔ سیر میں مفصل گیا ہے لکھا[۴]

شاعر نے روایات صحیحہ کو نظم کرنے کا ذکر کیا ہے اور طبع میں روانی کی دُعا مانگی ہے:

---

۱ اعجاز احمدی جلد اوّل۔ صفحہ۔۴
۲ اعجاز احمدی جلد اوّل۔ صفحہ۔۴
۳ اعجاز احمدی جلد اوّل۔ صفحہ۔۴
۴ اعجاز احمدی۔ صفحہ۔۴

الٰہی میں تیرے نبی ﷺ کا بیان | نظم بیچ چہتا ہوں کرنے عیاں
میری طبع کو چست و چالاک کر | رموز معانی کا درّاک کر
فصاحت عطا کر سخن کوں میری | حلاوت ستی بھر دہن کوں میری
یہ اعجاز نامے کو مشہور رکھ | ہراک بزم میں اس کا مذکور رکھ[۱]

شیدا نے مختلف عنوانات کے تحت مضامین نظم کئے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ مثلاً:

(۱) آغاز دبستان در کیفیت ظہور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
(۲) در بیان معجزائے کہ در ایام حمل بوقوع آمدہ و رحلت بر کلفت عبداللہ
(۳) در بیان طلوع خورشید رسالت
(۴) احوال رضاعت حضرت خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم
(۵) در بیان شق صدر آں والاقدر
(۶) در بیان احوال سال ششم تا دوازدہم از ولایت با سعادت آں والانسب
(۷) احوال سال ہفتم و ہشتم مشتمل بر وفات عبدالمطلب وغیرہ وغیرہ

اس طرح ہر جلد میں سیرت سے متعلق اس قسم کے عنوانات کے تحت اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے۔ جلد چہارم میں وفات کے بعد کے حالات درج ہیں۔ ساتھ ہی معجزے اور فضائل صلوات کا بھی بیان ہے۔

حمد کے بعد جو نعت بیان کی ہے اس کا نمونہ ہے: [۲]

حبیب خدا ﷺ سیدالمرسلین | بنا جس کی خاطر کوں دنیا و دین
نبوت کے دریا کا در یتیم | شفاعت کے گلشن کا رنگین بہار
ہے وہ انبیاء میں الف کے مثال | مقدم موخر زِ راہِ کمال
سراپا تھا وہ ذات پر نور نور | اسی واسطے اوس سیں سایہ تھا دور
قلم کون اگرچہ نہ پکڑا ہے ہات | رکھا حکم کے خط میں سب کائنات

---

[۱] اعجاز احمدی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اوّل۔ صفحہ-۴
[۲] زیر نظر نسخے کے صفحہ اوّل کا کچھ حصہ ضائع ہوگیا اس لئے نعت اور حمد کے چند مصرعے نہیں ملتے۔

کیا دین جب اوسکا جگ میں ظہور | اڑا لات وعزا کے سر میں غرور
وہ ہے آئینہ ذات اللہ کا | وو سر پنجہ زور یداللہ کا
چراغ شبستان ایمان ہے وو | گل مغفرت کا گلستان ہے وہ
ہے قرآن ورق اس کے اعجاز کا | وہ واقف ہے سب غیب کے راز کا
سنے اوسکے جو دین کے آثار کوں | سنے سینہ سین توڑ زنّار کوں
نبوت اوپر اوسکے رب الجلیل | قمر کے کیا شق کوں روشن دلیل
شریعت کا کراوس نے روشن چراغ | طریقت کا سب کون بتایا سراغ
احد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک میم ہے | سو وہ میم از بہر تعظیم ہے
ہے وہ فقر کے ملک کا تاجدار | کیا رنج و محنت کتیں اختیار
ہے مضمون لولاک میں یوں عیاں | اگر وہ نہ ہوتا نہ ہوتا جہاں
اے شیؔدا تجھے یہ قافیہ کہاں | کرے نعت ختم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیاں[۱]

کلام کے نمونے سے ظاہر ہے کہ شیؔدا نے نعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ سلم کے اوصاف کا بیان زیادہ تر کیا ہے جس میں تلمیحات قرآنی سے بھی کام لیا ہے۔ ان کا طرز بیان نہایت سادہ اور مضامین عام فہم ہیں۔ مثلاً سایے کا مضمون اکثر شعراء نے باندھا ہے اور اس کو نہایت طول دیا ہے۔ مومؔن نے اپنے خاص انداز میں اسے منطقی رنگ میں پیش کیا ہے۔ شیؔدا کے یہاں یہ صورتیں نہیں ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی صاف اور سیدھی وجہ اس طرح بیان کی ہے:

سراپا تھا وہ ذات پر نور نور | اِسی واسطے اوس سیں سایہ تھا دور

اسی طرح احد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں مماثلت کا مضمون نعت گو شعراء نے اکثر باندھا ہے اور اس میں زیادہ تر جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں۔ شیؔدا کے یہاں بھی اس کا بیان اپنی جگہ موجود ہے۔ لیکن احتیاط کے ساتھ۔

حالات کے بیان میں تواریخ کے ذکر کا اہتمام ہے اور اس کی تاریخی حیثیت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اس کے باوجود شعریت اپنی جگہ موجود ہے۔ شاعر کی فکر ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

۱ اعجاز احمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اوّل۔ صفحہ-۲

سرشار ہوکر واقعہ کے بیان میں بھی ثنائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین پیدا کرتی جاتی ہے:

ہوا سال چالیس پر ایک جب سنو اس کا کہتا ہوں احوال سب
ستر ویں تھی تاریخ رمضان کی دلیل اس پہ آیت ہے قرآن کی
لکھے کئی محدث ہیں ارباب دین ربیع الاول کی اتھی باروین
رسولِ خدا سید کائنات امام دوعالم شہ ممکنات
اتھے غار حرا میں بیٹھے ہوئے ردا کے اوپر اپنے تکیہ کیئے[۱]

مضمون کی مناسبت سے شاعر تمہیداً اخلاقی مضامین بھی بیان کرتا ہے جو بیان واقعہ سے الگ اس کی اپنی خیال آرائی کا نتیجہ ہوتے ہیں، مثلاً حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی تمہید اس طرح لکھی ہے:

فنا ہے یہ عالم دیکھو سر بہ سر بقا میں بجز ذات مولا دگر
ہے یہ زندگی پے برنگ سراب ہواسیں بندھی ہوئی ہے مثل سراب
یہ ہستی موہوم کا نقش اگر بجا ہے لکھوں تختہ آب پر
یہ نقش طلسم ہے ہوا ہے نمود سراپا ہے دھوکے کا اس کا وجود[۲]

شیدا کی زبان سادہ صاف اور رواں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان میں شاعر نے ہر جگہ واقعیت کو قائم رکھا ہے اور اس میں تخیل کی رنگ آمیزی کو شامل نہیں ہونے دیا۔ صحت روایات، ضخامت اور قدامت کے اعتبار سے نعتیہ ادب میں یہ مثنوی مولانا محمد باقر آگاہی کی ''ہشت بہشت'' کے بعد نہایت گراں قدر تصنیف ہے۔

## مولانا محمد باقر آگاہ

محمد باقر نام[۳] آگاہ تخلص۔ والد کا نام محمد مرتضٰی تھا جو محمد صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے آباء واجداد کا وطن دارالسرور بیجاپور تھا۔ آگاہ ۱۱۵۸ھ میں ویلور میں پیدا ہوئے

---

[۱] اعجاز احمدی۔ جلد اوّل۔ صفحہ-۳۸

[۲] اعجاز احمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد اوّل۔ صفحہ-۶۶

[۳] تذکرہ گلنار اعظم از نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم۔ مطبع سرکاری (۱۲۷۲ھ) صفحہ-۸

اور وہیں تعلیم وتربیت پائی۔ سات سال کی عمر میں کلام مجید ختم کیا۔ اس کے بعد فارسی کی مروجہ کتابیں گلستاں سے تحفۃ العراقین اور قرآن السعدین وغیرہ پڑھیں۔ پندرہ سال کی عمر میں نظم ونثر لکھنے پر قدرت حاصل کرلی۔ سترہ سال کی عمر میں جو قصیدہ حضرت قربی کی مدح میں لکھا اس کا مطلع یہ ہے:

آفتاب اوج وحدت ماہتاب برج دین　　　کاشف اسرار قربت صاحب عین الیقین

مولانا آگاہ نے علم وفضل میں بڑی شہرت پائی۔ چنانچہ نواب والا جاہ نے بکمال تعظیم و توقیر ان سے ملاقات کی اور نواب امیر الامراء کی اتالیقی کی خدمت کے صلے میں دوسو روپے ماہوار مقرر کئے۔ کچھ عرصے کے بعد التور کی جاگیر بھی عطا کی۔ جاگیر کے سالانہ محاسن ایک ہزار دوسو ہون تھے۔ بعد ازاں امیر موصوف کے ساتھ مدراس تشریف لے گئے اور وہیں اقامت اختیار کرلی۔ انتقال پنجشنبہ کی شب میں ۱۴ر ذی الحجہ کو ۱۲۲۰ھ میں ہوا اور میلاد پور کے راستے میں خود کی مملوکہ زمین میں دفن ہوئے۔

مولانا باقر آگاہ کی ''ہشت بہشت'' سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر نہایت گرانقدر تصنیف ہے۔ مولانا نے اس منظوم سیرت کو آٹھ رسالوں میں تقسیم کیا ہے اور اس لحاظ سے اس کا نام ''ہشت بہشت'' رکھا ہے۔ ایک بسیط دیباچہ بھی کتاب کے شروع میں درج ہے۔ جس میں سبب تالیف اور مضامین کے ماخذوں کا بیان ہے۔ ہر رسالہ بجائے خود ایک کتاب کی حیثیت ہے۔ ''ہشت بہشت'' کے متعدد قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں ملتے ہیں۔ یہ کتاب مطبع حیدری بمبئی میں ایک عرصہ پہلے طبع ہوئی تھی۔

زیر نظر مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد کا ہے۔

کتاب کا آغاز رسالۂ عقائد سے کیا گیا ہے۔ حمد کے دو شعر کے بعد نعت کا مضمون ہے۔ اس کے بعد شاعر نے رسالہ کا سبب تصنیف بتایا ہے پھر اخلاص کی عطا کے لئے اس طرح دعا مانگی ہے:

خداوندا بحق احمد خاص　　　عطا ہر کام میں کر مجھ کو اخلاص [۱]

اس رسالے میں مختلف عنوانات کے تحت مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ مثلاً:

---

۱؎ ''ہشت بہشت'' مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد۔ ورق-۳ ب

(۱) در بیان آں کہ حقیقت ہر چیز در نفس الامر ثابت است۔

(۲) در بیان آں کہ عالم حادث است یعنی نو پیدا شدہ۔

(۳) در بیان آں کہ عالم قابل بہ ہلاک وفنا است۔ وغیرہ وغیرہ۔

ذات وصفات سبحانہٗ تعالیٰ کے وصف کے لئے چند ابواب وقف ہیں پھر ارکان ایمان۔ ایمان کی کمی وبیشی اور اس قبیل کے مضامین باندھے ہیں۔ آگاہ نے کلام اللہ کے قدیم ہونے اور ''بعثت انبیاء برائے ہدایت خلق'' کے ذکر کے علاوہ ان کے معجزات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور جملہ انبیائے کرام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور خاتمیت کو ثابت کیا ہے اور عقیدے کو بھی ظاہر کیا ہے کہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جملہ شریعتیں منسوخ ہیں۔

مولانا آگاہ نے اہلسنّت کے چاروں مذہبوں کو برحق قرار دیا ہے اور کسی ایک امام کی اتباع کی تلقین کی ہے۔ اس کے بعد خانوادۂ حضرت غوث الثقلین کو تمام خانوادوں سے افضل بتایا ہے۔ وہ قرآن اور حدیث میں عقل کی تاویل کو مذموم قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ آخرت کا بیان عذاب قبر کا ذکر اور اس قبیل کے دیگر مضامین بھی ہیں۔ مضامین کی ترتیب اور بیان سے آگاہ کی وسیع معلومات کا پتہ چلتا ہے۔

دیباچہ میں مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے نہایت جانکاری سے کام لے کر معتبر کتابوں سے مضامین لئے ہیں۔ جن ماخذوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

فتح الباری، کتاب شفا، عیون الاثر، شمائل ترمذی مع شرح ملا عصام وشیخ ابن حجر، رسائل مولود شریف تصنیف حافظ جلال الدین سیوطی، اصابہ، وفاء الوفاء، جواہر العقدین، حسن التوسل، تحفۃ الاخیار، فتح المتعال، حیاۃ الحیوان، روضۃ الاحباب، معارج النبوۃ تصنیف مولانا معین الدین ہروی، شواہد النبوۃ، مدارج النبوۃ، جذب القلوب وغیرہ۔ دیباچہ کا ضروری اقتباس درج ذیل ہے:

> ''رسالۂ اوّل کے مع رسالہ عقائد وتحفۃ النساء ایک ہزار ایک سواسّی اوپر پانچ میں اور ۱۱۸۶ھ میں بنے ہیں۔ پیچھے اوس کے بہت ڈھیل ہوئی...... آخر ابتدا سنہ ایک ہزار اور دوسو اور چھے میں رسالہ من درپن اور رسالہ من جیون بنانے کا اتفاق ہوا اور رسالہ آرام دل میں بیان عادات شریف کا اور رسالہ راحت جان میں بیان

اکثر خصائص امت کا اور رسالہ جگ سوہن میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے تا وفات اون کی صلی اللہ علیہ وسلم داخل کیا گیا۔ ان آٹھ رسائل میں تخمیناً آٹھ ہزار اور چھے سو اور پچاس بیت ہیں اور سرخیوں کے ساتھ نو ہزار بیت ہوں گے۔''[۱]

آ گاہ نے دیباچہ کے اختتام پر فضائل ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ نظم کئے ہیں۔ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان اس طرح ہے:

گزرے ہیں جو اولیاء اور عالمان　　متفق اس بات پر ہیں بے گمان
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہر شام و سحر　　افضل الاذکار ہے اے باخبر
قفل دل کا ذکر اس کا ہے کلید　　گمرہان کو پل میں کرتا ہے رشید
گھر کو سینے کے ہے ذکر اس کا چراغ　　جسم و جان ہوتا ہے اس سے باغ باغ
ذکر سے اس کی ٹلے سب درد دُکھ　　ذکر سے اس کے ملے نت عیش و سکھ
بیکساں کو ذکر اس کا ہے امان　　عاصیان کو ذکر اس کا ہے ضمان
ذکر سے اس کے ملے باغ نعیم　　ذکر سے اس کے بجھے نار جحیم
سالکان کو ذکر اس کا شمع راہ　　عاشقان کو ذکر اس کا ہے پناہ
عارفان کو ذکر اس کا من لگن　　واصلان کو ذکر اس کا من موہن
انبیاء کو ذکر اس کا ہے انیس　　اصفیا کو ذکر اس کا ہے جلیس[۲]

اس بیان کو شاعر نے بہت طول دیا ہے۔ آ گاہ صحت روایات کا نہایت اہتمام کرتے ہیں اور ان نعتیہ تصانیف کی مذمت کرتے ہیں جن میں مضامین بلا تحقیق نظم کر دیئے گے ہیں۔ فتاحی کی مثنوی ''مفید الیقین'' کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ آ گاہ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتاحی کی اس تصنیف میں جو معجزوں کا ذکر ہے۔ ان کے مضامین پر مولانا آ گاہ کو سخت اعتراض ہے۔ چنانچہ اس کا اظہار مندرجہ ذیل اشعار میں ہے:

جیسا فتاحی لکھا ہے معجزات　　اکثر اس میں ہے غلط اور جھوٹ بات
اور یوں نور و شمائل کا بیان　　اور یوں معراج نامہ اے میاں

---

۱ ''ہشت بہشت'' ورق-۲۰ ب

۲ ''ہشت بہشت'' ایضاً ورق-۲۲، الف و ب

اور وفات شاہ کا ذکر اس نمط　　　اکثر ان نسخوں کا مضمون ہے غلط[۱]

## ۱-من دیپک

مولانا آگاہ کا پہلا رسالہ ''من دیپک'' ہے۔اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مقدس کا ذکر ہے جو۶۰۲-ابیات پر مشتمل ہے۔حمد ونعت کے اشعار کے بعد حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت ہے۔پھر اپنے مرشد کی مدح کے بعد سبب تالیف بیان کیا ہے۔

حدیث قدسی کو اس طرح نظم کیا ہے:

نہ ہوتا گر تو اے سلطان　　　نہ کرتا میں یہ کل منڈان
تا ارض و سما تا لوح و قلم　　　تا جن و ملائک تا آدم
ان سب کو کیا ہوں تجھ خاطر　　　اور تجھ کو کیا ہوں مجھ خاطر[۲]

اس رسالہ کا سن تصنیف حسبِ ذیل بیت میں درج ہے:

جب گیارہ سو تھے از ہجرت　　　ہوا چوراسی اے با صفوت
اس وقت بنا یہ نسخہ خوب　　　جو ہے اہل دل کا مرغوب

## ۲-من ہرن

یہ رسالہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی بشارت کے بیان میں ہے۔نعت کے بیان کے بعد مناجات، منقبت حضرت غوث اعظم اور مدح پیر حضرت ابوالحسن درج ہے۔ توریت، انجیل اور دیگر کتب سماوی میں جو آپ کے ظہور کی بشارت ہے اسے بھی بیان کیا ہے۔ پھر بخت نصر کا خواب اور حضرت دانیال پیغمبر علیہ السلام کی تعبیر بھی علاحدہ عنوانات کے تحت نظم کی ہے۔ابیات کی تعداد ۱۶۵۱/ہے۔نعت کے اشعار نمونۃً درج ذیل ہیں:

احمد مختار دونو جگ کا نور　　　آدم و عالم کو ہے جس سے ظہور
جس کو ہے خوش نام رؤف ورحیم　　　سب کے اوپر جس کی ہے رحمت عمیم
جو ہے گرفتار بجرم و گناہ　　　اس کو ہے اس سرور دین کا پناہ

---

۱ ''ہشت بہشت'' ایضاً ورق-۲۴،الف

۲ ''ہشت بہشت'' ایضاً ورق-۲۹،ب

جو ہے سماوات و زمین کے اوپر　　　اس کا طلب گار ہے شام و سحر[1]

## ۳۔من موہن

یہ ''ہشت بہشت'' کا تیسرا حصہ ہے۔ابیات کی تعداد ۲۰۷ ہے۔سن تصنیف ۱۱۸۶ھ ہے۔
حسب معمول حمد کے بعد نعت کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

جس کی ہے نور سے جہاں پیدا　　　جس کے ہیں مکھ پر کن فکاں شیدا
جس کی مشعل عدم کی ظلمت سوں　　　وہ بتائے وجود کی سب کون
جس کا ہے دیکھنا خدا کا شہود　　　جس کا ہے نام ورد ہر موجود
مکتب علم میں ہیں جس کے ملک　　　ہور رسل طفل بے زباں بے شک[2]

اس رسالہ میں حسب معمول حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت اور پیر و مرشد کی مدح درج ہے۔بعد ازاں ولادت باسعادت اور اس سے متعلق معجزات کے ظہور کا بیان ہے۔
حضرت آمنہ کی زبانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اس طرح بیان کی ہے:

شکل یوسف زبان اسماعیل　　　علم لوط و نوید اسرائیل
صبر ایوب و عظمت موسیٰ　　　زہد عیسیٰ و عصمت یحییٰ[3]

ولادت باسعادت پر حضرت عبدالمطلب کی خوشی کا اظہار یوں کیا ہے:

گھر میں میرے ہے وہ مہ تاباں　　　جس سے روشن ہوا ہے سر و عیاں
گھر میں میرے ہے وہ طرب افروز　　　جس سے سودے گی رات غم کی روز
گھر میں میرے ہوا ہے وہ سرور　　　جس کے در پر گھسیں گے عالم سر
گھر میں میرے ہوا ہے وہ مرسل　　　جس سے جاوے گا کفر سارا جل[4]

مولانا آگاہ نے مختلف عنوانات کے تحت بہ روایات مختلفہ آپ کے معجزات بیان کئے

---

[1] ''ہشت بہشت'' ورق-۴۵-الف
[2] ''ہشت بہشت'' ورق-۶۴-ب
[3] ''ہشت بہشت'' ورق-۷۰-ب
[4] ''ہشت بہشت'' ورق-۷۲-الف

ہیں۔ ان میں بتان عرب کا سرنگوں ہونا، آسمان پر شیاطین کی آمد و رفت کا موقوف ہونا وغیرہ نظم کیا ہے۔

## ۴- جگ موہن

یہ چوتھا رسالہ ہے جو ۸۱۷-ابیات پر مشتمل ہے۔ اس کا سن تصنیف ۱۱۸۵ھ ہے۔ نعت کے اشعار درج ذیل ہیں:

جس سے سحرائے قدم ہے گلشن　　جن سے ظلمات عدم ہے روشن
اس کی جان جلوہ گر ذات وصفت　　انبیاء کو نہ ملی جز حیرت
جس کی امت میں رسولاں سارے　　کوئی نعت اوسکی کرے کیا بارے[1]

شاعر بارگاہ صمدیت میں اپنی پریشانی ظاہر کرتا ہے اور اپنی حاجت طلب کرتا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں حضرت ابوطالب کی کفالت، سفر شام، تزویج بام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وغیرہ یعنی چالیس سال کی عمر شریف تک کے حالات درج ہیں۔ پھر بہشت کے ابتدائی حالات اور نبوت کے ہر سال کے واقعات بیان کئے ہیں۔

## ۵- آرام دل

یہ ہشت بہشت کا پانچواں حصہ ہے۔ تعداد ابیات ۱۲۵۲ر ہے اور سن تصنیف ۱۱۸۵ھ۔ اس رسالے میں تین باب ہیں۔ باب اوّل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل کا بیان ہے۔ باب دوم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا ذکر ہے اور باب سوم میں عادات شریفہ کا۔ ابتداء میں حمد کے بعد نعت کا مضمون یہ ہے:

حقیقت میں سب کا ہے مطلوب او　　ہیں سب عاشقاں اور محبوب او
او مہتاب ہے سب خلائق چکور　　دو عالم میں ہے حسن کا اوسکے شور
سب اخلاق پاک اوسکے بے قیل وقال　　کمالات روحی اوپر تھے دلیل
میں من دیپک اندر کہا ذکر نور　　لکھا من ہرن میں نوید ظہور
بہ من موہن اوس ولادت کی بات　　بہ جگ سوہن اوسکا بیان تا وفات

---

[1] ''ہشت بہشت'' ورق-۸۹-الف

میں اب حسن کا او سکے کرتا ہوں ذکر  جلا پاوے تا اوس سے مرأت فکر[۱]

آ گاہ شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں پہلے اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں پھر مختلف عنوانات کے تحت مضامین باندھتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) درصفت مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:

که تھا بادشاہ دوعالم کا سر  بزرگ اور باعتدال اے پسر

بحق سر مصطفیٰ اے خدا  مری طبع کوں کرتو جودت عطا[۲]

(۲) درصفت روئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

روئے مبارک کی روشنی کا بیان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس طرح کیا ہے:

گری سوی مجھ ہاتھ سے بر زمین  لگی ڈھونڈنے میں اوسے ہر کہیں

که اتنے میں آیا سراج الانام  که ہے نور جس کے عالم تمام

پڑا اوس کے چہرہ کا اس طرح تاب  که مجھ کو ملی سوئی ہوئی شتاب[۳]

(۳) درصفت چشم مبارک وبینائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) درصفت گوش مبارک وشنوائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۵) درصفت جبین مبارک

(٦) درصفت ابروئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۷) درصفت بینی مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۸) درصفت دہن مبارک ولب ودنداں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

او سلطان دیں بات کرتا تھا جب  چمکتا تھا نور اوسکے دانتاں سوتب

تصدق سوں اوس لب کے اے کردگار  مجھے ذکر میں اوسکے کچھ رکھ برقرار[۴]

(۹) درصفت تبسم وضحک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

۱ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۱۳-ب و۱۱۴-الف

۲ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۱٦-ب

۳ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۱۷-الف

۴ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۱۹-الف

(۱۰) درصفت آب دہن مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۱) درصفت آواز مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:

خوش آواز تھا وہ شہ نامدار لے جاتا تھا خاطر سوں صبر و قرار[۱]

(۱۲) درصفت فصاحت مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:

سخن اوسکا پڑتا تھا جب کان میں نکلتے تھے ارواح ابدان میں[۲]

(۱۳) درصفت موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۴) درصفت ریش مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۵) درصفت گردن مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۶) درصفت: ہر دو دوش مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۷) درصفت سینۂ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۸) درصفت پشت مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۹) درصفت دستہاء مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۰) درصفت قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۱) درصفت قامت زیبائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۲) درصفت رنگ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۳) درصفت رفتار جانفزائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۲۴) درصفت بوئے خوش وعرق مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اس رسالے کا باب دوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سیرت سے متعلق ہے:

کہی عائشہ اوسکو اے ہوشیار ہے تفصیل اوسکی نہایت سو بہار
ولیکن میں کہتی ہوں اب مختصر کہ خلق اوسکا قرآن تھا سر بہ سر[۳]

پھر صفت حیا کو اس طرح بیان کیا ہے:

---

۱ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۲۰-الف

۲ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۲۰-ب

۳ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۲۵-الف

بیان کروں اوس کی شرم و حیا　　　فیستحی منکم ہے قول خدا [1]

......

میں رحمت کا اوسکی کروں کیا بیان　　　سراہا ہے اوسکوں خدا اور قرآن
رکھا رحمت العالمین اوسکا نام　　　رؤفٌ رحیمٌ بھی اے شاد کام [2]

اس رسالہ کا اختتامی شعر یہ ہے:

مرا خاتمہ کر توں ایمان پر　　　بحق محمد ﷺ سراج البشر [3]

## ۶- راحت جان

یہ چھٹا رسالہ ہے۔ ابیات کی تعداد ۶۰۲/ ہے۔ تصنیف ۱۱۸۶ھ ہے۔ اس رسالہ میں آگاہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص بیان کئے ہیں۔ مثلاً:

خصائصے کہ بر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض بودند۔

چیز ہائیکہ بر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرام بودند و برامت حلال۔

چیز ہائیکہ بر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مباح بودند و برامت حرام۔

مولانا آگاہ نے خصائص دنیوی کے علاوہ خصائص اُخروی کو بھی بیان کیا ہے اور ان کو آپ کے فضائل و کرامات کے ذکر سے واضح کیا ہے۔ اس کے بعد امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کا ذکر ہے۔

کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

جوں خدا کی حمد میں حیران ہے عقل　　　یوں نبی ﷺ کی نعت میں نادان ہے عقل
احمد مرسل شہنشاہ رسل　　　سرور عالم امام جز و کل
وحدت مطلق کے گہن کا آفتاب　　　خلق جس کے نور کا ہے ایک تاب
جب خلائق کو ہوا اوس سے ظہور　　　اس سبب سے حق رکھا نام اوس کا نور [4]

---

[1] ''ہشت بہشت'' ورق-۱۲۵-الف

[2] ''ہشت بہشت'' ورق-۱۲۷-الف

[3] ''ہشت بہشت'' ورق-۱۵۲-الف

[4] ''ہشت بہشت'' ورق-۱۵۲-الف

ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو اس طرح نظم کیا ہے:

بہترین ذکر و طاعت اے پسر | ہے نبی ﷺ کا ذکر ہر شام و سحر
ذکر اوس کا عین ذکر حق ہے جان | طاعت اوس کی طاعت حق ہے پہچان
علوی و سفلی ہے اوس کے ذکر میں | جزوی و کلی ہے اوس کے ذکر میں[۱]

پھر بارگاہِ ایزدی میں یہ درخواست پیش کی ہے:

کر تو ہم کو اے خدائے مہربان | امت پیغمبر آخر زمان[۲]

رسالہ کی وجہ تصنیف کے بیان کے ساتھ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کے لئے دعا بھی مانگی ہے:

ظاہر و باطن کوں اوسکے کر فنا | مصطفےٰ ﷺ کے ذکر میں اے ذوالعطاء[۳]

آخر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اس طرح دعا مانگی ہے:

گرچہ ہوں جرم و گنہ میں مبتلا | لطف کر مجھ پر بحق مصطفےٰ ﷺ
مصطفےٰ ﷺ کے واسطے اے کارساز | مصطفےٰ ﷺ کے واسطے اے بے نیاز
اوس شفیع المذنبیں ﷺ کے واسطے | رحمت للعالمین کے واسطے
اوس پناہ بے کساں کے واسطے | اوس دوائے خستگان کے واسطے
واسطے اوس کے کہ جس کا لطف عام | عاصیاں کا زاد ہے روز قیام
ہور شہادت پر مرا انجام کر | ہور مدینے بیچ میرا کر مقر
راحت جان یاں ہوا پورا تمام | از طفل مصطفےٰ ﷺ شاہ انام[۴]

## ۷- رسالہ ہفتم من درپن

اس رسالہ کا سن تصنیف ۱۲۰۶ھ ہے۔[۵] گویا یہ رسالہ راحت جان کی تصنیف کے

---

۱ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۵۳-الف و ۱۵۳-ب
۲ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۵۳-ب
۳ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۵۴-الف
۴ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۷۰-الف
۵ ''ہشت بہشت'' ورق-۱۷۱-الف

۲۰/سال بعد لکھا گیا۔ اس لئے اس رسالے کی زبان اور دیگر چھ رسالوں کی زبان میں بہت فرق ہے۔ اس میں ۳۱۶۱/ابیات ہیں۔ مولانا آگاہ کی یہ تصنیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں پر نہایت مبسوط اور مستند منظوم کتاب ہے۔ اس شرح و بسط کے بعد بھی آگاہ کا خیال ہے کہ انہوں نے اجمال سے کام لیا ہے ورنہ ابیات کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچتی۔

شاعر نے حمد کے مضمون کے بعد نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح گلفشانی کی ہے:

ہے گنج غیب کا مفتاح اسرار　　ہے بیت القدس کا مصباح انوار
بہار حسن کا ہے صبحِ اوّل　　فروغ عشق کا ہے نور اکمل
ہے حسن و عشق کا وہ رقِّ منشور　　کہ جس کا عرش ہے یک آیت النور
ہے وہ ام الکتاب و نور قدسی　　کہ جس کی آیۃ الکرسی ہے کرسی
حروف اوس کے ملایک ہور رسل ہیں　　نقاط و سطر اوس کے جز و کل ہیں
ہے جس کا خواب گاہ خاص وحدت　　ہے بار عام جس کا واحدیت
مقام خاص ''اوادنی'' ہے جس کا　　خدا بن کوئی نہیں داتا ہے جس کا
تھے جس کے پیشکاران انبیا سب　　تھے جس کے مژدہ گویاں اصفیا سب
ملائک جس کے تھے فوج معظم　　نقیب اوس فوج کا جبریل اکرم[۱]

نعت کے بعد خلفائے راشدین اور حضرت عبدالقادر جیلانی کی منقبت اور اپنے شیخ کی مدح کے بعد ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اس طرح بیان کی ہے:

ہے ذکر پاک اوس کا ذکر حق کا　　ہمیشہ کر توں تکرار اس سبق کا
ہمیں کیا چیز ہیں جب رب علّام　　رکھا ہے اوس کا ذکر العالمین نام
ملائک ذکر پر اوس کے ہیں قائم　　رسولاں ذکر میں اوس کے ہیں دایم
غرض ملک و ملک میں جو ہیں اشیاء　　ہیں اوس کے ذکر میں سرمست وشیدا

اس کے بعد آگاہ معجزات کا ذکر کرتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ جو بات حدیث

---

۱؎ سن تصنیف مولانا آگاہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

تھے بارہ سو کے اوپر چھ برس جب　　ہوا یہ نسخہ دل کش مرتب

ہشت بہشت ورق۔۲۶۸۔ب

میں سند نہ رکھتی ہو اس کا پڑھنا اور پڑھانا حرام ہے۔ معجزات کے بیان کے شروع میں مولانا نے دیگر پیغمبروں (علیہم السلام) کے معجزوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کا تقابل کیا ہے۔ پھر معجزہ کی حقیقت اور اس کے مفہوم اور معنی سے بحث کی ہے اور معجزہ، کرامت، معونت، استدراج اور اہانت کے فرق کو واضح کیا ہے۔ پھر قرآن کریم کو "اعظم معجزات سرور عالم" قرار دیا ہے۔ آگاہ نے معراج کو بھی معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل کیا ہے۔ شاعر کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز میں آپ کا جمال با کمال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت، بلاغت، حشمت وغیرہ بھی شامل ہیں۔ جنہیں علاحدہ عنوانات کے تحت درج کیا گیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض حال اس طرح کیا ہے:

میں اب کرتا ہوں اپنا عرض احوال — کرم سے سن اسے اے بحر افضال
تو بے شک رحمۃ للعالمیں ہے — دو جگ میں تو شفیع المذنبیں ہے
ہے تیرا جود وہ باران رحمت — ہے رشحہ ایک جس کا سب یہ خلقت
مچی ہے ایسی تیرے فیض کی دھوم — کہ شیطاں بھی نہیں ہے اوس سے محروم
رسولاں تیرے یکسر خوشہ چیں ہیں — ملک در پر ترے سر بر زمیں ہیں
تو سب کا اصل ہے سب فرع تیرے — تو سب کا نور ہے سب شمع تیرے
ملک اور ملک میں جتنے بڑے ہیں — ترے سب آستانے پر کھڑے ہیں
ہیں تیرے خوان کے مہمان سارے — ہیں تیرے مہد کے سب شیر خوارے
منابر عالم ملکوت کے سب — تھے تیرے ذکر طیب سے مطیّب
توں ہے وہ آفتاب اوج وحدت — کہ ظاہر تجھ سے ہیں ذرات کثرت
جو ہیں ملک و ملک میں سب کے سرتاج — پہنچنا تیرے پاس ان کو ہے معراج
بلیغان عرب سب نارسا ہیں — ثنا میں تیری اہل فرس کیا ہیں[۱]

مولانا آگاہ نے ثنائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت طول دیا ہے۔ جس کے چند اشعار اوپر پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی کوتاہیوں کا

---

[۱] ہشت بہشت ورق- ۲۶۸- ب و ۲۶۹، الف و ب

اعتراف رقت آمیز انداز میں کیا ہے:

نہیں اس کمترین میں بوئے ایمان　　سر نو سے مجھے کر تو مسلمان
بآن رحمت کہ شد از خوش نصیبے　　بآن مخصوص آں مرد نجیبے [۱]

شاعر کی تمنا ملاحظہ ہو:

تری منزل میں کر میرا ٹھکانا　　کر اپنے پائنتی میرا سرہانا [۲]

آگاہ کو اپنی ذات سے زیادہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے۔ چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مشکلات کو بارگاہ رسالت میں مشکل کشائی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اس میں حالی کی قومی شاعری کی وہ خصوصیت پائی جاتی ہے جس میں مسلمانوں کی درماں طلبی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی گئی ہے:

کدھر جائیں کہ یہ لشکر ہیں تیرے　　اگر ہیں نیک و بد چاکر ہیں تیرے
شفیع المذنبیں سن ان کی زاری　　کر اپنے لطف سے اب ان کی یاری
تو اپنے دین کا ہے آپ حامی　　ہے میری عرض یہ از راہ خامی [۳]

شاعر اپنے لئے قربت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی التجا کرتا ہے۔ اپنی اولاد، اپنے بھائی اور دوستوں کے لئے بھی الطاف وعنایت کی خواستگاری ہے۔

مولانا آگاہ نے امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جہاد کی استدعا اس طرح کی ہے:

زباں سے تیغ سے دل سے قلم سے　　رہیں تائید میں دن رات دیں کے
کر اپنے دین کا تو بول بالا　　کر او سکے دشمناں کے منھ کو کالا [۴]

عورتوں کے جوہر عفت، حیا۔ اور پاکبازی کا آگاہ کو کتنا خیال ہے۔ وہ اپنی التجا میں اس طبقے کو بھی نہیں بھولے۔ اس کے ساتھ بچوں کی صحیح تربیت کی اہمیت کا بھی شدید احساس ہے:

تو عصمت کا آپ اون کی نگہبان　　دے اون کو دین کی توفیق ہر آن

---

۱ ہشت بہشت ورق-۱۷۱-۲-الف
۲ ہشت بہشت ورق-۱۷۱-۲-ب
۳ ہشت بہشت ورق-۱۷۱-۲-ب و ۲۷۲-الف
۴ ہشت بہشت ورق-۲-۲۷۲-ب

جہاں لگ ہیں تری امت میں اطفال		سعادت مند کر اون کوں با فضال[۱]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے بارگاہ ایزدی میں آگاہ کی التجا بھی اسی خلوص، سادگی اور اثر کی آئینہ دار ہے:

تصدق سے محمد ﷺ کے الٰہی		مسلماناں کی قائم رکھ توں شاہی
تصدق سے نبی ﷺ کے حیؔ و قیوم		مچا عالم میں اوس کے دین کی دھوم
رکھ اوس کے عشق میں یوں ہم کوں سرشار		کہ جان و تن کریں ہم اوس پر بلہار
تصدق میں محمد ﷺ کے خدایا		دے دونوں جگ میں ہم کوں اوسکا سایہ
حیات و موت کر ملت میں اوس کی		ہمارا حشر کر امت میں اوس کی
بحمد اللہ ہوا یہ نسخہ آخر		بحق مصطفیٰ ﷺ سالار فاخر[۲]

## ۸- من جیون

من جیون[۳] کا سن تصنیف ۱۲۰۶ھ ہے اور ابیات کی تعداد ۸۱۸ ہے۔ جو کتاب کے آخر میں اس طرح درج ہے:

بارہ سو اوپر تھے چھے برس		یہ نسخۂ خوش ہوا مرتب
ابیات سب اس کے دل آرا		بے ریب ہیں آٹھ سو اٹھارہ[۴]

اس رسالے میں تین فصلیں ہیں۔ فصل اوؔل میں حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی فرضیت اور اس کی علامات کا ذکر ہے۔ فصل دوم میں درود کی فضیلت کا بیان ہے اور تیسری فصل میں فضائل و آداب، زیارت سیدؔ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون ہے۔ حسبِ معمول آگاہ نے رسالے کی ابتداء حمد و نعت کے مضامین سے کی ہے۔ حمد کے مضمون میں شاعر نعت کا رنگ پیدا کرتا ہے۔ اللہ کی تخلیق کی تعریف میں ثنائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کی ہے:

---

۱ ہشت بہشت ورق-۲۷۲-ب

۲ ہشت بہشت ورق-۲۷۲-ب

۳ من جیون رسالہ کا زیر نظر نسخہ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی ہے۔ اس سلسلہ میں صفحات کے جو حوالہ جات ہوں گے وہ اس نسخے سے ہوں گے۔

۴ ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی، صفحہ-۲۰۷

لایا تو اک آفتاب وحدت — جس سے نہ رہی جہاں میں ظلمت
لایا تو یک ایسا ابر رحمت — جس سے نہ رہی کہیں بھی عسرت
لایا تو یک ایسا روح اعظم — پایا ہے حیات جس سے عالم
ایسا تو چراغ یک لگایا — دل جس سے تیرا سراغ پایا
یعنی شہ دو جہان محمد ﷺ — سرمایۂ جسم و جان محمد ﷺ
طاعت ہے تیری اطاعت اس کی — قربت ہے تیری محبت اس کی
جو اس کی رضا تیری رضا ہے — حکم اس کا ہے تیری قضا ہے
بات اس کی ہے وحی تیری مطلق — شان اس کی ہے تیری شان الحق
طالب اس کا تیرا ہے مطلوب — تابع اس کا تیرا ہے محبوب[۱]

پھر آنگاہ نے حضرت غوث پاک اور اپنے شیخ کی مدح کی ہے۔ فصل اوّل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے وجوب کو اس طرح بیان کیا ہے:

اس سرور دیں کی محبت — واجب ہے سبھوں پر درحقیقت
جتنی ہے محبت اس کی اے جان — اتنا ہی کمال دین و ایمان[۲]

قرآنی مضامین کے ساتھ احادیث کے مضامین بھی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں بیان کئے ہیں۔ پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات بخش واقعات نظم کئے ہیں۔ جو مختلف عنوانات کے تحت ہیں۔ مثلاً

(۱) حکایت صحابہ انصاری کہ مرد میدان محبت بود رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
(۲) حکایت زید بن دفنہ وخبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
(۳) حکایت سعد بن ربیع ومصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔
(۴) حکایات اطفال مدینہ۔
(۵) دربیان دوست داشتن جماد ونبات وحیوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۶) دربیان آثار وعلامات محبت سیّد موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات۔

---

۱؎ ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی، صفحہ-۱۶۹، ۱۷۰
۲؎ ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی، صفحہ-۱۷۳۔

(۷) در بیان آ نکہ تبعیت آ نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل علامات است ۔

حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں دیکھنا ایسی حقیقت شناسی ہے جس پر تعمیر حیات کا دارو مدار ہے۔ رقت آمیز جذبات کی پرورش اپنی لطافت میں ایک حد تک قابل ستائش ضرور ہے لیکن اگر زندگی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت سے محروم ہے تو جذب وحال کی ساری کیفیتیں بے نتیجہ ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اس رنگ میں پیش کرنا درحقیقت نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم اور بنیادی مقصد ہے۔ مولانا باقر آ گاہ نے اس خصوص میں نعت گوشعراء کے لئے اچھا نمونہ چھوڑا ہے:

تبعیّت شاہ باکرامات ہے افضل و اکمل علامات
جتنی تجھے اس کی پیروی ہے نسبت وہ و داد کی قوی ہے [۱]

فصل سوم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے فضائل اور آداب کا بیان ہے جو اثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ آ گاہ کے اس بیان میں فطرۃً شعری کیفیت غالب ہے۔ دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے شاعر کا دل اُچھلتا ہے اور وہ لقائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے تاب ہوجاتا ہے:

بیٹھا ہے تو کیا چل اے برادر طیبہ کی طرف قدم کر از سر
گر پاؤ کے چلنے میں اس ہے تو آہ کا تیرے پاؤ بس ہے
مژگان سے کر اپنے اس کا سکان اور پردۂ چشم باد بان جان
یارنگ بریدہ سے ہودمساز کر اس کی ہوا میں جلد پرواز
در مشرب عاشقان حیران ہے فرض زیارت اس کی اے جان
مرقد سے زمین ہے اس کی پرنور اور ہوں میں اس سے آہ مہجور
کیوں سر سے قدم نہیں گیا میں روضے طرف میں اس کے نین گیا میں
بے شک مجھے گھیر لے ہے حرمان گر بیٹھوں میں دور اس سے یک آن [۲]

اس کے بعد زیارت کی فضیلت کے بیان میں احادیث کے مضامین نظم کئے ہیں، آخر

---

۱ ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی، صفحہ-۱۸۱

۲ ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی، صفحہ-۲۰۲، ۲۰۳

میں بارگاہ رسالت سے نظر عنایت کی التجاء ان الفاظ میں کی ہے:

اے آئینہ دار نور وحدت — اے صبح بہار واحدیت
اے لطف ترا دو جگ کا آدھار — اے تیرے کرم کا جلوہ ہر ٹھار
ہے علم و عمل سے جن کو افلاس — کونین میں ان کو ہے تیری آس
تخصیص تباہ کار مجھ سا — بن تیرے نہیں کچھ اس کو آسا
باایں ہجوم اضطراری — کرتا ہوں میں تیرے پاس زاری
پکڑا ہوں میں تیرا آستانہ — بن تیرے نہیں مجھے ٹھکانا
تو اپنی عطا و مرحمت سے — کر مجھ کو نہال عاقبت سے
گر جلوہ کرے گا مہر تیرا — جاوے گا یہ سب میرا اندھیرا
منھ اپنے کرم کا مجھ سے مت موڑ — اس درد و بلا میں مجھ کو مت چھوڑ
دکھلا شفقت کا ایک جذبہ — تو کھینچ مجھے بہ سوئے طیبہ[۱]

مولانا باقر آگاہ نے سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین کو نظم کرنے میں صحت روایت کا کماحقہٗ خیال رکھا ہے۔ ہم ان کے کلام پر مضامین کے نقصان سے شعریت کا غلبہ نہیں پاتے۔ جذبات کا اظہار ہے تو وہ بھی حسب موقع ومحل۔ آگاہ نے زبان علم وفہم استعمال کی ہے جو مقامی رنگ لئے ہوئے ہے اس لئے کہ ''ہشت بہشت'' کی تصنیف کا مقصد بھی انہوں نے یہ قرار دیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اسے پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو اپنی زندگی میں بسائیں۔ اس لحاظ سے اگر ہشت بہشت کی زبان اس دور کے مذاق کی تشفی نہیں کرتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شاعر خود بھی اس کا دعویٰ نہیں کرتا۔

ایک بڑی خصوصیت ''ہشت بہشت'' کی یہ ہے کہ ایک عرصے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے متعلق غلط روایات شہرت پا رہی تھیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت، معراج وغیرہ کے سلسلے میں بہت سی خیالی باتیں داخل ہوگئی تھیں۔ مولانا باقر آگاہ نے ان کی تردید کی اور صحیح حالات کو نظم کر کے اصلاحی اور تبلیغی دونوں خدمات انجام دیں۔ ''ہشت بہشت'' کا مقام اس لحاظ سے بھی نعتیہ ادب میں نہایت مہتم بالشان ہے۔

---

۱؎ ہشت بہشت مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی، صفحہ- ۲۰۷، ۲۰۸

# باب پنجم

## نظیؔر اکبر آبادی

ولی محمد نام اور نظیؔر تخلص ۔ والد کا نام محمد فاروق تھا۔ نظیؔر کی تاریخ پیدائش کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔ رام بابو سکسینہ کا خیال ہے کہ ان کی پیدائش اس زمانے میں ہوئی جب کہ نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کیا۔ اس لحاظ سے وہ میر وسودا کے معاصرین میں شمار ہوں گے لیکن چونکہ ان کا انتقال ۱۸۳۰ء میں ہوا اس لئے انہیں قدماء کے دور سے متعلق نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ انہیں متقدمین اور متوسطین شعرائے دہلی کی صف میں اس لئے بھی شامل نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا رنگ زبان، انداز بیان، مضامین اور آزادہ روی ان دونوں ادوار سے مختلف ہے۔

نظیؔر باپ کے لاڈلے تھے اس لئے کہ ان کے بارہ بچوں میں ایک یہی زندہ بچے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے دلّی پر حملہ کیا تو نظیؔر اپنی والدہ اور نانی کو لے کر آگرہ چلے گئے اور محلّہ تاج گنج میں جا بسے۔ یہیں ان کی شادی ہوئی۔ ان کی طبیعت میں قناعت تھی۔ اس لئے دربار داری سے پرہیز کیا۔ نواب سعادت علی خاں نے بلایا لیکن توجہ نہ کی۔ پہلے متھرا میں معلم ہوئے پھر آگرہ میں لالہ بلاس رام کے بیٹے کو سترہ روپے مشاہرے پر پڑھایا۔ آخر عمر میں فالج کے شکار ہو گئے اور ۱۶ر اگست ۱۸۳۰ء کو انتقال کیا۔

نظیؔر اکبر آبادی نے گونا گوں موضوعات سے اپنے کلام کو سنوارا ہے۔ ان میں مذہبی شاعری کو بھی مختلف عنوانات سے جگہ دی ہے۔ چنانچہ ان کے کلام میں حمد باری، مناجات، نعت، منقبت حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہ مدح سلیم چشتی، عیدالفطر، شب برأت اور اس نوع کے کئی عنوانات شامل ہیں۔ نظیؔر نے نعت زیادہ نہیں کہی۔ تاہم اس اعتبار سے کہ اس دور میں نعت کا رواج زیادہ تر رسمی پایا جاتا تھا، نظیؔر کی نعت گوئی کو غنیمت جانتے ہوئے ان کے نعتیہ رنگ کو نمونۂ پیش کرنا مناسب ہے۔

نظیرؔ نے نعت میں ایک خمسہ لکھا ہے۔اس کے علاوہ صفت کلمہ کے عنوان کو ''بیان کلمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' قرار دے کر اس میں نعت کا مضمون پیدا کیا ہے۔ساتھ ہی منقبت میں بھی نعتیہ اشعار شامل کئے ہیں۔مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت کے اشعار کی ابتداء اس طرح کی ہے:

کروں کیا وصف میں ان کا الم ناک — کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک
پھرا جو عرش اور کرسی پہ چالاک — کہاں وہ اور کہاں میرا یہ ادراک
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

محمد ﷺ رحمۃ للعالمیں ہے — حبیب حق ﷺ شفیع المذنبیں ہے
رسولِ پاک ﷺ ختم المرسلیں ہے — کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے
لگا تحت الثریٰ سے تا بہ افلاک

محمد ﷺ اور علی یاقوت احمر — دُر بحرِ خدا خاتون اطہر
زمرد لعل ہیں شبیر و شبر — جواہر خانۂ قدرت کے اندر
یہی پانچوں گہر ہیں پنجتن پاک [۱]

نعتیہ خمسہ سے نمونۂ کلام درج ذیل ہے:

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ — سرگروہ مسلمیں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ
حاکم دین متیں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ — قبلہ اہل یقیں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ
رحمۃ للعالمیں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ [۲]

نظیرؔ نے شروع سے آخر تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کئے ہیں۔جن میں کوئی خصوصی رنگ نہیں ہے۔البتہ کلام کی رنگینی سلاست، سادگی اور روانی حسب معمول یہاں بھی پائی جاتی ہے:

تم ظہور اوّلیں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ — ہمدم جان آفریں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ
وجہ قرآن مبیں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ — نزہت بستان دیں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ
زینتِ خلد بریں ہو یا محمد مصطفیٰ ﷺ

---

[۱] کلیات نظیرؔ اکبرآبادی مطبوعہ ۱۲۹۷ھ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ۔صفحہ-۳۷

[۲] کلیات نظیرؔ اکبرآبادی مطبوعہ ۱۲۹۷ھ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ۔صفحہ-۱۲۶

آپ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے　　اور تمھیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہے
حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہے　　کیا ہوا لیکن دل اس امید سے مسرور ہے
تم شفیع المذنبیں ہو یا محمد مصطفیٰ [۱]

نظیؔر کے یہاں نعت کے مضمون میں کہیں عقیدت مندانہ بے اعتدالی نہیں ہے۔ شاعر آداب رسالت کو ہر جگہ ملحوظ رکھتا ہے۔ جہاں عقیدتمندی کا اظہار ہے تو بس اس حد تک کہ ذاتِ والا کے لطف و کرم میں امید کا سہارا ہے:

مخبر صادق ہو تم اور حضرت خیرالورا　　سرورِ ہر دوسرا اور شافع روزِ جزا
ہے تمہاری ذات والا منبع لطف و عطا　　کیا نظیؔر اک اور بھی سب کے مدد کا آسرا
یاں بھی تم واں بھی تمھیں ہو یا محمد مصطفیٰ [۲]

''کلمۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' میں نعت کا نمونہ یہ ہے:

اس کلمہ سے ہیں اے دل زمین و آسماں روشن
مہ و خورشید تارے عرش و کرسی لامکاں روشن
اسی کلمہ سے ہیں جنت کے باغ اور باغباں روشن
غرض جنت تو کیا اس سے تو ہیں دونوں جہاں روشن
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا

میاں اب یہ جو کلمہ ہے یہ حق کی خاص رحمت ہے
یہ صدقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر عنایت ہے
اسی سے یاں نظیؔر عزت اسی سے واں شفاعت ہے
یہی سب مومنوں کے واسطے افضل عبادت ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا [۳]

---

۱ کلیات نظیؔر اکبر آبادی مطبوعہ ۱۲۹۷ھ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ۔ صفحہ ۔۱۲۶
۲ کلیات نظیؔر اکبر آبادی۔ صفحہ ۔۱۲۶
۳ کلیات نظیؔر اکبر آبادی۔ صفحہ ۔۱۳۸

# باب ششم

## متوسطین کا دَور

اس دَور کا نعتیہ کلام کم و کیف دونوں اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ حقیقت میں ادبی لحاظ سے نعت گوئی کے فروغ کی ابتداء کا شرف اس دَور کو حاصل ہے۔ کرامت علی خاں شہیدؔی، مومن خاں مومنؔ، لطف علی خاں لطفؔ اور مولوی غلام امام شہیدؔ نے نعتیہ شاعری کو مستحکم بنیادوں پر رکھنے میں اپنی فطری قابلیت کو پرخلوص طور پر استعمال کیا۔ اس دَور کی پہلی خصوصیت کلام کی تاثیر ہے۔ جو اثر انگیزی اس زمانے میں نعتیہ کلام کو حاصل ہوئی، وہ اس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتی۔ شہیدؔی نے نعت زیادہ نہیں کہی لیکن جو کچھ کہا اثر میں ڈوب کر کہا اور فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو کر کہا۔ یہاں تک کہ اس کا طائر روح ہجوم شوق میں گنبد مبارک کے نظارے کی بھی تاب نہ لا سکا۔ حضور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں شہیدی کی اس طور پر باریابی نے نعت گوئی کے شوق کو اور بھی پرِ پرواز لگا دیئے۔ شہیدؔی کے کلام نے اس طرح تضمینوں کے لئے بھی دروازہ کھول دیا اور نعتیہ ادب بہر طور فروغ کی منزلیں طے کرنے لگا۔ لطف علی خاں لطفؔ نے نعتیہ غزل میں اپنا رنگ جمایا اور جو کچھ کہا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کہا۔ اس طرح غلام امام شہیؔد ایک نیا رنگ لے کر اٹھے۔ انہوں نے والہانہ خلوص کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں کو پیش کر کے کیا اور نعتیہ کلام میں تنوع پیدا کیا۔ شہید کے یہاں نعتیہ کلام کی خوبیاں ہمہ گیر ہیں۔ وہ ایک تو شعری دلآویزی پیدا کر کے واقعات کو موثر انداز میں پیش کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ان کے یہاں تشبیہوں اور استعاروں کی سادگی اور شگفتگی واقعات کو نہایت دلچسپ بنا دیتی ہے۔

اس دَور کی خصوصیات مختصراً یہ ہیں:

(۱) زبان نہایت صاف، شستہ پائی جاتی ہے۔ تشبیہات اور استعارات کی ندرت اور رنگینی ہر دور سے زیادہ ہے۔

(۲) نعتیہ شاعری کے رنگ تغزل میں فروغ کے آثار نمودار ہوئے۔

(۳) کلام میں اثر، خلوص اور معنویت زیادہ پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی خیالات میں تنوع اور انداز بیان میں جدت بھی نمایاں ہے۔

(۴) دکنی دَور کے بعد متوسطین کے زمانے تک جو نعتیہ ادب میں خلا سا محسوس ہوتا ہے اس دور نے نہ صرف اس کی تلافی کی بلکہ اسے ایک نیا رنگ بخشا اور اب نعتیہ شاعری جاندار ہوگئی۔

(۵) ایک عرصہ کی معاشرتی بدحالی کے بعد سیاسی اور معاشی تباہ حالی نے مذہبی رجحانات کو جھنجھوڑا اور اس طرح اس کشمکش نے مذہبی ادب کے فروغ کا سامان کیا۔

## مولوی کرامت علی خاں شہیدیؔ

مولوی کرامت علی خاں شہیدیؔ (المتوفی ۱۲۵۶ھ) عبدالرسول خاں کے بیٹے اور بانس بریلی[۱] کے رہنے والے تھے۔ لکھنؤ میں بڑے ہوئے اور وہیں پہلے[۲] مصحفیؔ (المتوفی ۱۲۴۰ھ) سے اصلاح لی اور ان کے بعد شاہ نصیر دہلوی (المتوفی ۱۲۵۴ھ) سے رجوع کیا۔ تذکرۂ مہر جہاں تاب میں ہے کہ وہ کیمسٹریٹ میں ملازم تھے۔ وہاں کا روپیہ یا رباشی میں اڑا ڈالا اس لئے ماخوذ ہونے کا خوف ہوا تو دفتر کے جس حصے میں خود رہتے تھے وہیں آگ لگا دی اور ذاتی سامان کے ساتھ وہ دفتر بھی جل گیا جہاں حساب تھا۔ پھر کچھ دنوں تک دیوانے بنے رہے اور آخر میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ بھوپال، اجمیر، دہلی

---

۱۔ ایک غزل میں بریلی کا ذکر اس طرح آیا ہے:

ہے جس کے شہر میں چین و جنگل و یا کشمیر — تیری باعث ہوئی اے جان بریلی چوتھی

بعض جگہ شہیدیؔ کو اناؤ کا رہنے والا لکھا ہے۔

۲۔ لیکن شہیدیؔ کہتے ہیں:

طرفہ تر زبان شہیدی میں چاشنی — سوداؔ سے اس نے لی ہے شکر میر سے نمک

وغیرہ میں سیاحت کرنے لگے تھے۔ اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی صحبت میں بھی کبھی رہتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ نواب شیفتہ نے ان کے متعلق گلشن بے خار میں لکھا ہے کہ ''درعروض دستگاہے معقول دارد۔'' ۱۲۵۵ھ میں حج کیا اور اس دوران میں ایک قصیدہ غرّا لکھا جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا　　　سرِ دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد ﷺ کا

اسی قصیدے کا یہ شعر مشہور خلائق ہے:

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے　　　قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

حج کر کے جب مدینہ طیبہ جا رہے تھے تو راستے میں بیمار پڑے اور چار صفر ۱۲۵۶ھ کو جب وہ ایسے مقام پر پہنچے کہ وہاں سے روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نظر آ رہا تھا تو انہوں نے حسرت سے نظر ڈالی اور ان کی وہ تمنا پوری ہوئی کہ:

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے

یہ قصیدہ صرف ۳۳- اشعار پر مشتمل ہے اور یہی قصیدہ (سوائے ایک نعتیہ غزل کے) شہیدی کا نعتیہ سرمایا ہے۔ لیکن حسن خاتمہ کی وجہ سے جو مقبولیت اس کو حاصل ہے۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب کبھی اردو کی نعتیہ شاعری کا ذکر آتا ہے تو شہیدی کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اس قصیدے میں فن کے لحاظ سے زیادہ خوبیاں نہیں ہیں۔ کچھ اشعار یہ ہیں:

دبستان ازل میں وہ معلم عقل کل کا تھا
نہ تھا نام و نشاں جن روزوں اس لوح زبرجد کا

چمن پیرائے کن فراش جس کی بزم رنگیں میں
بہار آفرینش ایک بوٹا اس کی مسند کا

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا
عرب میں شور اٹھا جس وقت اس کی آمد آمد کا

شرف حاصل ہوا آدم اور ابراہیم کو اس سے
نہ تنہا فخر عالم، فخر تھا اپنے اب وجد کا

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

گزر وحدت سے کثرت میں نہ ہوتا ذات مطلق کو
نہ بنتا صفر گر نقش احمد پر میم احمد ﷺ کا

رہا کعبے میں تیرے روضے کے در پر نہ جا پائیں
اسی اندوہ سے ہے رنگ تیرہ سنگ اسود کا

اس قصیدے میں نکتہ آفرینی صرف اسی طرح کی ہے ورنہ مضامین عام انداز کے ہیں۔ لیکن آخر میں جو عقیدت ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ لکھتے ہیں:

مدینے کی گلی کے گر نہ لائق ہو مرا لاشہ
کسی صحرا میں واں کے طعمہ ہوں میں دام او

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقیّد کا

خدا منھ چوم لیتا ہے شہیدؔی کس محبت سے
زبان پر میری جس دم نام آتا ہے محمد ﷺ کا

ان اشعار سے پہلے دو شعر جس عقیدت اور شیفتگی کے آئینہ دار ہیں اس کی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دربار نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں شہیدؔی کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ ان پر کبھی خیانت کا جرم تسلیم کیا جائے۔ شہیدؔی نے بھی اپنی شہرت[۱] کے متعلق پیش گوئی کی تھی:

بیٹھیں گے مثل تقویم کہن دیوان ہزاروں کے
ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعار مجدد کا

یہ شعر اپنی شاعرانہ تعلّی کے باوجود حقیقت کا آئینہ دار ہے اور یہی وجہ ہے کہ شہیدی نے گو کہ نعت میں بہت کم لکھا لیکن محسنؔ کاکوروی اور امیر مینائیؔ نے بھی اسی ایک قصیدے پر اپنے

---

۱؎ ایک جگہ کہتے ہیں:
شہیدی کشتہ ہوں ان صاحبوں کی قدردانی کا — سمجھتے ہیں کتاب آسمانی میرے دیوان کو

قصیدے لکھے۔ شہیدیؔ کی نعتیہ غزل صرف ایک ہے اور وہ بھی مشہور ہے:

ہے سورۂ والشّمس اگر روئے محمد ﷺ
واللیل کی تفسیر ہوئی موئے محمد ﷺ

جب روئے محمد ﷺ کی نظر آئی تجلّی
سمجھا میں شب قدر ہے گیسوئے محمد ﷺ

کم ساتھ ہوا روئے نکو خوئے نکو کا
ہے نیک مگر روئے صفت، خوئے محمد ﷺ

ہے سرمۂ کوری میں نہاں دیدۂ بد بیں
جس دن سے عیاں ہے رخ نیکوئے محمد ﷺ

ماہ نو شوال سے عاشق کو نہیں عید
جب تک نظر آ جائے نہ ابروئے محمد ﷺ

یعنی پوری غزل گیسو اور ابرو وغیرہ ظاہری محاسن کی تعریف میں ہے اور وہ اوصاف کہیں نہیں ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہوئے۔ مذہبی رنگ میں ایک رباعی بھی ہے:

عصیاں سے مرادست امل کوتہ ہے ہاں چشم شفیع کی طرف گہ گہ ہے
ذاکر کو ہے لاالہ الا اللہ کا شغل یاں ورد محمد رسول اللہ ہے

شہیدیؔ کو نعت کا شوق غالباً اس وجہ سے بھی ہوا تھا کہ وہ سید تھے، جیسا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت والے ایک[1] قصیدے میں اس طرح کہا ہے:

شہیدیؔ مصطفیٰ کا لاڈلا حیدر کا پیارا ہوں
مجھے کیا خوف ہے بردہ ہوں میں شاہ شہیداں کا[2]

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں دو قصیدے لکھے ہیں جن کے مطلع یہ ہیں:

یہ قدرت لقب ہے میرے کلک گوہر افشاں کا بیاض صنع لک سادہ ورق ہے میرے دیواں کا
مرا سینہ ہے بیشۂ بود باش شیر یزداں کا فضائے لامکاں سے قرب ہے میرے نیستاں کا

[2] شہیدیؔ کا یہ مقطع سید حسن غزنوی (المتوفی ۵۵۶ھ) کے مطلع سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ جو اس طرح ہے:

داند جہاں کہ قرۃ عین پیمبرم شایستہ میوۂ دلِ زہرا و حیدرم

غرض کہ نعت میں شہیدیؔ کی سخن گستری صرف اس قدر ہے۔ لیکن مقبولیت خدا کی دین ہے۔

**ذالك فضل اللّٰه يوتيه من يشآء**

مولوی کرامت علی شہیدی کے دیوان میں قصیدے، خمسے، غزلیں، رباعیات، مثنویاں اور قطعات بھی ہیں۔ فارسی شعراء میں فغانیؔ، بیدلؔ، جامیؔ اور حافظؔ وغیرہ کا ذکر ان کے کلام میں آتا ہے کہ ان کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن صرف جامیؔ کی ایک نعتیہ غزل پر نعتیہ خمسہ لکھا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

شہد ہمت سے بھی شیریں ہے مجھے تلخ   بادشاہی سے تو بہتر ہے مجھے رنج کشی
بے حبیبِ عربی ﷺ مدنی قرشی   عقل کل کو ہے تمنا مری دیوانہ وشی

که بود درد و غمش مایۂ صد عیش و خوشی

لیکن اردو شعراء میں سے شاہ نصیرؔ اور عطاء حسین عطاؔ کی ایک ایک غزل پر اور جرأت کی تین غزلوں پر خمسے[۱] لکھے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جرأتؔ سے شہیدیؔ کا رنگ زیادہ ملتا ہے گو کہ وہ جرأتؔ کی طرح نہیں ''کھلے'' تھے۔ بیدلؔ کا رنگ بھی وہ پسند کرتے تھے:

اس غزل کی نہ ملی داد شہیدی مجھ کو
زندہ اے کاش مرے عہد میں بیدل ہوتا[۲]

اس لئے لکھنؤ کے رنگ میں شہیدیؔ نے مشکل مضامین اور سنگلاخ زمینیں بھی اختیار کی ہیں۔ مثلاً:

''قمر کوٹھے پر''، ''شرر آتش''، ''رنگ و شمع''، ''دس کے''، ''پیراہن کے پھول'' وغیرہ وغیرہ۔

لکھنؤ کے خارجی رنگ کی بھی مثالیں بکثرت ہیں۔ مثلاً:

یقین ہے چاند کا دھوکا پڑے گا چہرے پر
ہے آج اس کے دوپٹے کا آسمانی رنگ

---

[۱] ایک خمسے میں ترجیہی مصرع یہ ہے:

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

یہ وہی مصرع ہے جو خلافت کے زمانہ میں بہت مشہور تھا۔

[۲] جامیؔ کے متعلق کہتے ہیں:

مرشد جامؔ سے ہر دم ملے انعام شراب   لکھ شہیدیؔ وہ غزل جس کے صلے میں تجھ کو

ننھے ننھے ہاتھوں پر کافی ہے گل مہندی کا رنگ
تو ابھی نادان ہے، کیا مہندی لگانا چاہیے

دکھایا اپنا روئے آتشیں جب اس بھبھوکے نے
گماں بالی کی مچھلی پر ہوا مجھ کو سمندر کا

بعض مرتبہ ایک ہی غزل میں کئی شعر اس رنگ کے نظر آ جاتے ہیں:

وہ پری پہنے تھی کل رات طلسمات کا ہار
میں نے بھولے سے لیا اس کو جو چھو، ٹوٹ پڑا

صبح تک خوار پھرا شہر میں کانٹے کے لئے
رات زاہد کا کنویں میں جو سبو ٹوٹ پڑا

لیکن اسی رنگ میں کہیں کہیں اچھے شعر بھی نظر آ جاتے ہیں:

دن رہائی کے قریب آئے شہیدؔی شاید
خود بہ خود آج مرا طوقِ گلو ٹوٹ پڑا

شہیدؔی کثرت عصیاں سے مجھ کو خوف آتا ہے
سفر ہے دور کا اور دوش پر بار گراں باندھا ہے

## حکیم مومن خاں مومنؔ

حکیم مومن خاں مومنؔ ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء میں دہلی کے کوچہ چیلان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حکیم غلام نبی خاں اور دادا کا نام حکیم نامدار خاں تھا۔ مومن کے کان میں اذان شاہ عبدالعزیز نے دی۔ اور نام بھی مولانا نے رکھا۔ گھر والوں نے حبیب اللہ نام رکھنا چاہا مگر مشہور مومنؔ ہی ہوا۔

ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ پھر حضرت شاہ عبدالقادر کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ مومنؔ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے خود بھی حافظہ کی تعریف کی۔ درسیات سے فارغ ہو کر علم طب اپنے والد اور دونوں چچا حکیم غلام حسین خاں اور غلام حیدر خاں سے حاصل کیا۔ مومن علم نجوم اور رمل میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ شادی خواجہ محمد نصیر رنجؔ کی بیٹی سے ہوئی۔ جن سے ایک لڑکی ۱۲۵۹ھ میں پیدا ہوئی۔ مومنؔ نے ۵۱/سال کی عمر پائی۔ ۱۲۶۸ھ

۱۸۵۱ء میں انتقال ہوا۔ موت کوٹھے سے گرنے کے باعث واقع ہوئی۔

حکیم مومن خاں مومنؔ کی نعتیہ شاعری میں ایک قصیدہ، ایک تضمین ایک مثنوی اور چند رباعیاں ملتی ہیں۔ آغاز غزلیات میں حمد کے ساتھ چند نعت کے شعر بھی کہے ہیں۔

مومنؔ نے اپنے نو قصیدوں میں سے ایک حمد میں ایک نعت میں اور چار خلفائے راشدین کی مدح میں کہے ہیں۔ اصحاب رسول کی مدح میں ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ حمد میں بھی وہی صورت ہے۔ اس لحاظ سے مومنؔ کی شاعری میں نعتیہ کلام کی کمی نہیں ہے۔

اپنی چند خصوصیات کی بناء پر مومنؔ تغزل میں فرد ہیں۔ ان کے تغزل میں شاہد مجازی پر والہانہ فریفتگی انفرادی شان میں ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ شاعر اپنے ذاتی جذبات اور تجربات سے تخیل کو فروغ دیتا ہے۔ اس کی علمیت اور درد اس کو اور نکھار دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ عشق مجازی کی باتیں ہیں۔ جب مومنؔ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی جذبۂ عشق کو لئے ہوئے پہنچتے ہیں تو جذبات کو روکتے ہوئے طوفان کو سمیٹتے ہوئے، جمال عالم افروز کے جلال سے کانپتے ہوئے، باادب باملاحظہ نغمہ سنجی کرتے ہیں۔ شاعر غلام اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حدود کو پہچانتا ہے اور اس کا احساس بھی شدت سے رکھتا ہے۔ وہ فقط ایک نظر کرم کے لئے بے چین ہے اور بس یہی اس کے عشق کا حاصل ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق زارا اپنے اس جذبۂ خلوص وعقیدت سے تعبیر کرنا بھی اس بارگاہ کے آداب کے خلاف سمجھتا ہے۔ مومنؔ کی نیازمندی آقائے نامدار پر قربان ہو کر بھی عشق ومحبت کے دعوے کو بے ادبی خیال کرتی ہے:

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی
میں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت وہ نبی ﷺ

یا نبی ﷺ یک نگہ لطف بہ امی و ابی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی [۱]

بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال اور شاعر کے شوق کا تلاطم اس کے حواس کو پراگندہ کر دیتا ہے اور وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ کن الفاظ میں خلوص وعقیدت کا یہ ہدیہ پیش کرے۔ ثنائے

---

[۱] کلیات مومنؔ: تضمین بر غزل قدسی در نعت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ صفحہ: ۲۴۰

نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ آپ کو تہی داماں پاتا ہے اور اسے انتہائی مدح کے لئے بہتر سے بہتر الفاظ پر بھی ذم کا شبہ ہوتا ہے کہ وہ بڑی بارگاہ ہے:

جوش میں شوق کے کچھ یاد رہی مدح نہ ذم
یہ نہ سمجھے کہ یہ کیا جائے ہے اور کیا ہیں ہم
خودستائی ہے زبس رسم فصیحان عجم
نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی[۱]

شاعر ہجر کا مضمون باندھتا ہے تو منتخب الفاظ کے ساتھ۔ وصل کے مفہوم کو ''منزل مقصود'' کی ترکیب میں بیان کرتا ہے۔ بے پایاں شوق کے ساتھ، سلجھی ہوئی ترکیبیں سلجھا ہوا انداز ملاحظہ ہو:

دشت عالم میں سراسیمہ گزاری اوقات ۔۔۔ آج تک منزل مقصود نہ پائی ہیہات
مددا‌ے خضر کرامت کہ نہیں پائے ثبات ۔۔۔ ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
لطف فرما کر زحدی گزرد تشنہ لبی۔[۲]

نخل بستان مدینہ کی سرسبزی میں مومنؔ کا منطقی بیان بھی قابلِ داد ہے:

صاحب خانہ سے ہوتا ہے مکاں کا اکرام ۔۔۔ وہی جنت ہے جہاں میں ہو جہاں تیرا نام
آب ہر چشمہ کرے کوثر و تسنیم کا کام ۔۔۔ نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

مومنؔ نے ایک نعتیہ قصیدہ کہا ہے جس کے ۹۷ اشعار ہیں۔ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس ۔۔۔ کہ جیسے صبح شب ہجر نالہائے خروس

امیرؔ مینائی نے بھی اسی زمین میں ایک قصیدہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلے میں لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

نشاط دہر سے ہو کس طرح نہ دل مایوس
کہ چار دن کی یہ مہمان ہے مثل شمع عروس

---

۱؎ کلیات مومنؔ: تضمین بر غزل قدسی در نعت سرور عالم صلی اللہ وسلم۔ صفحہ-۲۴۱
۲؎ کلیات مومنؔ: تضمین بر غزل قدسی در نعت سرور عالم صلی اللہ وسلم۔ صفحہ-۲۴۱

مومنؔ کے قصیدے میں تمہید بہاریہ ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں:

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبح شب ہجر نالہائے خروس

ہے اس طرح فرح انگیز کوکوئے قمری
کہ جیسے فوج مظفر کو شور و غلغل کوس

نوائے طوطی شکر فشاں کی لذت سے
سماع و رقص میں اہل مذاق جوں طاؤس

غبار صحن چمن کیمیائی عیش و نشاط
بہار لالہ و گل سیمائے عرض سموس

صفا سے وہ در و دیوار باغ کا عالم
کہ آشیانہ میں دشوار طائروں کو جلوس

قصیدے کی تمہید میں شاعر نے بہار کا سماں باندھ کر سرسبزی اور شادابی کا فروغ بتایا ہے۔ چمن کی شگفتگی کو روضۂ جنت سے بھی شگفتہ تر دکھایا ہے۔ یہاں تک کہ ہوائے سیر چمن زار کی مستی نے خلق کو بے تاب کر دیا ہے۔ شاعر شراب و مستی کے مضمون کو لے کر نعت کی طرف گریز کی راہ تلاش کرتا ہے اور بہار کی اس ہوا کا سر رشتہ آخر مدینہ سے جوڑتا ہے:

عجب ہوا ہے کہ فیض ہوا سے ہوتا ہے
شکم میں خستہ کے نشو و نما ہے اصل السوس

غریق آب خجالت ہوا کے فیض سے ہوں
کہ گل ہوا ہے مرا غنچۂ دل مایوس

ہوا ہے کونسی ایسی مگر مدینہ کی
دم مسیح کو ہے جس کی حسرت پا بوس

شرف مدینہ کو جس سے ہے ہو نہ ہو وہ ہوا
جسے بناتے ہیں محبوب حضرتؐ قدوس

جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا
نہ دیتی دل کبھی یوسف کو دختر طیموس

جو شمع بزم کہوں اس کے روئے تاباں کو
کنعان وہ ماہ بنے نور شعلۂ فانوس

وہ کون احمد مرسل شفیع ہر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس

جہاں مطاع شہنشاہ آفتاب نشاں
فلک سریر قمر طلعت فلک ناموس

نعت میں حسن تعلیل بکثرت ہے جو شاعر کی بلند تخئیل کا آئینہ دار ہے۔

خمیدہ کس لئے نہ آسمان بنے تھے بھلا
نہ تھا ازل سے جو مد نظر ترا پا بوس

بہا میں دیتی ہے ماہی دفینہ ہائے زمین
یہ بڑھ گئی ترے سکے سے قدر تا بفلوس

ہے احتساب ترا مانع لباس حریر
نہ پھینک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس

مومنؔ نے قصیدہ میں طبی اصطلاحیں بھی استعمال کی ہیں مثلاً کابوس، طبیب، معالج، جالینوس، ابلاؤں، اقیوس وغیرہ۔

باقی قصیدہ عام قصیدوں کے رنگ میں ہے۔ شاعر نے اپنا مدعا یوں پیش کیا ہے:

شہا ستم ہے کہ تیرے مدیح خواں پہ کرے
ہزار گو نہ ستم روزگار ناموس
کچھ انتہا بھی کواکب کے دور بے جا کی
ہمیشہ ہے میرے طالع میں اجتماع نحوس

شکایت زمانہ کے ساتھ اپنے جوہر خداداد یعنی علوم وفنون کے خاک میں ملنے پر ماتم کیا ہے اور پھر تین دعائیہ اشعار پر قصیدے کو ختم کیا ہے:

خدا کے واسطے گرم دعا ہو بس مومنؔ
کہ منتظر ہے ازل سے اجابت قدوس

ہے جب تلک گل و بر قسمت نہال و شجر
ہے جب تلک دل لالہ میں داغ حسرت دوس

مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخل مراد
رہینِ داغ عدو کار ہے دل مایوس

مومنؔ کے قصائد میں علمی شان اور تخیل کی بلندی پائی جاتی ہے۔ وہ مشکل زمین میں اچھے مضامین پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

الفاظ اور ترکیبیں متانت سے خالی نہیں ہیں۔ ساتھ ہی مومنؔ نے جو قصیدے لکھے وہ کسی منفعت کے خیال سے نہیں لکھے۔ اس لئے ان میں خلوص اور اثر پایا جاتا ہے۔ نو قصیدوں میں صرف دو مدحیہ ہیں جن میں ایک تو نواب ٹونک کی دعوت کے جواب میں اعتذار لکھا اور دوسرا راجہ اجیت سنگھ برادر راجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ کے ہدیہ اور عزت افزائی کے شکریہ کے طور پر لکھا۔

مومنؔ نے مثنویاں مختصر اور عشقیہ لکھی ہیں۔ جن میں واردات قلبی کا زیادہ بیان ہے جو حقیقت حال کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صحیح جذبات کی ترجمانی اور محاکات کی نادر مثالیں جو مومنؔ کی مثنوی میں ملتی ہیں وہ نہایت بدیع ہیں اور مومنؔ کی مثنوی نگاری کا یہ پہلو نمایاں ہے اور روشن ہے۔ یہاں موضوع کا لحاظ کرتے ہوئے صرف اس مثنوی سے بحث کی جاتی ہے۔ جس میں حمد و نعت کا مضمون بیان کیا گیا۔ اس مثنوی میں مومنؔ نے حمد کے بیان کو ساقی نامے سے ملا دیا ہے اور شراب وحدت کے مضمون کو خوب پھیلایا ہے۔ ساتھ ہی انبیاء کرام کی مدح بھی شامل ہے:

وہ مے جس کا ساقی لب مرسلیں — وہ مے جو مزا دے دم واپسیں
وہ مے جو پئے درد عیسیٰ دوا — وہ مے جس سے محروم اہل ہوا
وہ مے جس سے روح الامیں کامیاب — وہ مے جس کو قدسی کہیں آفتاب
وہ مے جس سے سرشار جام فلک — وہ مے جس سے شیریں ہے کام ملک
وہ مے جس کی موجیں تجلیٔ طور — وہ مے جس کے کف مہر و مہ کا ظہور

وحدت کے مضمون میں شان تنزیہ کا بیان اس طرح ہے:

گل گلستان تنزہ نسیم — نسیم ریاض تقدس شمیم

بہار چمن زار بے رنگ و بو تبسم دہ غنچہ آرزو
ہیولیٰ طرازندہ جز و کل نگارندۂ صورتِ خار و گل

حمد نہایت طویل ہے۔ نعت بھی ساقی نامے سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن براعت الاستہلال سے معنویت کا پتہ فوراً چل جاتا ہے۔ اس مثنوی میں نعت کے ۸۳/اشعار ہیں:

پلا ساقیا جام کوثر مجھے خراب شراب ہدیٰ کر مجھے
وہ ذوق آشنا لذت افزا شراب کہ تسنیم ہو شرم سے جس کی آب
وہ مے جو کرے لوث عصیاں کو دور کہے جس کو خالق شراب طہور
وہ مے جس کی حور و ملک تشنہ کام وہ مے جو سوا احمدی کے حرام

وصف مے کے بعد شاعر نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گریز کرتا ہے:

خراب شراب سخن ہو قبول بنوں مے فروش ثنائے رسول ﷺ
محمد ﷺ سزائے ستائش گری مدح آفریں جس کی پیغمبری
دل ساکنان سپہر بریں سر انبیاء سید المرسلیں ﷺ
وہ امی و لے نقش بند علوم کلام اس کے سب دلپسند علوم
وہ کیسے فنون اس کو حاصل ہوئے کہ سارے صحف نقش باطل ہوئے

نعت میں مومن نے قرآن اور حدیث کے مطالب کو نہایت خوبی سے نظم کیا ہے۔ شفاعت اور اطاعت کے مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے:

وہی شافع خلق روز جزا اُسی کی گذارش پہ عفو و سزا
نکو خواہ ساری اُمم کا وہی وسیلہ نجات و کرم کا وہی
وہ ہے ساقی کوثر و سلسبیل وہ ہے آبرو بخش عبد ذلیل
اسی کے مقلد کو جنت میں راہ اس کی ضراعت پہ عفو گناہ
اسی کی اطاعت کا سارا حساب محبّ پر عنایت عدو پر عذاب
نہ کیجیے اگر حُبِّ شرع رسول ﷺ خدا کی بھی طاعت نہ ہووے قبول

مومن بیان کو منطقی رنگ دے کر دلیل سے اسے نہایت قوی اور ذہن نشیں بنا دیتے ہیں۔ اس مضمون کو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد کا سایہ نہ تھا، قوی دلائل کے ساتھ باندھا ہے

اوراس ایک مضمون میں کئی مضامین پیدا کئے ہیں:

جو وہ اوج ہو جلوہ گر پھر کہاں
ستاروں کی تاب آسمانوں کی شان

یہ تابش میں انجم کا پا یہ نہیں
کہ ان کے ہے ظل اس کے سایہ نہیں

کدورت کہاں جسم اطہر ہے وہ
کہ نور مجرد کا مظہر ہے وہ

نہ ہونے میں سایہ کے کیا بات ہے
یہ ادراک فخر کرامات ہے

نہیں یہ پذیرائی طبع سلیم
کہ حکمت سے خالی ہو فعل حکیم

تگا پوئے اندیشۂ چرخ ناز
رہے پائے بند طریق مجاز

حقیقت کھلی کچھ نہ اس بات کی
عبث سعی میں صرف اوقات کی

مگر جب خدا ہی سے کی التجا
تو ہاتف نے پیرِ خرد سے کہا

کہ اے نکتہ سنج سراپا شعور
نہ ہونا تھا سایہ کا اس کے ضرور

رہے تا شریروں کو باہم اجل
نظام جہاں میں نہ آئے خلل

اگر وہ سبب خلقِ افلاک کا
تو سایہ بھی باعث ہے اہلاک کا

اگر ذات وجہِ وجود امم
تو سایہ ہے آباد ملکِ عدم

کیا عقل کل سے فلک نے سوال
کہ ہے مصدر گونہ گونہ کمال

محمد ﷺ کے سایہ نہیں کیا سبب
کہا اس نے مت پوچھ اس کا سبب

نہیں راز یہ قابل اظہار کے
کہ اصرار ہیں حفظ اسرار کے

ہوا جب کہ بہر ہدایت ضرور
کہ ہو جلوہ فرما زمیں پر وہ نور

گوارا نہ تھا بسکہ ہونا جدا
رہا سایہ حاضر حضور خدا

سائے کے مضمون سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ قدس میں محبوبیت کا مضمون پیدا کرنے میں مومنؔ نے جو کمال دکھایا ہے اس کی مثال نعت گو شعراء کے یہاں کم ملتی ہے شاعر نے بیان کی تمثیل کا رنگ دے کر نہایت دلنشیں اور دلآ ویز بنا دیا ہے:

یہ ہے رسم تجھ کو نہیں کیا خبر — کہ رکھ چھوڑتے ہیں زمان سفر
مصور سے کھنچوا کے تصویر یار — برائے سکون دل بے قرار
مرے دل کی پوچھو تو ہے بات اور — یہ فکر اور سب کے خیالات اور
غلط یہ کہاں ذہن کا کام ہے — خود انصاف کیجیے تو الہام ہے
زبس سایہ تھا ہم شمار گناہ — نہ حاصل ہوا قرب عصمت پناہ

مومنؔ نے قرآن اور حدیث کو پیش خاطر رکھتے ہوئے تمنائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جو نغمہ سنجی کی ہے وہ ان کی عالمانہ اور شاعرانہ دونوں کمالوں کی آئینہ دار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقیدت کی فراوانی کے باوجود انتہائی خلوص کے اظہار کے وقت بھی کلام میں کہیں بے اعتدالی نہیں پائی جاتی:

مثبت فقط قول جن و بشر    گواہ نبوت شجر تا حجر
مطاع دوجہاں و مطیع الٰہ    سرفراز عبد جہاں بادشاہ
بہار ازل خاتم المرسلین    گل اولین و بر آخرین
کروں کس طرح میں شمار صفات    کہ ممکن نہیں انحصار صفات
کہاں میں کہاں مدح خیر الانام    علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام

## راجہ مکھن لال مکھنؔ

دکن کے اُردو شعراء میں راجہ مکھن لال کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہ مہاراجہ چندولال (حیدرآباد) کی طرف سے عرض بیگی تھی۔ ۱۲۶۰ھ میں عمر خیام کی رباعیات کا منظوم ترجمہ رباعیات میں کیا۔ ان کا یہ کارنامہ ان کی علمی قابلیت اور شعری صلاحیت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ راجہ مکھن لال کے شعری کارناموں میں ان کا نعتیہ کلام بھی ہے۔ ان کا زیرِ نظر قلمی دیوان کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ جس میں حمد، نعت اور منقبت پائی جاتی ہے۔ اس مجموعے میں نعت زیادہ ہے۔ حضرت معین الدین چشتی اور حضرت عبدالقادر جیلانی کی مدح میں جو کلام ملتا ہے اس سے ہر دو بزرگوں کے ساتھ عقیدت کا ثبوت ملتا ہے۔ نعت کے بعد حضرت محبوب سبحانی کی شان میں مکھنؔ نے زیادہ لکھا ہے۔ فارسی اور اُردو دونوں میں نعتیہ اشعار ہیں۔ کہیں کہیں ایک ہی نظم میں فارسی اور اردو اشعار ملے جلے پائے جاتے ہیں۔

زیرِنظر دیوان کے دو حصے ہیں۔ حصہ اوّل ۴۸/صفحات پر مشتمل ہے اور حصہ دوم کے ۵۲/صفحات ہیں جن میں زیادہ تر کلام فارسی میں ہے۔ اُردو نعت حصہ دوم میں نہیں ہے۔ حصہ اوّل میں ۴/مسدس ہیں۔ پہلے مسدس کے ۱۷ بند ہیں۔ دوسرے کے ۱۸، تیسرے کے ۲۹، اور چوتھے کے ۳۰/بند ہیں۔ تیسرے مسدس کے ابتدائی ۱۶/بند غائب ہیں۔ سولھویں بند میں صرف آخری مصرع درج ہے۔ ان کے علاوہ ایک مثمن اور نعتیہ تضمین ہے۔ اردو کی نہ تو کوئی نعتیہ غزل ہے اور نہ رباعی۔

راجہ مکھن لال ان غیر مسلم نعت گو شعراء میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں جنھوں نے اپنے

نعتیہ کلام میں رسالت مآب سے انتہائی خلوص اور عقیدت کا اظہار کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت میں پناہ کی امید باندھی ہے۔ مکھنؔ کا کلام اس قسم کے مضامین سے پُر ہے۔ شاعر جگہ جگہ اپنے حالِ خراب کی چارہ گری کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو پکارتا ہے اور جب نالہ وفریاد کے ساتھ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچتا ہے تو نہایت ادب واحترام کو ملحوظ رکھتا ہے:

صبح دم دل نے مجھ کو کر تعلیم — یوں کہا جاگ (اے) گناہگار اثیم
بسکہ تو نے کیا ہے جرم عظیم — جا پکڑ دامن شفیع رحیم
عرض کر بندگی بصد تعظیم — بول اپنا پکار حال سقیم
کر مدد مجھ پہ یا رسولِ کریم — تا نہ دیکھوں عذاب نار جحیم[۱]

شاعر نے فراق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیقراری اور التفائے حبیب کے لئے بے چینی کا اظہار اس طرح کیا ہے:

نہیں مجھ پر فراغت تا کہ میں پہنچو مدینے کو
رکھوں آنکھوں کے خاتم بیچ اس نوری نگینے کو
نپٹ اس آرزو میں تلخ میں سمجھا ہوں جینے کو
جو حاصل ہووے مطلب تم بتاؤ اس قرینے کو
نہ باشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ ﷺ
بکن لطف وکرم بر اشک وآہم یا رسول اللہ ﷺ[۲]

......

یہی ہے آرزو دل میں کہ دیکھوں یثرب وبطحیٰ
کرم سے یا نبی اللہ مجھے اوس جا پر پہنچا
کروں تا خاک تجھ درگاہ سے کحل البصر اپنا
اوس خاک مرتب بخش میں مدفن بنے میرا

---

[۱] دیوانِ اوّل، مکھن لال، صفحہ-۱۳
[۲] دیوان مکھن، صفحہ-۴، ۵

نباشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ ﷺ
بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہ ﷺ [1]

اوصاف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان:

حمید و احمد و محمود تم ہو یا رسول اللہ ﷺ
سعید و اسعد و مسعود تم ہو یا رسول اللہ ﷺ
بہر آن و زمان موجود تم ہو یا رسول اللہ ﷺ
دل و جان کے میرے مقصود تم ہو یا رسول اللہ ﷺ
نہ باشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ ﷺ
بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہ ﷺ [2]

جہاں مکھنؔ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے داخلی جذبات کا اظہار کیا ہے وہاں آپ کے محاسن کا بیان بھی ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ ان محاسن میں داخلی اور خارجی دونوں ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل قرآن رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، ہادی راہ ہدیٰ وغیرہ حقیقی اوصاف کا بیان ہے۔ مکھنؔ بارگاہِ نبوی میں معروضہ بھی پیش کرتے ہیں تو ان اوصاف کا واسطہ دیتے ہوئے، احسان کا ذکر کرتے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمتِ عالم ہونے کو سہارا بناتے ہوئے۔ نعتیہ مسدس کے چند بند نمونۃً پیش کئے جاتے ہیں جن سے کلام کی جملہ خصوصیات واضح ہو جائیں گی:

کیا نبی ﷺ اور کیا نبوت کی معلیٰ شان ہے — جس کی صورت سے ہویدا صورت رحمٰن ہے
ذات جن کی دو جہاں میں منبع احسان ہے — مدح میں ان کی مقصر طاقت انسان ہے
یا رسول اللہ ﷺ تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے

رحمۃ اللعالمین ہو یا نبی خیر الورا — شاہد صادق تمہارے وصف کا قول خدا
ہو شفیع المذنبین اور ہادی راہ ہدا — کر کرم راہ سعادت پر مجھے ہو رہنما

---

[1] دیوان مکھنؔ۔ صفحہ۔۳
[2] دیوان مکھنؔ۔ صفحہ۔۴

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے

سورۃ والشمس ہے تجھ حسن عارض پر گواہ — زلف مشکیں تھی پہ جیوں واللیل ہے بے اشتباہ
آیۂ انا فتحنا فتح میں ہے شمع راہ — قاتل حساد دیں تم ہو تیغ لا الہ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے[1]

ہیں تمہارے نور کے یک ذرہ ماہ و آفتاب — بہرور تجھ خوان بخشش سے ہے دریا اور سحاب
انبیائے ماسلف تم سے ہوئے ہیں فیضیاب — رحم کر مجھ حال اوپر یا اخی بو تراب

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے[2]

## لطف علی خاں لطف

دیوان لطف ۱۲۷۹ھ میں مطبع نظامی کانپور میں چھپا تھا۔ لیکن اس سے پہلے بھی اس دیوان کا ایک ایڈیشن مطبع گلشن محمدی لکھنؤ میں چھپا تھا۔ موخر الذکر کے دیباچے میں یہ عبارت ہے:

"................. یہ بندہ گنہگار امیدوار مغفرت ایزد غفار حاجی محمد قمر الدین ولد نظام الدین ابن عظیم الدین...... قوم کمبوہ۔ مسکن و مولد۔ شہر بانس بریلی۔ مرید حضرت سبحان شاہ صاحب زید اللہ عرفانہ قادریہ ونقشبندیہ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب وعبدالرشید صاحب نقشبندیہ کا ہے اور گیارہ برس سے بوجہ نسبت فرزندی بخاندان نواب مبارک علی خاں صاحب میرٹھ میں رہتا ہے۔ اس عاجز نے حسبِ اجازت مولوی حافظ محمد لطف علی خاں صاحب لطف بریلی، مطبع آئینہ اسکندر میں چھ سو پچیس جلدیں دیوان لطف کی چھپوائیں۔ جس نے دیکھا پسند کیا بجان و دل خریدار ہوا اور میں اس کی برکت سے مشتاق زیارت مکہ و مدینہ ومنورہ ہوا۔ مگر چونکہ سرمایہ نہ رکھتا تھا بطور وظیفہ مناجات مرقومۃ الذیل کو پڑھنا شروع کیا۔ مناجات دیوان لطف:

شفیع الورا یا شفیع الورا — مجھے بخشوا یا شفیع الورا

---

[1] دیوان مکھن، صفحہ-۲۰، ۲۱

[2] دیوان مکھن، صفحہ-۲۲

چندر روز میں اثر ہوا کہ حسن اتفاق سے مولوی حاجی محمد علی خاں صاحب تحصیلدار کوڑا جہان آباد ضلع فتح پور سے وہ ایک سال کی رخصت لے کر مکہ معظّمہ جانے کو تیار ہوئے۔ یہ عاجز بھی مع والدہ وہمشیرہ ہمرکاب جناب ممدوح الالقاب ہوا اور وہ میرے کفیل اور مددگار رہوئے۔ فتح پور سے کلکتہ تک بسواری شکرم اسپ اور وہاں سے جہاز میں..........ایک نسخہ دیوان لطف کا داخل بیت اللہ شریف میں کرا کے اور ایک جلد کتب خانے میں بھی دیوان کی رکھ کر مدینہ شریف کو روانہ ہوا۔ بارہ روز میں بزیارت روضۂ منور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرف ہوا۔ ایک دیوان لطفؔ کو کتب خانہ اور ایک جلد کو داخل کرا کے ہمراہ لایا۔ یہ دیوان لطفؔ مطبوع عام و مقبول انام ہوا..........''

اس مطبع گلشن محمدی لکھنؤ کے ایڈیشن کے آخر میں یہ عبارت ہے:

''ایں دیوان در نعت شریف سرورِ دو جہان محبوب رب العالمین۔ تصنیف محمد علی لطف خاں عاشق ومعشوق یزدان۔ ساکن بریلی محلّہ سوداگران۔

قطعہ تاریخ از مصنف:

رسول اللہ ﷺ کی مدحت سے اے لطفؔ　　مرتب نعت کا دیوان ہوا آج
صدا یہ غیب سے آتی ہے پیہم　　مرتب نعت کا دیوان ہوا آج

۱۲۷۰ ہجری

صاحب شعرالہند لکھتے ہیں کہ ''قدماء کے دَور میں نعت ومنقبت کے لئے صرف قصائد مخصوص تھے اور مومن اور غالبؔ نے انہی کی تقلید کی۔'' (شعرالہند حصہ دوم صفحہ-۱۹۳)۔ اگر اسے اس طرح کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ اس دور میں نعت اور منقبت کے مضامین زیادہ تر قصائد میں بیان کئے جاتے تھے، اس لئے کہ سوداؔ کے یہاں ہم نعتیہ غزل بھی پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مثنوی کی تمہید میں نعتیہ اشعار ایک دو نہیں مستقل نعت کے طور پر ملتے ہیں۔ مومنؔ نے بھی تقلیداً نعت میں نہ صرف قصیدہ کہا بلکہ مثنوی، تضمین اور رباعیاں بھی لکھی ہیں۔ البتہ جن شعراء نے نعت کو اپنے کلام میں مستقل حیثیت دی اور اس میں وسعت پیدا کی وہ غلام امام شہیدؔ کے ساتھ لطف علی خاں لطفؔ ہیں۔ لطفؔ نے نعت گوئی کو شاعری کے لئے مخصوص کر لیا۔ چنانچہ تذکرہ مہر جہاں تاب میں لطفؔ کے بارے میں لکھا ہے۔ ''ودیوانش بتما مہا درنعت'':

لطفؔ یہ شہرت ہوئی حاصل بدولتِ نعت
ہر کوئی کہتا ہے کہ مداح رسول اللہ ﷺ ہے[۱]

لطفؔ نے غزلیں زیادہ لکھی ہیں۔ جن کی تعداد ۱۰۲ ہے۔ ان کے علاوہ ۹۷-اشعار کا ایک طویل سراپا ہے۔ نیز ایک خمسہ اور قطعہ ان کے دیوان میں شامل ہے۔ دیگر نعت گو شعراء کی طرح لطفؔ نے نعتیہ کلام کے ساتھ منقبت کو بھی شامل کیا ہے۔ چنانچہ ان کے دیوان میں خلفائے راشدین اور پنجتن کی منقبت میں کئی اشعار ملتے ہیں۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی عقیدت مندی کا اظہار ہے۔ لطفؔ کی شاعری کا موضوع تمام تر نعت رہا ہے اور جو مناسبت طبعی انہیں وصف رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے رہی ہے۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے کلام میں جا بجا کیا ہے۔ مثلاً:

میری وہ فکر رسا ہے وہ ہوں طبیعت دار ازل کے روز سے لکھتا ہوں نعت کے اشعار[۲]

......

روز ازل ہی لکھ گیا تقدیر میں میری مداح ہوگا شافع روز شمار کا[۳]

۱- لطفؔ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ''حقیقت میں شاعر کی نعت گوئی کیا ہے یہی نفحات عشق ہیں:

اے لطفؔ نعت گوئی میں یہ مرتبہ ہوا مجھ کو حصول عشق حبیب خدا ہوا
عشق ہے اے لطفؔ مجھ کو احمد مختار سے شغل ہے دن رات نعت سید ابرار سے[۴]

پھر نعت گوئی کی توفیق کو بھی الطاف قدسی کا نتیجہ قرار دیا ہے جو اس بارگاہ کی بڑی دین ہے۔

لطفؔ الطاف خدا ہوتا ہے جس شاعر پر بخدا ہے وہی مداح پیمبر ہوتا[۵]

لطفؔ کو نعت گوئی کے سہارے کیا کیا امیدیں وابستہ ہیں:

دیکھنا راضی ہی کرلوں گا خدا کو اے لطفؔ حشر کے روز محمد ﷺ کی سنا کر تعریف[۶]

---

۱ دیوان لطفؔ۔ سراپائے آں سرورِ کائنات۔ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی ۱۳۰۱ھ، صفحہ-۵۵
۲ دیوان لطفؔ۔ سراپائے آں سرورِ کائنات۔ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی ۱۳۰۱ھ، صفحہ-۵۸
۳ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳
۴ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۳
۵ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۱۰
۶ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳۲

جہاں جذبۂ عشق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وابستگی کا دعویٰ ہے وہاں اس بارگاہ کی عظمت کے پیش نظر یہ خیال بھی ہے کہ دعویٰ غلامی بھی کیوں کر کیا جائے:

محبوب خدا ہے وہ رسولوں کا نبی ﷺ ہے
دعوائے غلامی بھی وہاں بے ادبی ہے[۱]

لطفؔ نے ثنائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے عجز کے مضمون کو اکثر نظم کیا ہے:

داب لی ہے منھ میں اپنے صورت غنچۂ زبان
ہم نے قرآن میں ترے وصف وثنا کو دیکھ کر[۲]

اگرچہ وصف پہ اس کے ہر اک کو ہے اصرار
مگر ہوا ہے نہ پورا نہ ہو کبھی زنہار[۳]

وہ ہے مدیح خدا اس کا ہے خدا مداح
بشر کی جان لکھے نعت سیّد ابرار

خداوند دو عالم ہے تیرا مداح قرآن میں
تیری تعریف لکھنے کی کہاں طاقت ہے انسان میں

خالق ارض و سما آپ ہو جس کا مداح
ایسے ممدوح کی ہو عبد سے کیونکر تعریف[۴]

لطفؔ نے مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شاعری کے لئے کیوں مختص کیا، اس کا جواب ان کے کلام میں ملتا ہے۔ انہوں نے طبع کی اس میلان کو ظاہر کرتے ہوئے شیفتگی کے مضمون اور عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے صلے کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے:

طبع کہتی ہے کہ وصف قد بالا کیجیے
طائر سدرہ سے اب بحث کا دعویٰ کیجیے

---

۱؎ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۲
۲؎ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۲۴
۳؎ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۲۵
۴؎ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳۲

روز و شب مدحت صحرائے مدینہ کیجیے
خلد میں رہنے کی صورت کوئی پیدا کیجیے
سر کے بل ہند سے اب قصد مدینا کیجیے
بخت برگشتہ کو اس راہ سے سیدھا کیجیے
دل میں عشق رخ پر نور کو پیدا کیجیے
زنگ آلودہ ہے آئینہ مصفّا کیجیے
کیا ہی پیارا ہے ترا نام خدا اسم شریف
حرز جاں کیجیے تعویذ گلے کا کیجیے
جس نے سونگھا عرق جسم معطر یہ کہا
عطر یہ سونگھئے خوشبو یہ لگایا کیجیے
جیتے جی آتش دوزخ ہے بجھانی گر لطفؔ
یاد میں احمد مختار ﷺ کی رویا کیجیے[۱]

شہیدیؔ کی تمنا کی باریابی اور اس کی اجابت شاعر کی عاقبت بالخیر کا حیرت انگیز اور قابل رشک ثبوت ہے۔[۲] اکثر نعت گو شعراء نے شہیدیؔ کے مقدر کی کامرانی پر رشک کے مضامین باندھے ہیں۔ لطفؔ نے بھی اس کا اظہار اس شعر میں کیا ہے:

پہنچا نہ آپ کے درِ اقدس تلک یہ لطفؔ　　　ہیہات مرتبہ نہ شہیدیؔ عطا ہوا[۳]

شاعر کی دعائے اجابت بھی اس وابستگی کا اظہار ہے:

فقط امید اجابت پہ ہے ثنا خوانی　　　قبول ہوں میرے اشعار یا رسول اللہ[۴]

---

۱ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۱

۲
تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

خدا جانے شہیدیؔ نے یہ شعر کس کیف و جذب اور خلوص میں کہا تھا کہ ۴ر صفر ۱۳۵۶ھ کو ان کی یہ تمنا پوری ہوئی۔ جب وہ حج کر کے ایسے مقام پر پہنچے کہ جہاں سے روضۂ اقدس نظر آ رہا تھا تو انہوں نے حسرت سے نظر ڈالی اور طائر روح نے پرواز کی۔

۳ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۶　　　۴ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۴۶

۲-مومن کی طرح لطفؔ نے اپنے تخلص سے اکثر فائدہ اٹھایا ہے اور اس کی مناسبت سے مضمون باندھا ہے۔ مثلاً:

نبی ﷺ کی مدح کرنے کے قابل نہ تھی میری زباں ہرگز
مگر اے لطفؔ یہ لطف خدا لطف پیمبر ہے[۱]

اب لطف بات تب ہے کہ میدانِ حشر میں
خالق کہے کہ لطفؔ ہے دیوانۂ رسول ﷺ[۲]

تصور سے عجب ہی لطف میں ہے لطفؔ ان روزوں
کہ ہے وصل نبی ﷺ حاصل اسے شبہائے ہجراں میں

بخدا لطف بڑا لطف ہو گر جنت میں
کفش برداری حضرت ﷺ کی ہو خدمت ہم کو[۳]

لیکن جیسا کہ کلام کے نمونے سے ظاہر ہے یہاں وہ بات نہیں جو مومنؔ نے پیدا کی۔

۳-لطف کے کلام میں رعایت لفظی کی مثالیں جا بہ جا ملتی ہیں۔ یہاں تک کہ کئی غزل میں تو شروع سے آخر تک شاعر کے پیش نظر لفظی مناسبت اور صناعی ہے جس میں کوئی جاذبیت نہیں پائی جاتی:

ہوں میں بلبل باغ وصف احمد ﷺ مختار کا
سو زبان رکھتا ہے ہر پتا مرے گلزار کا

عشق ہے جس کو جنابِ سیدِ ابرار کا
لطف حاصل ہوگا اس کو لطف کے اشعار کا

وصف جب گلزار میں چشم مبارک کا کیا
خواب آنکھوں سے اڑایا نرگس بیمار کا

وسوسے شیطان کے بے شمشیر ہوں دم میں فنا
وصف حضرت ﷺ کے لکھوں گر ابروئے خمدار کا

---

۱ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۱
۲ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳۵
۳ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳۸

دفتر کونین سے ہوگا وہ رتبے میں فزوں
کل نہ ہو گر جز بھی نعت احمد مختار کا

اک جہاں جس بادشاہ دو جہاں کا ہے غلام
مجھ کو بھی کر دے گدا یا رب اسی سرکار کا

قبلۂ حاجات دو عالم ہے تیری ذات پاک
کعبۂ مقصود ہے تو زاہد و دیندار کا

۴-اس دور تک ہم نعت گو شعراء کے کلام کی یہ خصوصیت نمایاں طور پر پاتے ہیں کہ ان کے یہاں وہ بے اعتدالیاں نہیں پائی جاتیں جو عقیدت کی فراوانی میں اکثر بعد کے نعت گو شعراء نے اپنے کلام میں پیدا کی ہیں۔لطفؔ نے صفات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں احمد بلا میم کے مضمون کو باندھنا چاہا بھی یہ کہہ کر خاموش ہوگئے کہ:

میم احمد کے نہ کرنا راز کو افشاں کہیں　　　بند کر اے لطفؔ منھ اپنا خدا کے واسطے[۱]

یا اگر بہت کچھ کہنا چاہا تو اس حد تک کہ:

اے لطفؔ وہ محبوب خداوند جہاں ہے　　　جو کچھ کہو وہ سب ہے سزاوار محمد ﷺ[۲]
حق تو یہ ہے کہ جو بہتر سے ہے بہتر تعریف　　　میرے مولا کی وہ کمتر سے ہے کمتر تعریف

اس کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے لئے شاعر آداب کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب الفاظ استعمال کرتا ہے اور مضمون کو اس لحاظ سے سنوارتا ہے۔حقیقت میں نعت نبی میں تغزل کا جو رنگ لطفؔ نے پیش کیا ہے وہ بعد کے نعتیہ غزل گو شعراء کے لئے جادۂ اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے اچھا نمونہ تھا۔ساتھ ہی ان کے یہاں نعت میں خارجی متعلقات حسن کا بیان شعر کو اس کے محاسن کے مرتبے سے گرنے نہیں دیتا۔دراصل حسن صورت کا بیان نعت کا ایک اہم جزو ہے۔چنانچہ نعت گو شعراء نے سراپے پر بڑی توجہ صرف کی ہے۔لطفؔ نے اس خصوص میں اتنی احتیاط ضرور برتی کہ عشق و محبت کے جذبات کے ساتھ یہ مضامین بیان میں لائے ہیں تو وہ عام خارجی مضامین کے رنگ میں نہیں ہیں بلکہ مقام مصطفائی

---

۱ دیوان لطفؔ۔صفحہ-۴۸
۲ دیوان لطفؔ۔صفحہ-۲۰

صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہیں۔ الفاظ اور ترکیبوں کا استعمال بھی محل وقوع کے مناسب ہے۔ تغزل اور متعلقات حسن کے بیان کی یہ صورت اکثر نعت گو شعراء کے یہاں نہیں پائی جاتی ہے۔ ان کی اس بے احتیاطی نے کلام کو بلاغت سے محروم کرنے کے علاوہ نعت کو اس کے مرتبہ سے گرادیا۔ لطفؔ کا کلام ان معائب سے پاک ہے۔ مثال کے طور پر ابرو کی تعریف میں لکھتے ہیں:

تیغ ابروئے مبارک کا جہاں مداح ہے　　　جس کو دیکھو بھر رہا ہے دم اسی شمشیر کا[۱]

سر مبارک کا ذکر ہے:

سر جناب ہے سرِّ خدا سے کب خالی　　　بھرے ہیں سر بسر اس سر میں غیب کے اسرار
یہ سر وہ ہے کہ کیا جس پہ ابر نے سایہ　　　یہ سر وہ سر ہے رہی جس پہ رحمت غفار
کہ ایک سر کا یہی سر ہے سر بسر افسر　　　اسی کے آگے جھکاتا ہے سر ہر ایک سردار[۲]

لطفؔ کے کلام میں جگہ جگہ رعایت لفظی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان گزرے ہوئے اشعار میں شروع سے آخر تک صنعت تجنیس کا استعمال کیا ہے۔

وصف زلف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم:

سنو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اب زلف مشکبار کے وصف
جو اس کو سنبل جنت لکھوں تو ہے بے کار
اسی کی شان میں واللیل کا ہوا ہے نزول
اسی کو دیکھ کے اسلام لائے ہیں کفار
بجز خدائے زمین و زمن خدائی سے
ہوا ہے وصف سر مو نہ ہوئے گا زنہار[۳]

چشم مبارک:

اب ان کی چشم مبارک کا دل سے وصف سنو
ازل سے جن کی خدائی ہے طالبِ دیدار

---

۱؎ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۸

۲؎ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۸

۳؎ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۹

جو ہوشیار کو دیکھا بنایا مست الست
جو دیکھا مست ہے کم ظرف کردیا ہشیار
نگاہ لطف و عنایت ہوئی جو مشرک پر
تو صاف اوس کو کیا کفر و شرک سے بیزار[1]

وصف چشم مبارک میں سارا مضمون اسی قسم کا ہے پھر بینی مبارک ریش مبارک وغیرہ کے وصف کو بھی اسی رنگ میں پیش کیا ہے:

(۱) تیرے رخسار قمر رشک کا ہے جب سے خیال
جوں کناں چاک ہے ہر سینے کا پردا محبوب[2]

(۲) دل یہ کس خورشید رو کے تل پہ مائل ہوگیا
جو سویدا کو قمر کا نور حاصل ہوگیا
قامت موزون حضرت کے لکھے اکثر جو وصف
نغمہ سنج شاخ طوبیٰ طائر دل ہوگیا

۵- لطفؔ کے کلام میں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ شاعر کے تخیل کی والہانہ سرمستی، جذب، کیف۔ اور اظہار عقیدت، صفات کو کماحقہٗ بیان میں آنے نہیں دیتی۔ لیکن وصف سے کلام خالی بھی نہیں ہے۔ ولادت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے علاوہ ان کے کلام میں ایسی مثالیں ہیں کہ لطفؔ یکے بعد دیگرے آپ کی فضیلتوں کے بیان سے کلام کو سنوارتے جاتے ہیں۔ مثلاً:

باعث پیدائش خلق خدا پیدا ہوئے — پیشوا و مقتدیٰ و رہنما پیدا ہوئے
نور سے اسلام کے عالم منور ہوگیا — واہ کیا بدرالدجےٰ صل علیٰ پیدا ہوئے
نور سے جن کے ظہور عالم امکاں ہوا — وہ زمیں پر رونق ہر دوسرا پیدا ہوئے
عاصیوں کو ہاتف غیبی یہ دیتا ہے نوید — خوش ہو خوش ہو شافع روز جزا پیدا ہوئے
ہر پیمبر جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے نبوت کا گواہ — اب وہ ختم المرسلین و انبیاء پیدا ہوئے[3]

---

[1] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۹ [2] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۱۵
[3] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۶

دوسری جگہ ولادت کا بیان اس طرح کیا ہے:

آج فخر انبیاء صلی علیٰ پیدا ہوئے　　شافع روز جزا صلی علیٰ پیدا ہوئے
زینت ارض و سما صلی علیٰ پیدا ہوئے　　رونق ہر دوسرا صلی علیٰ پیدا ہوئے
حامد و محمود و احمد خاص ہے جن کا لقب　　وہ محمد مصطفیٰ صلی علیٰ پیدا ہوئے
حضرت آدم سے جن حضرت کا تھا پہلے ظہور　　اب وہ ختم الانبیاء صلی علیٰ پیدا ہوئے
نور سے جن کے ہوئی تھی آتش نمرود سرد　　آج وہ نور خدا صلی علیٰ پیدا ہوئے [1]

اس طرح شاعر نے شب معراج لوائے حمد وغیرہ کے ذکر سے ستائش رسول صلی اللہ علیہ سلم کی ہے۔

اس رنگ کے چند اشعار یہ ہیں:

تمہیں ہو رونق ہر دوسرا خاص　　تمہیں ہو زینت ارض و سما خاص
خدا کے نور سے پیدا ہوا ہے　　تمہارا نور اے نور خدا خاص
خدا کو کس نے دیکھا ہے سنا ہے　　تمہیں حاصل ہوا یہ مرتبہ خاص
شفاعت عاصیوں کی تم کرو گے　　تمہیں ہو شافع روز جزا خاص
خدا کا راستہ تو نے بتایا　　تو ہی ہادی ہے رہبر رہنما خاص [2]

لطفؔ نے جگہ جگہ داخلی جذبات اور خارجی محاسن کے ملے جلے مضامین میں تشبیہوں اور استعاروں سے بیان میں لطافت پیدا کی ہے:

ہے چشم تصور میں جو گیسوئے محمد ﷺ　　دل قبلہ نما کعبہ ہے ابروئے محمد ﷺ
ہے روح رواں نکہت گیسوئے محمد ﷺ　　پیارا ہے رگ جاں سے اک موئے محمد ﷺ
سنبل میں نہیں نکہت گیسوئے محمد ﷺ　　گل میں نہیں رنگ رخ نیکوئے محمد ﷺ
ہوں بلبل شیدائے گل روئے محمد ﷺ　　ہوں قمریٔ سرو قد دل جوئے محمد ﷺ
پروانے بنیں طائر دل اہل نظر کے　　وہ شمع سر طور ہیں بازوئے محمد ﷺ
شق القمر انگشت کا ہے ادنیٰ اشارہ　　اے صل علیٰ قوت بازوئے محمد ﷺ

---

[1] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۵۷

[2] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۲۹

پیشانی انور سحر عید ہے لاریب — مومن کو شب قدر ہے گیسوئے محمد ﷺ
رخ شمع سر طور ہے قامت شجر طور — شاخ شجر طور ہیں بازوئے محمد ﷺ
سجدہ صف عشاق کو لازم ہے اسی سمت — محراب عبادت ہیں یہ ابروئے محمد ﷺ
نہ طاق ازل خم ہیں ازل سے پئے تسلیم — ہیں صل علیٰ کیا خم ابروئے محمد ﷺ
اک جوہر آئینہ سویدا نظر آیا — جب دل میں ہوا جلوہ نما روئے محمد ﷺ
سایہ نہیں جو جسم مطہر کا یہ ہے وجہ — اک نور مجسم ہے سراپائے محمد ﷺ
طوبیٰ کی بلندی پہ جو یہ فخر ہے رضواں — دیکھا نہیں کیا قامت رعنائے محمد ﷺ
ہو شمع لحد شمع تولّائے محمد ﷺ — ہو نقش لحد نقش کف پائے محمد ﷺ [۱]

وصف مدینہ میں بھی شاعر کا وہی رنگ ہے:

گویا زبان بہر سخن ہائے مدینہ
روشن ہے نظر بہر تجلائے مدینہ

آ ہوئے مدینہ ہے نظر حور سے خوش چشم
کیا غیرت فردوس ہے صحرائے مدینہ

ہے نور محمد سے زمین مہر جہاں تاب
اور خطِ شعاعی ہے شجر ہائے مدینہ

گو گلشن فردوس ملا رہنے کی خاطر
کہتا ہوں بصد یاس مگر ہائے مدینہ

ہے گوشہ سے کم شش جہت گلشن امکاں
کیا عرض کروں وسعت صحرائے مدینہ

ہے باغ جہاں غم میں تری وادی حرماں
اے غیرت گلشن چمن آرائے مدینہ

کیا گلشن ایجاد ہے دیکھوں نہ سوئے خلد
ہاتھ آئے اگر دامن صحرائے مدینہ

---

[۱] دیوان لطفؔ۔ صفحہ ۔۲۱، ۲۲

حقیقت کی فراوانی اور مذہبی جوش کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور ذرّہ نوازی کے مضامین لطفؔ کے کلام میں کثرت سے ملتے ہیں۔ مثلاً:

عشق رخ رسول ﷺ میں کھوئی جو میں نے جان
تن سے نکل کے بن گئی بوئے گلاب روح [1]

......

کوکب بخت مرا چرخ سعادت کا ہے نجم
تیری لکھتا ہوں جو اے مہر منور تعریف

باغ فردوس ہی خالق سے صلہ میں لیں گے
حشر میں کوچہ پرنور کی پڑھ کر تعریف [2]

یاد احمد میں مجھے لطفؔ جو دیکھا غمناک — بولے خوش ہو کر نکیرین خوشا ایسی مرگ [3]

جان کر اس جانِ جاں کو شافع روز جزا
خوف محشر نے کیا دل سے کنارا ان دنوں [4]

کیونکر نہ شوق نعمت رسالت مآب ہو
سب شاعروں میں لطفؔ تمہیں باریاب ہو [5]

لے چلے ہیں اس جہاں سے داغ عشق مصطفےٰ
اور اب کیا چاہیے روز جزا کے واسطے

گور کی گرمی سے گھبرایا جو مداح رسول
کھل گئی جنت کی کھڑکی بس ہوا کے واسطے [6]

کیسی حجت کر رہے تھے گور میں منکر نکیر
چلدیئے چپکے جناب مصطفیٰ کو دیکھ کر [7]

---

[1] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۱۹ — [2] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳۲
[3] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳۳ — [4] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳۷
[5] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۴۳ — [6] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۴۷، ۴۸
[7] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۲۴

بھروسا ہے مجھے بخشش کا حضرت کی شفاعت پر
نہ توبہ پر نہ تقویٰ پر نہ محنت پر نہ طاعت پر[۱]

۷-اس لئے شیفتگی، بیتابی اور بے قراری کے مضامین بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں:

راہی ہوا ہوں کعبہ مقصود کی طرف
دیکھوں تن آگے جائے کہ پہنچے شتاب روح

رکھتا ہے دل جو گیسوئے حضرت کا سلسلہ
زندان تن میں کھاتی ہے کیا پیچ و تاب روح

لِلّٰہ اب تو آکے مسیحائی کیجیے
ہوتی ہے مثل جسم فنا اے جناب روح[۲]

عشق احمد نے بنایا ہے مجھے دیوانہ آج
فرض و واجب ہے ادائے سجدۂ شکرانہ آج

ہے شراب عشق احمد سے مجھے خود رفتگی
طاق سے اترے نہ ساقی شیشہ و پیمانہ آج[۳]

......

سنتا نہیں ہوں میں بجز افسانۂ رسول ﷺ
دیوانۂ رسول ہوں دیوانۂ رسول ﷺ[۴]

خاک ہوجاؤں گا گر عشق شہ لولاک میں
بوئے کافور جناں آئے گی میری خاک میں[۵]

......

جس روز عاصیوں کا حساب و کتاب ہو
پائے نبی کی ہاتھ میں میرے رکاب ہو[۶]

---

[۱] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۲۳
[۲] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۱۹
[۳] دیوان لطفؔ
[۴] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳۴
[۵] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۳۹
[۶] دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۴۳

سرمہ کیا نہ آنکھ کا یثرب کی خاک کو
برباد یا خدا دل خانہ خراب ہو

ہم سر نہ آستان نبی سے اٹھائیں گے
سو گردشیں ہوں چرخ کی لاکھ انقلاب ہو

اک دم گر آپ چشم عنایت سے دیکھ لیں
کشت امید کو مری بجلی سحاب ہو

عاشق ہوا ہے بندہ بھی تیرے حبیب ﷺ کا
چاہے عذاب ہو کہ الٰہی ثواب ہو

عشق نبی ﷺ میں لطفؔ جو بیدار ہم رہیں
ہنگامۂ روز حشر کا آنکھوں کو خواب ہو[۱]

جلنا مجھے قبول غش آنا مجھے قبول — اے رشک شمع طور ذرا بے نقاب ہو[۲]
اے فلک لے چل مدینہ کو خدا کے واسطے — دل تڑپتا ہے حبیبِ کبریا کے واسطے[۳]

چاندنی چھٹکی ہوئی آنکھوں میں ہے مثل نگاہ
خواب سے چونکا ہوں اک بدرالدجیٰ دیکھ کر

بعد مردن گر مدینہ سے فرشتے لے گئے
آگ لگ جائے گی جنت کی فضا کو دیکھ کر[۴]

۸- مذہبی جوش بھی لطفؔ کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے:

خموش بیٹھے ہو کیا مومنو درود پڑھو — شفیع روز جزا پر پڑھو درود پڑھو
تمام جسم میں خوشبو ملو درود پڑھو — مشام جاں کو معطر کرو درود پڑھو
اگر خدا کے ہو طالب تو پہلے لازم ہے — رسول پاک کو راضی کرو درود پڑھو
اگر حضور کی مدِ نظر حضوری ہے — حضورِ قلب سے اے دوستوں درود پڑھو
جو اس حبیب کا مدِ نظر نظارہ ہے — پڑھو درود پڑھو عاشقوں درود پڑھو

---

۱ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۴۳،۴۴ — ۲ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۴۴
۳ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۴۷ — ۴ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۲۴

یہ کون بزم ہے کس کا ہے ذکر لطف یہاں
ادب سے بیٹھو ادب سے اٹھو درود پڑھو[۱]

## نواب اختر محل اختؔر

اختؔر تیموریہ[۲] خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ طینت نیک اور طبیعت شعر و شاعری کے لئے موزوں پائی تھی۔ ان کی شاعری کا خاص موضوع نعت و منقبت رہا۔ انتقال ۱۸۷۶ء میں ہوا۔

اختؔر کے کلام کے متعلق عبدالباری آسی کی رائے ہے کہ "لفظ لفظ سے مشق کلام کا پتہ چلتا ہے۔"[۳]

قدسؔی کی مشہور نعتیہ غزل پر اختؔر نے جو تضمین کی ہے اس سے شاعرہ کے کلام کے محاسن کا اندازہ ہوتا ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:

تجھ پہ قربان ہوں اے ہاشمی و مطلبی — کہ ہے مشہور دو عالم تری عالی نسبی
دیکھ رتبہ کو تیرے شوکت افلاک — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

وہ ترا نور ہے ماہ فلک و مہر کرم — تیرے جلوے سے منور ہوئے دونوں عالم
تاب یوسف کو کہاں ہے کہ ترے دیکھے قدم — من بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

---

۱ دیوان لطفؔ۔ صفحہ-۴۱-۴۲

۲ تیموریہ خاندان کی ایک اور شہزادی کیفؔی کی نعتیہ تضمین قدسی کی مشہور غزل پر ملتی ہے۔ کیفؔی کا انتقال ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

کس کا منھ ہے جو کرے مدح تری میرے نبی ﷺ — نعت اطہر میں ہو جب شخص ذکی محض غبی
حبذا ذات تری مایۂ حاجت طلبی — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت پہ عجب خوش لقبی

حق تعالیٰ نے کیا آپ کو ابرِ اکرام — تجھ سے خنداں ہے لب غنچہ امید آدم
ہیں شجر اور حجر غرق سحاب انعام — نخل بستان مدینہ ز تو سر سبز مدام
زاں شدہ شہرہ آفاق بہ شیریں لقبی

(تذکرہ شاعرات اُردو)

۳ تذکرہ شاعرات اُردو، مولفہ محمد جمیل احمد۔ مطبوعہ بریلی الکٹرک پریس ۱۹۴۴

سب سے پہلے کیا پیدا ترا اللہ نے نور
پردۂ ذات میں اس نور کو رکھا مستور
اور اس نور کا اظہار ہوا جب منظور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

قدسیاں آنکھیں بچھاتے ہیں ترے زیرقدم
خاک پا تیری زبس سرمۂ چشم عالم
بخش دیجو میری تقصیر تو اے شاہ امم
نسبت خود بسکت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

سختی حشر سے گھبرائیں گی جب مخلوقات
اور نہ بن آئے گی[1] ابر کرم کوئی بات
انبیاء سب تجھے کہہ دیں گے کہ اے ابرِ نجات
باہما تشنہ لبا نیم و توئی آب حیات
لطف فرما کہ زحد می، گزرد تشنہ لبی

ہوگئی لہو و لعب ہی میں مری عمر بسر
یاد خالق میں نہ مصروف ہوئی میں دم بھر
گھستی ہوں ناصیۂ عجز کو ترے در پر
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

درد عصیاں کے سبب سے ہے مری جان چلی
اور بچنے کی نہیں سوجھتی تدبیر کوئی
عرض اختؔر کی بھی قدسؔی کی طرح سے ہے یہی
سیّدی انت حبیبی ﷺ و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسؔی پئے درماں طلبی

جو نمونہ اختؔر کے کلام کا ہمارے پیش نظر ہے اس سے پختگی، بے ساختہ پن، متانت اور قوت شعری کا پتا چلتا ہے۔ شاعرہ نے تضمین میں قدسؔی کے بعض مصرعوں کو اس طرح ملا دیا ہے کہ وہ اسی کا جز و معلوم ہوتے ہیں اور اس کا محل استعمال اس سے بہتر سمجھ میں نہیں آتا۔ مثلاً:

اور اس نور کا اظہار ہوا جب منظور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور

یا یہ کہ:

انبیاء سب تجھے کہہ دیں گے کہ اے ابر نجات
ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات

---

[1] تذکرہ شاعرات اُردو۔ صفحہ۔۱۶۰،۱۶۱

## مولوی غلام امام شہیدؔ

''والد کا نام مولوی شاہ غلام محمد۔ قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ وطن تھا۔ عربی و فارسی کے بڑے عالم تھے۔ فارسی آغا پیر محمد اسماعیل مازندرانی سے حاصل کی تھی۔ نظم فارسی میں مرزا قتیلؔ کے شاگرد تھے، اردو میں شیخ مصحفیؔ کے۔ ایک عرصے تک صدر نظامت آگرہ میں سررشتہ دار رہے۔ ۱۸۳۹ء میں سرسیّد احمد خاں بھی نوکر ہو کر آگرہ آ گئے۔ مولانا شہیدؔ، سرسیّد اور دیگر مشاہیر آگرہ کی صحبتیں گرم رہتی تھیں۔ شہیدؔ کی ترک ملازمت کے بعد ہندوستان کے مشاہیر، امراء و رؤسا ان کی خدمت کرتے تھے۔ نواب کلب علی خاں والیٔ رام پور، سالار جنگ وزیر اعظم حیدر آباد، سعید عالم خاں رئیس سورت ان کے بڑے قدرداں تھے۔ حیدر آباد سے ۴۳۰ روپیہ سالانہ نذرانہ مقرر ہو گیا تھا جو آخر عمر تک ملتا رہا۔ یہ سب قدردانیاں شہیدؔ کے عشق و محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں تھیں۔ ان کی شیفتگی اور فدائیت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ بجز نعت شریف لکھنے اور پڑھنے کے اور کوئی شغل نہ تھا۔ اسی سبب سے مداح نبی صلی اللہ علیہ وسلم و عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک القاب سے مشہور تھے۔ اطراف ہندوستان میں ضلع آگرہ و مراد آباد، رام پور، الہ آباد اور دکن میں شہیدؔ نے صدہا شاگرد و مرید چھوڑے۔ پیرانہ سالی میں انتقال کیا۔ تاریخ ولادت و وفات معلوم نہیں۔ فارسی میں قصائد و غزلیات وغیرہ کا ضخیم کلیات شہیدؔ کی یادگار ہے۔ اُردو میں انشائے بہار بے خزاں ان کے خطوط و مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۸۶۶ء میں مرتب و شائع ہوا۔ دوسری کتاب محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھنے کے لئے تصنیف کی جو مولود شریف شہیدؔ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی اور اتنی مرتبہ چھپی کہ اس کی اشاعتوں کا شمار دشوار ہے۔ آج تک رائج و شائع ہے۔ اس کے ایک ایک فقرے ایک ایک روایت ایک ایک شعر سے شہیدؔ کا عشق و ولولہ جوش و شوق سوز و درد مترشح ہے۔ سنا ہے جب شہیدؔ خود اس کو محفل میں پڑھتے تھے تو عجب سماں بندھ جاتا تھا۔ اکثر اہل محفل پر وفور رقت سے غش طاری ہو جاتا تھا۔ اس طرز اور اس مقصد کی یہ اردو میں پہلی کتاب ہے......''[۱]

---

۱؎ داستان تاریخ اردو پروفیسر حامد حسن قادری، صفحات۔ ۲۴۸، ۲۴۹

متوسطین کے دور میں نعت گو شاعر کی حیثیت سے غلام امام شہیدؔ کا مقام نہایت بلند ہے۔ شہیدؔ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے نعت میں کیف وکم دونوں لحاظ سے وسعت کا سامان کیا۔ ان کے یہاں قصیدہ، مثنوی، غزل اور ترجیع بند سب میں نعت ملتی ہے۔ مولود شہیدؔ میں جو مندرجۂ ذیل نعتیہ نظمیں شامل ہیں ان سے شہیدؔ کے نعتیہ کارنامے کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) ترجیع بند (متعلق تذکرۂ معراج) (۲) خمسہ شہید بر غزل خسرو۔

(۳) قصۂ حضرت بلال رضی اللہ عنہ (۴) غزل در وصف قدم شریف۔

(۵) قصۂ حضرت حلیمہ سعدیہ (۶) روایت استن حنانہ۔

غزلیں اور قصیدے اس کے علاوہ ہیں جو مولود نامہ میں شامل نہیں ہیں۔ قدماء کے دَور میں ممتاز شعراء نے نعت کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو کچھ لکھا برائے نام لکھا۔ صرف سوداؔ کے یہاں کچھ نعتیہ کلام ملتا ہے۔ شیداؔ اور باقر آگاہؔ کی کاوشیں اس دور میں نہایت گراں قدر ہیں لیکن ان کی ضخیم منظوم سیرت میں شعری عنصر کم ہے اور زبان کے لحاظ سے بھی ان کا رنگ زمانہ کا ساتھ نہیں دیتا۔ شعری محاسن کے لحاظ سے دکن کی نعتیہ مثنویوں کو بھی کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں جن میں معراج نامے، وفات نامے، غزلیں وغیرہ، سب ہی شامل ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ شیداؔ کی ''اعجاز احمدی'' اور آگاہؔ کی ''ہشت بہشت'' ماضی کے کارناموں کی نہایت حسین اصلاحی صورت ہے، لیکن غلام امام شہیدؔ کا بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اس میں شاعرانہ رنگ آمیزی سے حسین تر بنا کر پیش کیا۔ تشبیہات اور استعارات سے کلام کو سنوارا اور اس کے بیانیہ انداز میں شاعرانہ طرز اختیار کیا۔

شہید کے یہاں حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شوق، جذب اور سرمستی کی مثالیں جا بہ جا ملتی ہیں۔ شاعر ہر اس چیز کا فدائی نظر آتا ہے جس کا تھوڑا بھی رشتہ سرورِ کائنات سے ہے۔ چنانچہ وصفِ مدینہ میں وصف کا عنصر بہت کم ہے۔ جو کچھ ہے بس شاعر کے اپنے والہانہ داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ اس کیف و مستی میں جہاں شہیدؔ وصف کا مضمون بیان کر جاتے ہیں تو ''شررطور'' اور ''ید بیضا'' کی رقصاں اور تابناک ترکیبوں سے ان قلبی واردات کا ثبوت دیتے ہیں جن سے یہ مضمون پیدا ہوا ہے:

سینہ ہے میرا روکش صحرائے مدینہ      دل ہے جوس محمل لیلائے مدینہ

اس دشت سے پیدا ہے تمنائے مدینہ　　　اس رنگ سے نکلے ہے صداہائے مدینہ
بوسے کی تمنا ہے جو مینائے فلک کو　　　جھکتا ہے سوئے گنبد خضرائے مدینہ

وصف مدینہ میں شعر کی رقصاں کیفیت ملاحظہ کیجیے:

ہر سنگ میں واں کے شرِ طور ہے پنہاں
ہر خشت کو کہئے یدِ بیضائے مدینہ

حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر کی فریفتگی کا یہ عالم ہے کہ وہ نہ صرف مدینہ پر والہانہ قربان ہے بلکہ ہزار جان سے اس پر بھی فدا ہے جس کی آنکھیں مدینہ کے دیدار سے مشرف ہوئی ہیں۔ اس جذب و کیف میں حسرت کا مضمون بھی ہے:

قسمت یہ دکھاتی ہے کہ حسرت کی نظر سے
ہم دیکھتے ہیں اوس کو جو دیکھ آئے مدینہ

غرض یہ کہ شہیدؔ نے نعت کے مقدس موضوع میں اپنی شعری صلاحیتوں کا استعمال نہایت خوبی سے کیا ہے، اور کلام کو لطافت، نظافت، تڑپ، کیف مستی اور جذب وشوق سے آراستہ کر کے اس میں بے پایاں اثر بھر دیا ہے۔

شہیدؔ کو اس لحاظ سے نعتیہ شاعری میں اوّلیت حاصل ہے کہ انہوں نے سراپا کے بیان میں شاعرانہ طرزِ بیان اختیار کیا ہے اور جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو دلربایانہ بنا کر پیش کیا ہے۔ بایں ہمہ ان کے یہاں وہ ناہمواری کہیں نظر نہیں آتی۔ جو بعد کے شعراء نے اس رنگ کے ناکام تتبع کی کوشش میں اپنے کلام میں پیدا کر لی۔

معراج سے متعلق ترجیع بند کے اشعار ان کے اس رنگ کو واضح کرتے ہیں:

قدرعنا کی ادا جامۂ زیبا کی پھبن　　　سرمۂ چشم غضب ناز بھری وہ چتون
وہ عمامے کی سجاوٹ وہ جبین روشن　　　اور وہ مکھڑے کی تجلی وہ بیاض گردن
وہ عمامہ عربی اور وہ نیچا دامن　　　دلربایانہ وہ رفتار وہ بیساختہ پن
مردہ بھی دیکھے تو کر چاک گریبان کفن　　　اوٹھ چلے قبر سے بیتاب زباں پر یہ سخن

مرحبا سیّد مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ہر بیان میں عشق ومحبت کے انداز ہیں۔ شاعر حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہوکر ساری کائنات کواس رنگ میں دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ جہاں معراج کا بیان ہے وہاں یہی کیفیت کائنات میں جاری وساری دکھائی ہے۔ بیان کی قوت اوراس کی اثر آفرینی قابل صد تحسین وآفرین ہے:

آمد آمد کی جو افلاک پہ پیہم تھی دھوم　　عرش ہر مرتبہ بس شوق سے جاتا تھا جھوم
پانوں رکھتا تھا جہاں ناز سے وہ عین علوم　　اوس جگہ آنکھیں بچھاتے تھے تمنا سے نجوم
اور ہراک نقش قدم پر تھا فرشتوں کا ہجوم　　کوئی رکھتا تھا جبیں اور کوئی لیتا تھا چوم
کوئی کرتا تھا ادا عشرت شادی کی رسوم　　اور کسی نغمے سے ہوتا تھا یہ مضمون مفہوم

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت پہ عجب خوش لقبی

سرورِکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کی شان اور بیان کا حسن تجمل بھی دیدنی ہے:

مہر نے فرش تمامی کا بچھایا تھا تمام　　بادۂ نور سے لبریز ہوا اس کا جام
چاندنی پر جو بنایا تھا ستاروں کا کام　　ماہ کو حسن ملاحت سے ملی شہرت عام
مرکب انداز تجمل سے اوٹھاتا تھا گام　　نہ تو آہستہ ہی چلتا تھا نہ تھا تیز خرام
ملک وجن وبشر کرتے تھے جھک جھک کے سلام　　حور وغلماں کی زبانوں پہ تھا جاری یہ کلام

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوقلبی

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ بھی اس عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی داستان ہے۔ شاعر کا انداز بیان دل نشیں، دلسوز اور ترنم ریز ہے۔ بیان کی سادگی لفظی رعایت کے باوجود نہایت حسین ہے:

ایک موذن تھا نبی ﷺ بلال　　ہجر سے اوس مہ کے گھٹا جوں ہلال
دام محبت میں گرفتار تھا　　شیفتۂ طرۂ طرار تھا
تشنۂ سرچشمۂ دیدار تھا　　نرگس بیمار کا بیمار تھا
شیفتۂ کاکل شب فام کو　　زلف جو یاد آئی چلا شام کو

چھوٹ گیا دیس جو محبوب کا　　شام کا ملک آنکھوں میں تاریک تھا

روایت استن حنانہ کا رنگ بھی یہی ہے۔ ساری کائنات کا ایمان یہی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اس کا اظہار ذرہ ذرہ کی زبانی ہو رہا ہے۔ یہ حقیقت، شاعر کے تخیل کی پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ اس کے مشاہدہ پر نفوس قدسیہ کی شہادتیں موجود ہیں۔

شہیدؔ نے اس کے صحیح رنگ میں پیش کرنے کی نہایت کامیاب کوشش کی ہے:

مسجد مصطفٰے ﷺ میں ایک ستون　　تھا بہت اوس جمال پر مفتون
گو کہ آتش کو چوب سے ہے لاگ　　لیکن اوس کی غذا تھی عشق کی آگ
دست بستہ رہِ وفا میں سدا　　ایک ہی پانوں سے کھڑا رہتا
خشک ہوکر وہ درد و غم کا دوست　　رہ گیا صرف استخوان و پوست
محو عکس جمال دلبر تھا　　چوب میں آئینہ کا جوہر تھا
عشق جانا نہ سے جو بے کل تھا　　رکن کعبہ سے بھی وہ افضل تھا

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا قصہ بچوں اور عورتوں میں نہایت مقبول رہا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب تک وہ گھروں میں گایا جاتا ہے، اور چھوٹے بچوں کے لئے لوری کا کام کرتا ہے۔ اس کی اس قدر مقبولیت کا سبب مضمون کی سادگی بیان کا دلنشیں انداز، نہایت صاف اور بدیع تشبیہیں اور رواں دواں سلیس الفاظ کا استعمال ہے جن کی ترکیب اور خلوص سے شاعر نے کلام کو پُر تاثیر بنا دیا ہے، محبوب یزدانی صلی اللہ علیہ وسلم پر تصدق کا مضمون ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن یہاں اس کی خصوصیت اس کا معصوم رنگ ہے۔ ماں کا اپنے بچے کے ساتھ پیار اور محبت کا اظہار اس قدر شیفتہ، وارفتہ اور والہانہ انداز میں شاعر کے اپنے جذب و کیف کی ترجمانی کرتا ہے جو اس بخت عالم کے ساتھ عشق و محبت کے ایمانی رشتے نے پیدا کیا ہے۔ خلوص کی فراوانی سے شاعر کا دل پیچ و تاب کی اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے۔ وہ اس جذب و شوق کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان حال سے ظاہر کرتا ہے:

ایک عاشق تھی حلیمہ دائی　　جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی
دودھ اس گل کو پلاتی تھی وہ　　گل سے پھولے نہ سماتی تھی وہ
کبھی مکھڑے کی بلائیں لیتی　　صدقے ہو ہو کے دعائیں دیتی

گرد پھرتی تھی کبھی سو سو بار | جیسے ہو شمع پہ پروانہ نثار
کبھی کر بیٹھتی بیساختہ شور | چاند کو دیکھ کے جس طرح چکور
خواب سے کرتی تھی جس دم بیدار | آنکھوں کو تلووں سے ملتی ہر بار

بخت عالم ہے تو اے دلبر جاگ
جاگنا بخت کا ہے بہتر جاگ

مولوی غلام امام شہیدؔ کا مقام نعت گوشعراء میں نہایت بلند ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ان کے کلام کی گونا گوں خصوصیات اوراس کے رنگارنگ محاسن انہیں اس صف میں امام کا مرتبہ بخشتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ایک عرصے کی رسمی شاعری کے بعد ہم پہلی مرتبہ ایک نعت گوشاعر کو اس اجتہادی اور انفرادی رنگ بزم سخن میں جلوہ گر پاتے ہیں۔جس نے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لَے ہی بدل دی اور آنے والوں کے لئے ایک ایسا نمونہ چھوڑا کہ جس کی تقلید میں اُردو نعتیہ ادب مضامین اور دلآویز طرز بیان سے مالا مال ہوگیا۔مولوی غلام امام شہیدؔ کی اس حیثیت کونظرانداز کرنا نہ صرف ان کے ساتھ بڑی بے انصافی کے مترادف ہوگا بلکہ اس طرح ہم نعتیہ شاعری کے ارتقاء میں ایک نہایت ہی اہم سنگ میل سے صرف نظر کریں گے اور نتیجتاً ان اثرات کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوجائے گا جوموجودہ دور تک اس ادب میں جاری وساری پائے جاتے ہیں۔

## منشی شنکر لال ساقیؔ

قوم کے کائستھ بھٹناگر تھے۔ والد کا نام خوب چند تھا۔منشی ہرگوپال سہائے تفتہؔ کے چچیرے بھائی تھے۔ بمقام سکندرآباد،۱۰؍دسمبر۱۸۲۰ءکو پیدا ہوئے اور۱۸۹۰ء میں انتقال کیا۔ اس طرح ۷۰؍سال کی عمر پائی۔سہارنپور کی ایک عدالت میں پیشکاری کی خدمت پر کارگزار رہے۔گویا غدر سے سینتیس سال قبل آپ کی ولادت ہوئی جب کہ شعروشاعری کی محفل کی زینت غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، بہادرشاہ وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ساقیؔ نے ان مشاعروں میں بھی شرکت کی۔جن میں غالبؔ، ذوقؔ اور بہادرشاہ نے حصہ لیا۔کلام منشی بال مکند بے صبرؔ کو دکھاتے تھےلیکن زیادہ فیض غالبؔ اورتفتہؔ سے پایا:

رغبت نہیں کلام سے اُردو کے ساقیا
ہوں لینے والا غالبؔ و شیفتہؔ کے نام کا

ساقیؔ کی دو کتابیں ایک کریما شیخ سعدیؔ کا ترجمہ بھاشا نظم میں اور دوسری انتخاب کلیات چھپ چکی ہیں، اور اردو اور فارسی کلام کے دو دیوان اور ایک رامائن بطرز بھجن غیر مطبوعہ ہیں۔

نعت اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کہی ہے۔ اپنی نعت گوئی کے متعلق کہتے ہیں:

مرا ہر لفظ نعت احمدی ﷺ سے در یکتا ہے
لکھا جو دائرہ ہے وہ مہ کامل کا ہالا ہے[۱]

پھر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال اور عظمت کو دیکھتے ہوئے اظہار عجز بھی کیا ہے:

صفات ذات احمد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے
خیال اہل دانش جب یہاں مکڑی کا جالا ہے[۲]

نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے
کیا مری ان کے مدح خوانوں میں پیشی ہوگی[۳]

ساقیؔ کے کلام سے عقیدت مندی کے ساتھ خلوص جگہ جگہ جھلکتا ہے اور اس کے سہارے انہیں در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ شان نبوت کی رفعت سے امیدواری ہے کہ گدائے در احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ضرور نوازا جائے گا۔ اسی لئے شاعر کی نظر ''خاک نشین در احمد کو'' اس کی بے مائیگی کے باوجود عرش کا ہمسر دیکھ رہی ہے:

میں اگر خاک نشین در احمد ﷺ ہوں گا
رفعت عرش کی ہمسر مری بستی ہوگی[۴]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا اظہار اس طرح کیا ہے:

نام احمد پر فدا کیونکر دل ساقیؔ نہ ہو — مالک ارض و سما کون و مکاں یہ ہی تو ہیں
(اذان بتکدہ۔ صفحہ-۳۴)

---

۱ اذان بتکدہ: مرتبہ فوقؔ۔ مطبوعہ ۱۹۳۴ء، صفحہ-۳۴
۲ اذان بتکدہ، مرتبہ فوقؔ، صفحہ-۲۴
۳ اذان بتکدہ، مرتبہ فوقؔ، صفحہ-۲۵
۴ اذان بتکدہ، مرتبہ فوقؔ، صفحہ-۲۵

شاعر کو عقیدت اور عشق کے دعوے کے ساتھ اپنے عجز اور تہی دامنی کا بھی احساس ہے۔

نعت لکھتا ہوں مگر شرم مجھے آتی ہے          کیا مری ان کے مدح خوانوں میں ہستی ہوگی[۱]

ساقؔی کی نعتوں سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ ایک غیر مسلم کا اظہارِ عقیدت ہے جو ایمان کی دولت سے محروم ہے۔ شاعر جا بجا شرک اور کفر کی برائی اور توحید کے مضامین بلا تکلف باندھتے ہیں۔ اس جگہ نہ تو ابہام کو دخل ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش:

ہوئی کافور نور مصطفیٰ ﷺ سے شرک کی ظلمت
سیاہی سے ندامت کی دل کفار کالا ہے

(اذان بتکدہ، صفحہ-۳۴)

عشاقان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ نہ تو انہیں جنت کی طلب ہے اور نہ دوزخ کا خوف۔ ان کی نظر میں ایک ہی جنت بسی ہوئی ہے اور وہ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

جب مۓ عشق نبی ﷺ سے مجھے مستی ہوگی
بیخودی ہوگی بلندی نہ یہ پستی ہوگی

بزم عشاق میں جب بادہ پرستی ہوگی
یاد میں ساقیٔ کوثر ہی کے ہستی ہوگی

جیتے جی روضہ اقدس کو نہ آنکھوں دیکھا
روح جنت میں بھی ہوگی تو ترستی ہوگی

میں اگر خاک نشین در احمد ﷺ ہوں گا
رفعت عرش کی ہمسر مری پستی ہوگی

عاشق زار محمد ﷺ میں ہوا پیری میں
ہستی خضر سے کیا کم مری ہستی ہوگی

سرور دیں کی ملی دولتِ دیدار جسے
پاس اس کے نہ پھٹکتی تہی دستی ہوگی

---

[۱] اذان بتکدہ، مرتبہ فوقؔ، صفحہ-۲۵

پی گیا بھر کے جو جام مئے عشق احمد ﷺ
اس کی مستی کو نہ ہرگز کبھی پستی ہوگی

کچھ غرض جنت و دوزخ سے نہیں ہے ساقی
ان کے مستوں کے لئے اور ہی بستی ہوگی[1]

ساقی کے کلام میں داخلی جذبات سے زیادہ وصف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ ذیل کے نمونے سے ان کے کلام کی یہ خصوصیت واضح ہوتی ہے:

جلوہ گر تھا نور شاہ دوجہاں قندیل میں
حق نے نورانی بنایا تھا مکاں قندیل میں

آیت لولاک سے ظاہر تھی عظمت آپ ﷺ کی
سب سے پہلے تھا یہی نور نہاں قندیل میں

مصلحت کچھ تھی خدا کی ورنہ یہ نور عظیم
یوں بھلا ساقی سمائے تھا کہیں قندیل میں[2]

مشکل زمین میں اچھے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ چاندنی کی زمین میں جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نورافشانی ساقی نے نہایت حسن وخوبی سے کی ہے:

تھی شب معراج میں سارے فلک پر چاندنی
نور محبوب ﷺ خدا سے تھی منور چاندنی

عرش و کرسی پر کہاں تھا ماہ کا نام و نشاں
روئے احمد ﷺ چاند تھا تھی اس سے یکسر چاندنی

نورافشاں جب ہوا وہ آپ ﷺ کا نورِ جمال
ہوگئی تھی چاند سے بھی پھر تو بہتر چاندنی

خود بدولت جب براق باد پا پر تھے سوار
فرش نوری ہر قدم پر تھی برابر چاندنی

---

[1] اذان بت کدہ: مرتبہ محمد الدین فوق، مطبوعہ ۱۹۳۴ء۔ صفحہ-۳۵
[2] اذان بت کدہ: مرتبہ محمد الدین فوق، مطبوعہ ۱۹۳۴ء۔ صفحہ-۲۳

کھل گئی جاتے ہوئے جب کاکل عنبر فشاں
ہوگئی فیضان نکہت سے معطر چاندنی
کیا کہوں جلوہ تھا کیا صلی علیٰ صلی علیٰ
رہ گئی تھی دیکھ کر حیران و ششدر چاندنی
ساقیا جس جا کہیں جاتے ہوئے ٹھہرا براق
بن گئے قندیل تارے فرش چادر چاندنی[1]

---

[1] اذان بت کدہ:۳۳

# باب ہفتم

## متاخرین کا دَور

اس دور میں نعتیہ شاعری کے ستون امیؔر مینائی اور محسؔن کاکوروی ہیں۔ دونوں لکھنؤ کے دبستان شاعری سے تعلق رکھتے ہیں۔لیکن یہ وہ زمانہ ہے جب کہ دہلی اور لکھنؤ دونوں دبستان ایک دوسرے سے متاثر ہوئے۔امیؔر کا کلام اس پر شاہد ہے۔محسؔن کی صناعی اب بھی لکھنوی رنگ کو پورے آب وتاب سے پیش کررہی ہے۔لیکن اس کا استعمال لطافت اور کیف سے خالی نہیں ہے۔الفاظ کے حسن انتخاب اور تشبیہات واستعارات کی ندرت نے کلام کو دلآ ویز بنا کر پیش کیا ہے۔شاعر کا خلوص بھی جگہ جگہ نمایاں ہے۔

یہ دَور اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ یہاں سے نعت گوشعراء کا وہ طبقہ فروغ پاتا ہے جس نے حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ اظہار میں مناسب اور نامناسب کے امتیاز کو نظر انداز کردیا۔اب داخلی جذبات کے اظہار میں وہ مضامین بھی جگہ پانے لگے جن کی تشریح تصوف کی زبان میں ہوسکتی ہے۔ان کا جواز شریعت میں کہیں نہیں ملتا۔جذبات کی فراوانی اور لطافت نے ادبی حیثیت سے نعت کا پایہ نہایت بلند کردیا لیکن اس غلط جذبۂ خلوص نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہ حدیں بھی توڑ دیں جو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھیں۔

اس دَور کے عام شعراء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں عاشقانہ الفاظ کا بلاتکلف استعمال جائز سمجھا یہاں تک کہ اکثر مقامات پر یہ تمیز کرنا مشکل ہوگیا کہ یہ اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں یا شاہد مجازی کے لئے۔خارجی اوصاف کے بیان میں یہی بے احتیاطی پائی جاتی ہیں۔اس طرح وصل، ہجر، سبزۂ خط، دلربا، پیارے، میرے بانکے جیسی نامناسب

ترکیبیں اورالفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں استعمال ہونے لگے۔

اس کے علاوہ موضوع روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بڑھانے کی کوشش کی گئی اور صحیح روایات کے نظم کرنے میں اس قدر مبالغے سے کام لیا گیا کہ نعت کی صحیح صورت بھی بگڑ گئی۔

غرض یہ کہ یہ دَور نعتیہ شاعری میں تغزل کے شباب کا دور ہے اور ظاہر ہے کہ رنگ تغزل میں بے احتیاطی کی صورتیں بھی پیدا ہوسکتی ہیں۔

## امیرؔ مینائی

امیرؔ مینائی مشہور مینائی خاندان کے فرد ہیں۔ جن کا تقویٰ اور روحانی فیض مرجع خاص و عام رہا ہے۔ امیرؔ مینائی کے والد کرم احمد مینائی بھی علم ظاہر و باطن کے لئے لکھنؤ میں مشہور تھے۔ اکثر شرفاء لکھنؤ نے ان سے اکتساب فیض کیا۔ امیرؔ مینائی ۱٦ رشعبان ۱۸۲٦ء میں پیدا ہوئے اور والد ہی کی سر پرستی میں تعلیم و تربیت پائی۔ باپ سے بہتر بیٹے کا معلم کون ہوسکتا ہے۔ امیرؔ مینائی کی زندگی پر ان کے والد کے فیض صحبت کا اثر نمایاں ہے۔ ان کے علاوہ امیر نے فرنگی محل کے اہلِ فضل سے بھی اکتساب علم کیا۔

شاعری کا مشغلہ اگر تکمیل علم وفضل سے پہلے شروع ہوجائے تو علوم کے حصول میں یہ بہت بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ امیرؔ کے والد نے اس کا خیال رکھا اور بیٹے نے باپ کی مرضی کے مطابق اپنا وقت نہایت جانفشانی سے تحصیل علوم میں لگا دیا اور اس میں فضیلت حاصل کی۔ امیرؔ مینائی کی تعلیم و تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی اور جو فضیلت امیرؔ نے حاصل کی تھی اس کا فطری تقاضا یہ تھا کہ شعر و سخن میں بھی وہ ایسا استاد تلاش کرتے جو ان کے مذاق کا ساتھ دیتا چنانچہ مظفر علی خاں اسیر کا سا استاد انہیں مل گیا جو لکھنؤ کی نسائیت کے رنگ سے دور تھا اور رکاکت اور ابتذال سے بلند۔

اسیرؔ کی وساطت سے امیرؔ کو ۱۲٦۹ھ/۱۸۵۲ء میں واجد علی شاہ کی ملازمت حاصل ہوئی۔ اس وقت امیرؔ کی عمر سن عیسوی کے حساب سے ۲٦ رسال اور ہجری سے ۲۷ رسال تھی۔ انہوں نے ''ارشاد السلطان'' اور ''ہدایت السلطان'' لکھ کر واجد علی شاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ کتابیں اب نہیں ملتیں۔

امیرؔ کے ابتدائی کلام کا مجموعہ جسے انہوں نے ''بہارستان'' کے نام سے مرتب کیا تھا۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں تلف ہوگیا۔ لہٰذا ان کے اس زمانے کے رنگ کا اندازہ پوری طرح نہیں ہوسکتا البتہ جو تھوڑا سا کلام ملتا تھا اس میں اخلاقی مضامین پائے جاتے ہیں اور شاعر کی طبیعت کا مذہبی رنگ جھلکتا ہے۔ اس عہد کی یہ غزل اس کی ترجمانی کرتی ہے: [۱]

ہم ہوں یا موسیٰ ہو کوئی دیکھ سکتا ہے اسے
پردے حیرت کے پڑے ہیں جلوہ گاہ طور میں

حوصلہ عالی اگر ہو ہر جگہ معراج ہے
دار بھی ہے شاخ سدرہ دیدۂ منصور میں

منزلِ مقصود کی مستوں کو دکھلاتی ہے راہ
خضر بن بیٹھی ہے سبزی دانۂ انگور میں

واجد علی شاہ کی معزولی اور ۱۸۵۷ء کی پریشانی نے دیگر شرفائے لکھنؤ کے ساتھ امیرؔ مینائی کو بھی لکھنؤ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ امیرؔ کاکوری چلے گئے، کاکوری کا قیام امیرؔ کی زندگی اور تاریخ ادب اردو کا اہم واقعہ ہے۔ اردو ادب کے دو بڑے نعت گو شعراء یعنی امیرؔ مینائی اور محسنؔ کاکوروی کی صحبت نے یقیناً امیرؔ کو نعت گوئی کے لئے ابھارا جو امیرؔ کے نعتیہ کلام کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور امیر کے اس فطری رجحان کو جلا دی، چنانچہ محسنؔ کاکوروی کے مشہور قصیدے ابیات نعت، کی تضمین جو امیرؔ نے کہی وہ اسی فیض صحبت کا نتیجہ ہے۔ محسنؔ کاکوروی کے قصیدے کا پہلا شعر یہ ہے:

مٹانا لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا
دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

امیرؔ مینائی کی تضمین کا نمونہ درج ذیل ہے:

میں بسم اللہ آزاد ہوں سر پر تاج ہے مد کا
الف آوارگی کا راست نقشہ ہے مرے قد کا
تجر و تختۂ اوّل ہے میرے مشق بے حد کا
مٹانا لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا
دبستان محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

---

[۱] دبدبہ امیری، صفحہ-۲۲

وہ احمد جس کے پرتو سے ہے دل آئینۂ معنی
ثناء سے جس کے صندوق جواہر سینۂ معنی
مرصع دست کاتب میں پڑے دستینۂ معنی
ملا ہے سب کو جس کے وصف سے گنجینۂ معنی
زباں نے رتبہ پایا ہے کلیدی قفل ابجد کا

امیرؔ مینائی نے تلاش روزگار میں انگریز سرکار کی ملازمت کا ارادہ کیا۔ لیکن اس خدمت کا وہ موقع حاصل نہ کر سکے۔ آخر نواب یوسف علی خاں نواب رام پور کی ملازمت کا انہیں موقع مل گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رام پور ہندوستان کے اہل کمال کا مرجع بنا ہوا تھا امیرؔ کی اس دَور کی شاعری ''مراۃ الغیب'' کی صورت میں نمودار ہوئی امیرؔ کا یہ پہلا مطبوعہ دیوان ہے جس میں جگہ جگہ نعتیہ مضمون کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

عاشق کیا ہے شوق نے تیرے حبیب پر — یارب امیدوار ہوں عفو قصور کا
محشر کا اور ساقی کوثر کا واسطہ — اک جام تشنگی میں شراب طہور کا [۱]

......

نام عاصی داخل فرد شفاعت ہوگیا — خاتمہ بالخیر احمد کی بدولت ہوگیا [۲]

......

نور ایسا دیدۂ دل کو خدا بخشے امیرؔ — سامنے روضہ نظر آئے رسول اللہ کا [۳]

......

جلوہ گر ہے نور حق ہونے سے یکتائی امیرؔ — سایہ بھی ہوتا اگر ہوتا پیمبر کا جواب [۴]

......

روضۂ رسول ﷺ کا ہے اگر بارگاہ حق — میں بھی امیرؔ خاک در بارگاہ ہوں [۵]

......

یہ وظیفہ سب وظیفوں سے ہے بہتر اے امیرؔ — یاد احمد کو کروں یا احمد بے میم کو [۶]

......

---

۱ مراۃ الغیب، صفحہ-۴۲
۲ مراۃ الغیب، صفحہ-۴۲
۳ مراۃ الغیب، صفحہ-۷۹
۴ مراۃ الغیب، صفحہ-۱۰۲
۵ مراۃ الغیب، صفحہ-۱۸۷
۶ مراۃ الغیب، صفحہ-۱۸۷

محبوب حق کا خاص یہ رتبہ ہے اے امیرؔ　　　داخل ہو لامکاں میں یہ حدِّ بشر بھی ہے[۱]

......

امیرؔ اس سرورِ عالم کی کیا توصیف ہو تجھ سے　　　خدا کی شان ہے سیرت ملک کی شکل آدم کی[۲]

......

امیرؔ اب دغدغہ کیسا کہ پہنچے ہم مدینے میں　　　چھٹے آفت سے ظلِّ احمد مختار میں آئے[۳]

۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں نواب یوسف علی خاں کے انتقال کے بعد نواب کلب علی خاں کا دَور شروع ہوا۔ نواب نے امیرؔ کو ملک الشعراء کا خطاب دیا اور خلعت دی۔ نواب کلب علی خاں امیرؔ سے مشورۂ سخن کیا کرتے۔ یہیں امیرؔ نے انتخاب یادگار جو تذکرہ کا ملان رامپور میں ہے ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں لکھا۔ نواب کلب علی خاں کے عہد میں امیرؔ (۲۱۶) روپیہ ماہوار بطور تنخواہ کے پاتے رہے۔ اس کے علاوہ نواب صاحب چار پانچ ہزار روپیہ سالانہ دیتے۔ ۱۸۸۴ء میں امیر اللغات کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ لیکن امیر مینائی رامپور سے لکھنؤ آ گئے اور دربار سے ان کا تعلق منطقع ہوگیا۔ یہاں امیرؔ کی شاعری کا پہلا دور ختم ہو جاتا ہے۔ اب امیر اللغات کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ لکھنؤ آ کر ۱۸۸۵ء میں ''دامن گلچین'' ایک ماہنامہ جاری کیا۔ یہاں امیرؔ کی شاعری کا دوسرا دَور شروع ہوتا ہے۔ ایک ہی سال کے بعد پھر رامپور بلا لیا گیا۔ رامپور پہنچ کر امیر اللغات کا کام با قاعدہ شروع ہو گیا۔ لیکن بد قسمتی سے ۱۸۸۷ء میں نواب کلب علی خاں کا انتقال ہو گیا۔[۴]

جنرل عظیم الدین خاں مدار المہام ریاست رامپور نے امیر مینائی کی تنخواہ تخفیف کر دی جس کی بناء پر امیر دل برداشتہ ہو گئے۔ اور جب ۱۹۰۰ء میں میر محبوب علی خاں نظام حیدر آباد بنارس سے گزرے تو امیرؔ کو ملازمت کے لئے طلب کیا۔ امیرؔ مینائی نے موقع کو غنیمت جان کر رامپور سے حیدر آباد کا رُخ کیا لیکن کوئی خدمت حاصل کرنے سے پہلے ۲۰/ جمادی الآخر

---

۱ مراۃ الغیب، صفحہ-۲۵۰

۲ مراۃ الغیب، صفحہ-۲۶۷

۳ مراۃ الغیب۔ صفحہ-۲۷۶

۴ ۱۸۹۱ء میں امیر اللغات کا پہلا حصہ شائع ہوا، جس میں الف ممدودہ کے الفاظ شامل تھے۔ دوسرا حصہ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا اس میں الف مقصورہ کے الفاظ تھے۔ تیسرا حصہ جو بائے موحدہ کے الفاظ پر مشتمل تھا، اشاعت سے محروم رہا۔

۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو اس دارفانی سے کوچ کیا۔ امیؔر کا مزار درگاہ یوسف شاہ کے احاطہ میں ہے۔ مزار پر یہ شعر کندہ ہے:

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں  پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے

تصانیف کی فہرست درجِ ذیل ہے:

(۱) رشادالسلطان۔
(۲) ہدایت السلطان۔
(۳) غیرت بہارستان۔
(۴) سرمۂ بصیرت، عربی و فارسی کے وہ الفاظ جو اردو زبان میں غلط استعمال ہونے لگے تھے، ان کی وضاحت کی ہے۔
(۵) بہار ہند۔ اردو محاورات اور مصطلحات کا مجموعہ۔
(۶) نور وتجلی وابر کرم، دو مثنویاں۔
(۷) نماز کے اسرار۔
(۸) شعلۂ جوالہ مجموعہ واسوخت ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء)
(۹) محامد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲۸۹ھ، ۱۸۷۲ء) نعتیہ دیوان۔
(۱۰) انتخاب یادگار (۱۲۹۰ھ، ۱۸۷۳ء)۔
(۱۱) مراۃ الغیب۔ (۱۲۹۰ھ، ۱۸۷۳ء)
(۱۲) خیابان آفرینش۔ (۱۳۰۵ھ، ۱۸۸۷ء)
(۱۳) صبح ازل۔ شام ابد۔ لیلۃ القدر۔ ذکر شاہ انبیاء جو نعتیہ مسدس ہیں۔
(۱۴) صنم خانۂ عشق۔[۱]

---

[۱] صنم خانۂ عشق بھی نعتیہ اشعار سے خالی نہیں ہے۔ مثلاً

سکہ رائج جب سے دین مصطفیٰ کا ہوگیا  غلغلہ ساری خدائی میں خدا کا ہوگیا
جب سے دل دیوانہ محبوبِ خدا کا ہوگیا  مصطفیٰ اس کے ہوئے وہ مصطفیٰ کا ہوگیا
اوّل بہشت میں ختم الانبیاء پایا لقب  رتبہ حاصل ابتداء میں انتہا کا ہوگیا
صد شکر منھ سے نام محمد ﷺ نکل گیا  بات اپنی بارگاہِ الٰہی میں رہ گئی  (صفحہ-۱۸۹)
اب مدینہ کی طرف قصد مصمم ہے امیر  دیکھئے چل کے ذرا گلشن ایماں کی بہار  (صفحہ-۱۸۹)

(۱۵) دیوان غیر مطبوعہ۔

(۱۶) جواہر انتخاب وگوہر انتخاب۔ منتخب اشعار کا مجموعہ۔

(۱۷) امیر اللغات جلد اوّل و دوم۔

امیر مینائی کا نعتیہ کلام جس کا تاریخی نام محامد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہے پہلی مرتبہ منشی نولکشور نے ۱۲۸۹ھ میں چھاپا۔ یہ دیوان اس قدر مقبول ہوا کہ کئی مرتبہ اور چھاپنے کی نوبت آئی۔ منشی نولکشور کے مطبع سے شائع شدہ نسخوں میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئیں۔ چنانچہ امیؔر مینائی نے ان کی تصحیح کے لئے اپنے چند تلامذہ کو مامور کیا اور اسے اہتمام سے ۱۳۰۶ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے چھپا کر شائع کیا جس کی تاریخ محسؔن کاکوروی نے یہ لکھی ہے:

سروش غیب نے تاریخ کیا اچھی کہی محسؔن
کہ یاد مصطفیٰ ﷺ سچا وسیلہ ہے شفاعت کا

۱۳۰۶ھ

اس میں قطعہ ہائے تاریخ کے علاوہ بہت سی تقریظیں بھی چھپی ہیں لیکن ان میں واہ واہ اور سبحان اللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ محسؔن کاکوروی نے بھی ایک نظم امیؔر مینائی کے اس مجموعہ کی تعریف میں لکھی ہے۔ جس کے آخر میں اوپر دیا ہوا قطعہ تاریخ شامل کیا ہے۔

اس نسخے میں وہ غزلیں اور مناجاتیں بھی شامل کی گئیں جو بقول امیؔر ”اگلے دیوان سفینہ کے بعد موزوں ہوئی تھیں۔“ اس طرح اس دیوان میں ۱۵۸؍غزلیں، ۵؍قصیدے، ۱۹؍رباعیاں، ۵؍ترجیع بند، ۷؍تضمینیں اور ۶؍مناجاتیں ہیں۔ ان کے علاوہ دو غزلیں حضرت غوث پاک کی منقبت میں لکھی ہیں اور ایک غزل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے۔

لیکن قصیدے سب کے سب نعت میں نہیں ہیں، ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں اور ایک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلے میں ہے۔ شروع میں ایک منظوم دیباچہ ہے جس میں اس دیوان کے سبب تالیف کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

یہ آیا میرے دل میں ایک دن خیال — کہ کب تک یہ اشغال خسران مآل
چہل سال عمر عزیزت گذشت — مزاج تو از حال طفلی نہ گشت
کہی عاشقانہ جو اچھی غزل — نہیں ہے کوئی اس میں حسن عمل

وہ کر فکر جس میں کہ عقبیٰ ہو پاک ترا اختر بخت ہو تاب ناک
مناسب ہے فکر مضامین نعت کہ تزئین ایمان ہے تبیین نعت

دیوان امیر مینائی نے والیٔ رام پور نواب کلب علی خاں سے منسوب کیا تھا جس کا ذکر دیباچے کے علاوہ ایک نعتیہ قصیدے کے آخر میں بھی ہے اور اس طرح ہے:

سلامت رکھ میرے کلب علی خان بہادر کو
محمد نام جو ہم نام ہے تیرے محمد ﷺ کا

یہ نعتیہ کلام جیسا کہ اوپر کے اشعار میں ہے امیر مینائی نے ۴۰ سال ۱؎ کی عمر کے بعد لکھنا شروع کیا اور ۴۳ سال کی عمر میں ۱۲۸۷ھ میں مکمل کیا اس وقت تک وہ حج ۲؎ بھی کر چکے تھے۔ لکھتے ہیں:

مومن و زائر و حاجی ہوں، دیئے تین شرف
مکی و ہاشمی و مطلبی نے مجھ کو

امیرؔ کا پہلا قصیدہ شہیدیؔ کے اس مشہور قصیدے کی تقلید میں ہے جو اس طرح شروع ہوا ہے:

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا
سر دیوان لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

شہیدیؔ نے یہ قصیدہ ۱۲۵۵ھ میں لکھا تھا اور زیارت مدینہ منورہ کے وقت ان کے حسن خاتمہ کی وجہ سے جو مقبولیت انہیں حاصل ہوئی تھی اس کی وجہ سے محسنؔ کاکوروی نے اپنا قصیدہ اس طرح لکھا تھا:

مٹایا لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا
دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا

---

۱؎ یہ عمر زیادہ تو نہیں تھی لیکن نعتیہ غزل میں کہتے ہیں:
نہیں سمجھتے یہ جائے گا پہلے یثرب میں امیرؔ پیر کے طعنے جوان دیتے ہیں
چاہیے ایام پیری میں خموشی اے امیر بات کا کیا لطف جب دندان دہان سے گر پڑے
لیکن یہ اشعار محض رسمیہ ہوں گے وہ اپنی جوان طبعی کا ذکر ایک قصیدے میں اس طرح کرتے ہیں:
البتہ مقابل ہیں میرے عرفیؔ و فیضیؔ پر فرق ہے اتنا میں جواں طبع ہوں وہ پیر

۲؎ امیر دوبارہ بھی حج و زیارت کو گئے تھے:
شوق دل نے کی دوبارہ رہبری آگے بھی ہو آئے تھے اب پھر چلے

محسنؔ کے اس قصیدے پر امیرؔ مینائی نے ایک تضمین بھی لکھی تھی اور قصیدہ بھی لکھا تھا لیکن شہیدیؔ کے حسن خاتمہ پر رشک کرتے ہیں کہ:

در شہِ پر اجل اے کاش میسر ہوتی ۔۔۔ میری تربت بھی شہیدیؔ کے برابر ہوتی

امیرؔ مینائی کا قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

تفکر امتیاز حان و جاناں میں کیا حد کا ۔۔۔ عروض اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیت معقد کا

نفخت فیہ من روحی کے معنی سے ہوا ثابت ۔۔۔ خزانہ ہے محیط اس چشمۂ روح مجرد کا

گیا شبہ سمجھ میں آیۂ حبل الورید آیا ۔۔۔ رگ گردن مقام خاص ہے محبوب سرمد کا

اس قصیدے کی تمہید حمد کے مضامین پر مشتمل ہے۔ جس میں کعبۂ دل کی تجلی، بارگاہ خداوندی میں آہ وزاری، قلب کی صفائی، غرور اور دولت دنیا سے بیزاری وغیرہ مضامین بھی شامل ہیں۔ پھر ایک غزل شروع کی ہے کہ:

خدا جانے کب آنا ہو چمن میں اس سہی قد کا
بجا رکھا ہے کیوں غنچوں نے ڈنکا آمد آمد کا

اس غزل میں لکھنؤ کے مروجہ رسوم شاعری کے مطابق رعایتیں اور مختلف صنعتیں موجود ہیں۔ مثلاً:

خیالِ آبرو رکھتے ہیں ناحق عاشق ابرو
الف ہر چند ہے اس لفظ میں لیکن ہے بے مد کا

سیاہی سے یقیں ہے پنجۂ مژگاں شپر ہو
جو شانہ مہر کا غنچہ ہو اس زلف مجعّد کا

پھنکیتی چھوڑ دے اب خوش نویسی کا ہے شوق اس کو
دوات و خامہ لاؤ طاق پر رکھ دو پھری گد کا

یہ غزل پندرہ اشعار کی ہے۔ اور اس کا انداز یہی ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ کسی مجازی محبوب کے خد وخال کی تعریف سے کیا فائدہ:

مگر توصیف رخسار و خط و گیسو سے کیا حاصل
وظیفہ تھا جو ان بیتوں میں ہوتا وصف احمد کا

گویا اس طرح نعت کی طرف گریز کیا ہے اور دوسرے مطلع میں پھر تمہید ہے۔ لکھتے ہیں:

الف آدم میں ہے ممدود، احمد میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا

اس تمہید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے شمائل اور برکات وغیرہ کا ذکر ہے اور حسن تعلیل سے کام لیا ہے لیکن ایک آدھ جگہ انداز بیان میں اعتدال نہیں رہا۔ مثلاً:

رہے خاطر جو دنیا سے بلایا حق نے پاس اپنے
رواں ہمراہ قاصد کے کیا ہدیہ خوشامد کا

یہاں ''خوشامد'' کے لفظ کے لغوی معنی میں توجیہہ ہوسکتی ہے لیکن احتیاط کے خلاف ضرور ہے۔ اس تمہید کے آخر میں شہیدیؔ کی ''ایجاد'' کا ذکر ہے:

کمی اس سے نہیں کی میں نے بھی توصیف حضرت میں
شہیدیؔ کو کہ موجد ہے اس آئین مجدد کا

اس کے بعد اصل نعت میں اشعار شروع ہوتے ہیں:

ظہور آخر ہے اوّل انبیاء سے نور احمد کا — بجا ہے گر لقب ہو اوّل وآخر محمد ﷺ کا[۱]

اس میں معجزات کا ذکر ہے اور یہ کہ مختلف پیغمبروں کی مصیبتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دور ہوئیں۔ پھر

(۱) ایک ایک مضمون سے کئی کئی مضامین پیدا کئے ہیں۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد کا سایہ نہ تھا۔ اس مضمون کو ایک ہی قصیدے میں مختلف طریقوں سے باندھا ہے:

الف آدم میں ہے ممدود احمد میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا

دوئی کیسی کہانی ثانی کہ یہ دونوں ہیں لاثانی
خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا

---

[۱] اس زمین میں دو نعتیہ غزلیں بھی ہیں۔

خلف وہ ہے کرے جو نام روشن جد امجد کا — الف احمد کا میم احمد کا دال آدم میں احمد کا
میں طفلی سے ہوں عاشق ابروئے خمدار احمد کا — کمان حسن کا ناوک الف ہے میرے ابجد کا

وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے ظلِ خدا حضرت
جدا کرنا بہت دشوار تھا حرف مشدد کا

تھکا جب ڈھونڈھ کر سمجھا غلط فہمی سے وہم اپنا
کہ ہے رخت سیاہ کعبہ سایہ آپ کے قد کا

کیا یہ پانی پانی گیسوئے مشکیں کی خجلت نے
سما کر خاک میں پوشیدہ سایہ ہوگیا قد کا

گماں ہوتا ہے جنت سے وہی اترا عبا ہوکر
اٹھا رکھا تھا جو اللہ نے سایہ محمد ﷺ کا

لفظ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' سے یہ مضامین پیدا کئے ہیں:

اثر میم مشدد میں ہے ذوالقرنین کی سد کا — بلاؤں سے بچے جو نام لے دل سے محمد کا
ہے اب رہنا نہ رہنا ایک ذوالقرنین کی سد کا — بلاؤں سے امان خلقت نے نام پاک سے پائی
محمد میں یہی مطلب تو ہے میم مشدد کا — ہوئے ہیں جمع امکاں وقدم ذاتِ مقدس میں

(۲) اس کے علاوہ حسن تعلیل بکثرت ہے جو امیرؔ مینائی کی بلند تخیل اور عقیدت مندی کا آئینہ دار ہے۔ مثلاً:

وہی تو چرخ اخضر ہے جو روز خلقت عالم
گرا تھا تاج نورانی سے آویزا زمرد کا

سکونت کی جگہ درکار نو محلوں کو تھی ان کے
یہی باعث ہوا بنیاد نہ طاق زبرجد کا

قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے
انہی دو نقطۂ زیریں کا طالب لفظ تھا بد کا

(۳) کہیں کہیں رعایت لفظوی ومعنوی بھی ہے۔ مثلاً:

عجب اس خسرو دیں کو خدا نے دی ہے بیداری
کہ مخمل خواب سے واقف نہیں ہے اس کی مسند کا

مشکک معجز شق القمر میں کچھ جو شک لائے
کرے دوارۃ تشدید سر کاف مشدّد کا

شکم پر سنگ اسود اور فاقے سے شکم خالی
ہوا ثابت کہ کعبہ بھی مقلد ہے محمد ﷺ کا

دکھائی قوت بازو کماں قرب یوں کھینچی
کہ عالم دونوں گوشوں میں ہوا حرف مشدّد کا

ان خصوصیات کے علاوہ کوئی اور چیز اس قصیدے میں نظر نہیں آتی اور یہی خصوصیات امیؔر کے دوسرے قصیدوں میں بھی ہیں۔ ایک شعر میں اپنی دیوانگی ظاہر کر کے بڑی عقیدت ظاہر کی ہے:

خدایا تو ہے منصف میں احد سمجھا جو احمد ﷺ کا
کہ دیوانہ جو مجرم ہو نہیں ہے مستحق حد کا

اور عقیدت مندی پر قصیدے کو ختم کیا ہے۔ چند اشعار یہ ہیں:

کبھی لوں شوق کامل سے در و دیوار کے بوسے
لگاؤں سرمہ آنکھوں میں کبھی اس خاک مرقد کا

عجب کیا اشک کی صورت گریں مولا کے قدموں پر
نکل کر پتلیاں دونوں کہ شوق بوسہ ہے حد کا

نسیم لطف کا جھونکا الٰہی کوئی چل جائے
شگفتہ مثل گل ہو جائے غنچہ دل کے مقصد کا

......

دوسرا نعتیہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

اے خضر بھول گئی تھی مجھے راہ تگ و تاز — وقت پر آ گئے تم عمر تمہاری ہو دراز

اس طرح تمہید میں ایک خضر یا پیر سے گفتگو شروع کی ہے جنہوں نے مدینہ طیبہ جانے کا عزم معلوم کر کے ہمت افزائی کی ہے اور وہاں پہنچنے کے لئے ''تائید خدا'' شامل حال ہے۔ پھر روضہ اطہر کی تعریف ہے:

جانب قبلہ ہو جس طرح رخِ قبلہ نما — کعبۃ اللہ کا ہے اس در کی طرف روئے نیاز[1]

---

[1] مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے کہا ہے:

حاجیوں آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو — کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

''وصف روضۂ اقدس'' کے بعد معراج شریف کا ذکر ہے اور عرش کی بزم کی تعریف ہے کہ:

کچھ عجب بزم کہ تھی بزم کے اطلاق سے دور
عود بے مجمرۂ و نغمۂ بے پردۂ ساز
ہم بغل شانہ سرزلف رسا سے لیکن
نہ کوئی زلف مسلسل نہ کہیں دست دراز

وہ سوالات و جوابات کہ جن میں وحدت
ایک ہو جیسے کہ آواز سے مل کر آواز

اس کے بعد پھر اصل مدح کی طرف رجوع ہے اور امیرؔ مینائی کی وہی خصوصیات پھر نظر آتی ہیں یعنی حسن تعلیل کی مثالیں بہت ہیں۔ اور حسب معمول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے پر مضامین ہیں۔ مثلاً:

ہو بھلا اس تن پر نور کا سایہ کیونکر — جس کا ثانی ہو عدم جیسے خدا کا انباز

پھر بعض معجزات کا ذکر ہے اور جس طرح پہلے قصیدے میں ہے کہ تمام پیغمبروں کی مشکلات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے کٹ گئیں اسی طرح اس قصیدے میں بھی کہا ہے:

کس فرشتے نے نہ تعلیم سے حصہ پایا — کس پیمبر کے نہ حامی ہوئے سلطان حجاز
نام حضرت کا لیا مشکل یعقوب کٹی — ہجر فرزند تھا ہر چند بہت صبر گداز
یاد مولا میں نہ معلوم ہوا صدمہ درد — گو کہ تھی مدت بیماری ایوب دراز

اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مشکلات کا ذکر ہے۔ پھر مدینہ طیبہ کی زیارت کا شوق ظاہر کیا ہے، اور یہ کہ:

کیا عجب ہے یہ قصیدہ جو پہنچ جائے وہاں — شوق میں آ کے کرے مثل کبوتر پرواز

امیرؔ کا تیسرا نعتیہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

لائی ہے کیا چمن میں ہر اک شاخسار پھول
دکھلا رہے ہیں باغ جناں کی بہار پھول
کتنے ہیں سرخ و زرد تو کتنے سپید و سبز
ہر رنگ میں ہے صنعت پروردگار پھول

ردیف پھول کی رعایت سے امیرؔ نے اچھے اچھے مضامین پیدا کئے ہیں:

کثرت سے اس قدر کہ سخی باغباں ہوا　　دیتا ہے مفت اہل تماشا کو ہار پھول
ہر گھر میں ہر مکان میں صحرا میں کوہ میں　　لے جاتی ہے اڑا کے نسیم بہار پھول

آگے چل کر کہتے ہیں:

جتنے درخت ہیں وہ جمائے ہوئے ہیں صف
باندھے ہوئے کھڑے ہیں روش پر قطار پھول
پوچھی جو وجہ میں نے تو کہنے لگی نسیم
اس کا ہے انتظار ہمیں جس پر نثار پھول
وہ لالہ رو کہ جس سے زمانہ کی ہے بہار
جس کے عرق سے ایسے ہوئے عطر بار پھول

نہایت اچھا گریز ہے اور حقیقت ہے کہ امیرؔ کے قصیدوں کے گریز بہت دلکش اور لطیف ہیں۔ اس قصیدے میں گو کہ ظاہری شمائل بیان کئے گئے ہیں لیکن ایسی لطافت سے کہ اب بھی ان میں دل فریبی موجود ہے۔ مثلاً:

اللہ نے دیا ہے یہ اس کو جمال پاک　　سنبل فدا ہے زلف پہ رخ پر نثار پھول
اللہ کیا دہن ہے کہ باتیں ہیں معجزہ　　ہوتے ہیں ایک غنچہ سے پیدا ہزار پھول
وہ چہرہ وہ دہن کہ فدا جن پہ کیجیے　　ستر ہزار غنچے بہتر ہزار پھول

اس قصیدے کا خاتمہ بھی بہت اچھا ہے کیونکہ اس میں دعائیہ اس برجستگی کے ساتھ شروع ہوتا ہے کہ پتا بھی نہیں چلنے پاتا۔ مثلاً:

ادنیٰ یہ معجزہ تھا کہ ایک چوب خشک میں　　پتے لگے ہزار پھل آئے ہزار پھول
اللہ رے رعب کچھ نہ ابوجہل کی چلی　　کافر کے ہاتھ پاؤں گئے مشک وار پھول
ہے دشمنوں کے حق میں چمن زار خارزار　　کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں مانند خار پھول
رنگ بہار ان کو جلائے برنگ نار　　تاثیر میں ہوں اختر دنبالہ دار پھول

غنچے کی طرح آپ کے دشمن گرفتہ دل
خنداں ہوں دوست جیسے کہ روز بہار پھول

غرض کہ اس قصیدے کی تمہید گریز اور دعائیہ سب کچھ اچھا ہے اور اس میں امیؔر مینائی کے کمالات شاعری پوری طرح نمایاں ہیں۔

منقبت والا قصیدہ تعلّی سے شروع ہوتا ہے لیکن براعت الاستہلال سے ممدوح کا پتہ چل جاتا ہے:

کیونکر نہ کروں ملک معانی کو میں تسخیر
خامہ ہے مرا دست یداللہ کی شمشیر

آئے جو تعلیٰ پہ مری ہمت عالی
دشوار نہیں قلعہ افلاک کی تسخیر

جو معنی روشن ہے وہ ہے غیرت خورشید
سودا نہیں مجھ کو جو کروں مہر کو تسخیر

اور اس قصیدے میں بھی گریز بہت اچھا ہے۔ لکھتے ہیں:

سو طرح کا بخشا ہے مجھے علم خدا نے
قرآن میرا دل ہے تو سینہ مرا تفسیر

روکیں جو علائق نہ رُکے میری طبیعت
پڑتی ہے بھلا پائے نگہ میں کوئی زنجیر

میدان سخن جیت لئے میں نے ہزاروں
بازو ہے قوی جھولتی ہے عرش پہ شمشیر

یہ عجز و شرف اس کی غلامی سے ہے حاصل
جو صاحب قنبر ہے ولا جس کی ہے اکسیر

لیکن امیؔر مینائی اپنے ممدوح سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت رکھتے ہیں شاید اس لئے کہ تصوف کا سلسلہ ان تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ کچھ اشعار اس طرح کہہ گئے ہیں کہ ہماری رسمیہ شاعری میں تو جائز ہے لیکن امتیاز سے بعید ہے۔ مثلاً:

مزدور براہیم ہیں وہ صاحب خانہ　　　حق ہے کہ ہوا کعبہ اس کے لئے تعمیر
جاں بخشی خلائق تھا اگر نطق مسیحا　　　جان بخش مسیحا ہیں وہ حضرت دم تقریر

ایک لمعۂ رخسارۂ پرنور تھا وہ بھی | موسیٰ کو جو آئی تھی نظر طور پہ تنویر
کیونکر نہ ہوں جبریل امیں تابع فرمان | استاد کی خدمت پئے شاگرد ہے توقیر

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ایسے اشعار ہیں جیسے سوداؔ اور ذوقؔ نے دنیاوی ممدوحوں کے متعلق بھی لکھے ہیں۔ مثلاً:

ہو لطف جو حضرت کا وہ انسان کا معالج
اخلاط میں تفریق عناصر میں ہو تغیر
پانی کی طرح آگ پگھل کر ابھی بہہ جائے
گرمی پہ بڑھے آب میں ہو آگ کی تاثیر
بخشے نہ اگر رنگ اثر حکم معلیٰ
باطل ہو نباتات و جمادات کی تاثیر
گل ہوں کبھی تحریک ہوا سے نہ شگفتہ
دے رنگ جواہر کو نہ خورشید کی تنویر

آخر میں دعائیہ صرف ایک شعر میں ہے اور صرف سادہ انداز میں ہے:

ہر روز قیامت نظر چشم عنایت
کوثر کا ملے جام جناں میں مجھے جاگیر

پانچواں قصیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں ہے جو مومنؔ کی زمین میں ہے۔ مومنؔ کا نعتیہ قصیدہ اس طرح شروع ہوا تھا:

چمن میں نغمہ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبح شب ہجر نالہ ہائے خروس

امیرؔ مینائی لکھتے ہیں:

نشاط دہر سے ہو کس طرح نہ دل مایوس | کہ چار دن کی یہ مہمان ہے مثل شمع عروس
کسی کے سر پہ جو پھرتا ہے چتر بیاہ کے روز | میں جانتا ہوں یہ ہے رقص مستی طاؤس
قیام کی کسے امید ہے رہے نہ رہے | یہ عمر راہ ہوا میں ہے شمع بے فانوس
زوال نعمت ایواں کی دہر ہی ہے خبر | عبث عبث نہیں ملتی مگس کف افسوس

اس تمہید میں زمانہ کی بے وفائیوں کا ذکر ہے کہ اس کے تمام کام الٹے ہیں اور اس نے تمام اچھے لوگوں کو تباہ کیا ہے:

ہمیشہ خاص خدا پائمال ظلم رہے — عیاں ہے قصۂ اصحاب کہف و دقیانوس
کھچا سر زکریا پہ ارّہ بیداد — الم سے برگ شجر تک ہوئے کف افسوس
وہ بے گناہ چلی تیغ ظلم یحییٰ پر — کہ زیست سے ہوئے الیاس وخضر تک مایوس
خلیل کو کفرہ نے آگ میں پھینکا — اسی الم سے ہے کعبہ کا ماتمی ملبوس
علی الخصوص شہیدوں کا بادشاہ حسین — کہ تخت عرش ہے جس کیلئے مقام جلوس
چراغ کعبۂ دیں شہسوار دوش رسول ﷺ — امام سجدۂ خاصان ایزد قدوس

یہاں بھی بہت اچھا گریز ہے جو امیرؔ مینائی کی امتیازی شان ہے۔ اس کے بعد چند اشعار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اوصاف کے متعلق ہیں۔ پھر کربلا کا واقعہ مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ اور آخر میں کہا ہے:

غرض کہ خاک اڑائی زمین نے ماتم میں
فلک ہوا ہمہ تن داغ صورت طاؤس

جو اہل دیں ہیں کوئی ان کی قدر گھٹتی ہے
ورق الٹنے سے ہوتا نہیں ہے خط معکوس

امیرؔ خالق عالم سے اب یہ مانگ دعا
کہ بہر شاہ نجف شاہ کربلا شہ طوس

رواج دین محمد ﷺ ہو اہل دیں رہیں شاد
رہائی پائیں جو زندان غم میں ہیں محبوس

......

امیرؔ مینائی نے صرف پانچ مذہبی قصیدے لکھے ہیں جن میں نعتیہ قصیدے صرف تین ہیں۔ ان سب قصیدوں کی تمہید کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ کہیں رواج کے مطابق شکایت زمانہ ہے، کہیں تعلّی ہے، کہیں شباب اور بہار کا ذکر ہے اور کہیں صرف مدح ہے۔ لیکن ہر جگہ ممدوح کے اوصاف کی رعایت سے تمہید اختیار کی ہے یعنی اگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

کا بیان ہے تو لازمی طور پر شکایت زمانہ چاہیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شمائل اور کمالات کا جہاں ذکر ہے تو شاعر نے تعلّی سے قصیدہ شروع کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ فرمائی کا جہاں تذکرہ ہے وہاں بہاریہ تمہید ہے اور اتنی نفیس ہے کہ اس کی نظیر شاذ ہے۔ اصل مدح میں امیر مینائی نے عموماً ظاہری اوصاف کا ذکر زیادہ کیا ہے۔ ان کی نعتیہ غزلوں میں بھی یہی خصوصیت ہے۔ لیکن عقیدت جب عشق کی منزل تک پہنچ جاتی ہے تو محبوب یا ممدوح کے بلند کردار کے بجائے اس کی ظاہری ادائیں زیادہ دلفریب معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ محض فردوسِ نظر بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہنے والا اپنے محبوب کی ہستی کو ہر جگہ کارفرما سمجھنے لگتا ہے اور حقیقت کے علاوہ عقیدت بھی چراغ راہ بن جاتی ہے۔ پھر وہ ممدوح کی وجہ سے ہنگامہ نیست و بود قائم ہو اور جو سب کا ہو اور سب اس کے ہوں تو پھر شاعر کیا کچھ نہیں کہہ سکتا؟ لیکن امیر مینائی ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ وہ غزل کے استاد سہی لیکن قصیدہ میں بھی وہ اُردو کے بہترین شعراء میں شمار ہوں گے۔ ان کی علمی استعداد پرشکوہ الفاظ، شاندار تمہیدیں، دلفریب گریز اور مناسب دعائیہ سب کا سب استادانہ ہے اور گو کہ نعتیہ قصیدے کم لکھے ہیں لیکن غزلیں زیادہ ہیں اور ان کی نعت بہت سے شاعروں پر بھاری ہے۔ امیر نے سچ کہا ہے:

کم ہیں میرے شعر پر ہیں نعت میں اکثر امیر
یہ سبب ہے جو مجھے کہتے ہیں سب گویا بہت

امیر مینائی نے قصیدے کم لکھے ہیں لیکن ان کی نعتیہ غزلیں زیادہ ہیں جن میں کم از کم ۷۰۰ اسو اشعار ہیں۔ دیگر اصناف سخن ان کے علاوہ ہیں۔

(۱) غزلوں میں قصیدوں کی طرح حسن تعلیل بہت ہے۔ مثلاً:

جوانانِ چمن باہر ہوئے جاتے ہیں جامے سے
اُڑایا بوئے گل نے رنگ شاید تیری آمد کا

پکارتے ہیں تمہیں کو یہ یا رسول اللہ ﷺ
جو مسجدوں میں موذّن اذان دیتے ہیں

دل سے نکلے گی نہ حضرت ﷺ کی محبت ہرگز
حور باہر نہ کبھی باغ ارم سے ہوگی

فرشتے کرتے ہیں دامان زلف حور سے صاف
جو گرد پڑتی ہے اس روضہ پر نگاہوں کی

ہے تیرے پیرہن پاک کی حسرت اس کو
ورنہ کیوں نکہت گل جامے سے باہر ہوتی

(۲) ظاہری شمائل بھی بہ کثرت زیر بحث ہیں۔ مثلاً:

دکھاتا ہے تماشا لخت دل کیا یاد عارض میں
مژہ سے گرتے گرتے پھول بن جاتا ہے جنت کا

تیری تیغ ادا پر اس ادا سے جان دیتا ہے
قضا منہ دیکھنے لگتی ہے مشتاق شہادت کا

کہتے ہیں گرد عارض باہم یہ دونوں گیسو
میں ہوں ادھر سے قربان تو ہو ادھر سے صدقے

سونگھے جو کوئی ان کے لباس بدن کی بو
خوش آئے کیا دماغ کو اس کے چمن کی بو

(۳) عقیدت کی فراوانی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہا شفقت اور ذرہ نوازی کے مضامین بہت ملتے ہیں اور یہ خصوصیت دوسرے شعراء کے مقابلہ میں امیؔر کے یہاں زیادہ نمایاں ہے۔ مثلاً:

یثرب سے ملک آئیں گے لینے ہمیں تا ہند
یثرب کو جو ہم ہند کے کشور سے چلیں گے

ہوتی ہے جو ہمراہی یثرب تو ادب سے
چلتے نہیں رستے میں سلیماں میرے آگے

جانتے ہیں کہ بہت تشنہ دیدار ہوں میں
ہے یقین پہلے کریں جام عنایت مجھ کو

لحد میں ہم کو سزائے گناہ کیا ہوگی
وہ ناخدا ہیں تو کشتی تباہ کیا ہوگی

ہوں روانہ ہند سے جس دن میں یثرب سے امیؔر
جو مجاور شہ کے روضہ کا ہو اس کو خواب ہو

(۴) اسی لئے بےتابی و بیقراری کے مضامین بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

مدینہ جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

راہ خشکی ہو اگر راہ روؤں سے مسدود — گریۂ شوق دکھا تو رہ دریا مجھ کو
راہ حضرت کا ہے ایسا اشتیاق — پاؤں تھک جائیں تو اپنا سر چلے
شاید آ جائیں وہاں ختم رسالت کے قدم — جلد اے مرگ دکھا گوشۂ تربت مجھ کو
کاروان رہ یثرب میں ہوں آواز درا — سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں

(۵) امیرؔ کا جذب اور کیف اشعار میں اکثر ڈرامائی کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور الفاظ کی نشست، موزونیت اور صوتی ربط اپنے زیر و بم سے رقص کا سماں باندھ دیتا ہے:

مال آپ پر تصدق جان آپ پر سے صدقے
آنکھوں سے سر ہے قربان آنکھیں ہیں سر سے صدقے

کہتے ہیں گرد عارض باہم یہ دونوں گیسو
میں ہوں ادھر سے قربان تو ہو ادھر سے صدقے

کہنا یہ مہر و مہ سے رُخ دیکھ کر نبی ﷺ کا
تو شام سے ہو قرباں میں ہوں سحر سے صدقے

ناف زمیں ہے شہ کا مانند کعبہ روضہ
شرقی ادھر سے قربان غربی ادھر سے صدقے

امیرؔ مینائی کے اشعار میں اس وقت اثر آفرینی پائی جاتی ہے جب کہ شاعر کی تمنا اپنی آخرت کو سنوارنے کے خیال میں پیچ و تاب کھاتی ہے۔ بشری کوتاہیوں کا احساس روز قیامت کی ہولنا کی بن کر اسے پریشان کر دیتا ہے۔ اسے فقط دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سایۂ عاطفت نظر آتا ہے۔ امیر مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا بنا کر تخیل کی دنیا میں اپنے لئے آخرت کا سامان کرتے جاتے ہیں اور اس طرح موت بھی ان کے لئے جنت نشاں بن جاتی ہے:

در شہ پر اجل اے کاش میسر ہوتی — میری تربت بھی شہیدیؔ کے برابر ہوتی
جلوہ نور تیرا پیش نظر تھا دم نزع — جسم خاکی سے جدا روح نہ کیونکر ہوتی
شاید آ جائیں وہاں ختم رسالت کے قدم — جلد اے مرگ دکھا گوشہ تربت مجھ کو

(٦) بحر کے لطف کے ساتھ الفاظ کی نشست، سلاست، روانی اور سادگی امیرؔ کے کلام میں جا بہ جا پائی جاتی ہے۔ ذیل کے نمونے میں شاعر نے حسنِ بیان کے ساتھ معانی کا دفتر

کھول دیا ہے۔ کلام کے اثر سے امیرؔ کے خلوص اور ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن عقیدت اور دلی وابستگی کے جذبات کا پتہ چلتا ہے:

صبا بیشک آتی مدینے سے تو ہے — کہ تجھ میں مدینے کے پھولوں کی بو ہے
سنیں ہم نے طوطی و بلبل کی باتیں — تیرا تذکرہ ہے تری گفتگو ہے
جیوں تیرے در پر مروں تیرے در پر — یہی مجھ کو حسرت یہی آرزو ہے
جسے جس طرف آنکھ جلوہ ہے اس کا — جو یکسو ہو دل تو وہی چار سو ہے
تیری راہ میں خاک ہوجاؤں مرکر — یہی میری حرمت یہی آبرو ہے
زلیخا کو یوسف کا نقشہ مبارک — کہ تصویر احمد میرے روبرو ہے
مئے عشق حضرت سے ہوں مست مجھ کو — جو تسنیم ساغر تو کوثر سبو ہے
یہاں سے ظہور اور وہاں نور تیرا — مکاں میں بھی تو لامکاں میں بھی تو ہے
جو بیداغ لالہ جو بے خار گل ہے — وہ تو ہے وہ تو ہے وہ تو ہے وہ تو ہے

ذیل میں رحمت خداوندی کی آمد آمد کا نقشہ کھنچا ہے۔ یہاں امیرؔ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف کے بیان میں تغزل کے رنگ سے ہٹ کر آپ کی شان کا صحیح اظہار کیا ہے:

زہے رحمت کہ ختم انبیاء کی آمد آمد ہے — حبیب خاص و محبوب خدا کی آمد آمد ہے
زمانہ تیرہ و تاریک تھا اب روشنی ہوگی — مٹیں گی ظلمتیں شمع ہدا کی آمد آمد ہے
بھٹکتے پھرتے تھے جو قافلے راتوں کو راہوں میں — اب ان کے دن پھریں گے رہنما کی آمد آمد ہے
عدم کی راہ لو کہہ دو فساد و فتنہ و شر سے — یہاں خیر البشر خیر الورا کی آمد آمد ہے

شبیہ مبارک کی مصوری کی بہار بھی دیکھئے:

زہے نو بہار شبیہ مبارک — مصور نثار شبیہ مبارک
بہار دو عالم ہو صدقے جو دیکھے — یہ نقش و نگار شبیہ مبارک
مہ و مہر کہتے ہیں جن کو وہ دونوں — ہیں آئینہ دار شبیہ مبارک
لگیں چار چاند اور شمس و قمر کو — اگر ہوں دوچار شبیہ مبارک
بہار زمیں سے بہار فلک تک — نثار بہار شبیہ مبارک

وصف مدینہ میں شاعر کی خوش الحانی بھی سنئے:

رہتی ہے زبان پر صفت شان مدینہ — ہوں مرغ نوا سنج گلستان مدینہ
جنت ہے حقیقت میں گلستان مدینہ — طوبائے جناں سرو خیابان مدینہ
اللہ نے بخشی ہے جسے شاہی کونین — سلطان مدینہ ہے وہ سلطان مدینہ
حاصل ہے مجھے زیست میں بھی سایہ طوبیٰ — بستر ہے تہہ نخل بیابان مدینہ
قالب میں دو عالم کے مدینہ ہے اگر جان — ذات اس شہ کونین کی ہے جان مدینہ
روضہ شہ کونین کا کعبہ سے نہیں کم — اللہ کا مہمان ہے مہمان مدینہ

امیرؔ کے کلام میں الفاظ ترکیبوں اور فقروں کی تکرار جا بہ جا پائی جاتی ہے:

مفتاح باب خلد جسے کہتے ہیں امیرؔ — الفت رسول کی ہے وہ الفت رسول کی
جو بے داغ لالہ جو بے خار گل ہے — وہ تو ہے وہ تو ہے وہ تو ہے وہ تو ہے
جاں بخش تھے کیوں حضرت عیسیٰ بتاؤں — بیمار محمد ﷺ تھے وہ بیمار محمد ﷺ
ہر حرف میں جس کے اثرِ قم نظر آئے — گفتار محمد ﷺ ہے وہ گفتار محمد ﷺ
کہہ دوں گا جو محشر میں ہوئی پرسش احوال — شیدائے محمد ﷺ ہوں میں شیدائے محمد ﷺ
پہنچا امیرؔ خیر ورا کی جناب میں — ہے لاکھ لاکھ شکر خدا کی جناب میں
المدد المدد اے شافی روز محشر — بوجھ بھاری ہے گناہوں کا دبا جاتا ہوں
اللہ نے بخشی ہے جسے شاہی کونین — سلطان مدینہ ہے وہ سلطان مدینہ

امیرؔ مینائی کی حسب ذیل غزل سے ان کی تمام خصوصیات کا بہ یک وقت اندازہ ہو سکتا ہے:

قطرہ کے منھ سے نام جو ان کا نکل گیا
بادل سے گر کے روئے ہوا پر سنبھل گیا

لکھا جو وصف گیسوئے پیچان مصطفیٰ ﷺ
کچھ مغفرت میں بل جو رہا تھا نکل گیا

حضرت نے جس کے حق میں کہا جو وہی ہوا
کیا اختیار تھا کہ مقدر بدل گیا

چمکا جمال پاک کا جلوہ جو مثل برق
خرمن گناہ امت عاصی کا جل گیا

کیسی بلا جو نام لیا میں نے آپ ﷺ کا
آیا پہاڑ بھی میرے آگے تو ٹل گیا

بے آب چاہ حکم نبی ﷺ سے ہوا پر آب
ایما درخت خشک نے پایا تو پھل گیا

قائل ہوں میں تو اپنی طبیعت کا اے امیرؔ
مضمون نعت میں بھی نہ لطف غزل گیا

امیرؔ کی حسب ذیل نعتیہ غزلیں عام طور پر مقبول عام ہیں:

(۱) خلق کے سرور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم
مرسل داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) فلک ہے برسر بیداد یا رسول اللہ
بچائیے مجھے فریاد یا رسول اللہ

(۳) یاد شہ میں جو کوئی رات گزر جائے گی
بہت اچھی میری اوقات گزر جائے گی

(۴) اعجاز مصطفیٰ تھے ہر بار کیسے کیسے
اس پر تھے منکروں کو انکار کیسے کیسے

(۵) وہ بزم خاص جو دربار عام ہوجائے
امید ہے کہ ہمارا سلام ہوجائے

(۶) اب کہاں چین خبر دی میرے جی نے مجھ کو
کہ مدینہ میں بلایا ہے نبی ﷺ نے مجھ کو

(۷) جب مدینہ کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہنچا میں رہا جاتا ہوں

## مولوی سیّد محمد محسنؔ کاکوروی

سیّد محمد محسنؔ کاکوروی کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ان کے اجداد

حجاز کی سکونت کو ترک کر کے قصبہ صحرام میں آ بسے تھے۔ یہ قصبہ بغداد و ممالک خراسان کے بیچ میں واقع ہے۔ ہندوستان کا رخ کرنے والے بزرگ قاری محمد صدیق ہیں۔ جن کی اولاد کا سلسلہ پھیل کر محسنؔ تک پہنچا۔ محسنؔ کے اجداد میں قاری امیر سیف الدین نے کاکوروی ضلع لکھنوی میں سکونت اختیار کی۔ اسی وقت سے ان کی اولاد اس قصبہ کو برابر وطن بنائے رہی۔ حضرت محسنؔ بھی یہیں ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی حسن بخش تھے۔ محسنؔ سات سال کی عمر سے اپنے دادا مولوی حسین بخش (شہید) کے زیر تربیت رہے۔ مذہبی رنگ بچپن ہی سے طبیعت پر غالب تھا۔ نو سال کی عمر میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جس کی کیفیت انہی کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہے:

> ''شبے کہ صبح آں روز جمعہ تاریخ نہم ذی قعدہ سنہ ۱۲۵۱ھ بود
> بہ عمر نہ سالہ و چند ماہ در کنار جد بزرگوار خود بہ مقام اٹاوہ در خواب
> دیدم کہ بصحرائے ہمراہ جد بزرگوار خود دست گرفتہ بطرفے می روم۔
> حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تعریف می آرند۔ بدستِ مبارک
> ایشاں تسبیحے ست کہ دانہائے کلاں سیاہ دارد۔ پس دست من و جد
> بزرگوار من گرفتہ بمکان پرنور باصفا بردند درو بقبلہ نشانیدہ اول جد
> بزرگوار را مرید کردند۔ بعد ازاں مرا بمریدی گرفتند۔ متوجہ بسوے
> رستم شدہ دست و پایش شستہ مسلمان کردند۔ می خواستند کہ اورا نیز
> مرید نمائند۔ فاما اتفاق نیفتاد و بعد ازاں بیدار شدم۔''

یہ خواب تفصیل سے اس لئے بیان کیا گیا کہ محسنؔ کی نعتیہ شاعری اسی خواب سے شروع ہوتی ہے۔ سب سے پہلی فارسی نظم جو انہوں نے لکھی وہ اسی خواب کی خوشی میں تھی۔

اپنے والد کے ساتھ محسنؔ مین پوری میں رہے اور والد اور مولوی عبدالرحیم سے تحصیل علم کی۔ اصلاح سخن کے لئے محسنؔ کو مولوی ہادی علی اشکؔ جیسا متقی پرہیز گار اور باکمال استاد مل گیا۔

محسنؔ مین پوری میں نظارت کے عہدے پر فائز رہے اور آخر قانون کے امتحان میں کامیاب ہو کر آگرہ میں وکالت شروع کر دی۔ ان کی قانونی قابلیت کو دیکھ کر متھرا کی منصفی کا عہدہ پیش کیا گیا جسے محسنؔ کی آزاد طبیعت نے قبول نہ کیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے پریشان ہو کر آگرہ چھوڑ دیا اور اپنے وطن کاکوری پہنچ گئے۔ شورش کے فرو ہونے کے بعد مین پوری میں

وکالت شروع کردی اوراس پیشے میں بڑا نام پیدا کیا۔ ساتھ ہی دیانت داری اور معاملات کی صفائی کی بناء پر حکام اور عوام سب ہی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انتقال سے تین سال پہلے وکالت اور زمینداری دونوں سے قطع تعلق کرلیا اور فصوص الحکم کا مطالعہ اکثر کیا کرتے۔

دوشنبہ ۱۸؍صفر ۱۳۲۲ھ؍مطابق ۲۴؍اپریل ۱۹۰۵ء کو بہ مرض اسہال کبدی رحلت فرمائی۔

**انا للہ و انا الیه راجعون۔**

مولوی سیّد محمد محسن کاکوروی کے کلیات میں ان کا حسب ذیل کلام شامل ہے۔

(۱) گلدستہ کلام رحمت (۱۲۵۸ھ) جو محسنؔ نے ۱۶؍سال کی عمر میں لکھا تھا۔ یہ ۵۱؍شعر پر مشتمل ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔

(۲) سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲۶۶ھ) میں ۲۲۲؍شعر کہے۔ مسدس کے ۴۷؍بند ہیں۔

(۳) ابیات نعت (۱۲۷۴ھ) اس کے ۱۰۱؍شعر ہیں۔ یہ قصیدہ ہے۔

(۴) چتر شاہنشاہی کے عنوان سے ۱۲؍بند کی ایک مثنوی ایک دوست کے لئے لکھی جو تخلص کی تبدیلی سے واجد علی شاہ اودھ کی مدح میں ہے۔ سن تصنیف ۱۲۷۵ھ۔

(۵) مثنوی ''صبح تجلّی'' ۱۲۹۸ھ۔ سالِ ولادت صبح اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۶) فغان محسنؔ (۱۲۸۹ھ) مثنوی۔

(۷) نگارستان الفت۔ (مثنوی)

(۸) مدیح خیر المرسلین (نعتیہ قصیدہ ۱۲۹۳ھ)۔

(۹) چراغ کعبہ (مثنوی معراج ۱۳۰۱ھ)

(۱۰) شفاعت ونجات (۱۳۱۱ھ مثنوی)

(۱۱) شرح حال روزِ قیامت (مثنوی ہے جو ۱۳۱۱ھ میں لکھی گئی)۔

(۱۲) حشر وخشت افزا (مثنوی ۱۳۱۱ھ)

(۱۳) طلب دعائے خیر نفوس قدسیہ (مثنوی ۱۳۱۱ھ)

(۱۴) نعت منبع الطاف احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۳۱۱ھ نعتیہ مثنوی)

(۱۵) شفاعت شفیع (مثنوی ۱۳۱۱ھ)

(۱۶) خزانۂ رحمت (مثنوی۔ تصنیف ۱۳۱۱ھ)

(۱۷) شفاعت مکرر (مثنوی۔ مصنفہ ۱۳۱۱ھ)

(۱۸) چشمہ اشت وعلوی مقبول (انشاءاللہ) (۱۳۱۱ھ مثنوی)

(۱۹) رباعیات۔ (جملہ ۲۸)

(۲۰) نظمیں بطور مناجات۔

(۲۱) غزلیں۔ (جملہ ۲۰)

(۲۲) نظم دل افراز (قصیدہ۔ ۱۳۱۸ھ)

(۲۳) انیس آخرت (قصیدہ۔ ۱۳۲۲ھ)

ان کے علاوہ کئی قطعات تاریخ بھی لکھے ہیں۔

محسنؔ کاکوروی کا مقام اردو نعت گوشعراء میں نہایت بلند بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے کلام کے متعلق ڈاکٹر ابواللیث کا خیال ہے:

''محسنؔ کی نعت میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔[۱] محسنؔ کا کلام بھی شاعرانہ صناعی کا نادر نمونہ ہے۔[۲] محسنؔ کا کلام جذبات کی غیر فانی بنیادوں پر استوار ہے۔ خلوص اور محبت شیفتگی اور عقیدت جو محسنؔ کی زندگی کے عناصر ہیں انہی سے ان کی شاعری نے ترکیب پائی ہے۔''[۳]

اس رائے کے بالکل برعکس مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں:

''متاخرین کے دور میں محسنؔ کاکوروی نے نعت گوئی کو...... اپنا خاص فن بنالیا اور غیر معمولی شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس مقدس موضوع کے متعلق لکھنؤ کی برخود غلط شاعری کا استعمال اور بھی غلط طریقے سے کیا۔''[۴]

''اوران تمام خصوصیات کے اجتماع نے ان کے کلام کو اس

---

[۱] لکھنؤ کا دبستان شاعری۔ صفحہ۔ ۳۱۳

[۲] لکھنؤ کا دبستان شاعری۔ صفحہ۔ ۳۱۶

[۳] لکھنؤ کا دبستان شاعری۔ صفحہ۔ ۳۱۷

[۴] شعرالہند، حصہ دوم۔ صفحہ۔ ۱۹۹

قدر بے اثر کر دیا کہ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں کسی
مذہبی جذبے سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔ غرض انہوں نے جو نعتیہ
قصائد اور نعتیہ مثنویاں لکھی ہیں ان کا بیشتر حصہ ایک معما اور چیستاں
ہے۔ نعت نہیں ہے۔''[1]

اب محسنؔ کاکوروی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم دیکھیں گے کہ یہ بیانات ان کے کلام پر کہاں تک منطبق ہوتے ہیں۔ محسنؔ کاکوروی کی زندگی کے حالات میں اس خواب کا ذکر کیا گیا ہے جس میں وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ حقیقت میں وہی خواب محسنؔ کی شاعری کا پیش خیمہ ہے۔ ایک نعتیہ قصیدہ جو محسنؔ نے ۱۶ رسال کی عمر میں لکھا یہ ان کے نعتیہ کلام کے ارتقاء کی پہلی کڑی ہے۔ یہاں محسنؔ کے خواب کو صرف اس حیثیت سے پیش نظر رکھنا ہے کہ سن شعور نے پہلے ہی شاعر کی فطرت اور جبلت جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر فریفتہ رہی ہے۔ اور یہی کیفیت اسے ان جذبات کی ترجمانی کے لئے ابھارتی رہی۔ محسنؔ نے اس کا اظہار اس طرح کیا ہے:

ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسنؔ    کلام نعتیہ رکھا میری زبان کے لئے

محسنؔ سخن سنجی کو پروردگار عالم کا ایک بڑا انعام قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں اس انعام کی عطا کا مقصد یہ ہے کہ اس کا سارا کمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں صرف ہو:

سخن کو رتبہ ملا ہے میری زبان کے لئے    زبان ملی ہے مجھے نعت کے بیان کیلئے

شاعر کا بجا طور پر فخر ہے کہ محاسن کلام کے سارے مراتب جو اس کی زبان کو حاصل ہیں ان کا استعمال اس نے غلط طریقے پر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی شاعر کا تخیل نعت کے مضمون کو چھوڑ کر کسی اور طرف چلا بھی جاتا ہے تو اس کا خلوص اسے پھر نعت کی طرف لوٹا دیتا ہے:

مضمون نعت میں پڑھوں محسنؔ کوئی غزل
کیوں گلزمین شعر کی مٹی خراب کی

شاعر فنا فی اللہ کے بجائے فنا فی الرسول ہونے کی تمنا میں بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دست سوال دراز کئے ہوئے ہیں:

---

[1] شعر الہند، حصہ دوم۔ صفحہ-۲۰۰

محسن کی التجا ہے فنا فی الرسول ﷺ ہو　　　　اے بحر فیض لے خبر اپنے حباب کی

یہ خلوص و محبت کی باتیں ہیں۔ منطقی تنقید کی یہاں گنجائش نہیں۔

نعت گو شعراء میں محسنؔ کی یہ خصوصیت نہایت ممتاز ہے کہ ان کی شعر گوئی کی ابتداء نعت سے ہوئی ہے۔ محسنؔ کے ذہنی ارتقاء کو ہم ان کے کلام کی روشنی میں جانچیں تو ہمیں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ شاعر شاہد مجازی کی محبت کے مضامین سے گزر کر آخر عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا ہے۔ دیگر شعراء کا مقام بھی نعت گو کی حیثیت سے نہایت بلند ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی گونا گوں خصوصیات نے انہیں اردو ادب میں ایک خاص رتبہ بخشا ہے۔ لیکن انہیں یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ ان کی زبان کھلی تو ذکر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ محسنؔ کے حسن کلام کا آغاز اور انجام دونوں صرف نعت ہیں اور ان کی ادبی عظمت کا سارا دارومدار ہی نعت گوئی پر ہے۔ شاعر اپنے کلام کی رنگینی کو زاد آخرت سمجھ کر ایمان وایقان کے ساتھ بارگاہ قدس میں پہنچتا ہے:

خدا کے سامنے محسنؔ پڑوں گا وصف نبی ﷺ　　　　سجے ہیں جھاڑ یہ باتوں کے لامکاں کیلئے

محسنؔ کے خلوص کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ جب اس قادرالکلام شاعر نے بارگاہ سرور کائنات میں مدح سرائی کی خدمت کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار بنالیا تو پھر کسی دوسرے کی بارگاہ میں پہنچ کر مدح نہ کی: [1]

یہ ہے خواہش کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی　　　　نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہل دنیا کی خوشامد کا

یہ نہیں کہ شاعر کا یہ جذبہ انعام واکرام کی تمنا سے مستغنی ہونے کی بنا پر ہے اور اسی لئے وہ اہل ثروت کی مداحی کو عار خیال کرتا ہے۔ حقیقت میں جو انعام واکرام محسنؔ کی نظر میں ہے وہ اس کے حوصلے کی بلندی کا ثبوت دیتا ہے۔ شہنشاہِ کونین سے شاعر کی امیدواری ان اشعار سے ظاہر ہے:

گزرے مری نعت کے سخن میں　　　　رکھی ہو یہ مثنوی کفن میں
اس دم کھلے چشم آرزو مند　　　　جب دفتر حشر ہو چکے بند
جلدی کرے شوق قلبِ مضطر　　　　کھل جائیں مرے براق کے پر

---

[1] ایک قصیدہ واجد علی شاہ کی شان میں ''شاہی چتر'' کے عنوان سے اپنے لئے نہیں بلکہ کسی دوست کی خاطر تخلص تبدیل کر کے لکھا تھا۔

اس تیزی سے آئے سبک بال — پیچھے رہیں کاتبان اعمال
پہنچے مرا باد پا ارم تک — پہنچا دے مجھے ترے قدم تک
رہ جائیں نہ میرے دل کے ارمان — مشکل سے نہ مشکلیں ہوں آسان
پھولے پھلے گلشن تمنا — عقبٰی مری پھل ہو پھول دنیا
یاں شوق و خلوص و التجا ہو — واں میں ہوں آپ ہوں خدا ہوں

وصفِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں محسنؔ کے اشعار کا رنگ بھی یہی ہے:

نور القمرین والکواکب — خورشید مشارق و مغارب
ہاشم کی کلاہ میں گل تر — دامن میں قریشیوں کے گوہر
امکان کے گہر کا ابر نیساں — دریائے قدم کا شاخ مرجاں
صانع کے قلم کا رنگ ایجاد — بندوں کے چمن کا سرو آزاد

جس والہانہ جذبہ کا اظہار محسنؔ کے ہر لفظ سے ہو رہا ہے اس سے محسنؔ کے خلوص کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت شاعر کے احساسات تمام تر بیدار ہو جاتے ہیں اور اس کے دل و دماغ میں حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ اس کا یہی خلوص کلام میں یہ خصوصیت ہر جگہ نمایاں ہے۔ چنانچہ ذیل کی مثالوں سے اس کی بخوبی وضاحت ہو جائے گی:

ہم رتبہ صفی با صفا کا — مصداق خطاب مصطفٰی ﷺ کا
وہ روز ازل کا سعد اکبر — وہ اوّل ما خلق کا مظہر
وہ سطر اخیر صفحۂ راز — وہ مطلع اوّلیں آغاز
وہ آخیر انبیاء مرسل — جس کا ثانی نہیں وہ اوّل
تنزیہہ کا لطف پانے والا — شان وحدت دکھانے والا

......

پھر وہ سب ظہور ایماں — ظلمات جہاں میں آب حیواں
جس کے شہدا کا واپسیں دم — صبح انفاس ابنِ مریم
جیسا کرم آیت شفا ہے — بیمار کے درد کی دَوا ہے

ہے جس کی اذان صبح گاہی | احیائے شریعت الٰہی
وہ گوہر آب زندگانی | جس کا اوّل نہیں وہ ثانی
شان احد احمد مکرم | شاہنشاہ کشور دوعالم [۱]

......

پھر وہ گل نو بہار معنی | وہ گوہر شاہوار معنی
ہے جس کی زبان میں فصاحت | ہے جس کے کلام میں ملاحت
ہے جس کی شگفتہ رنگ تقریر | ما ینطق عن ہویٰ کی تفسیر
اعجاز اثر بیان شیریں | قرآن کا ورق زبان شیریں
اورنگ نشیں عزت و جاہ | زور سرپنجۂ ید اللہ [۲]

......

محبوب خدا نبی مرسل ﷺ | صبح دو میں روز اوّل
شاہنشہ انبیاء محمد ﷺ | تاج سر اصفیاء محمد ﷺ
خورشید سپہر دین محمد ﷺ | نور عین الیقین محمد ﷺ
سلطان فلک حشم محمد ﷺ | مہر عرب و عجم محمد ﷺ
جان و دل مرسلین محمد ﷺ | روح روح الامین محمد ﷺ
گنجینۂ اصطفاء محمد ﷺ | آئینہ حق نما محمد ﷺ [۳]

طوالت کے خوف سے اس قدر نعتیہ اشعار پر اکتفاء کیا جاتا ہے ورنہ محسنؔ کے کلام میں ہر جگہ یہی رنگ جلوہ گر ہے۔

## ۲۔ محسنؔ کے کلام کی دوسری خصوصیت الفاظ کے انتخاب کا اعجاز ہے

شاعر اپنے گراں بہا موتیوں سے نظم کو سنوار کر شہنشاہِ کونین کی بارگاہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب بیان کرنے میں محسنؔ کو خاص

---

[۱] کلیات محسنؔ (چراغ کعبہ) صفحہ-۲۱۰، ۲۱۱
[۲] کلیات محسنؔ (چراغ کعبہ) صفحہ-۲۱۹
[۳] کلیات محسنؔ (چراغ کعبہ) صفحہ-۱۴۱، ۱۴۲

مہارت حاصل ہے۔لکھنؤ کی شاعری کے سارے معائب میں ایک حسین پہلو وہاں کی زبان کا نکھار ہے۔ صنائع بدائع کے برتنے میں شعرائے لکھنؤ کا اعتدال قائم نہ رکھنا ایسا عیب ہے جو حقیقت میں حسن کی بگاڑی ہوئی شکل ہے۔لکھنوی رنگ میں ہم صنعت گری کے نادر نمونے پاتے ہیں لیکن یا تو وہ نری صنعت گری ہے یا جو مضمون اس کے اندر سمویا گیا ہے وہ نہایت قبیح ہے۔اس لحاظ سے کہیں نہ کہیں لکھنوی شاعری کے حسین چہرے پر بھی داغ ضرور نظر آتا ہے۔ عشق ومحبت کے صحیح جذبات کی لطافت کا فقدان،سوز و گداز سے محرومی، جذب، کیف،تڑپ اور درد والم کی نامرادی حسین سے حسین تخیل کے حسین چہرے سے رونق چھین لیتی ہےاور فنکار کی ساری صناعی اپنی جگہ رہ جاتی ہے۔ایک خاص ماحول کے لئے ایسا کلام ممکن ہے جاذب توجہ ہولیکن اسے بقائے دوام حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جس بیان میں زندگی کی ان سرمدی کیفیتوں کو نہ سمویا جائے گا جو ازل سے انسان کے رگ و پے میں جاری ہیں اور ابد تک رہیں گی اس وقت تک اس کو زندہ شاعری میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ لکھنؤ کی اس رنگ کی شاعری نے اپنے انتہائی عروج میں بھی اردو ادب کے اس ذخیرے کو زینت بخشی جسے ناقد کے مذاق سلیم نے پست قرار دیا۔اس لحاظ سے محسنؔ ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے ماحول کے اس بگاڑ میں اصلاح کی بہترین راہیں پیدا کیں۔ نہ صرف لکھنؤ کے محاسن کے کھوٹ کو دور کیا بلکہ ان میں اور چار چاند لگا دیئے۔حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا محل استعمال ہی اس کی قدر کو گھٹاتا یا بڑھاتا ہے۔وہی زبان جو امراء القیس کے تخیل کی زد میں فنّی حیثیت سے نہایت حسین لیکن اخلاقی لحاظ سے نہایت گھناؤنی تصویر کشی کے لئے مامور تھی قرآن کی زبان بن کر پاکیزگیوں کے موتی رولتی ہےاور احساسات کو ستاروں سے آگے پرواز کے لئے ابھارتی ہے۔محسنؔ نے زبان کے اعجاز کو ایک ایسے موضوع کے لئے وقف کر دیا جو خود سراپا اعجاز ہے۔ان کے یہاں زبان کی سلاست، روانی،سادگی اور صوفیت ایک موسیقی کا سماں باندھ دیتی ہے جو سمجھ کر پڑھتا ہے۔سر دھنتا ہےاور جو سمجھ کر نہیں پڑھتا وہ بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ ضرور ہے کہ مطلب پر احاطہ کرنے کے لئے اور محاسن کو پوری طرح سمجھنے کے لئے کچھ علمی استعداد کی ضرورت ہے،ایسی استعداد جس میں دینی معلومات کو بھی دخل ہے۔ اس لئے محسنؔ کو عوام کا شاعر کہنے میں ناقدین کو تامل ہوسکتا ہے۔

محسنؔ نے معانی کے دریا بہادیئے اور الفاظ کی نشست، محل استعمال مضمون سے ان کی مناسبت کی نئی نئی صورتیں پیدا کر کے تخیل کے لئے بے پایاں وسعت کا سامان کیا۔ اس ہمہ گیری کے باوجود خیال اپنے مرکز سے ہٹنے نہیں پاتا۔ پھر زبان کے آب وتاب کا یہ عالم ہے کہ

ہر گو ہر قلزم تکلم سیارۂ آسمان ہفتم

شاعر کے تخیل ہمیشہ بلند سے بلند مقامات پر کمندیں ڈالتا ہے۔ اگر محسنؔ کو یہ دعویٰ ہے کہ

جاتا ہے کلیم آسمان تک معراج سخن ہے لامکان تک

تو اس میں حسن مبالغہ کے ساتھ محسنؔ کے کلام کی بڑی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ان کا یہ کہنا بھی معنی خیز ہے کہ:

مضمون نئے روپ کی دلہن ہے ایک راستی لاکھ بانکپن ہے

محسنؔ نے جن بدیع اور نادر تشبیہات اور استعاروں سے اپنے کلام کو مزین کیا ہے ان سے شاعر کے حسن مذاق اور شاعرانہ صلاحیت کا پتہ چلتا ہے۔ محسنؔ کی باریک بیں نگاہ اور احساسات کی شدت تاثر نے تخیل کو جذبات کے پر لگا کر اُڑا یا ہے۔ ساتھ ہی طبیعت کی رنگینی کچھ اس طرح جاگزیں ہے کہ کسی مقام پر ساتھ نہیں چھوڑتی۔ شاعر الفاظ کو ہمیشہ پیچ وتاب میں مبتلا رکھتا ہے، اس لئے ان کی تشبیہیں نہایت متحرک اور کیف آور ہوتی ہیں۔ مثلاً:

سر سبزیِ طبع نکتہ پرور کشافِ رموز خلد و کوثر
کاغذ میں سطور کا تسلسل ہے کھیت میں چاندنی کے سنبل
شبدیز قلم کی شان اعلیٰ جنگل میں براق کے غزالہ
تحریک انامل سخن گو جبریل امیں کا دست بازو
از رفعت طبع من چہ پرسی ہر حرف کی عرش پر ہے کرسی
ایک رات کی روشنی ہے دل میں چھٹکی ہوئی چاندنی ہے دل میں

مدح جبریل کوئی معما نہیں ہے بلکہ شاعر کی صناعی کا اعجاز ہے:

عمانِ کرم کے در منشور قرآن شریف کے سورۂ نور
مانند دوا زمیں پہ نازل مانند دعا سپہر منزل

وصف براق میں جو لطافت نادر تشبیہوں اور استعاروں سے پیدا کی گئی ہے اسے دیکھ کر یہ

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک غیر محسوس لطافت کا بیان اس سے زیادہ محسوس طور پر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ شاعر نے ایک غیر مرئی حقیقت کو حواس پر واضح کرنے کے لئے الفاظ سے سحر کا کام لیا ہے:

مہ پارہ فلک سے آنے والا — اطلس کو کتان بنانے والا
یوں چرخ سے نکلے وہ سبک رو — فانوس سے جس طرح کہ پرتو
شیشے سے پری چمن سے شبنم — سیپی سے گہر حباب سے دم
گلشن سے بہار جسم سے جان — آنکھوں سے نیند دل سے ارمان

محسنؔ کے کلام میں تلمیحات جا بہ جا ہیں جن کی مثالیں نمونۂ کلام میں کثرت سے ملیں گی۔ یہاں صرف دو شعر پیش کئے جاتے ہیں:

محبوب خدا انس و جاں کا — مقصود رموز کن فکاں کا
منظور اشارہ فکبّر — قائم بہ مقام قم فانذر

اس میں شک نہیں کہ تلمیحات کو سمجھنے کے لئے قرآن اور حدیث کے مضامین کا نظر میں رہنا ضروری ہے۔ لیکن اس سے کلام کو خوبی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حقیقت میں نعت کا موضوع ہی ''خلق قرآن'' ہے اور ظاہر ہے کہ محسنؔ کا نعتیہ کلام تفسیر ہے۔ ''خلقہ القرآن'' کی۔ اسی لئے محسنؔ کی صناعی اور لفظی رعایت کی ساری صورتیں قرآن اور حدیث کے مضامین کے اطراف گھومتی ہیں۔ اس کے ساتھ یہ ضرور ہے کہ محسنؔ انداز بیان میں شاعرانہ صناعی سے کام لیتے ہیں اور دل و دماغ کے لئے لطف اندوزی کی سیکڑوں راہیں کھول دیتے ہیں۔

حسن تعلیل کا مضمون بھی نہایت حسین ہے۔ شعراء کے کلام میں ایسی مثالیں کم ملیں گی کہ مسلسل ایک صنعت کو مختلف صورتوں میں پیش کیا گیا ہو:

کیفیت وحی میں ہے بلبل — ہے وقت نزول مصحف گل
محو تکبیر فاختہ ہے — قد و قامت سر و دلربا ہے
ایک شاخ رکوع میں رُکی ہے — اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زبان پر مناجات — جاری لب جو سے التحیات
تسبیح شگوفہ یا مصور — تحریمہ تاک ربِّ اِغفر

......

کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے — اور آب رواں طواف میں ہے
ہر تخم بہ خلوت آرمیدہ — ہر ایک ثمر خدا رسیدہ
سجادہ بدوش لالہ یک سو — ایک سو شب زندہ دار شبو
ہے استغراق نیلوفر کو — پاس انفاس ہے سحر کو
سیفی جو زبان خار پر ہے — نرگس کی نگاہ میں اثر ہے
کہتا ہے اشارۃً سجا لو — موتوا من قبل ان تموتوا

......

جگنو کا ہوا میں یہ اشارہ — ظلمت کا چمک رہا ہے تارا
ہر قطرہ وضو کی فکر میں گم — ہر ذرہ کئے ہوئے تیمّم
کہتا ہے جھکا ہوا اندھیرا — ہوجائے قبول سجدہ میرا

## تخیل کی بلندی

اس حاصل زندگی کے ظہور کے وقت وجود کو جو کمال نصیب ہورہا ہے اس کی تفصیل شاعر مسلسل کرتا جاتا ہے اور زور بیان میں کہیں تکان، چستی میں کہیں جھول، تخیل کی ہمہ گیری میں کہیں تنگی اور شگفتگی میں کہیں کمی نظر نہیں آتی۔ ہر شعر محسؔن کے کمال پر شاہد ہے:

پستی کا دماغ آسمان پر — ق — اوج افلاک مہر گستر
وہ ہے بلغ العلیٰ کی تفسیر — یہ ہے کشف الدجیٰ کی تعبیر[1]
شبنم کو دم فلک مآبی — مٹی میں کمال بو ترابی
ہر قطرے میں آب وتاب گوہر — ہر موج شعاع مہر انور
ہے فرش پہ عرش کی تجلی — کہتی ہوئی لا الہ غیری
ہے قبلہ ہر ایک سمت پر نور — ہر بیت ہے مثل بیت معمور
ہر نقص کمال کا سزاوار — ہر جزو میں عقل کل کے آثار
کیا رنگ قبول جلوہ گر ہے — ہر گل پہ ہزار کی نظر ہے

---

[1] کلیات محسؔن (صبح تجلی) صفحہ-۱۲۵

ہے چاندنی ایک ماہ پیکر ‏ ‏ سورج مکھی آفتاب انور
اورنگ نشیں باغ ہے گل ‏ ‏ اور ہفت ہزاروں میں بلبل
ذی حکم خزانہ اشرفی ہے ‏ ‏ صد برگ کا اسم پانصدی ہے
عباس کو دعویٰ فتوت ‏ ‏ داودی کو شبہ نبوت
ہر دانہ ہے عابد سحر خیز ‏ ‏ ہر ذرہ خاک شمس تبریز
القاب نسیم دامن دشت ‏ ‏ مخدوم جہانیاں جہاں گشت [۱]

شاعر کے تخیل نے وہ تمام لوازم ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں جو زیارت بیت اللہ سے متعلق ہیں۔ رات کے اس انداز سے مقدس مقام میں داخل ہونے کے لئے محسنؔ نے بڑا التزام کیا ہے اور اس طرح ماحول کا ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ جس میں پاکیزگی ہی پاکیزگی بسی ہوئی ہے۔ یوں تو رات کی آمد کا مضمون دیگر شعراء کے کلام میں بھی ملتا ہے۔ لیکن محسنؔ نے اس منتخب رات کی منظر کشی میں اپنا پورا کمال صرف کر دیا۔ اور نہایت بدیع الفاظ اور ترکیبوں سے اسے مزین کیا ہے:

بھیگی ہوئی رات آبرو سے ‏ ‏ داخل ہوئی کعبے میں وضو سے
اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام ‏ ‏ شبنم کی ردا بقصد احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال ‏ ‏ جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے ‏ ‏ سر سے پا تک عرق عرق ہے
نا محرموں سے چھپائے چہرہ ‏ ‏ پروین کو بنائے منھ کا سہرا
آنا کھلتا ہوا نہ جانا ‏ ‏ انداز خرام صوفیانہ
سنّاٹے کا دم انیس و ہمدم ‏ ‏ انفاس ہوا رفیق و محرم

## محسنؔ کی قصیدہ گوئی

محسنؔ نے (۵۱) ابیات کا پہلا قصیدہ گلدستۂ کلام رحمت (۱۲۵۸ھ) ۱۶ سال کی عمر میں لکھا۔ اس کی تشبیب بہاریہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن ‏ ‏ غنچہ ہے نام خدا نافۂ آہوئے ختن

---

۱ کلیات محسنؔ (صبح تجلی) صفحہ ۔ ۱۳۸، ۱۳۹

گریز کے لئے شاعر نے عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں پریشانی کے مضمون کو لیا ہے:

کس کی کاکل کے تصور میں پریشاں ہوں میں
کون سے آئینہ رخ پر ہوں میں حیراں ہمہ تن

جس کی توصیف میں خود خامہ نقاش ازل
لکھ چکا مطلع ایجاد بوجہ احسن

جس کی ہے شرع متن ناسخ ادیان وملل
مثبت حق و یقیں کاشف ہر شبہ و ظن

مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیادہ تر کاکل، ابرو، زلف، دنداں وغیرہ کا ذکر ہے۔

محسنؔ کاکوروی کے جس قصیدے نے بڑی شہرت حاصل کی وہ مدیح خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم (۱۳۹۲ھ) ہے اس کے ۱۴۲-اشعار ہیں جن میں تشبیب کے ۷۸-اشعار ہیں۔ اس طرح گریز کے بعد مدح کے مضمون تک پہنچتے پہنچتے ۸۲-ابیات سے گزر جانا پڑتا ہے۔ اس تشبیب کا ایک نقص تو یہ ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد مدحیہ اشعار سے بہت بڑھی ہوئی ہے پھر جو منزلیں شاعر کے تخیل کو اس نور کے میدان میں پہنچنے کے لئے طے کرنی پڑی اس کی وضاحت محسنؔ کے ان اشعار سے بخوبی ہو سکتی ہے:

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا
کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استھل

کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر
گھاگرا پر کبھی گزرا کبھی سوئے چمبل

اس تشبیب کا حسن بھی اپنی جگہ مسلم ہے اور عیب بھی۔ جو چیزیں قصیدے کے معائب میں شمار کی گئی ہیں ان کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کہ اس کا جواز سابق کے نمونوں میں ملتا ہے۔[۱] یہ درست ہے کہ حضرت کعب بن زبیر کا ۵۹-اشعار کا نعتیہ قصیدہ ''بانت سعاد'' ۳۴-اشعار تک تشبیب ہی میں الجھا ہوا ہے جس کا مضمون نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ دوسرا قصیدہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یعنی قصیدہ ہمزیہ جو فتح مکہ کے موقع

---

۱۔ قصیدے کی اس تشبیب کے جواز کے لئے امیرؔ مینائی نے یہی دلیل پیش کی ہے۔

پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا نمونۃً لیا جائے تو وہ بھی تشبیب کے لحاظ سے عام روش اختیار کئے ہوئے ہے۔ یہاں بھی ذکر محبوبہ و دیار خالیہ، شراب، عورت سب کچھ ہے لیکن اس کے جواز کے لئے یا اسے شاعری کے محاسن میں شمار کرنے کے لئے یہ دلیل قوی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ کسی قوم کا مذہب بدل جانے سے مذاہب ادبیہ ایک دم نہیں بدل جاتے۔ ان کو بدلتے ہوئے وقت لگتا ہے۔ لہٰذا اسلام ادب کے لئے زمانۂ جاہلیت کے ادب کو نمونہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ تین سو سال کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ المتنبی (متوفی ۳۵۷ھ) جو قصیدہ کا بادشاہ ہے قصائد کو ان معائب سے پاک کر دیتا ہے۔ اس نے گریز کی بھونڈی شکلوں سے بھی پرہیز کیا ہے اور وہ تشبیب میں مدح کی مناسبت سے مضمون لاتا ہے۔

شاعر تشبیب اور مدح کے مضامین کو اس طرح مربوط کر دیتا ہے کہ سننے والے کو محسوس نہیں ہوتا کہ وہ زبردستی غیر متعلقہ بات چھیڑ رہا ہے۔ ساتھ ہی تشبیب کے اشعار کی بے جا طوالت سے بھی اس کے قصیدے پاک ہیں۔ تشبیہیں رقصاں اور مدلل ہوتی ہیں۔ وہ گھوڑے کی لگام کو سلسلاتے ہوئے ناک سے تشبیہ دیتا ہے اور شوق اور جذب کی کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے کہ جسم زین سے نکل کر آگے بڑھنے کو بیتاب ہے اور قلب جسم سے نکل کر شوق کے پر لگا کر اڑنا چاہتا ہے۔ کافور کی مدح میں قصیدہ صرف ۴۷- اشعار کا ہے۔ ان اشعار میں تشبیب اور گریز کے ۲۰) شعر ہیں جن میں عشق و محبت کے ساتھ اخلاقی مضامین اور گھوڑوں کی تعریف سب کچھ سما گئی ہے۔ اس لحاظ سے محسنؔ کا کوروی کے قصیدے مدیح خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تو تشبیب اس معیار پر اترتی ہے اور نہ گریز میں کوئی جدّت اور خوبی پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی مدیح خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان کو دیکھ کر فطری طور پر پڑھنے والا مدح کے مضمون کے لئے بے چین رہتا ہے۔ یہاں اس شوق کا لحاظ کرتے ہوئے بھی شاعر کا فرض ہے کہ وہ تشبیب کے راستے سے اس طرح گزر جائے کہ یہ بے چینی کسی اور دلچسپی میں کھو جائے یا یہ کہ تشبیب کا مضمون نعت سے مناسبت رکھتا ہو۔ یہ ضرور ہے کہ تشبیب کا مقصد یہ رہا ہے کہ لطیف جذبات اس طرح برافروختہ ہوں کہ مدحیہ اشعار تک پہنچتے پہنچتے سرور کیف میں تبدیل ہو جائے۔ محسنؔ کی تشبیب کے اکثر حصے کیف آور ضرور ہیں اور ان کی اس بیانیہ شاعری میں تخیل کی رنگ آمیزی کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ اس میں ایک جدت یہ بھی شاعر نے پیدا کی ہے کہ ہندوستانی فضا کا دلآویز

سماں باندھ دیا ہے اور اس لحاظ سے قصیدے کے اس حسین پہلو کی داد دینی پڑتی ہے۔ ''اردو نعت گوئی پر ہندوستانی صنمیات کا اثر'' کے عنوان کے تحت محسنؔ کے کلام کی اس خصوصیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اب محسنؔ کے قصیدے کے اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل ۔۔۔ برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل ۔۔۔ جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول عمل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی ۔۔۔ کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی ۔۔۔ ہند کی ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل[۱]

......

راکھیاں لیکے سلونوں کی برہمن نکلیں ۔۔۔ تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے ۔۔۔ نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل
تہ و بالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے ۔۔۔ بیڑے بھادوں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل[۲]

حسن مبالغہ ملاحظہ ہو:

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل[۳]

شاعر نے گریز کے لئے یہ صورت اختیار کی ہے:

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار
ہوتی آئینہ مضموں کی دو چنداں صیقل

روئے معنی ہے بھکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف
تاکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل

اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن
ہاتھ میں جام زحل شیشۂ مے زیر بغل

---

[۱] کلیات محسنؔ۔ صفحہ-۱۵۹، ۱۶۰

[۲] کلیات محسنؔ۔ صفحہ-۱۶۱

[۳] کلیات محسنؔ۔ صفحہ-۱۶۱

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں
کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل

یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں
خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل

تار باران مسلسل ہے ملائک کا ورود
پئے تسبیح خداوند جہاں عزو جل

کہیں طوبیٰ کہیں کوثر کہیں فردوس بریں
کہیں بہتی ہوئی نہر لبن و نہر عسل

......

گل بیرنگئی مطلق کے مہکتے گلزار ۔۔۔ بے نیازی کے ریاحین سے مہکتے جنگل
باغ تنزیہ میں سر سبز نہال تشبیہ ۔۔۔ انبیاء جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کوپل
گل خوش رنگ رسول مدنی عربی ۔۔۔ زیب دامان ابد طرۂ دستار ازل[۱]

اس قصیدے کے مدحیہ اشعار یہ ہیں:

نہ کوئی اس کا مشابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر ۔۔۔ نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل
اوج رفعت کا قمر نخل دو عالم کا ثمر ۔۔۔ بحر وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو ۔۔۔ شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول
مرجع روح امیں زیب دہ عرش بریں ۔۔۔ حامیٔ دین متیں ناسخ ادیان و ملل
ہفت اقلیم ولایت میں شہ عالی جاہ ۔۔۔ چار اطراف ہدایت میں نبی مرسل[۲]

اوصاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں شاعر ہمیشہ جذب و کیف کے ساتھ والہانہ انداز رکھتا ہے۔ گویا شمع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر پروانہ وار نثار ہو رہا ہے۔ اس کی کیفیت کا یہ عالم ہے کہ بہ قول محسنؔ:

''وجد میں آ کے قلم ہاتھ سے جائے نہ اچھل''

---

۱۔ کلیات محسنؔ۔ صفحہ-۱۷۵
۲۔ کلیات محسنؔ۔ صفحہ-۱۷۵

شاعر کی مناجات درد اور اثر سے لبریز ہے:

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل
میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر نہ قطعہ نہ قصیدہ نہ غزل

دین و دنیا میں کسی کا نہ سہارا ہو مجھے
صرف تیرا ہو بھروسہ تری قوت ترا بل

آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تا دم مرگ
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

نام احمد بزبان سرِ بلا میم بصدر
لب پہ ہو صلِ علیٰ دل میں میرے عز و جل

روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل
کہ میری جان مدینے کو جو چلتی ہے تو چل

## محسنؔ مثنوی نگار کی حیثیت سے

محسنؔ نے چھوٹی چھوٹی مثنویاں کئی لکھی ہیں۔ جن کی فہرست شروع میں دی جا چکی ہے۔ نیز ان کی مثنویوں سے ان کے کلام کا نمونہ بھی پیش ہو چکا ہے۔ مثنوی کے مضامین محدود نہیں ہیں۔ محسنؔ نے اسے نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے استعمال کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ محسنؔ کی مثنویاں قصیدے کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ ''چراغ کعبہ'' محسنؔ کی مشہور مثنوی ہے۔ اس کی تمہید تشبیب کے رنگ میں ہے۔ 'شفاعت شفیع' میں شراب کا ذکر چھیڑ کر گریز کی اچھی راہ نکالی ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ محسنؔ اس صنعت کو فنی اعتبار سے کہاں تک نباہ سکے ہیں۔ مثنوی نگاری کے چند اصول ہیں جن میں مقدم اصول یہ ہے کہ بیتوں اور مصرعوں کی ترتیب سنجیدہ ہو اور ایک بیت دوسری بیت سے اس طرح مربوط ہو کہ پڑھنے والا ان کے درمیان کوئی خلاء محسوس نہ کرے۔ مثنوی میں کسی واقعہ یا داستان کا بیان اس طور پر ہو کہ قصے کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی

ہوں۔ساتھ ہی جس پہلو کو زیادہ نمایاں کرنا ہے اس کے مناسب اس کے بیان میں زور اور ابھار پایا جائے۔واقعہ یا قصے کو پیش کر کے جو اثر پیدا کرنا مقصود ہے اس کے لئے جذبات موقع بہ موقع ابھارے جائیں۔محسنؔ کاکوروی کے یہاں ان لوازم کی پابندی کماحقہٗ پائی جاتی ہے۔محسنؔ کا جو کلام اس سے قبل نمونۃً پیش کیا جا چکا ہے اس میں اس کی مثالیں جا بہ جا ملتی ہیں۔

نعت گو شاعر مثنوی نگاری کی اس شرط سے آزاد ہے کہ جو قصہ بیان کیا جائے اس کی بنیاد ممکن اور ناممکن کے امتیاز پر ہو۔اس لئے وہ اپنے عقیدے کے مطابق آسمانوں کی سیر کو بھی نظم کر سکتا ہے۔انگلیوں سے پانی کے چشمے بھی بہا سکتا ہے۔چاند کے دو ٹکڑے بھی کر سکتا ہے۔استن حنانہ کی آہ و زاری کو بھی بیان کر سکتا ہے۔سورج کے غروب ہونے کے بعد فوراً اسے مغرب سے طلوع بھی کر سکتا ہے۔غرض کہ وہ زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اسرار خداوندی کی صادق البیانی میں سب کچھ کہہ سکتا ہے البتہ اتنی پابندی ضرور ہے کہ جو بھی کہے اس کے لئے مذہبی جواز حاصل ہو۔جہاں تک محسنؔ کی کردار نگاری کا تعلق ہے تو وہ حدیث اور قرآن کی بنیاد پر نہایت مستحکم ہے۔شاعر کے تخیل کی رنگ آمیزی نے اس میں ناہمواریاں کہیں پیدا نہیں کیں۔کردار نگاری کی دشواریاں شاعر کے لئے اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب کہ وہ طبع زاد کردار کی تشکیل میں صرف تخیل سے کام لیتا ہے۔یہاں شاعر اس زحمت سے بھی بچا رہا۔

مثنوی نگاری کے اصول و قواعد میں ایک واقعہ نگاری ایسا اہم اصول ہے جس کی گرفت میں نعت گو اور غیر نعت گو شعراء یکساں آ سکتے ہیں۔لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ محسنؔ اس فرض سے کہاں تک عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔اس خصوص میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپے کا بیان ہماری صحیح رہنمائی کرے گا:

نقشے کی ہے وہ لطیف صورت — جس سے کہ ہے اہلِ دل کو حیرت
صورت کا وہ دل پذیر نقشہ — جس سے کہ ہے آئینہ کو سکتہ
سورج کی نہ دوپہر پلٹ جائے — اس دم میرے سامنے سے ہٹ جائے
گر بدر کہیں اِدھر اُدھر ہو — کہہ دو مرے شہر سے بدر ہو[۱]

تشبیہیں نہایت بدیع ہیں اور لطافت میں ایک خاص کیف رکھتی ہیں لیکن شاعر جو نقشہ

---

[۱] کلیاتِ محسنؔ، صفحہ-۲۱۴

پیش کرنا چاہتا ہے وہ نظر کے سامنے نہیں آتا۔

اور دیکھئے:

ابرو پہ جبیں مہ شمائل
رکھی ہوئی رحل پر حمائل

پیشانی ہے جزو مصحف رو
اس پارے کے دو رکوع ابرو

واللیل کا ترجمہ ہے گیسو
تفسیر اذا سجیٰ ہے گیسو

آنکھوں سے لکھوں صفت و آنکھیں
مالا عین رأت وہ آنکھیں

بیداری بخت چشم ایجاد
سیپارۂ رُخ کی سورۂ صاد

شاعر اپنے تخیل ہی میں کھو رہا ہے اور یکے بعد دیگرے تشبیہوں اور استعاروں کے ڈھیر لگا رہا ہے لیکن وہ جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے میں اس قدر بے خود اور مست ہے کہ اسے محسوس نہیں ہوتا کہ یہ اس کے اپنے جذبات کی ترجمانی ہے یا سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان۔

زبان اور بیان کی لطافت سے کوئی مقام چھوٹا ہوا نہیں ہے:

بینی سے بلند اختر حسن
معراج پہ ہے پیمبر حسن

اسرار دہن ہیں وحی منزل
اور حامل وحی ریش مرسل

احباب میں لب مسیح تقریر
اعدا میں لئے کلیم شمشیر

کیا ذکر تبسم نبی ہے
گل کی گلشن میں جو ہنسی ہے

کانوں کی سنی ہے کیا روایت
جو سردھنے خطیب کی ولایت

جوہر کا بھرا ہوا خزینہ
آئینۂ بے مثال سینہ

اسرار نہ آسمان نظر میں
ڈوبے ہوئے ہفت بحر بر میں

اس گردن صاف کی بلندی
تکبیر فریضۂ سحر کی

رعنائی قامت مناسب
روزے میں اذان وقت مغرب

دیکھے ہیں فلک میں یا زمیں میں
ہاتھ ایسے کسی کی آستیں میں

لیکن سارا بیان شاعر کے اپنے تاثرات کا ہے۔ لفظی صناعی میں شاعر کہاں سے کہاں پہنچ گیا لیکن جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک بھی نہ دکھا سکا اِس میں معنوی صفات کا

بیان ضرور آ گیا جو دراصل سراپا کا مقصود نہیں ہے۔

محسنؔ کو غزل گوئی سے زیادہ واسطہ نہیں رہا۔ چند غزلیں ضرور کہی ہیں ان کی کلیات میں کل (۲۰) غزلیں درج ہیں۔ چند تو دو دو تین تین اشعار کی ہیں۔

نمونہ کلام درج ذیل ہے:

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے
زبان ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے

زمیں بنائی گئی کس کے آستاں کے لئے
کہ لامکان بھی اٹھا سر و قد مکاں کے لئے

دکھائی خامۂ تنزیہہ حق نے تیری شبیہ
جو بے نشانوں کو خواہش ہوئی نشاں کے لئے

تھی خوش نصیبی عرش بریں شب معراج
کہ اپنے سر پہ قدم شاہ مرسلاں کے لئے

نزول نسخۂ پاکیزۂ کلام مجید
ترے عروج ترے حمد کے بیاں کے لئے

عجب نہیں جو کہے تیرے فرش کو کوئی عرش
کہ لامکان کا شرف ہے تیرے مکاں کے لئے

رُباعیوں کی تعداد (۲۸) ہے۔ یہ رباعیاں ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کی پریشانیوں میں لکھی گئیں جب محسنؔ کو خطرات کے پیش نظر آگرہ چھوڑ کر کاکوری جانا پڑا تھا۔ نمونہ درج ذیل ہے:

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے
عزت مری پیش قدسیاں کھلتی ہے
کہہ دو کہ ملک گوش بر آواز رہیں
مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے

......

موّاج طوفان بلا ہر سو ہے اور قلب کو اضطراب ہر پہلو ہے

کر دے بہ طفیل مصطفٰی ﷺ بیڑا پار — اس کشتی کا نا خدا خدایا تو ہے

کلام کا یہ بھی رنگ ہے جس میں اگر کوئی خوبی ہے تو رعایت لفظی اور عیب ہے تو وہ بھی رعایت لفظی۔ اس لکھنوی رنگ کی خوبی نے ان اشعار سے شعریت کو سلب کر لیا ہے۔

تری زلف سیاہ کا شعر ایک ادنٰی سا لٹکا ہی
کرشمہ ہے غزل تیری غزال چشم اسود کا

لکھا سو جان سے دیباچہ گلستاں کا سویدا پر
تصور جس کے دل میں خال خال آیا ترے قد کا

بعینہ افتتاح سورۂ صاد آنکھ کو کہئے
جو ابروئے کشیدہ میں ہے نقشہ صاد کی مد کا

نکالی چیستاں چوٹی کی گیسوئے مسلسل سے
معما نام رکھا ہے تری موئے معّقد کا

محلّ گفتگو میں کیا حساب خامشی سمجھیں
مگر صفرِ دہان تنگ اشارہ ہے ندارد کا[1]

......

مشکل از بسکہ تھا مضمون دہن کا نکتہ — اس لئے حاشیہ لکھا ہے خط رنگین کا
رخ جو ایمان ہے تو اک جزو ہے یہ ایمان کا — ہے نیا حاشیہ یہ منھ ہے قرآن کا
نگہ پاک الف صاد ہے چشم زیبا — لام گیسو ہیں سر مو نہیں کچھ فرق اصلا
چہرے پر ہے خط گلزار سے یعنی لکھا — کہ وہ ہے اصل لئے خلقت دین و دنیا[2]

## میر اعظم علی خاں شائق (حیدر آبادی)

شائق عمدۃ العلماء نواز الدولہ کے نواسے تھے۔ عدالت دار القضاء کے ناظم ایک عرصہ تک رہے۔ عربی اور فارسی کی اچھی لیاقت تھی۔ شائق کو شعر و سخن سے جو لگاؤ تھا اس پر ان کا ضخیم کلیات شاہد ہے۔ شعر گوئی میں تلمذ مائل سے رہا۔ ۱۳۱۵ھ میں انتقال کیا۔ حیدر آباد میں دفن ہیں۔

---

[1] کلیات محسن۔ صفحہ-۹۷

[2] کلیات نعت۔ صفحہ-۸۲

ان کا کلام جو (۴۰۰) صفحات میں پھیلا ہوا ہے زیادہ تر نعت پر حاوی ہے۔ اس میں دیگر عشقیہ غزلیں بھی شامل ہیں لیکن کم۔ حمد اور نعتیہ غزل کے بعد خلفائے راشدین کی مدح لکھی ہیں۔ پھر حضرت غوث اعظم کی شان میں اشعار کہے ہیں۔ حضرت غوث سے جگہ جگہ عقیدت کا اظہار ہے۔ فارسی کلام کے صرف آٹھ صفحات ہیں۔ شائق نے واقعات کربلا کے عنوان سے سلام اور مرثیے بھی لکھے ہیں۔

شائقؔ کی کلیات کی ضخامت سے ان کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ایک ہی موضوع میں اتنی ہمہ گیری، وسعت اور بلندی تخیل کی داد نہ دینا شاعر کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہے۔ مدح نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شائقؔ نے طرح طرح سے گلکاریاں کی ہیں۔ ایک ہی خیال کو سوسو طرح سے باندھا ہے، اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ کیفیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ ان کے یہاں شروع سے آخر تک تغزل ہی تغزل ہے۔ کلیات میں سلام، مثلث، مخمس، مسدس اور ٹھمریاں بھی شامل ہیں۔ لیکن رنگ سب کا ایک ہے۔ مضمون وہی عاشقانہ۔ شائقؔ کی شاعری میں تمام تر داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر کے اسوۂ حسنہ کی تبلیغ شاعر کا مقصود نہیں ہے۔ ایک والہانہ کیفیت ہے اور اسی میں وہ مست ہے۔ اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دربانی نصیب ہے اور اسی میں وہ خوش ہے۔ یہ عقیدت مندی کی فراوانی شاعر کو بے خود بنائے ہوئے ہے۔ وہ جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر فدائی ہے کہ جلال کی دوسری صورتیں اس کی نگاہوں سے مستور ہیں۔ بس ایک جذب اور کشش بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کشاں کشاں اسے لے جاتی ہے۔ کبھی وہ لقائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تڑپتا ہے اور کبھی عالم خیال میں مدینے کی گلیوں کی سیر کرتا ہے۔ اس کے تخیل کو اسی سے فرصت نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور محبت کی تڑپ کو شدید سے شدید تر کر دکھائے۔

قطعات تاریخ طبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ شائقؔ کی کلیات پہلی بار ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۹۱۰ء میں طبع ہوا:

ضیاء بخش دل عاشق نہ کیوں ہو یہ سخن قابل
طلوع آفتاب نعت محبوب دو عالم ﷺ ہے

زیر نظر نسخہ ۱۳۳۸ھ کا مطبوعہ ہے جو تیسری بار چھپا۔

شائقؔ اپنے کلام کی اثر آفرینی کو نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ سمجھتے ہیں:

نعت نبی ﷺ کا صدقہ ہے اے شائق حزیں　　اب ہو چلا ہے تیری زباں میں اثر بہت [۱]

کہیں کہیں کلام کی ناہمواری سے قطع نظر دیگر محاسن پر غور کریں تو ہمیں جا بہ جا خلوص اور اثر آفرینی کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک غزل کے چند اشعار نمونۃً پیش کیے جاتے ہیں:

احمد پاک پہ مائل نہ ہوا تھا سو ہوا　　دل مرا عشق میں کامل نہ ہوا تھا سو ہوا
شب معراج عرب سے یہ کھلا راز ہمیں　　اب سے ایسا کوئی واصل نہ ہوا تھا سو ہوا
خواب میں رویت احمد ہوئی سبحان اللہ　　محفل پاک میں داخل نہ ہوا تھا سو ہوا
ہر تجلی رخ حضرت کی یہاں ہے ظاہر　　ہمسر طور مرا دل نہ ہوا تھا سو ہوا
کون سے چاند کے ٹکڑے نے کیا دو ٹکڑے　　دل شکستہ مہ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا
ہجر میں وصل نبی ﷺ کا جو مجھے لطف آیا　　میں تصور کا جو قائل نہ ہوا تھا سو ہوا
کیوں نہ انسان کو ظلوما و جہولا سمجھیں　　کوئی یوں یار کا عامل نہ ہوا تھا سو ہوا
یاد شمشیر نگاہ نبوی ﷺ ہے دل کو　　شکر اللہ کا بسمل نہ ہوا تھا سو ہوا
آج محروم پھرا اس کو نہ دروازے سے　　تیرا شائق کبھی مائل نہ ہوا تھا سو ہوا [۲]

ماہ مدینہ کی جلوہ نمائی اور فراق کی بے قراری کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

کیوں شام جدائی میں نہ ہو نور سحر آج
ہے جلوہ نما دل میں مدینہ کا قمر آج

لعل لب حضرت کی جدائی کا اثر ہے
آنسو کے عوض آنے لگا خون جگر آج

ہے ایک نہ ایک صدمہ فراق نبوی ﷺ میں
کل دل مرا بے چین تھا مضطر ہے جگر آج

مارا ہے فراق نبوی ﷺ نے مجھے شائق
جی جاؤں میں آ جائیں جو سرکار ادھر آج [۳]

اس رنگ کی ایک مثال یہ بھی ہے:

---

۱ کلیات شائق۔ صفحہ-۱۰۹　　۲ کلیات شائق۔ صفحہ-۵۹
۳ کلیات شائق۔ صفحہ-۱۱۵

پھر نہ قابو میں ہمارا دل ناشاد آیا　　روضۂ احمد مرسل جو کبھی یاد آیا
دل بیتاب میں رہ رہ کے جو ہوتی ہے کسک　　آج شاید میرے سرکار کو میں یاد آیا
مانگتا مانگنے کی طرح تو سب کچھ ملتا　　ڈھنگ تجھ کو نہ ابھی تک لب فریاد آیا
من رأنی فراء الحق کے یہی معنی ہیں　　جس نے دیکھا تجھے بس اس کو خدایا آیا[1]

۲- شائق کی ایک مشہور غزل ہے جو عام طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اس میں سادگی سلاست اور روانی کے ساتھ انداز تغزل دلکش ہے۔ شاعر کا یہ رنگ ان کے کلام کی اہم خصوصیت ہے:

نام احمد کے نئے راز نے دل چھین لیا
پردۂ میم کے انداز نے دل چھین لیا[2]

حوریں معراج میں کہتی تھیں بلائیں لے کر
کملی والے ترے انداز نے دل چھین لیا

چاند دو ٹکڑے ہوا ایک اشارے میں ترے
میرے بانکے ترے اعجاز نے دل چھین لیا

میں جو رونے لگا محشر میں تو رحمت نے کہا
اس گنہگار کی آواز نے دل چھین لیا

پردۂ وصل سے یوں عرش پہ آتی ہے صدا
ایک کا ایک کے انداز نے دل چھین لیا

۳- مشکل زمینوں میں آسان اور دلکش مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ زمین آفتاب میں شاعر نے چار چاند لگا دیئے ہیں:

کس طرح روئے محمد ﷺ سے ہو ہمسر افتاب
داغ دل سے عاشقوں کے بھی ہے کمتر آفتاب

یوں تو ہر اک شے بلا شک نور رب العالمین
کل رسولوں میں ہے اپنا ہی پیمبر آفتاب

---

[1] کلیات شائق۔ صفحہ-۸۶
[2] کلیات شائق۔ صفحہ-۸۸

کم شب دیجور سے تاریکیٔ مرقد نہ تھی
بن گیا قسمت سے عشق روئے انور آفتاب

نور سے اللہ کے احمد اور سب ان کے نور سے
کیا زمیں کیا آسماں کیا ماہ و اختر آفتاب

عشق روئے مصطفیٰ ہے جستجو احمد کی ہے
آسماں پر پھر رہا ہے اور مضطر آفتاب [۱]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے مطلب کو اس طرح ادا کیا ہے:

مجھ کو ہے میرے احمد مختار سے مطلب
جس طرح غلاموں کو ہے سرکار سے مطلب

معراج میں اللہ ہوا جس کا فدائی
مجھ کو ہے اسی یار طرح دار سے مطلب

جب سے ہے نظر میں نگۂ ناز محمد ﷺ
خنجر سے مجھے کام نہ تلوار سے مطلب

تن سے نکلی ہے جو ہجر شۂ ابرار میں روح
جسم ہے زیر زمیں کوچۂ دلدار میں روح

ہر نظر روضۂ اقدس پہ نکل جائے یہ دم
تن سے میرے ہو جدا آپ کے دربار میں روح

یا محمد ﷺ ہو مرے لب پہ رواں ہر لحظہ
ہو جدا جسم سے اس نام کی تکرار میں روح

یاد ابروئے نبی ﷺ دل سے نہ جائے گی کبھی
یا الٰہی ہے ہماری اسی تلوار میں روح

وا رہیں گی مری آنکھیں پس مردن شائق
تن سے جو یوں ہی رہے حسرت دیدار میں روح [۲]

---

[۱] کلیات شائق۔ صفحہ۔ ۹۸، ۹۹ [۲] کلیات شائق۔ صفحہ۔ ۹۲

۴-شائق کے یہاں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ اس لئے اوصاف کا بیان بہت کم پایا جاتا ہے۔ شاعر کی تخیل اندازی اور جذبات نگاری حقیقی وصف سے ہمیشہ صرف نظر کرتی ہے۔ معراج کا بیان اس خصوصیت کی وضاحت کرتا ہے:

احمد جو احد کے ہو مقابل شبِ معراج
جو میم ہے وہ ہے خط باطل شبِ معراج

طرفین میں تھی شوق لقا حد سے زیادہ
طے دم میں ہوئی دور کی منزل شبِ معراج

آنکھوں میں ہیں پردے تو ہے پردوں میں بصیرت
اللہ سے ایسے ہوئے واصل شبِ معراج

وہ حسن محمد وہ براق اور وہ صورت
ہر ایک کی طبیعت ہوئی مائل شبِ معراج

مجنوں ہوئے سب دیکھ کے سرکار کی عظمت
رفرف جو بنا آپ ﷺ کا محمل شبِ معراج

ہے صاف تشہّد میں علینا کا اشارہ
سب لوگ بشر کے ہوئے قائل شبِ معراج

کس منھ سے کہوں میں کہ خدا خوب ہے واقف
کیا کچھ ملے حضرت ﷺ کو وسائل شبِ معراج

قوسین و دنیٰ اور فتدلّٰی سے ہے ظاہر
مابین نہ تھا کوئی بھی حائل شبِ معراج

خط نقطہ وحدت پہ کھنچا گم ہوا نقطہ
کیا ذات وصفت ہو گئے اک دل شبِ معراج

قدسی تھے فدا حور و ملائک بھی فدا تھے
سب لوگ بشر کے ہوئے قائل شبِ معراج[۱]

---

۱ کلیات شائق۔ صفحہ-۱۱۸

شبِ معراج کے نقشے میں معراج کے بیان کی کوئی صورت نظر نہیں آتی یہاں بھی شاعر جگہ جگہ اپنے تخیل کو بروئے کار لایا ہے۔ بیان معراج میں واقعات معراج کا کہیں پتا نہیں چلتا سوائے اس کے کہ قرآن کریم کے اس بیان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ **فتدلّٰی قاب قوسین اَو اَدنیٰ**۔ ہر جگہ شاعر کا اصلی رنگ یعنی رنگ تغزل عود کر آتا ہے۔ شائق کا ترانۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خصوصیت کا حامل ہے۔ وصف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بھی مفقود ہے:

آ جائے نظر نزع میں گر روئے محمد ﷺ ۔۔۔ دم تن سے نکلتے ہی رہے سوئے محمد ﷺ
اختر ہو مہ نو ہو کہ ہو بدر فلک پر ۔۔۔ یہ خال یہ عارض ہے یہ ابروئے محمد ﷺ
وہ حشر میں بن ٹھن کے چلا دوست خدا کا ۔۔۔ تو انگلیاں اٹھنے لگیں پھر سوئے محمد ﷺ
ہے مردمک چشم میں معراج کا عقدہ ۔۔۔ قوسین کا اک رمز ہے ابروئے محمد ﷺ[۱]

بحرِ طویل میں شائق نے اپنے کلام کی بہار اس طرح دکھانے کی کوشش کی ہے:

نور کا وقت سہانا وہ پرندوں کا ترانہ گل و بلبل کا فسانہ در امید ہے باز
وہ موذن کی صدا اشہد کہنے کی ادا نام محمد ﷺ کے فدا ہے یہی ایمان بہار

......

پہنچی کانوں میں جو ما کان محمد ﷺ کی صدا چیخ اٹھا تھام کے دل سنتے ہی سرکار کا نام
یاد آیا ہے مجھے وہ راز کا انداز و اغماز کا اعجاز سرفراز ہے نازان بہار
رو کے میں نے یہ کہا ایک جوان عربی ہاشمی و مطلبی شہر مدینہ کا ہے شاہ
حسن اوس چاند کا ہے سب سے نرالا ہے وہی گیسوؤں والا کہ فدا جس پہ ہے خوبان بہار
نام اس پیارے کا احمد ہے محمد ﷺ بھی ہے محمود بھی ہے سردار رسل شان الٰہ
کملی والا کوئی کہتا ہے کوئی جان جہاں راحت جاں شاہ زماں نور درخشان بہار[۲]

ہر مقام پر وہی ایک رنگ جھلکتا ہے۔ جذبات کی فراوانی تغزل کا سر رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ شائق نے نعتیہ غزلوں کے علاوہ بھی جو غزلیں کہی ہیں، ان میں شوخی۔ روانی، سلاست اور جذب و کیفیت کا عنصر شامل ہے۔ اس لئے شائق کا کلام ان محاسن کے ساتھ

---

۱۔ کلیاتِ شائق، صفحات-۱۲۲، ۱۲۳
۲۔ کلیات شائق۔صفحات-۱۳۴، ۱۳۵

معائب سے بھی پاک نہیں ہے۔ طبیعت کی شوخی الفاظ کے استعمال کی گرفت کو اکثر ڈھیلا کر دیتی ہے۔ اور وہ ہجر، وصال، زلف، سبزۂ خط، دلربا، پیارے، یار، آنکھ لڑانا، نظر لڑانا، متوالی ادا، مست، رونمائی، مرے بانکے وغیرہ جیسے الفاظ اور ترکیبوں کی بلا تکلف وصفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مضمون میں استعمال کرتے ہیں۔ شائق کے کلام کی ایک عام خصوصیت اس کا لکھنوی رنگ ہے اور نعت میں ہم اسی کا پرتو دیکھتے ہیں۔ اس رنگ کی مثالیں نعتیہ بیان کے ساتھ پیش کرنا بے محل اور نامناسب ہے۔ کلام کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے اس میں اس کی چند مثالیں ملتی ہیں۔ اس قسم کے اشعار شائق کے کلام میں بہت ملتے ہیں۔

نزع میں وصل یار ہونا تھا　　اس خزاں میں بہار ہونا تھا
یاد آئی مجھے نگاہ نبی ﷺ　　تیر یہ دل کے پار ہونا تھا[۱]

شائق کے کلام کی نمایاں خصوصیت ان کی نعتیہ ٹھمریاں ہیں جو عوام میں نہایت مقبول ہوئیں۔ نعتیہ ٹھمریاں لکھنے میں شائق کو کمال حاصل ہے۔ اس لحاظ سے جن نعت گو شعراء نے نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خالص ہندوستانی رنگ میں بھی پیش کیا ہے ان میں شائق کا مقام بلند ہے۔ عورت کی زبان سے عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان اس طرح کیا ہے:

تھارو چرن کی ہے آس رے ساجن　　مجھ بے کس کو
نینا لڑا کے دکھ میں پڑی ہوں　　پیت نہ آئی راس رے ساجن　　مجھ بے کس کو
برھا دیوانی کو دور نہ چھانڈو　　پاس بلالو پاس رے ساجن　　مجھ بے کس کو
رنگ رچو ہے ہر جا تیرا　　پھولن پھولن باس رے ساجن　　مجھ بے کس کو
میم کی پتلی مل کے احد سے　　چڑھ گئی ساتوں اکاس رے ساجن　　مجھ بے کس کو[۲]

ایک اور ٹھمری نمونۃً پیش کی جاتی ہے:

سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے
صورت تو دکھا دو پیاری　　میں جان کو اپنے واری　　ہے آس چرن کی تہاری
سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے

---

۱؎ کلیاتِ شائق۔ صفحہ۔ ۳۳۵
۲؎ کلیاتِ شائق، صفحہ۔ ۱۳۳۵

طیبہ کی وہ پیاری بستی رحمت وہاں پہ برستی دیکھن کونین ترستی
سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے[1]

عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیقراری کا مضمون عورت کے لطیف جذبات کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ صنف نازک کی طرف سے جب عشق کا اظہار ہوتا ہے تو فراق کی بے چینی پریشانی کو بے بسی اور بیکسی کا رنگ دے کر بیان کو اور بھی دردناک بنا دیتی ہے۔ اس کی مثالیں شائق کے کلام میں بہت ہیں:

نبی ﷺ جی میری بگڑی بنا جانا

پاپ کی نیا ڈوب رہی ہے تمہارے کرم سے ترانا
ہندنگر میں ترپوں میں کب تک اپنا نگر دکھلا جانا
گھونگھٹ چینو جلوہ کینو روپ دِکھاؤ سُہانا
ہائے وہ سبھ دن آئے گا کس دن تمہاری گلی ہو ٹھکانا[2]

## صحوابوالعلائی

حضرت محمد آغا داؤد صحوابوالعلائی حیدرآباد کے صوفی شاعر گزرے ہیں۔ ان کے والد کا نام آغا محمد حیدر تھا۔ ولادت کا ۱۲۵۳ھ بتایا جاتا ہے۔ وطن ڈنگل تھا جو نواب سالار جنگ کی جاگیر میں ایک موضع ہے لیکن سکونت حیدرآباد ہی میں رہی۔ انتقال ۱۵؍ربیع الاول ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ مزار شہر حیدرآباد میں ہے جہاں ہر سال بڑی دھوم دھام سے عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت صحو نے فیضان باطنی حضرت محمد حسین محوابوالعلائی سے پایا۔ یہاں تک کہ سلوک کے منازل طے کرتے ہوئے خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت صحو پابند صوم وصلوٰۃ، ذاکر شاغل، تہجد گزار اور نہایت خوش خلق اور خوشگو بزرگ تھے۔ غرباء پروری اور ہمدردی بدرجۂ اتم تھی۔ اپنے اخلاق سے خلق کو گرویدہ کرلیا۔ شعروشاعری سے لگاؤ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے یہاں مائل، علم، ہاتف، شمشیر، مہر اکثر موجود رہتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ بالارادہ کبھی شعر نہیں کہا۔ ایک جذب، کیف اور سرمستی کے عالم میں جو

---

۱؎ کلیات شائق۔ صفحہ۔۳۳
۲؎ کلیات شائق۔ صفحہ۔ ۳۴۵

نکل جاتا محفوظ کرلیا جاتا۔ حقیقت میں حضرت صؔحو کا یہی صوفیانہ رنگ جو عشق و مستی کی وارفتگی پیدا کئے ہوئے تھا ان کی شاعری کا سبب بنا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کا کلام کس رنگ کا ہوگا۔ جذب، کیف، مستی، بیتابی، بیقراری، اضطراب غرضیکہ وہ ساری کیفیتیں جو ایک وارفتہ عاشق وار میں پیدا ہوسکتی ہیں سب کچھ ان کے کلام میں موجود ہے۔

حضرت صؔحو کے کلام میں معرفت کے مضامین زیادہ ملتے ہیں اور عشق کے جذبات کا جو بھی بیان ہے در حقیقت بادۂ عرفان کی سرمستی کا نتیجہ ہے۔ صؔحو کے دیوان میں ۲۵۸ غزلیں ہیں۔ گیارہ متفرق اشعار ہیں۔ دو خمسے ہیں۔ ان کے علاوہ ٹھمریاں بھی ہیں۔ غزلیں زیادہ تر عشقیہ ہیں جن میں معرفت کے مضامین بھی بیان کئے ہیں۔ غزلوں میں نعت[۱]، منقبت، مدح حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور مدح ابوالعلا کو بھی شامل کیا ہے۔ حضرت خواجہ کی مدح میں کئی غزلیں کہی ہیں۔ اسی طرح اپنے پیر ابوالعلا کو بھی خوب سراہا ہے۔ نعتیہ کلام بھی جابہ جا پایا جاتا ہے۔ صؔحو کے کلام کے متعلق فصاحت جنگ حافظ جلیل حسن جلیؔل نے قطعۂ تاریخ میں جو خیال آرائی کی ہے اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

ہر[۲] مصرع تر موجۂ دریائے حقیقت — ہر معنی نازک ہے کلید در عرفاں
رکھی ہے عجب معنی و الفاظ میں خوبی — وہ شاہد عرفان ہے تو یہ زیور عرفاں
چبھتے ہوئے اشعار سے بسمل ہوئے لاکھوں — کچھ غنچہ عرفاں ہیں تو کچھ نشتر عرفاں
کیا خوب جلیؔل آپ نے تاریخ نکالی — یہ صؔحو کا دیوان ہے اک دفتر عرفاں
سنہ ۱۳۳۲ ہجری

صؔحو کے نعتیہ کلام کا نمونہ یہ ہے:

مرا دل ہے محو جمال محمد ﷺ — وصال خدا ہے وصالِ محمد ﷺ
یہی کہہ رہا ہے مرا دل عزیزو — خیال خدا ہے خیالِ محمد ﷺ
ہوا جس کے باعث دو عالم ہے پیدا — بیاں ہم کریں کیا کمالِ محمد ﷺ
نہ تھے جن و انساں، زمیں آسماں جب — ہوا ہے ظہور جمال محمد ﷺ

---

[۱] دیوان میں نعتیہ کلام صفحات: ۳۲، ۳۳، ۳۶، ۶۲، ۶۴، ۶۶، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۸۸، اور ۱۲۰ پر درج ہے۔
[۲] اردو دیوان صؔحو: صفحات: ۱۰۸، ۱۰۹

دل مردہ ہوتے ہیں اک دم میں زندہ ہے معجز بیاں کیا مقال محمد ﷺ
ہوا ہوں میں اے صحوؔ سو جان و دل سے فدائے محمد ﷺ و آلِ محمد ﷺ [۱]

صحوؔ کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار ہے۔ وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں چند صفات کا جو بیان ہے بس تقریباً اسی حد تک ہے جو اوپر درج ہے۔ باقی مضمون نیازمندی، شیفتگی، بےکلی اور بےقراری کا ہے۔ سارا بیان عشق و محبت کی زبان میں ہے۔ شوق کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ الفاظ متحمل نہیں ہو سکتے:

کس منہ سے ہو بیان بھلا شوق آپ ﷺ کا
پھر کیا کہوں میں دل کو یہ دل مانتا نہیں [۲]

محمد ﷺ یہ کون و مکاں آپ کا ہے زمیں آپ کی ہے، زماں آپ کا ہے
سما سے سمک تک ہے آئینہ خانہ دو عالم میں جلوہ عیاں آپ کا ہے
نہ موقوف نزدیک اور دور پر ہے وصال اب مجھے تو عیاں آپ کا ہے
اسے ہر طرح سے بچانا محمد ﷺ یہ صحوؔ حزیں مدح خواں آپ کا ہے [۳]

دوسری مثال:

دو قطرہ تھا دریا میں آ کر سمایا دوئی کا یکایک جو پردہ اُٹھایا
کرو شمع روشن نہ مرقد پہ میرے کہ شمع رسالت سے دل پُر ضیا ہے
لگی آگ عشق پیمبر کی ایسی جو تھا ماسوا سب کا سب جل گیا ہے
جدا تن سے سر ہو تو قدموں پہ دھر لو خوشی مجھ کو حاصل ہے پھر عذر کیا ہے
اگر دل ہے بیمار اے صحوؔ جاؤ مدینہ تمہارا تو دار الشفا ہے [۴]
محمد ﷺ یہ ارض و سما آپ کا ہے قسم ہے خدا کی خدا آپ کا ہے
مقید کہوں گر تو مطلق ہیں حضرت بتاؤں میں کیا جو پتا آپ کا ہے

---

[۱] دیوان صحوؔ: صفحہ-۳۳
[۲] دیوان صحوؔ: صفحہ-۱۰۲
[۳] دیوان صحوؔ: صفحہ-۴۷
[۴] دیوان صحوؔ: صفحہ-۷۲

مرا دل سراپا ہے آئینہ خانہ　　خدا کی قسم رونما آپ کا ہے
نہیں آنکھ کھولے سے کھلتی ہے واللہ　　یہ دل میں تصور بسا آپ کا ہے[۱]

میم کے پردے کا مضمون اکثر نعت گو شعراء نے باندھا ہے۔ صحو کے یہاں بھی یہی مضمون عرفان کی راہ سے آیا ہے:

پردۂ میم میں چھپے ہیں حضور ﷺ　　ہم سے نزدیک ہیں نہیں کچھ دور[۲]

مدینے کے بیان میں بھی مختلف شعراء نے مختلف طریقوں سے گلفشانی کی ہے۔ صحو کا رنگ یہ ہے:

بلوائے مدینہ میں جو سلطان مدینہ　　کردوں گا دل و جان کو قربان مدینہ
دن رات تصور میں گزرتا ہے عجب کیا　　شاید نظر آجائے بیابان مدینہ
بلبل کی طرح دل ہوا شیدا جو ہمارا　　ہے پیش نظر میرے گلستانِ مدینہ[۳]

شاعر وصف مدینہ میں اپنے عجز کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مدینہ کی شان سے کوئی واقف نہیں۔

صحو کے نعتیہ کلام میں جہاں بے پایاں خلوص اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پایا جاتا ہے وہاں وہ اظہار خلوص ومحبت کی حدود سے بھی خوب واقف ہیں اور ہمیشہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کو ملحوظ رکھ کر مناسب طرز خطاب اختیار کرتے ہیں۔ کلام میں کہیں بے اعتدالی نہیں پائی جاتی۔

---

۱ دیوانِ صحو: صفحات-۷۳، ۷۴
۲ دیوانِ صحو: صفحہ-۳۶
۳ دیوانِ صحو: صفحات-۶۴، ۶۵

# بابِ ہشتم

# دَورِ جدید اور اس عصر کے دیگر شعراء

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد زندگی نے ایک نئی کروٹ بدلی۔ آزادی کی جدوجہد میں یہ ناکامی ایک انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ دراصل یہ انقلاب ایک نئے احساس کی شکل میں نمودار ہوا اور اس کی ہمہ گیری نے علمی اور ادبی دنیا کو بھی گھیر لیا۔ اس دور کو ہم سادگی اور حقیقت پسندی کا دور کہیں تو زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے کہ اب تکلف اور تصنع سے پرہیز کیا جانے لگا۔ اظہار خیال کے لئے آسان راستے تلاش کئے گئے اور مضامین کے لئے وہ موضوعات مرغوب خاطر رہے جو زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ اب ایسی نظموں سے اردو ادب مالا مال ہوگیا۔ جن میں تاریخی، سیاسی، اخلاقی اور نیچرل مضامین پائے جاتے ہیں۔ غزل کا رنگ بھی وقت کے مذاق کے لحاظ سے بدل گیا۔ اب فطری جذبات کا اظہار کمالِ فن قرار پایا۔ اس طرح خیالات میں صحت مند اور صحت بخش تنوع نے اردو ادب میں جگہ پائی۔

اس دَور کے نعتیہ ادب نے بھی ماضی سے الگ ایک نئی لَے پیدا کی اور نعتیہ شاعری میں نئی روح پھونک دی۔ دراصل اس دَور کی برکات کا عصر حاضر بھی ممنون ہے کہ جس نے ادب میں ایک نئی نظر پیدا کر کے حقیقت پسندی کا ثبوت دیا۔ اب نعتیہ شاعری صرف جذباتی دنیا میں محصور نظر نہیں آتی۔ جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر فریفتگی کی رسمی والہانہ کیفیت نے اسوۂ حسنہ پر فریفتگی کو جگہ دی اور بیان نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں سیرت پاک کو زندگی سے ہم آہنگ دکھایا۔ یہ ایک انقلابی دور ہے جس میں زندگی کی حقیقی قدروں کے شعور نے زندگی کو بے نقاب کیا۔ اب حسن پرستی کا وہ معیار نہ رہا جو آخر میں صنم پرستی کا رنگ اختیار کر لیتا

ہے بلکہ صداقت پسندی کی بیداری نے باطل جذبات اور رجحانات کا قلع قمع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس سے پہلے زیادہ تر معجزات کے بیان سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی یا یہ کہ تصوف کی زبان میں ایسے مضامین باندھے جاتے جن سے آپ کی حقیقی عظمت یعنی عبدیت پر حرف آتا۔ اس دَور میں خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کے ذکر کا چرچا کیا گیا۔ مسلمانوں کو ان کی گری ہوئی حالت سے ابھارنے کے لئے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلو بیان میں آنے لگے اس طرح نعتیہ ادب میں سیاسی اور معاشرتی مضامین بھی داخل ہوئے۔

نعتیہ شاعری کے اس دَور کے معمار مولانا حالؔی اور مولانا شبلؔی ہیں۔ نظم طباطبائی کو بھی ہم اس زمرے میں شامل کریں گے جنھوں نے نعتیہ قصائد کو نئے ڈھنگ سے پیش کیا اور تاریخی واقعات کے بیان سے اسوۂ حسنہ کی تشریح کو اپنا شعار بنایا۔ یہ دَور اس حیثیت سے بھی نہایت اہم ہے کہ اس کے اثرات دَورِ حاضر پر نہایت گہرے اور نمایاں ہیں۔

## مولانا الطاف حسین حالؔی

مولانا الطاف حسین حالؔی پانی پت میں ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خواجہ ملک علی کا انتقال حالؔی کی کم عمری ہی میں ہوگیا تھا۔ والدہ کی سرپرستی بھی صرف ۹ سال کی عمر تک نصیب ہوئی۔ والدین کے انتقال نے بھائی اور بہنوں کی کفالت میں چھوڑ دیا۔ ان کے بھائی امداد حسین سے انہیں خاص تعلق خاطر رہا۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ قرآن بھی حفظ کیا۔ سید جعفر علی سے فارسی اور طب پڑھی، ۱۷ برس کی عمر میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ پھر تقریباً ڈیڑھ برس دلّی میں رہ کر مولوی نوازش علی سے صرف ونحو اور منطق کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ یہاں مرزا غالبؔ سے ان کی شناسائی ہوگئی تھی۔ چنانچہ کبھی کبھی انہیں غزلیں سنایا کرتے۔ عزیزوں کے اصرار پر حالؔی کو پانی پت لوٹنا پڑا۔ لیکن ان کا دل دلّی کی علمی صحبتوں میں رہا۔ ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار کی کلکٹری میں معمولی خدمت پر مامور ہوئے جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں جاتی رہی۔ پھر تقریباً چار سال تک تفسیر، حدیث، منطق فلسفہ کی کتابیں خود ہی پڑھیں۔ آخر فکرِ معاش نے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ سے آٹھ سال تک وابستہ رکھا۔ یہ زمانہ

حالؔی کے ادبی مذاق کی اصلاح کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ شیفتہؔ کی وفات کے بعد حالؔی پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو لاہور میں ملازم ہوگئے ۔ یہاں وہ انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی عبارت درست کرتے ۔ یہ دَور بھی ان کے ادبی رجحانات کو متعین کرنے میں بڑا کارگر ثابت ہوا۔ شیفتہؔ کی صحبت میں انہیں قدیم نظریۂ شعر میں ایک نئی صورت نظر آئی تو لاہور میں ان کی جدید شاعری کی بنیاد رکھی گئی۔

اب حالؔی کی زندگی کو ایک اور رنگ دیکھنا تھا۔ یعنی ان کا تبادلہ دلّی ہوگیا اور اینگلو عربک اسکول میں وہ تدریسی خدمت پر مامور ہوگئے ۔ یہاں سرسید احمد خاں سے شناسائی پیدا ہوئی۔ مسدس مد و جزر اسلام، اسی صحبت کی برکت کا نتیجہ ہے۔ یہیں انہوں نے اپنی مشہور کتابیں حیات سعدی، حیات جاوید، یادگار غالبؔ اور مقدمہ شعر و شاعری لکھی ان کا انتقال ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہوا۔

دیوان حالؔی میں پہلا قصیدہ نعتیہ ہے یعنی۔

بنے ہیں مدحت سلطان دوجہاں کے لئے ............ الخ

اس کے حاشیے میں حالؔی نے لکھا ہے...... ’’یہ قصیدہ ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء یا ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں لکھا گیا۔‘‘ لیکن مجموعہ کلام حالؔی کی ایک تضمین ملتی ہے جو انہوں نے تقریباً ۱۶ سال کی عمر میں (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء) میں قدسؔی کی مشہور نعتیہ غزل پر لکھی تھی اور اس وقت حالؔی کا تخلص خستہؔ تھا۔ آخری بند یہ تھا:

خستہؔ خاموش کہ مشکل ہے بہت وصف نبی　　　ہاتھ اٹھا سوئے مدینہ دم حاجت طلبی
پڑھ زباں سے زرہ صدق یہ شعر قدسی　　　سیّدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

تضمین کے بعد حالؔی کا وہ نعتیہ قصیدہ قریب دس سال بعد لکھا گیا اس کا مطلع یہ ہے:

بنے ہیں مدحت سلطان دوجہاں کے لئے
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

اس میں ۳۳ شعر ہیں اور حالؔی نے بجائے ظاہری محاسن کے جو عام نعت گو شعراء کا معمول تھا صرف داخلی اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل، قرآن،

جبریل، معراج، خلق عظیم، ذات کریم وغیرہ حقیقی اوصاف ومتعلقات کا بیان ہے۔

بعض اشعار یہ ہیں:

وہ لحظہ لحظہ تفقد وہ دمبدم الطاف　　　رضائے خاطر یاران جانفشاں کیلئے
وہ گونہ گونہ مدارا وہ بات بات میں مہر　　　کشایشِ گرہ کینِ دشمناں کے لئے
کہیں ہلاک میں تاخیر قوم سرکش کے　　　کہیں نماز میں تعجیل ناتواں کے لئے

اسی قسم کے حقیقی اوصاف بیان کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ دنیوی ممدوحوں کی طرف رجوع ہوئے تو محض حقیقت نگاری کو موضوع بنایا۔ ۱۸۶۸ء میں غالبؔ کا مرثیہ اور ۱۸۷۴ء میں نواب کلب علی خاں کا قصیدہ اسی حقیقت نگار قلم نے تیار کیا کہ ایسے اصناف میں جہاں کہ تصنع اور تکلف ایک جزو لاینفک ہے، حالیؔ نے محض حقیقت نگاری کو رائج کیا اور سلاست اور روانی کو اختیار کیا۔ حالیؔ کا دوسرا نعتیہ قصیدہ ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء کا لکھا ہوا ہے جس کا مطلع یہ ہے:

میں بھی ہوں حسن طبع پر مغرور　　　مجھ سے اُٹھیں گے ان کے ناز ضرور

اس قصیدے کے حاشیے پر حالیؔ لکھتے ہیں کہ ''اس قصیدے کی تمہید ۱۲۸۷ھ یا ۱۲۸۸ھ کے ہذیانات میں سے ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ دلّی میں نامور شعراء کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مومنؔ، ذوقؔ، آزردہؔ، غالبؔ اور شیفتہؔ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدان بالکل خالی ہے۔ انہیں دنوں سیتارام کے بازار (دہلی) میں مشاعرہ قرار پایا۔ مصرع طرح پر تین غزلیں بڑے دعوے سے لکھیں۔ جن لوگوں کی جا وبیجا تحسین وآفریں سے دماغ میں خلل آ گیا تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے مشاعرے میں نہ آئے۔ بیسوا اپنے خریدار کی بے التفاتی سے شاید ایسی کھسیانی نہیں ہوتی جیسا کہ شاعر لوگوں کی بے التفاتی سے جن کو وہ سچ مچ اپنے شعر کا قدرداں سمجھتا ہے۔ اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدے کی فخر پر تمہید لکھی گئی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جس طرح آج کل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعے ہوتی ہے اسی طرح شاعری بھی منوانے سے مانی جاتی ہے۔ لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعتاً اپنی غلطی پر متنبہ

ہوا۔ لہٰذا قصیدے کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا، تاکہ فخر کے لئے ایک وجہ پیدا ہو جائے۔“
چنانچہ یہ قصیدہ اپنی تمہید میں محض تعلّی و تفاخر سے متعلق ہے اور اسی تعلّی کے ساتھ گریز کیا ہے۔
چند اشعار یوں آتے ہیں:

چھیڑ دوں گر فسانۂ فرہاد — دل خسرو میں ڈال دوں ناسور
کرنے جاؤں جو حق سے عذرِ گناہ — لے کے آؤں نوید عفو قصور
لوں ملائک سے داد حسن کلام — گر لکھوں نعت سرور جمہور
وہ شہنشاہ امتی جس کا — یاں سبکسار اور واں ماجور
مژدہ اے امت ضعیف کہ یاں — سعی ہوتی ہے بے کئے مشکور

مدح غائبانہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، فیوض و برکات وغیرہ کا ذکر ہے۔
پھر اس طرح خطاب ہے:

اے ترا پایا فہم سے برتر — اے ترا نام عرش پر مسطور

اور خطاب کر کے اپنی تعلّی کا ردِّ عمل یوں کیا ہے:

طبع غالب ہے اور میں مغلوب — نفس قاہر ہے اور میں مقہور
بحرِ غفلت میں ہوں سراسر غریق — نشۂ کبر میں ہوں بالکل چور
چھوڑتی ہی نہیں خودی دامن — ہوں بہت اپنے ہاتھ سے مجبور

اسی طرح اشعار میں اپنی بے مائیگی، بے بضاعتی اور دیگر خامیوں کا ذکر ہے اور آخر میں
لکھتے ہیں کہ:

ہاں مگر کچھ امید بندھتی ہے — تیرے زمرے میں گر ہوا محشور
جب ترے کارواں میں جا پہنچا — پھر رہا باب خلد کتنی دور
دوری آستاں والا سے — ہے بہت تنگ حالؔی مہجور

لیکن اس قصیدے میں پُر کیف جذبات اور قلبی واردات نہیں ہیں۔ سادگی صفائی اور
روانی ضرور ہے اور یہی اس قصیدے کا اصل جوہر ہے۔ اس کے تقریباً نو سال بعد مسدس شائع
ہوا جس کے جوش و اثر کی کیفیات کسی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ دور حالؔی کی قومی شاعری کا
ہے جس میں وہ قوم کی شکستہ حالی پر غلطاں و پیچاں نظر آتے ہیں۔ وہ مصلحانہ انداز میں اس

ابتری پر نوحہ کرتے ہیں اور ماضی کی عظمت کو یاد دلا کر مستقبل کی درخشانی کی امید بندھاتے ہیں۔ وہ تمثیلات کے ذریعے طرح طرح سے قوم کو عمل کے لئے اُبھارتے ہیں۔

حالؔی کی نظر زندگی کی شیرازہ بندی کی صورت اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتی ہے۔ اس لئے وہ کیف آور انداز میں آقائے نامدار کی یاد کو دلوں میں تازہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسوۂ حسنہ کا ایک ایسا سماں باندھتے ہیں کہ سننے والا بیتاب ہوجاتا ہے اور حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قلب ونظر میں روشن ہوجاتی ہے۔ اس کا دل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز ہوجاتا ہے۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوجاتے ہیں اور ایک جذب، کیف اور سرمستی زندگی میں حرکت اور قلب میں جلا کا کام کرتی ہے۔ حالؔی کے نعتیہ کلام کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ سیدھے سادھے انداز میں غزل کی لطافت سے عاری ہوکر بیان کی ایک ایسی لَے اختیار کرتا ہے کہ سننے والے کو بے اختیار کر دیتا ہے۔ شاعر کی طبیعت کا نقشہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے جس لطیف انداز میں پیش کیا ہے وہ حالؔی کی شاعری کی اس اثر آفرینی کو نہایت قوت سے واضح کرتا ہے:

> ''شاعر کی طبیعت نہایت گداز تھی۔ وہ ازل سے دردمند دل لے کر آیا تھا۔ اس کا مزاج سدا کا اداس تھا۔ وہ عالم کی نیرنگی، زمانہ کی ناسازگاری اور پھر اپنی قوم کی پستی کے منظر دیکھ کر خود بھی اکثر روتا تھا اور دوسروں کو بھی رُلاتا تھا۔''[۱]
>
> ''پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت میں ہمارے خوش خیال شاعروں نے کیا کیا کچھ نہیں کہا اور کس کس طرح مدح و توصیف نہیں کی مگر مسدس میں نعت کے جو چند بند ہیں وہ اپنی واقعیت اور سچائی کی بناء پر جس اثر سے مالا مال ہیں وہ تکلف اور مبالغہ سے بھری ہوئی اکثر نعتوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ شاعروں نے اپنی نعتوں میں شاعری کے جادو سے اثر پیدا کرنا چاہا اور مولانا حالؔی نے سچائی اور واقعیت کے اعجاز سے اِس لئے ان کی نعت کے

---

[۱] مقدمہ مسدس حالؔی از مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم (صدی ایڈیشن۔ ناشران حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۳۵ء) صفحہ۔۴۴

یہ چند شعر دوسروں کے سارے دفتر سے بہتر ہیں اور بعد میں نئے
شاعروں نے اسی طرز کی تقلید کی اور کامیاب رہے۔‘‘[۱]

یوں مولانا حاؔلی کے دَور سے پہلے بھی نعت گو شعراء کے کلام میں اسوۂ حسنہ کے بہت سے پہلو آ گئے ہیں جو ہمارے لئے مشعل راہ بن سکتے ہیں لیکن حاؔلی نے اس میں ضبط اور نظم قائم کر کے نعت کے اس مقصدی رنگ کو زیادہ اجاگر کیا ہے اور اسے صرف تعمیر حیات کا ذریعہ بنایا ہے۔اس میں ان کی بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ نعت میں انہوں نے ایک نیا رنگ پیدا کیا اور مسلمانوں کی اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی زبوں حالی کا علاج قرار دیا کہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی طور پر زندگی میں از سرِ نو جاری و ساری کیا جائے۔شاعر کے ذہن میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پس منظر وہی عالمی گمراہی اور تباہ حالی ہے۔جس کی اصلاح کے سامان اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے۔حقیقت میں مسلمانوں کے ماضی کی ساری عظمت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربان ہونے کے سبب سے تھی۔یہی شاعر کا ایمان ہے۔اور اس کا یہی ایقان اسے نغمہ کے لئے اُبھارتا ہے۔اس کی نظر ہمہ گیر ہے اس لئے اس کے تخلیل کی زد میں ساری زندگی آ جاتی ہے۔زمانۂ جاہلیت کے تاریک دَور کا ذکر کرنے کے بعد شاعر ظہور رحمت کا نقشہ اس طرح پیش کرتا ہے:

یکا یک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت     بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت     چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت     کہ طالع ہوا ماہ برج سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت     کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت
یہ چالیسواں سال لطف خدا سے
کیا چاند نے کھیت غار حرا سے[۲]

---

۱؎ مقدمہ مسدس حاؔلی از مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم (صدی ایڈیشن۔ناشران حالی پبلشنگ ہاوس، دہلی (۱۹۳۵ء) صفحہ-۴۶

۲؎ مسدس حاؔلی، صدی ایڈیشن، صفحہ-۱۸-۱۹

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی برکات نے نہ صرف عرب کی پراگندہ زندگی کو سنوارا بلکہ وہ سارے عالم کے لئے رحمت ثابت ہوئیں۔ اسلام کی برکات جو دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچیں۔ اسے بھی حالیؔ نے دنیا کی ابتری کے بیان کے بعد اس طرح پیش کیا ہے:

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اٹھی — پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی — جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی [۱]

شاعر کا تخیل ساری دنیا کا جائزہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں طرح طرح کے مضامین پیدا کرتا ہے۔ لیکن ہر جگہ جو ایک مرکزی خیال کام کر رہا ہے وہ آپ کا ہادی عالم ہونا ہے۔ اس لئے وہ خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ایک رنگ میں پیش کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نے دنیا کو گمراہی سے نکال کر رشد و ہدایت کی راہ پر گامزن فرمایا۔ خلوص کا یہ عالم ہے کہ کلام کی اثر آفرینی ہر جگہ موجود ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال معنوی پر شاعر اس طرح فدا ہے کہ ذکر حبیب جہاں بھی آتا ہے تو صفات محمودی اس کے دل و دماغ میں روشن ہوجاتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ بارگاہ ایزدی میں حضور کا واسطہ دے کر دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو دعا کو چھوڑ کر اپنے آقا کی مدح سرائی میں کھوجاتا ہے پھر جب ہوش میں آتا ہے تو دُعا کا مضمون بیان کرتا ہے۔ لیکن عام نعت گو شعراء کے رنگ سے بالکل جدا وہ اپنے لئے دعا نہیں مانگتا بلکہ آقائے نامدار کی امت کی زبوں حالی سے بیتاب ہوکر اس کے اصلاح حال کی درخواست پیش کرتا ہے:

الٰہی بحق رسول تہامی — ہر اک فرد انساں کا تھا جو کہ حامی
جسے دور و نزدیک تھے سب گرامی — برابر تھے مکی و زنگی و شامی
شریروں کو ساتھ اپنے جس نے نباہا
بروں کا ہمیشہ بھلا جس نے چاہا
طفیل اس کا اور اس کی عزت کا یارب — پکڑ ہاتھ جلد اس کی امت کا یارب [۲]

---

[۱] مسدس حالیؔ، صدی ایڈیشن، صفحہ-۳۰

[۲] مسدس حالیؔ، صدی ایڈیشن، صفحہ-۱۲۸، ۱۲۹

بیان کی سادگی کے ساتھ اس کی قوت بھی دلوں کو ہلا دینے والی ہے۔ بقول نواب صدر یار جنگ بہادر حبیب الرحمٰن خاں شروانی ''اردو میں ایسا دلوں کو گرمانے والا نعتیہ کلام زیادہ نہیں ملے گا۔''[۱]

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی — اک آواز میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت وجبل نام حق سے[۲]

زبان وحی سے وحدت کا گیت اپنی ساری جلالی اور جمالی کیفیتوں کو آشکار کر رہا ہے۔

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا — یہ راعی نے للکار کر جب پُکارا
کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان طاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم — اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم — اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی[۳]

حالؔی نعتیہ کلام میں خیالی اور جذباتی والہانہ کیفیت سے کبھی لطافت پیدا نہیں کرتے۔ اس میں ہمیشہ وصف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مضامین کا بیان ملتا ہے جو مقصود رسالت ہیں۔ چنانچہ زبان وحی سے توحید کے پرزور بیان کے بعد اب رسالت اور مقام مصطفائی کی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں:

---

۱۔ تقریبات مسدس حالؔی: صدی ایڈیشن، (۱۹۳۵ء) صفحہ-۲۶
۲۔ مسدس حالؔی، صدی ایڈیشن، صفحہ-۲۱
۳۔ مسدس حالی، صدی ایڈیشن، صفحہ-۲۲

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انساں ہیں واں جس طرح سر فگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ[۱]

اب امت کو آقائے نامدار کی تلقین بھی سن لیجئے:

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی[۲]

نعتیہ کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ جس میں اسلوب بیان کی ندرت اور مضامین کی صداقت اپنے حسن انداز میں ہر جگہ جلوہ گر ہے اردو نعتیہ ادب میں اس حسن و خوبی سے بہت کم ملتی ہے۔ ساتھ ہی مسدس کے نعتیہ بند اپنی سادگی اور پرکاری کی وجہ سے امتیازی خصوصیت رکھتے ہیں۔ مسدس کی ایک اور خصوصیت زبان کی سلاست، روانی اور بے ساختگی ہے۔ بقول مولانا سلیمان ندوی مرحوم ''معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاف شفاف نہر کسی ہموار ترائی میں آہستگی سے بہتی چلی جا رہی ہے۔ نہ کہیں رکاوٹ ہے نہ لفظ میں گرانی ہے۔ نہ قافیہ کی تنگی ہے، زبان میں گھلاوٹ، بیان میں حلاوت، لفظوں میں فصاحت اور ترکیبوں میں لطافت ہے۔ ہماری زبان میں سہل ممتنع کی یہ بہترین مثال ہے۔''[۳]

نعت کے چند بند ملاحظہ کیجئے اور کلام کے گوناگوں محاسن کی داد دیجئے:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

---

۱ مسدس حالی، صدی ایڈیشن، صفحہ-۲۲ ۲ مسدس حالی، صدی ایڈیشن، صفحہ-۲۳
۳ مقدمہ مسدس حالی صدی ایڈیشن صفحہ-۴۴

خطا کار سے درگزر کرنے والا　　بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا　　قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مس خام کو جس نے کندن بنایا　　کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا　　پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر ہوگیا رُخ ہوا کا[۱]

اسی انداز کے بند کئی ہیں۔ جن میں سیرت طیبہ کو ایسے دلنشین پیرائے میں بیان کیا ہے کہ ہر بار پڑھنے میں نیا لطف آتا ہے۔

چنانچہ ملک کے مختلف حضرات نے ان اشعار کی بڑی قدر کی ہے۔ رسالہ مولوی دہلی نے ایک مرتبہ حالؔی کے ایسے تمام مصرعوں کی تفسیر میں مولوی نمبر بھی (غالباً ۱۹۳۰ء میں) شائع کیا تھا۔

مسدس حالی کا نعتیہ بیان خلوص، محبت، درد، تڑپ اور جذب وشوق میں ڈوبا ہوا شاعر کی اس ایمانی کیفیت کی آواز ہے جس نے حبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خود کو بھی فراموش کر دیا ہے۔ اس کی نظر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت غرض یہ کہ جو چیز بھی اس کے آقا سے نسبت رکھتی ہے محبوب ہے اور اس کا خیال اسے ہر گھڑی بے چین کیئے ہوئے ہے۔ حقیقت میں حالی کی قومی شاعری کی اصل یہی جذبہ ہے۔ یہی انہیں نغمہ کے لئے ابھارتا ہے اور اسی کو وہ حاصل زندگی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کی زندگی کی عملی مساعی میں ہر جگہ اس کی کارفرمائی پاتے ہیں۔

حالؔی نے غالباً ۱۸۸۸ء میں ''شکوہ ہند'' لکھا جس میں اسلامی محاسن اوصاف کے ختم ہو جانے کا ذکر ہے۔ آخری بند میں کہتے ہیں:

ہیں یہ باتیں بھول جانے کی مگر کیوں کر کوئی
بھول جائے رات کا سب صبح ہوتے ہی سماں

---

[۱] مقدمہ مسدس حالؔی صدی ایڈیشن صفحہ-۱۹

گر یقیں ہے رفتہ رفتہ یاد ایام سلف
دل سے چھوڑے گی مٹا کر گردش دور زماں

ہر زمانے میں رہیں گے تا قیامت یادگار
جو کیئے برتاؤ تو نے ہم سے اے ہندوستاں

یہ برکتیں یاں چھوڑ کر ہم اپنی جائیں گے بہت
ہم نہ ہوں گے پر نصیحت ہم سے پائیں گے بہت

دین کی انہی برکتوں کے چلے جانے پر حالؔی نے ایک مناجات، سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰت کی جناب میں پیش کی ہے جو اپنی شہرت و مقبولیت میں خاص طور پر ممتاز ہے۔

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دُعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ
خود آج وہ مہماں سرائے فقراء ہے

وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتّی نہ دیا ہے

آگے چل کر کہتے ہیں:

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آ کے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

پھر دعا کے لئے درخواست کی ہے کہ اس قوم کا جہاز خطروں میں گھرا ہوا ہے۔

امت میں تری نیک بھی بد بھی ہیں لیکن
دل دادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہے

کل دیکھئے پیش آئے غلاموں کو ترے کیا
اب تک تو تیرے نام پہ ایک ایک فدا ہے

اسی کے آخر میں کہتے ہیں:

ہاں حالؔی گستاخ نہ بڑھ حد ادب سے　　　باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلہ ہے

شکوہ ہند کے علاوہ ایسے اشعار بھی اقبالؔ کو شکوہ لکھنے پر آمادہ کر سکے تھے۔ تاہم حالؔی اور اقبالؔ وغیرہ کے عشق میں بہت فرق ہے۔ حالؔی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی سیرت طیبہ کی وجہ سے عشق کیا لیکن اقبال نے محض محبوب سمجھا اور ایسا محبوب جن کے بلند مرتبے کی وجہ سے وہ گرد راہ بننے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

مولانا حالؔی کے اس اصطلاحی رنگ کے اثرات بعد کے نعت گو شعراء پر نہایت گہرے خوشگوار اور صحت مند ثابت ہوئے۔ اکثر شعراء نے اس لئے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی شروع کی اور نعتیہ ادب کو مقصدی صورت بخش کر اخلاقی مضامین سے مالا مال کر دیا۔ اب بیان میں فقط جذب و کیف ہی کا اظہار نہیں رہا بلکہ اس کے ساتھ اسوۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات بخش نمونہ کو جاندار بنا کر پیش کیا جانے لگا۔ اس کی مثال آنے والے شعراء کے کلام میں جا بجا ملتی ہے۔

# شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

مولانا شبلی ۱۸۵۷ء میں موضع بندول ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوگئے۔ کچھ عرصہ تک دیوانی عدالت میں امین رہے پھر علی گڈھ میں پروفیسر ہوگئے اور ۱۶ سال تک یہ خدمت انجام دی۔ علی گڑھ کے قیام نے مولانا شبلی کی شہرت میں چار چاند لگادیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ علی گڑھ میں مولانا نے جہاں دوسروں کو بہت کچھ دیا وہاں ارباب علم وفضل کی صحبت سے خود بھی بہت حاصل کیا۔ اس زمانے میں بلاد اسلامیہ کا سفر بھی کیا۔ ۱۸۹۲ء میں تمغہ مجیدی حاصل کیا اور ۱۸۹۴ء میں حکومت برطانیہ سے آپ کو شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔

۱۸۹۸ء میں سر سیّد کا انتقال ہوا اور مولانا نے علی گڑھ کو خیر باد کہا۔ اس کے بعد حیدرآباد دکن میں ناظم محکمہ تعلیم مقرر ہوئے اور اس خدمت پر چار سال مامور رہے۔ حیدرآباد سے واپسی پر ندوۃ العلماء کی خدمت انجام دی۔ آخر ۱۹۱۳ء میں اس سے بھی علاحدہ ہوگئے، اور اعظم گڑھ میں دارالمصنّفین کی بنیاد ڈالی۔ مولانا کی عمر کا آخری زمانہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف میں گزرا۔

۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو رحلت فرمائی۔

مولانا شبلی گوناگوں صفات کے حامل تھے۔ وہ بہ یک وقت فلسفی، ادیب، ناقد، شاعر، مورخ، ماہر تعلیم، واعظ، معلّم، فقیہ، محدث وغیرہ۔ سب کچھ تھے۔ اتنی جامع کمالات شخصیت اُردو ادب کو نہ مولانا سے پہلے نصیب ہوئی اور نہ اس کے بعد۔

مولانا کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں:

دیوان شبلی اور دستۂ گل۔ مثنوی صبح امید۔ مجموعہ نظم اُردو۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دو

جلدیں۔شعر العجم پانچ حصے۔موازنہ انیس ودبیر،الفاروق،الغزالی۔سیرۃ النعمان۔المامون۔الکلام۔علم الکلام۔سفرنامہ روم مصر وشام۔سوانح مولانا روم۔الجزیہ۔اورنگ زیب عالم گیر۔تاریخ اسلام وفلسفہ اسلام۔مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم۔مقالات شبلی۔حیات خسرو۔تنقید جرجی زیدان۔رسائل شبلی۔مکاتیب شبلی۔

نعتیہ شاعری کے اس دَور میں مولانا حاؔلی کے ساتھ علامہ شبلی کا رنگ بھی بالکل اصلاحی ہے۔ان کے یہاں تغزل نام کو نہیں ملتا۔نعت میں ان کی جو نظمیں ہیں ان میں مذہبی اور اخلاقی مضامین پائے جاتے ہیں۔ان کا اندازہ نظموں کے عنوانات سے بخوبی ہو جائے گا۔مثلاً:

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔تعمیر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔"ایک خاتون کی آزادانہ گستاخی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم وعفو" اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی۔ایثار کی اعلیٰ ترین مثال اور مساوات اسلام۔ان میں وقت کے تقاضے کے لحاظ سے سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موثر پہلوؤں کو دکھانے کے علاوہ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ نمونے بھی نظم کئے ہیں جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتے ہیں۔مورخ کی حیثیت سے علامہ شبلی نے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھ کر نثر اور تاریخ کی ایک بے مثل تصنیف اردو زبان کو عطا کی،وہاں شاعر کی حیثیت سے نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کچھ کہا اسی سیرت نگاری کو پیش نظر رکھ کر کہا۔علامہ نے نعت کو صرف والہانہ تصدق،جذب اور شوق کے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے اخلاقی اور تاریخی رنگ دے کر اس میں انتہائی خوبی اور بلندی پیدا کی۔یہ تاریخ اور اخلاقی نظمیں اس پایہ کی ہیں کہ بقول علامہ سلیمان ندوی۔"جن میں ہر ایک اپنی خوبی اور بلندی کے لحاظ سے اردو کے بڑے بڑے ضخیم دیوانوں کے مقابلے میں بھاری ہے۔بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اردو ادب میں ان کی کوئی مثال نہیں۔"[۱]

شبلی کے کلام کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے اور سننے والے کے دل میں عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر کر جاتی ہے۔سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق روایات کو نظم کرنے میں مبالغے کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی اور نتیجتاً شاعر کا تخیل خیالی بلند پروازیوں کے کمال سے محروم رہ

---

[۱] کلیات شبلی طبع سوم۔معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۴۰ء۔"مولانا شبلی اردو شاعری کے لباس میں" از علامہ سلیمان ندوی۔صفحہ-۱۹

جاتا ہے۔ ان پابندیوں کے ساتھ کلام میں خوبی اور اثر پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی شاعرانہ صلاحیت درکار ہے۔شبلی نے اپنے زور بیان سے اس کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

شبلی کے نعتیہ کلام کا تجزیہ کرنے سے پہلے ان میں ان محرکات کو پیش نظر رکھنا چاہئے جن کی بناء پر شبلی کی شاعری نے یہ رنگ اختیار کیا۔ جدید مذہبی اور اخلاقی نظمیں علامہ نے ۱۹۰۸ءاور ۱۹۱۴ء کے درمیان لکھیں۔ یہی دَوران کی شاعری کا آخری اور امتیازی دَور ہے۔ مسلمانوں کی سیاست سے مولانا کو گہرا تعلق رہا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلامی دنیا انتہائی پریشانی میں مبتلا تھی۔ ایک طرف مسلمانان ہند کی حکومت برطانیہ سے کشمکش جاری تھی، دوسری طرف فرقہ وارانہ تنازعہ اور بنگال کی تنسیخ میں مسلمانان ہند الجھے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی بلقان کی جنگ نے مضطرب کر رکھا تھا۔ مولانا اپنا ایک سیاسی مسلک رکھتے تھے اور جذبہ ایمان بھی۔ اس پُر آشوب زمانے کے حالات نے ان کے احساس کو ایک نئے انداز سے جھنجھوڑا اور شدت تاثر کی شاعرانہ سحر آفرینیوں نے اردو شاعری کے لئے جدید مذہبی اور اخلاقی نظموں کا سرمایہ فراہم کیا۔ ان نظموں کے بیان کی قوت اور اثر کی سحر آفرینی نے دلوں کو تڑپا دیا اور ایک نئی زندگی کی لہر دوڑا دی۔ اسی دور کی پیداوار مولانا کا نعتیہ کلام بھی ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں بھی شاعر کے احساسات کا رنگ ہونا چاہئے۔

زندگی کی سختیوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا مسلمان کا ایمانی شعار ہونا چاہئے۔ افلاس کی بدحالی سے گھبرا جانا ایمان کے منافی ہے۔ ثروت اور دولت میں ڈوبی ہوئی ماں کی لاڈلی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر باپ کے حضور میں ایک درخواست لے کر ایک آس اور امید کے ساتھ پہنچتی ہے۔ شاعر نے اس سادہ مگر مہتم بالشان واقعہ کو اسی سادگی اور زور بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر کشی کس حسن وخوبی سے کی ہے:

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں — چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار — گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے — جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسولِ خدا کے پاس — یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض — واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا

پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور ﷺ نے | کل کس لئے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منھ سے کہہ سکیں | حیدر نے ان کے منھ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن | جن کا صفّۂ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ ہنوز | ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں | میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق | جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا[۱]

شبلی کی نظر میں وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ان مکارم اخلاق کی تعلیم ہے جن سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور زندگی کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ والہانہ جذب وشوق کے بعد بھی اگر اسوۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی جھلک کردار میں نظر نہ آسکی تو اسے ہم بے مقصد اور خیالی اظہارمندی سے تعبیر کریں گے۔

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ بھی ملاحظہ کیجئے:

جب کہ آمادہ خوں ہوگئے کفار قریش | لا جرم سرور عالم نے کیا عزم سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز | گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور ﷺ
اک فقط حضرت بوبکر تھے ہمراہ رکاب | ان کی اخلاص شعاری تھی جو منظور نظر
رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے | کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادہ شر
تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں | تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر
بیم جاں، خوف عدو، ترک غذا، سختی راہ | ان مصائب میں ہوئی اب شب ہجرت سے سحر[۲]

مدینہ طیبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کا جوش وخروش اپنی انتہائی سادگی میں بھی محبت، خلوص اور جذب وشوق کا ایسا شاندار مظاہرہ ہے کہ جس پر قیصر وکسریٰ کا جاہ وحشم ہزار بار تصدق ہے۔ شہنشاہ کونین کے استقبال کے لئے اللہ والے دل وجان کا ہدیہ لئے ہوئے مضطربانہ کیفیت کی قیامت خیز ساعتوں میں تصدق کے لئے آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں سلطانی اسی کی ہے۔ جو جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکمرانی کرے۔

---

۱ کلیات شبلی۔ صفحہ۔ ۳۷
۲ کلیات شبلی: صفحہ۔ ۳۳

حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئی استقبال کی شان ملاحظہ کیجئے:

ہاں مدینے میں ہوا غل کہ رسول آتے ہیں
راہ میں آنکھ بچھانے لگے اربابِ نظر
لڑکیاں گانے لگیں ذوق میں آ کر اشعار
نغمہ ہائے طلع البدر سے گونج اٹھے گھر
ماں کی آغوش میں بچے بھی مچل جانے لگے
ناز نینان حرم بھی نکل آئیں باہر
آل نجّار چلے شہر سے ہوکر تیار
زرہ و جوشن و چار آئینہ و تیغ و سپر
دفعتاً کوکبۂ شاہ رسول آ پہنچا
غل ہوا صلِّ علیٰ خیر اناسٍ و بشر
جلوۂ طلعت اقدس جو ہوا عکس فگن
دفعتاً تار شعاعی تھا ہر اک تار بصر
طور پر حضرت موسیٰؑ کی صدا آتی تھی
آج ایک اور جھلک سی مجھے آتی ہے نظر
سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کس کو ملے
میہماں ہوتے ہیں کہ اوج نشیں کے سرور
سینے کہتے تھے کہ خلوت گہ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر
ہاں مبارک کرے اے خاک حریم نبوی ﷺ
آج سے تو بھی ہوئی خاک حرم کی ہمسر
صل یا رب علی خیر نبی ﷺ و رسول ﷺ
صل یا رب علی افضل جن و بشر [1]

---

[1] کلیات شبلی: صفحہ-۴۳،۴۴

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مزدور کے لباس میں تعمیر مسجد کے کام میں مصروف کار ہیں۔ خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان شاعر نے نہایت اختصار اور حسن و خوبی سے دکھائی ہے:

انصار پاک اور مہاجر تھے جس قدر — مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
اک اور نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک — جو آب وگل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ وخشت — سینہ غبار خاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال — یہ خود وجود پاک رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم تھا
جو وجہ آفرینش افلاک و عرش ہے — جس کا کہ جبرئیل بھی ادنیٰ غلام تھا

صلوا علی النبی و اصحابہ الکرام
اس نظم مختصر کا یہ مسک الختام تھا[۱]

حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کا اصل اصول ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں ساری دنیاوی محبتیں دب جاتی ہیں۔ ماں، باپ، اولاد، زن، برادر، مال، زر، جان وغیرہ کی قربانی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر گوارا ہو جاتی ہے تو سمجھنا چاہئے کہ ایمان نے دل میں جگہ پائی ہے۔ اس ایثار کی اعلیٰ ترین مثالیں ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جا بہ جا پاتے ہیں۔ شبلی نے اس کا ایک ہی واقعہ بیان کر کے محبت کی اس کیفیت کو نہایت دلنشیں پیرایہ میں پیش کیا ہے جس میں ایمان کی تازگی کے لئے اہتمام پایا جاتا ہے۔ جنگِ احد میں سرورِ کائنات کی شہادت کی خبر مدینہ میں پہنچتی ہے جس سے ہر گلی کوچہ ماتم کدہ بن جاتا ہے۔ عورتیں، مرد، جوان، بوڑھے اور بچے سب ہی پریشان اور مضطرب گھروں سے نکل آتے ہیں۔ اس مضمون کو علامہ شبلی نے اس طرح بیان کیا ہے:

وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشین عفاف
جن میں تھیں سیدۂ پاک بھی بادیدہ نم
ایک خاتون کہ انصار نکو نام سے تھیں
سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش وحواس ان کے بہم

---

۱ کلیات شبلی: صفحہ: ۳۴، ۳۵

موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم
تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتہ شمشیر ستم
سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہ الم
اس عفیفہ نے یہ سن کر جو کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہ امم
سب نے دی اس کو بشارت کے سلامت ہیں حضورﷺ
گرچہ زخمی ہے سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کے اس نے رخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہے سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم[۱]

حقیقت میں وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شان ہے جہاں نعت گو شاعر اپنے فن کی سحر آفرینی سے قلب کے لئے رقت کا سامان کرتا ہے اور آنکھیں فرطِ محبت میں آنسو بہانے لگتی ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کا حقیقی سرمایہ حبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی بیش بہا دولت ہے کہ ان کی سیرت میں ہم اسی کی جلوہ فرمائیاں پاتے ہیں۔ نعت کے یہی مضامین ایمان کی تازگی کا سامان بھی کر سکتے ہیں اور جب یہ حاصل ہو جاتا ہے تو شاعر کی کاوشیں بے مقصدی کی تہمت سے بچ جاتی ہیں۔ علامہ شبلی روایات کے ترجمے میں بھی شاعری کی ساری خوبیاں سمو دیتے ہیں۔ شعر کی جان اگر اثر ہے تو ہم شبلی کے اشعار کو جاندار کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بیان میں نہ تو لفظی رعایت ہے اور نہ کوئی ایسی صناعی کہ مطلب کے سمجھنے میں دماغ کے لئے الجھاؤ کا سامنا ہو۔ بیان سادہ مگر دلنشیں ہے جو اپنے جوش اور قوت میں مکارم

---

۱ کلیاتِ شبلی: صفحہ-۳۸

اخلاق کا بڑا سامان رکھتا ہے۔

اس نعت گو شاعر یعنی علامہ شبلی کا خاتمہ بالخیر بھی دیدنی ہے جو بقول علامہ سلیمان ندوی مرحوم

''پیغمبر خاتم اور خاتمہ بالخیر کی مناسبت چھپی نہیں مگر اس میں
جو بات چھپی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی یہ شاعری کتنی الہامی تھی کہ
شاعرانہ پیشین گوئی تاریخ کا واقعہ ہو کر رہی۔''[1]

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستان لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا[2]

## مولانا احمد رضا خاں بریلوی

مولانا احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ سنہ ۱۹۲۱ء) بڑے زبردست عالم اور غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے۔ تقریباً نصب صدی تک جس قدر انہوں نے غیر مقلدین کے خلاف لکھا ہے یا لکھوایا ہے شاید دنیائے اسلام میں کسی ایک خاص دبستانِ خیال کے خلاف کبھی اتنا نہیں لکھا گیا جناب اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو اہانت آمیز فقرے کہیں کہیں نظر آتے ہیں ان کی توجیہہ بھی کر لی جائے تب بھی ان کی برائی سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے کے مکتب خیال کے خلاف مولانا احمد رضا خاں اور ان کے متوسلین نے بڑی سختی سے لکھا۔ بہر حال جن لوگوں نے مولانا کو دیکھا ہے وہ اگر چہ ان کے عقائد سے مطابقت بھی نہیں رکھتے تھے، تب بھی ان کی قوتِ حافظہ، طریق استدلال اور اجتہاد کے قائل تھے اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ان جیسے دل و دماغ کے علماء کم پیدا ہوئے ہیں۔

نعتیہ کلام میں مولانا کے دیوان حدائق بخشش کے تین حصے ہیں اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے یہ دیوان شروع سے آخر تک ایسی محبت اور عقیدت سے بھرا ہوا ہے کہ ایک دیندار اگر

---

[1] کلیات شبلی: صفحہ-۳۱

[2] کلیات شبلی: صفحہ-۱۱۶

اسے اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھے تو کوئی بعید نہیں ہے۔ اس میں قصیدے، مثنویاں، خمسے، مسدس، قطعات اور رباعیات وغیرہ مختلف اصناف سخن ہیں۔ عربی اور فارسی کلام بھی ہے۔ لیکن کم ہے۔ البتہ قطعات و تاریخ ان زبانوں میں زیادہ ہیں اور مسلسل کئی کئی شعر تاریخی ہیں جن کا مولانا کو بہت شوق تھا اور انہیں خاص ملکہ بھی حاصل تھا۔ نعت کے علاوہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے قادری سلسلے کے بعض بزرگوں کی منقبت بھی ہے اور بعض مقامات پر بڑی سنگلاخ زمینیں ہیں۔ مثلاً تنویر پشت آئینہ۔ تنظیر پشت آئینہ۔ ناز روئے آئینہ۔ ساز روئے آئینہ۔ لیکن عام طور پر مولانا کے یہاں آسان زمینوں میں مشکل مضامین پائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

مہر ہے افروز شبستاں کس کا — ماہ ہے پرتوۂ شمسۂ ایواں کس کا
سنبل آشفتہ ہے کس گل کے غم گیسو میں — دیدۂ نرگس بیمار ہے حیراں کس کا
نو نیازِ سبق شمسیہ ہے شمسِ منیر — نور آموز ہے یا رب یہ دبستاں کس کا
آئینہ دار ہے آئینہ مری حیرت کا — جلوہ گر دل میں ہے عکس رخ تاباں کس کا
ہمہ تن چشم کی صورت ہے بدن سے پیدا — منتظر ہے یہ الٰہی دل حیراں کس کا [۲]

ایک اور زمین دیکھئے کہ آسان ہونے کے باوجود مشکل مضامین سے پُر ہے لیکن شاعرانہ کمالات اپنی پوری دلکشی اور لطافت کے ساتھ موجود ہیں:

گلے سے باہر آ سکتا نہیں شور و فغاں دل کا
الٰہی چاک ہو جائے گریباں اس کے بسمل کا

شب اسرا قمر حیرت زدہ پھرتا رہا شب بھر
بھلایا ڈھنگ ان کی چال نے سیر منازل کا

---

[۱] جب ضد بڑھ جاتی ہے تو کیچڑ اچھالنے سے بھی گریز نہیں ہوتا۔ مولانا کے متوسلین جو اس علمی جنگ میں شریک تھے عجیب عجیب تاریخی نام نکالتے تھے۔ مثلاً ایک رسالے کا تاریخی نام تھا۔ سگ گنگوہ وخوک۔ اس نام سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس جنگ کی نوعیت کیا رہی ہوگی۔

[۲] مولانا کو انکسار کی وجہ سے اشعار میں ''درد'' نظر نہیں آتا۔ ایک بزرگ مولانا کافی کے متعلق رباعی میں اشارہ ہے:

پرواز میں جب مدحت شہ میں آؤں — تا عرش پر فکر رسا سے جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے رضاؔ — کافیؔ کا درد دل کہاں سے لاؤں

بڑھا اس درجہ رعب حسن والا لیلۃ الاسریٰ
سمٹ کر بن گیا چرخ ایک پایہ ان کے محمل کا

حجاب نور تک پہنچا کے آنکھیں ہو گئیں خیرہ
فغاں کرتا ہوا لوٹ آیا قاصد نالۂ دل کا

کسی وحشی کی خاک اڑ کر حرم میں آ گئی شاید
بگولوں سے ہے اٹھتا شور مستانہ سلاسل کا

نہیں کچھ خاص شہرستانِ امکاں بہرہ یاب ان سے
کہ سایہ دشتِ بطلاں میں ہے تاجِ سر مماثل کا[۱]

لیکن مولانا[۲] کا تبحر جگہ جگہ نمایاں ہے۔ اور محاورات بھی بکثرت ہیں۔

باڑا بٹنا۔ توڑا ہونا۔ توڑا لینا۔ کلمہ پڑھنا۔ صدقہ لینا۔ سونا چڑھنا۔ سہرا۔ ماتھے پر رہنا۔ بخت جاگنا۔ ستارہ چمکنا۔ دن دونا ہونا۔ بول بالا ہونا۔ لہرا بجنا۔ کلیجا ٹھنڈا ہونا۔ مچلکا لکھ دینا۔ لولگانا۔ ذرا سا منھ نکل آنا۔ چھینٹا پینا۔ آنکھیں مانگنا۔ ماتھے ٹیکا ہونا۔ آئینہ اندھا کرنا۔ گرمی کا جھلکا لانا۔ دل کے کنول کھلنا۔ انہی قدموں پھرنا۔ اشاروں پر چلنا۔ بے حکم پر مارنا۔ دو ورقہ لکھنا وغیرہ وغیرہ بکثرت محاورات صرف ایک قصیدے میں ملتے ہیں اور مولانا کے تبحر کی وجہ سے ایسے قصیدے کسی قدر تشریح کی بغیر سمجھ میں نہیں آتے۔ وہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا — صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا — بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا
ان کے قصر قدر سے خلد ایک کمرہ نور کا — سدرۂ پائیں باغ میں ننھا سا پودا نور کا
عرش بھی فردوس بھی اس شاہ والا نور کا — یہ مثمن برج وہ مشکوئے اعلیٰ نور کا
بینیِ پر نور پر رخشاں ہے بکہ نور کا — ہے لو الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا
مصحف عارض پہ ہے خط شفیعہ نور کا — لوسیہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا
شمع دل، مشکوٰۃ تنِ سینہ زجاجہ نور کا — تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

---

۱ حدائق بخشش حصہ سوم۔ مطبوعہ نظامی پریس، بدایوں۔ صفحہ-۳
۲ حدائق بخشش حصہ سوم۔ مطبوعہ نظامی پریس، بدایوں۔ صفحہ-۴

بزم وحدت میں مزا ہوگا دوبالا نور کا ملنے شمع طور سے جاتا ہے اکّا نور کا
وصف رخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نور کا
یہ کتاب کُن میں آیا طرفہ آیہ نور کا غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنیٰ نور کا
دیکھنے والوں نے کچھ دیکھا نہ بھالا نور کا مَـــنْ رَایٰ کیسا یہ آئینہ دکھایا نور کا
پڑتی ہے نوری بھرن اُمڈا ہے دریا نور کا سر جھکا اے کشت کفر آتا ہے اہلا نور کا[۱]

یہ ۵۹ شعروں کا قصیدہ اسی شان کے ساتھ ہے۔ قصیدہ اگرچہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں بھی آجائے تو یہ دوسرا قصیدہ بغیر شرح کے یقیناً مشکل ہے۔

علم ہیئت ونجوم کی اصطلاحات کے ساتھ اس طرح لکھتے ہیں:

خالق افلاک نے طرفہ کھلائے چمن اک گل سوسن میں ہیں لاکھوں گل یاسمن
(فلک) (کواکب)
موتیے بیلے کے پھول زیب گریبانِ شام جوہی چنبیلی کے گل زینت جیب یمن
(شمال) (کواکب) (جنوب)
دامن البرز کی کلیوں میں پھولے ہیں پھول کوڑے کی چوٹی میں ہے حاصل چندیں چمن
(بروج) (منطقہ البروج)
طرفہ کھلے چار باغ ایک نمونے کے تین تینوں میں چار اجشیج چاروں کی تازہ پھبن
تختۂ نسریں میں ہے گیندے کا صرف ایک پھول ایک گل نیلوفر چار گل نارون
(فلک) (عطارد) (زحل) (مریخ۔ قلب الاسد۔
قلب العقرب۔ عین الثور)
نارون ناروش ناظم بالا حصار سرور اقلیم ترک افسر لشکر شکن
(خچا قیان)
یہ صنم تند خو آگ نہ ہو تو کہوں پانی کے اک کیڑے سے کہ نہ لیا بانکپن[۲]
(سرطان)

---

[۱] حدائق بخشش حصہ دوم۔ صفحہ:۳-۴

[۲] حدائق بخشش حصہ سوم۔ صفحہ:۴۲-۴۳

یہ ۵۵ شعروں کی تمہید بڑی دلکش ہے اور استعارات کے پردوں میں علم ہیئت و نجوم کی متعدد اصطلاحات بڑی خوبی کے ساتھ سموئی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مومنؔ کے وہ قصیدے جو اسی قسم کی اصطلاحات سے بھرے پڑے ہیں اپنے اندر کوئی دلکشی نہیں رکھتے۔ مولانا کا یہ پورا قصیدہ ایسے دلکش استعاروں سے پُر ہے کہ اس کی مثال پوری اردو شاعری میں نظر نہیں آتی اور بغیر شرح کے ان کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ انہوں نے ایک جگہ صحیح فرمایا ہے:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم ۔۔۔ جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

مذکورہ بالا قصیدے کی تمہید کے بعد لکھتے ہیں:

مدحت غائب ہوئی شوق کی آتش فروز ۔۔۔ گل کی حضوری میں ہو بلبل جاں نغمہ زن
جان دوعالم نثار وہ ہے مرا تاجدار ۔۔۔ جس کو کہیں جان و دیں جان من ایمان من
مدح حسیناں نہ کہ وصف امیراں نہ کر ۔۔۔ خلق انہیں کی حسیں، خلق انہیں کا حسن [1]

اول تو اس قصیدے کی بحر بھی بہت مترنم ہے پھر مولانا کا انداز بیان حسن زبان، استعارات، تلمیحات وغیرہ مختلف محاسن اور علمی اوصاف اس کثرت سے موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ خشک علوم و فنون کے سمندر کا غواص اس قدر شگفتگی کس طرح پیدا کر سکتا ہے:

پائے منور اگر بحر میں دھولیجئے ۔۔۔ نعل مبارک اگر شب پہ ہو پرتو فگن
گوش سمک پھیر دے قرفہ چشم غزال ۔۔۔ پشت سمک مول لے گوہر تاج عدن
جلوے ترے ایک چھینٹ شب پہ اگر ڈال دیں ۔۔۔ چشمۂ کافور تک مشک کا جائے لبن
کشتۂ حسرت ہو شمس ان کو وصیّت کرے ۔۔۔ دامن شب کا مجھے دیجیو چٹّا کفن
تلوے ترے سیپ کو دیں اگر بوند سیت ۔۔۔ بڑھ کے لآلی کی آب خلد کا سینچے چمن
عطر کی موجیں اٹھیں نور کے دھارے چلیں ۔۔۔ ڈھونڈھتی باغ عَدَن عدن سے آئے دلہن
پانی ہو سارا گلاب بلبلے بلبل بنیں ۔۔۔ گائیں ملہاروں میں نعت نور کی برسے بھرن

لطف تو یہی ہے کہ تشبیہات و استعارات اور صنائع لفظی و معنوی کی کثرت کے باوجود اس قصیدے میں ترنم کے علاوہ بڑی گھلاوٹ [2] ہے بعض رعایتوں کو ان اشعار میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] حدائق بخشش حصہ سوم۔ صفحہ: ۴۶

[2] مولانا کا ایک طویل قصیدہ ''فضائل فاروق'' کے تاریخی نام سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے اور انہیں اوصاف کا حامل ہے۔

تیرے قلمرو کا چک، دورِ سماک و سمک — حکم رواں کی سڑک وسع زمین و زمن
بست کی انگشت میں خاتم پنجاہ ہے — کن کے ہیں صاحب نگیں تیرے زبان ودہن
تیرا الف قامت آج چاہے اگر بائے قلب — نون کا الٹے حساب قاف کا بدلے چلن
غین کی رنگت بنے سرمہ عین عشا — عین کے چنپت ہوں صاد نون کوتر سے کرن
خواب گہ شام میں جائے شمالی برأت — چھپکا جبیں کا ابھی الٹے یمانی دلہن[1]

بعض استعارات اور تلمیحات اور بھی دیکھئے کہ کس لطافت سے ایک جگہ لکھتے ہیں:

ثور سے عذرا میں جب شمس نے تحویل کی — دلو سے نکلے نجوم چاند کا چھوٹا گہن
(مدینہ) (ہجرت)
شوہر عذرا ہوا ابن عروس عرب — لیلیٰ و سلمیٰ ہوئیں شمع قدم کی لگن
(مدینہ طیبہ) (اسلام) (مکہ معظّمہ) — (کعبہ) (مدینہ)
عرش پہ تیرا خطاب سید گردوں قباب — فرش میں نام جناب احمد ﷺ بطحا وطن
خاتم پیغمبراں قاسم نار و جناں — ناظم کون و مکاں حاکم برما و من[2]

غرض کہ ۱۵۵، اشعار اسی شان کے ہیں اور آخر میں دعائیہ بھی تلمیحات اور رعایات سے پُر ہے۔ مثلاً:

کچھ ترے پروانے کو نام کی پروا نہ ہو — لاکھ جلیس ساتوں شمع بارہ کنول نو لگن
میرے خط کف سے ہو پرزے کمند بلا — کاٹی بندھے دھار سے پہنچے کہ مچھلی ڈگن
**رحمتك الكافيه نعمتك الوافيه — اسئلك العافيه من ثوران الفتن**[3]

اور مولانا نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

خشک سہی زرع شرع شعر تو شاداب ہیں — سرو سہی شمع دیں تھالے بنے ہیں لگن[4]

ایک قصیدہ بہاریہ تمہید میں ایسا دل کش ہے کہ مولانا کے کمال فن کا معترف ہونا پڑتا

---

[1] حدائق بخشش حصہ سوم۔ صفحہ:۴۹
[2] حدائق بخشش حصہ سوم۔ صفحہ:۵۰
[3] حدائق بخشش حصہ سوم۔ صفحہ-۵۱
[4] حدائق بخشش حصہ سوم۔ صفحہ:۵۱

ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

اودی اودی بدلیاں گھرنے لگیں　　ننھی ننھی بوندیاں برسا چلیں
ندیاں پھر آنکھیں دِکھلانے لگیں　　چھوٹی چھوٹی جھیلیں پھر لہرا چلیں
جھومتی آئیں نسیمیں نرم نرم　　پتلی پتلی ڈالیاں لچکا چلیں
دل کھلے کانوں میں رس پڑنے لگے　　خوشنوا چڑیاں ترانے گا چلیں
تانوں کی بینوں میں پھر لہرا بجا　　گیسوؤں کی ناگنیں لہرا چلیں
باغ دل میں وجد کے جھولے پڑے　　آرزوئیں پھر ملاریں گا چلیں
سرخ سبز اودی سنہری بدلیاں　　دن ڈھلے کیا چیزیاں رنگوا چلیں
پھر نظر میں گدگدی ہونے لگی　　دھانی دھانی بوٹیاں پھڑکا چلیں [۱]

جذبات نگاری اور عقیدت مندی تو ہر شاعر کی نعت میں کسی نہ کسی حد تک پائی جاتی ہے لیکن مولانا کی نعت میں یہ چیز زیادہ نمایاں ہے اور یہ توھّب کے ردِّعمل کے طور پر ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

مصطفیٰ خیر الوریٰ ہو　　سرورِ ہر دوسرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدق　　ہم بدوں کو بھی نِبا ہو
کس کے پھر ہوکر رہیں ہم　　گر تمہیں ہم کو نہ چاہو
بد ہنسیں تم ان کی خاطر　　رات بھر روؤ کراہو
ہم وہی ناشستہ رو ہیں　　تم وہی بحر عطا ہو
ہم وہی بے شرم بد ہیں　　تم وہی کان حیا ہو
ہم وہی قابل سزا کے　　تم وہی رحم خدا ہو
چرخ بدلے دہر بدلے　　تم بدلنے سے ورا ہو
یہ بھی مولیٰ عرض کردوں　　بھول اگر جاؤ تو کیا ہو
وہ ہو جو تم پر گراں ہے　　وہ ہو جو ہرگز نہ چاہو
وہ ہو جس کا نام لیتے　　دشمنوں کا دل بُرا ہو [۲]

---

[۱] حدائق بخشش حصہ سوم۔ صفحہ:۴۰-۴۱

[۲] حدائق بخشش حصہ دوم۔ صفحہ:۳۶

ایک پُرکیف غزل یہ ہے:

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

جب آ گئی ہیں جوش رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں

اک دل ہمارا کیا ہے آزاد اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مُردے جِلا دیئے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ ﷺ نے دریا بہا دیئے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُربے بہا دیئے ہیں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

(حدائق بخشش حصہ اوّل)

مولانا کے تبحر، علمیت، عقیدت، ذکاوت اور کمال فن کے شواہد جگہ جگہ موجود ہیں۔ ان کے متعلق اوصاف دیکھنے ہوں تو صرف یہ قصیدہ کافی ہے:

زمین و زماں تمہارے لئے، مکین و مکاں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے، بنے دو جہاں تمہارے لئے

دہن میں زباں تمہارے لئے، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے، اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے

جناں میں چمن چمن میں سمن سمن میں پھبن پھبن میں دلہن
سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمہارے لئے[۱]

یہی وجہ ہے کہ عوام اور خواص میں ہر جگہ مولانا کو مقبولیت حاصل ہے اور بعض نعتیہ قصیدے یا غزلیں ملک کے طول[۲] وعرض میں ہر جگہ مشہور ہیں۔ مثلاً:

(۱) صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

(۲) حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

(۳) سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی ﷺ
سب سے بالا و والا ہمارا نبی ﷺ

(۴) ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

(۵) یہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھنواں نہیں

(۶) جب کہ پیدا شہ انس و جاں ہوگیا
دور کعبے سے لوث بتاں ہوگیا

(۷) مصطفیٰ ﷺ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

## سید علی حیدر نظم طباطبائی

سید علی حیدر نام: نظم تخلص۔ طباطبائی نے اکثر غزلوں میں نام کو بھی تخلص قرار دیا ہے۔ ۱۶/صفر ۱۲۷۰ھ/مطابق ۱۸۵۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ نظم لکھنؤ کے مشہور خاندان سے تعلق

---

[۱] حدائق بخشش حصہ دوم۔ صفحہ: ۴۰-۴۱

[۲] مولانا کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا صاحب کا نعتیہ کلام بھی بہت مشہور و مقبول ہے۔

رکھتے ہیں۔ان کے جد اعلیٰ نواب مختار الدولہ بہادر، نواب آصف الدولہ کے نائب السلطنت تھے۔ان کے والد مصطفیٰ حسین طباطبائی کو علم سے کوئی شغف نہ تھا۔نظمؔ کی ابتدائی تعلیم ان کے نانا کے پاس ہوئی۔ جہاں منشی مینڈو لال زارؔ نے ان کی تعلیم میں بڑی دلچسپی لی۔حقیقت یہ ہے کہ ان کے شعری ذوق کو بڑھانے میں رازؔ کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔عربی کی ابتدائی تعلیم ملا طاہر نحوی سے حاصل کی لیکن اس کی تکمیل مٹیا برج (کلکتہ) میں ہوئی جب وہ شاہزادوں کی تعلیم کے لئے منتخب ہوکر وہاں گئے۔واجد علی شاہ کے انتقال کے بعد حیدر آباد چلے گئے۔نظام کالج میں ابتداً منصرانہ اور پھر مستقل طور سے پروفیسر مقرر ہوئے اور تقریباً تیس سال تک اس خدمت پر مامور رہے۔ پھر ولی عہد بہادر کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد دارالترجمہ سے متعلق ہوگئے۔ ان کا انتقال ۳ر مئی ۱۹۳۳ء کو ہوا۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ ''صوت تغزل'' کے نام سے شائع ہوا۔نظموں کا مجموعہ اس کے علاوہ ہے۔

نظمؔ اس ماحول کی آخری یادگار تھے۔ جہاں دیگر دلچسپیوں کے ساتھ علم و ادب اور ارباب فضل کی بھی بڑی قدر و منزلت تھی۔انہوں نے جہاں واجد علی شاہ کی صحبت میں اردو شاعری کے قدیم رنگ کو پرکھا تھا وہاں ان کی طویل عمر نے یہ موقع بھی دیا کہ وہ جدید شعری تحریکات سے کماحقہٗ متاثر ہوں اور متاثر کریں۔یہی وجہ ہے کہ طباطبائی کی شاعری میں دونوں دور کے محاسن پائے جاتے ہیں۔زبان و بیان کی باریکیوں پر ایسا عبور ہے کہ ان کا ہر شعر جچا تلا اصول وضوابط کے اعتبار سے نہایت مکمل ہوتا ہے۔ان کی غزلوں میں بندش کی چستی اور مضامین کی تازگی کے ساتھ اسلوب کی جدت اور ندرت قابلِ تحسین ہے، گو اثر کی کمی ضرور محسوس ہوتی ہے۔نظمؔ کا کمال اور ان کی صحیح عظمت ان کی نظموں میں نظر آتی ہے۔ان کی شاعری کا اخلاقی رنگ ہر جگہ موجود ہے۔

لکھنوی شاعری کے ہوسناک اور ہوس خیز ماحول میں جو اشتعال انگیزی کے سامان تھے انہوں نے داخلی جذبات کی لطافتوں کو دبائے رکھا اور روحانی مسرتوں کا سامان ہونے نہ دیا۔ اس عام فضا میں ردعمل کی اچھی صورتیں بھی نظر آتی ہیں جو مجتہدانہ رنگ میں جلوہ گر ہوئیں اور اردو شاعری میں اپنی منفرد و مستقل حیثیت حاصل کرلی۔ دراصل یہ ایک انفرادی صلاحیت کی بے پایاں قوت تھی جس نے اخلاقی بحران کی تاریکیوں میں سب سے الگ اپنی ایک مجلس آراستہ کی

اور اسے اس درجہ رونق بخشی کہ اس کے بغیر اردو ادب کی بزم سخن کا تصور ہی محال ہو گیا۔

انیسؔ اور دبیرؔ نے معتقدات سے فائدہ اٹھا کر لکھنوی ماحول پر اپنا گہرا اثر جمایا۔ شہیدان کربلا کی مرثیہ گوئی نے اہل بیت سے محبت میں گرمی اور طوفان کا سامان کیا اور اس سلسلے میں مضامین کے دریا بہا دیئے۔ ضرورت تھی کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا خوانی میں بھی شعراء اس مجتہدانہ صلاحیت کا ثبوت بہم پہنچاتے۔ چنانچہ بحمداللہ ہم اس فضا میں محسنؔ کاکوروی، امیرؔ مینائی اور نظمؔ طباطبائی کو اسی شان میں جلوہ گر پاتے ہیں۔ محسنؔ اور امیرؔ مینائی کا بیان اس سے پہلے ہو چکا ہے، اب نظمؔ طباطبائی کی شاعری کو ہم اس نظر سے دیکھیں گے۔

طباطبائیؔ کی عظمت کا دارومدار ان کی نظموں پر ہے اور جدید اردو شاعری میں ان کا ممتاز مقام بھی اسی بناء پر ہے۔ انہوں نے مناظر قدرت اور دیگر موضوعات پر کثرت سے نظمیں لکھیں ہیں۔ جن میں ان کی شاعری کا مقصدی پہلو بھی واضح ہوتا ہے۔ نظمؔ کی شاعری نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ ان کے کلام سے علم و فضل کی گہرائی، دقت نظری اور اعلیٰ حسن مذاق کا ثبوت ملتا ہے۔ زبان اور محاوروں پر قدرت حیرت انگیز ہے۔ قصیدہ گوئی جتنا مشکل فن ہے اتنا ہی انہوں نے اسے آسان سمجھ کر برتا ہے۔ وہ اشعار کا ڈھیر لگاتے جاتے ہیں اور بہتر سے بہتر الفاظ سے مضامین کو سنوارتے جاتے ہیں۔ بایں ہمہ پڑھنے والے کو کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ان کے الفاظ اور محاورات کے خزانے میں ذرا بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ تشبیہات کی ندرت اور شگفتگی جگہ جگہ نمایاں ہے۔ نعت گو شعراء نے قصیدے کم لکھے ہیں اور غزلیں زیادہ۔ اور یہی صورت عام اردو شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن نظمؔ نے نعتیہ مضمون کو تمام تر قصیدوں میں پیش کیا ہے۔ ان کے ''صوت تغزل'' میں نعتیہ کلام برائے نام ہے۔ مجموعہ نظم میں نعتیہ قصیدوں کی تعداد سات ہے۔ جو حسبِ ذیل عنوانات کے تحت لکھے گئے۔

(۱) ذکر بعثت و فتح مکہ (۲) قصیدۂ معراج
(۳) ہجرت و غزوۂ بدر (۴) عہد جاہلیہ کا کفر اور پیغمبر مجاہد
(۵) قصیدہ احزاب (۶) قصیدہ خیبر
(۷) قصیدہ حنین

ان عنوانات کے تحت ذیلی سرخیاں بھی ہر قصیدے میں شامل ہیں۔ مثلاً قصیدۂ حنین میں

بہار و تغزل، موعظہ، وصف حور، نعت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ۔

نظم کا شمار ان نعت گو شعراء میں ہے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ لیکن ان میں بھی نظم کو اس لحاظ سے ممتاز حیثیت حاصل ہے کہ انہوں نے اس بیان کے لئے سب سے زیادہ مشکل صنف سخن کو اختیار کیا، جو قصیدہ ہے۔ اس قسم کے مضامین کے لئے مثنوی کو زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے۔ طویل بیان کی سہولت جو مثنوی میں ہے کسی اور صنف میں نہیں لیکن اسے نظم کی مشکل پسندی کہئے یا ان کی قادر الکلامی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدس کے طویل طویل مضامین کو قصیدہ کی ساری پابندیوں کو عائد کر کے بیان کرتے ہیں اور قصیدہ گوئی کے فنّی لوازم سے کہیں پہلو تہی کرتے نظر نہیں آتے۔ محسنؔ کے قصائد کو اس معیار پر جانچنے کے لئے تاویل کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر ہو چکا ہے۔ طباطبائی کے قصائد میں نہ تو تشبیب کے حسن میں، اور مدح سے اس کی مناسبت میں، کلام ہو سکتا ہے، نہ گریز کی صورت میں کوئی قباحت بتائی جا سکتی ہے اور نہ مدح کے مضمون پر حرف گیری کی جا سکتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ نعتیہ قصائد میں شاعر کی فکر اپنے انتہائی کمال پر نظر آتی ہے۔ کلام میں گہرائی، گیرائی، علمیت اور شعری صلاحیت نظم کی اعلیٰ قابلیت کا پتہ دیتی ہے۔ ان کی تشبیب میں نہ تو زمانۂ جاہلیت کا رنگ ہے اور نہ کاشی اور متھرا کی سیر کا حال۔ تشبیب کا مضمون اخلاقی صوفیانہ اور فلسفیانہ ہوتا ہے جو زندگی کے حقائق سے پردے اٹھا کر مسائل حیات کو بے نقاب کرتا ہے۔ نہ تو وہ اپنی طوالت میں مدح سے سبقت لے جاتا ہے اور نہ مدح کے مضمون سے نامناسبت میں قصیدہ کا بے جوڑ ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی ادب میں تشبیب کا رنگ جو متنبّی نے زمانۂ جاہلیت کے قیود کو توڑ کر پیش کیا اسے ہم نظم کے قصائد میں بھی جلوہ گر پاتے ہیں۔ ان کے نعتیہ قصائد میں فنّی اعتبار سے ''ذکر بعثت و فتح مکہ'' اور ''قصیدہ احزاب'' نہایت اہم ہیں۔ ان میں بوصیریؔ کے مشہور نعتیہ قصیدے یعنی ''قصیدہ بردہ'' اور علامہ زمخشری کے قصیدوں کا اتباع پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے نظم نے اردو نعتیہ قصائد کو ایک نیا رنگ بخشا ہے۔

۱- ذکر بعثت و فتح مکہ کی تشبیب ملاحظہ ہو:

کہاں سے کھینچ کر وارفتگی مجھ کو کہاں لائی　　　میں ہوں راز نہفتہ اور جہاں بازار رسوائی

کوئی سمجھا کہ یہ جھنکار کی کیسی صدا آئی — دل نازک تھا شیشہ اور پتھر تھی شکیبائی [۱]

شاعر وجود سے گلہ مند ہے کہ اس نے رنگ و بو کی زندگی بخش کر زندگی کی کلفتوں میں مبتلا کیا۔ انسان کے اس دنیا میں قدم رکھنے کو کس حسن و خوبی سے بیان کیا ہے کہ سننے والا پکار اٹھتا ہے کہ احسنت کل الاحسان:

بڑے ناز و نعم سے بزم عالم میں قدم رکھا — اجل نے منتیں مانیں قضا نے گود پھیلائی [۲]

پھر فریب زندگی کا بیان ہے:

شباب آتے ہی سر پر حسرتوں نے آسماں توڑا — زمیں قدموں کے نیچے سے دل مضطر نے سرکائی

کبھی پہلے حیا آئی نہ اپنے تن کے جلنے پر — بھلا ہو عہد پیری کا کہ گردن اب تو نیھوڑائی [۳]

شاعر نہایت دل نشین پیرائے میں اسرار حیات کھولتا جاتا ہے اور بدیع اخلاقی مضامین پیدا کرتا ہے۔ شعری دل آویزوں کے ساتھ زندگی کی تلخ حقیقتوں کو نہایت سلجھے ہوئے اور متین انداز میں پیش کرتا ہے۔ حبِّ دنیا کو دل سے نکالنے کے لئے خرابات جہاں کی حقیقت کا بیان اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے:

حقیقت سے خرابات جہاں کی رند واقف ہیں
کہ اُٹھ جائیں گے اس محفل سے لے کر ایک انگڑائی [۴]

۲- اب گریز کی صورت بھی ملاحظہ کیجئے جس میں نظم نے حسرت کے مضمون میں زندگی کی روح پھونک دی ہے:

یہ حسرت تھی نثار مقدم خیر البشر کرتا — حیات جاوداں افسوس ہے مجھ کو نہ ہاتھ آئی [۵]

۳- ثنائے آقائے نامدار میں ان کا رنگ یہ ہے:

ظہور اس کا جو آخر میں ہوا اس سے یہ ظاہر ہے
کہ ذات اس کی ہے ایجاد جہاں کی علت غائی

---

۱۔ مجموعہ نظم۔ نظم طباطبائی: صفحہ-۱
۲۔ مجموعہ نظم۔ نظم طباطبائی: صفحہ-۴
۳۔ مجموعہ نظم۔ نظم طباطبائی: صفحہ-۵
۴۔ مجموعہ نظم۔ نظم طباطبائی: صفحہ-۵
۵۔ مجموعہ نظم۔ نظم طباطبائی: صفحہ-۶

یہ اس سید کے ختم المرسلیں ہونے سے ثابت ہے
کہ یہ قربت رسولان سلف نے بھی نہیں پائی
کسی کا عرش پر نعلین کو پہنے ہوئے جانا
کسی کو جلوہ گاہ طور میں وہ برہنہ پائی
سنی تھی اک صدا موسیٰ نے وادی مقدس میں
یہ گزرے جس طرف سے ان کو آواز درود آئی
بنا سجدہ گہ کرو بیاں نقش قدم تیرا
زمیں کعبے کے نیچے جب یدِ قدرت نے پھیلائی
اس آئینہ میں تیرے نور کے پَرتو سے نور آیا
نہ تھی مہر مبیں میں کچھ درخشانی درخشائی
وہ نسبت ارتفاع قدر سے تیرے ہے گردوں کو
کہ اک پلہ میں ہو کوہ گراں اور ایک میں رائی
یہ کس رستے سے تو اے رہنما ہوتا ہوا آیا
ہزاروں ہی برس عالم کو تو نے راہ دکھلائی
نہ ہوتے معجزے بھی گر تو کیا شک تھا رسالت میں
شریعت تیری ہے فطری نبوت تیری آبائی
ترا اعجاز قرآن مبیں ہے سامنے جس کے
فصیحان عرب سے آج تک ہے سلب گویائی[۱]

۴۔نظم کا بیان منطقی، دلنشیں اور خلوص میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔وصفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون قرآن اور حدیث کی ترجمانی کرتا ہے۔جو شاعر کی معلومات کی وسعت پر شاہد ہے۔نظم کے کلام میں اثر آفرینی کے جوہر کی کمی بتائی جاتی ہے اور اس میں سوائے زبان کے چٹخارے کے اور کسی لطف کے نہ ہونے کی شکایت ہے۔کلام کے نمونے سے ہم ان کے شعری محاسن کا بہ خوبی اندازہ کر سکیں گے۔نظم نے جس انداز میں بعثت کی تمہید باندھی ہے وہ بہ یک وقت ان

۱؎ مجموعہ نظم: طبا طبائی، صفحہ:۶

کی شاعری کے گونا گوں محاسن کی آئینہ داری کرتی ہے۔ کیا بلحاظ طرزِ بیان اور کیا با عتبار ندرت فکر و شگفتگی مضمون طباطبائی نے جگہ جگہ اپنی شاعری کے انتہائی کمال کا ثبوت بہم پہنچایا ہے:

حرا پر یہ تجلی کس کے جلوہ کی نظر آئی — ہوئی گل آتش زرتشت شمع طور شرمائی
جو پایا ناشناس اہلِ جہاں کو شاہ بطحا نے — تو بس آئینہ زانو سے ہی پیدا کی شناسائی
رہے غار حرا میں سر بزانو ایک مدت تک — پسند طبع تھی عزلت شریک حال تنہائی
نہ تھا جز ذکر حق دنیا و مافیہا سے کچھ مطلب — اسی عالم میں گزرا عالم طفلی و برنائی
قدم چالیسویں منزل میں اس یوسف نے جب رکھا — تو پہنچا کاروان وحی آواز جرس آئی
عجب آہنگ تھی جس نے جگایا بھی سلایا بھی — کہ دل تو جاگ اٹھا آنکھوں میں غفلت نیند کی چھائی
ہوا سینہ میں اس سے موجزن اک لجۂ عرفاں — کہ تاب اس جذر و مد کی فطرت انساں نہیں لائی
بڑھا جوش اس کا بڑھ کر ساحلِ افلاک تک پہنچا — اٹھی موج اس سے اُٹھ کر عرش کی زنجیر کھڑ کائی
جھروکہ عرش کا روح القدس نے کھول کر دیکھا — تو نکلا مدتوں کا ربط برسوں کی شناسائی
ہوئیں جاری زباں پر آیتیں وہ نور کی جس پر — فدا ہو لحن داودی و انفاس مسیحائی
کیا بطحا میں نعرہ واصباحا واصباحا کا — یہ وہ آواز تھی جو صبح محشر کی خبر لائی[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے عزیزوں کا شعب ابی طالب میں قیام تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہے جہاں سختیوں کی روح فرسا کیفیت حقیقت میں عزم، ایمان اور محبت کی آزمائش تھی۔ شاعر کے تخیل نے اس وادیٔ رنج و محن کو گلزار بنا کر پیش کیا ہے، جس میں رنگ آمیزی اعجاز احمدی کے بیان سے کی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کا یہ بیان نہایت دلچسپ، نہایت شگفتہ، لطیف اور محاکاتی شاعری کا نادر نمونہ ہے جس میں الفاظ کی رقصاں کیفیت جنت نگاہ اور فردوس گوش بن کر روح کی تازگی کے لئے کیفیت انگیز لطافتوں کا سامان کر رہی ہے:

شعاع مہر آئی جب گریباں صبح نے کھولا — کھلے تارے شب دیجور نے جب زلف بکھرائی
بخار اپنا نکالا ٹھنڈی سانسیں صبح نے بھر کر — خمار اپنا جوڑا لا کہکشاں نے لے کے انگڑائی
ہوئے صد گوش گل پیدا جہاں شہ کی صدا پہنچی — کِھلے نرگس کے سو تختے جدھر کو آنکھ دوڑائی

---

[۱] مجموعہ نظم۔ نظم طباطبائی: صفحہ-۷-۸

جو چشم نرگستاں کو نگہ لطف نے کھولا ‏ ‏ ‏ ‏ تو زلف سنبلستاں پنجۂ مژگاں نے سلجھائی
چمن کی سیر میں تسبیح پڑھ کر خوش گلوؤں نے ‏ ‏ ‏ ‏ عنادل کو سکھادی نغمہ سنجی نکتہ پیرائی
چٹکنے سے شگوفوں کے تھا پیدا لحن داؤدی ‏ ‏ ‏ ‏ چمن میں نرگس بیمار کرتی تھی مسیحائی
عنادل دیکھ کر رنگ شفق پڑھتے تھے یہ مصرع ‏ ‏ ‏ ‏ وہ اٹھا جوش گل وہ چھن سے ٹوٹا چرخ مینائی
یہ مطلب تھا کہ ان پھولوں کو دامن بھر کے لے جائے ‏ ‏ ‏ ‏ در گلزار پر کیا کیا نسیم خلد اٹھلائی
سنا ہے چار دن میں سیکھ لی نیساں نے بھی لا کر ‏ ‏ ‏ ‏ گہر ریزی گہر بیزی گہر خیزی گہر زائی [1]

شروع سے آخر تک بیان کی شگفتگی کا یہی عالم ہے۔ اس رنگ کے تین شعر اور پیش کئے جاتے ہیں:

ہوئے سرسبز نخلستاں شجر جھومے رطب ٹپکے ‏ ‏ ‏ ‏ ہنسے غنچے کھلے گل ابر تر اٹھا نسیم آئی
ہوا دل کش تھی اور سبزہ تھا ایسا نرم مخمل سا ‏ ‏ ‏ ‏ کہ دوڑی تاک گلشن باوجود آبلہ پائی
ہوا تھا من وسلویٰ آل طٰہٰ کے لئے نازل ‏ ‏ ‏ ‏ بچھا تھا آل احمد ﷺ کے لئے خوان مسیحائی [2]

۵- نظم کے بیان کی بڑی خصوصیت اس کا ایجاز ہے اور حقیقت میں یہی شاعر کا اعجاز ہے۔ وہ ایک طویل مضمون کو دو چار اشعار میں سمیٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ کہیں کہیں تو ایک ایک قصے کو ایک ایک لفظ میں نہایت حسن وخوبی سے بیان کر دیا ہے۔ ذیل کے نمونے میں مضمون کی وسعت دیکھئے اور بیان کا ایجاز بھی ملاحظہ فرمایئے:

یہ وہ آواز تھی جو دشت و در میں ہوگئی ساری ‏ ‏ ‏ ‏ یہ وہ آواز تھی جو کوہ سے پھر کر نہیں آئی
امین وصادق وناصح کہا کرتے تھے جو پہلے ‏ ‏ ‏ ‏ وہ سب کہنے لگے اب شاعر مجنون وسودائی
ہوئے جور و جفا پر متفق سب فتنہ گر آخر ‏ ‏ ‏ ‏ چڑھا کر آستینیں لات وعزیٰ کی قسم کھائی
کمر باندھی شریروں نے اٹھایا قتل پر بیڑا ‏ ‏ ‏ ‏ کئے پیماں لکھی تحریر اور کعبہ میں لٹکائی
یہ باعث تھا کہ جب غار حرا سے نور حق نکلا ‏ ‏ ‏ ‏ رہی شعب ابی طالب میں برسوں رونق افزائی [3]

۶- تشبیہوں اور استعاروں کا استعمال نظم کے کلام میں نہایت حسن وخوبی سے پایا جاتا

---

[1] مجموعہ نظم: نظم طباطبائی، صفحہ: ۹-۱۰
[2] مجموعہ نظم: نظم طباطبائی، صفحہ: ۱۰
[3] مجموعہ نظم: نظم طباطبائی، صفحہ: ۸-۹

ہے۔اوراس کی مثالیں مسلسل یکے بعد دیگرے کئی کئی اشعار میں برابراسی آب وتاب سے ملتی ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا بیان ہے جس میں حسن اوراثر پیدا کرنے کے لئے شاعر نادر تشبیہوں اوراستعاروں سے کلام کوسنوارتا ہے۔قصیدہ ''ذکر ہجرت وغزوہ بدر'' کے مندرجۂ ذیل اشعاراس بیان کی تائید کرتے ہیں:

اس اندھیرے میں ہے سرگرم سفرنوراللہ　　ناقہ ہے بجلی تو جادہ ہے رگ ابر بہار
دوڑ اس کی دیکھئے اس کی روانی دیکھئے　　ناقہ مثل سیل ہے جادہ ہے رشک جوئبار
رات بھرنور خدا تھا راہ فرسا اس طرح　　جس طرح پیک قمر ہے سالک شب زندہ دار
پردۂ ظلمت سے نکلا روئے سلمائے سحر　　ناقہ گردوں کی کھینچی لیلیٰ شب نے مہار
ہے شفق یا وادیٔ فیروزہ گوں میں لالہ زار　　ہے سحر یا سبزہ زارِ آسماں میں آبشار
چاہ سے نکلے ہیں یوسف یا ہے تارا صبح کا　　یا بنا گوش زلیخا میں ہے درِّ شاہوار
آفتاب آیا نظر سر در گریبان افق　　ہوگئی غائب شب یلدا ہوئی صبح آشکار
آتش افروزی جو کی مشرق میں پیر صبح نے　　ہوگیا مغرب میں پنہاں ساحر زنّار دار
آسمان شعبدہ گر نے یہ کی افسوں گری　　مہرہ مشرق میں اگل کر چھپ رہا مغرب میں مار
آنکھ بھی محوِ تماشا تھی کہ بجھ کر رہ گئے　　یا الٰہی جلوۂ انجم تھا یا رقص شرار
صبح ہوتے خیمۂ زر نگار گوں آیا نظر　　ہوگیا لشکر پہ غالب ایک ترک نیزہ دار[1]

۷-نعت میں ہندوستانی رنگ پیدا کرنے کی اکثر شعراء نے کوشش کی ہے۔نظمؔ نے بھی محسنؔ کاکوروی کے بادل والے قصیدے کی زمین میں ایک نعتیہ قصیدہ لکھا ہے جس کا عنوان ''ذکر جاہلیہ وجہاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے۔اس کی تشبیب میں ہندوستانی عنصر کوشامل کیا گیا ہےاوراس میں کنول، ہربل، کشن، گوکل، اندر، ارجن، کنہیا، گنگا جل وغیرہ کا ذکر ہے۔ لیکن ہندوستانی فضا کے قائم کرنے میں جوحسن محسنؔ کے قصیدے میں پایا جاتا ہے وہ نظمؔ کے یہاں نہیں ملتا گوقصیدے کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ لکھتے وقت شاعر کے پیش نظر محسنؔ کے قصیدے کا مضمون رہا ہے۔مثلاً نظمؔ کے اشعار ہیں:

ہوگیا مہر جہاں گرد نظر سے اوجھل　　ڈھونڈنے برق چلی ہاتھ میں لے کر مشعل

---

[1] مجموعہ نظم،نظم طباطبائی،صفحہ-۲۱

ابر کو لغزشِ مستانہ ہر اک گام پہ ہے　　رعد کہتا ہے اندھیرا ہے ذرا دیکھ کے چل[۱]

محسنؔ نے کہا ہے:

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے　　برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل[۲]

نظمؔ کا ایک شعر ہے:

نامیہ نے جو دھواں آتشِ گل پر دیکھا　　چشمِ گردوں کے لئے پار لیا ہے کاجل[۳]

محسنؔ کا شعر یہ ہے:

آتشِ گل کا دھواں بامِ فلک تک پہنچا　　جم گیا منزل خورشید کی چھت میں کاجل[۴]

محسنؔ کے قصیدے کے محاسن اپنے انوکھے انداز اور جدّت کے لحاظ سے بے شمار ہیں۔ نعتیہ ادب پر اس کے اثرات بھی قابلِ قدر ہیں۔ بایں ہمہ نظمؔ کے اس قصیدے میں وہ محاسن بھی ہیں جو مدیحِ خیر المرسلین میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً

دونوں قصیدوں میں کفر کے مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ محسنؔ نے اس میں نہایت طوالت سے کام لیا ہے۔ نظمؔ نے اختصار کو ملحوظ رکھا ہے۔ محسنؔ کی تشبیب کا مضمون مدح سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور وہ ایک بے جوڑ ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے گریز میں بھی کوئی حسن نہیں پایا جاتا۔ نظمؔ نے کفر کے مضمون کو نعت کے ساتھ نہایت خوبی سے جوڑ دیا ہے اور دونوں میں ایسا ربط پیدا کیا ہے کہ فنّی اعتبار سے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ ساتھ ہی گریز کی صورت میں ان کے یہاں نہایت خوب ہے۔

محسنؔ کا بادل گریز کر کے نور کے میدان میں پہنچ جاتا ہے اور یہاں اسے نعت کا سر رشتہ ہاتھ آتا ہے:

یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں　　خرمنِ برق تجلّی کا لقب ہے بادل[۵]

---

۱ مجموعہ نظم، نظم طباطبائی، صفحہ-۳۰
۲ مجموعہ نظم، نظم طباطبائی، صفحہ-۱۶۳
۳ مجموعہ نظم، نظم طباطبائی، صفحہ-۳۰
۴ کلیات محسن۔ صفحہ-۱۶۳
۵ کلیات محسنؔ: صفحہ-۱۷۳

نظمؔ نے کفر کو نزع کی حالت میں بتا کر فوراً ہی زمانہ جاہلیت کا بیان شروع کر دیا ہے:

کفر ہے نزع کی حالت میں دم آخر ہے　　　ابر تر حلق میں ٹپکا رہا ہے گنگا جل[۱]

اور نعت کے مضمون کی طرف لوٹنے کے لئے بالکل سیدھا سادہ راستہ اختیار کیا ہے:

ان مظالم سے زمانہ کو چھڑانے کے لئے

بطن مکہ سے بڑھا نور خدا عز و جل[۲]

بہر حال یہاں دونوں قصیدوں کا ذکر کرنے سے مقصد یہ تھا کہ جہاں نظمؔ کے نعتیہ قصائد کی دیگر خصوصیات انہیں نعت گو شعراء میں نہایت ممتاز حیثیت بخشتی ہیں وہاں ان کا کلام اردو نعتیہ شاعری کی اس خصوصیت سے بھی عاری نہیں ہے کہ اس میں ہندوستانی عنصر کو نہایت خوبی سے شامل کیا گیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا محرک محسنؔ کا کوروی کا بادل والا قصیدہ ہے۔

## منشی محمد شمس الدین امیر حمزہ

محمد شمس الدین نام عرف امیر حمزہ۔ ۵؍ربیع الاول ۱۲۷۶ھ کو بمقام قندھار شریف (ضلع ناندیڑ۔ حیدرآباد دکن) پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ والد کا نام محمد سالار تھا۔ ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی۔ محمد سالار عالم بھی تھے اور شاعر بھی۔ غیورؔ تخلص کرتے تھے۔ حمزہ بچپن ہی سے شعر کہنے لگے تھے اور اپنے والد سے اصلاح لیتے تھے۔ پھرؔ مظفر الدین معلٰی کی شاگردی اختیار کی۔

حمزہؔ نے پہلے اوّل تعلقداری ضلع نظام آباد میں ملازمت کی پھر حیدرآباد آ گئے اور سررشتہ پٹہ میں ملازم ہو گئے۔ لیکن یہاں انہوں نے اپنی علمی و ادبی کاوشیں جاری رکھیں۔ چنانچہ ان کے ادبی مذاق پر ان کی مندرجہ ذیل تصانیف شاہد ہیں۔

تاریخ قندھار دکن۔ تاریخ کولاس۔ روضہ شہید۔ مکاشفات سروری (اردو ترجمہ) سحر سامری (ڈراما) غنچہ دلبری (ڈراما) ساحر سبھا (ڈراما) چمنستان حمزہ۔ حمزہؔ نے اور کئی ڈرامے لکھے تھے لیکن آخر میں جب وہ تارک الدنیا ہو گئے تو انہیں تلف کرا دیا اس لئے کہ وہ اس مشغلہ کو لہو و لعب شمار کرتے تھے۔ ان کا انتقال سنہ ۱۳۴۷ھ میں ہوا۔

---

۱ مجموعہ نظم، نظم طباطبائی، صفحہ-۳۱

۲ مجموعہ نظم، نظم طباطبائی، صفحہ-۳۲

حمزہ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ چمنستان حمزہ کے نام سے مشہور ہے۔ زیر نظر نسخہ (مطبوعہ رجب ۱۳۴۳ھ) مطبع اعظم جاہی شاہ علی بنڈہ حیدر آباد کا چھپا ہوا ہے جو ۲۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں نعتیہ غزلیں، قصیدے، مرثیے، ٹھمریاں وغیرہ ہیں۔ مرثیوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت زینب کا بیان نظم کیا گیا ہے۔ ایک نظم سحری پر بھی لکھی ہے۔ ایک نعتیہ مثلث ہے اور تین خمسے ہیں۔ چند مناجاتیں بھی ہیں۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا میں مسدس لکھا ہے اور ایک مناجات بالصلوٰۃ کہی ہے۔ ٹھمریاں اور سلام ان کے علاوہ ہیں۔ حمزہ کے کلام میں نعت کے علاوہ حمد اور منقبت بھی پائی جاتی ہے۔ منقبت خلفائے راشدین یعنی اصحابِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ، حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی شان میں کہی ہے۔

حمزہ کی شہرت اور ان کی مقبولیت زیادہ تر ان کی نعتیہ ٹھمریوں کی بناء پر ہے۔ شائق حیدر آبادی کی ٹھمریوں کے بعد دکن میں حمزہ کی ٹھمریاں نہایت مقبول ہیں۔

۱۔ عام طور پر نعت گو شعراء آقائے نامدار کی مدح کو زادِ آخرت سمجھ کر بارگاہ ایزدی سے لطف و کرم کی امیدواری کا اظہار جا بجا کرتے ہیں۔ آقائے نامدار کی مدح سرائی شاعر میں نیازمندانہ شان کے ساتھ ناز کے تیور بھی پیدا کر دیتی ہے۔ حمزہ کو اپنے مرتبہ کی بلندی کا کتنا احساس ہے:

رحمت بلائیں لے گی شفاعت کرے گی پیار — دیکھے گی خلق شان گنہگار مصطفیٰ ﷺ
ہم صفیر بلبل سدرہ نہ کیوں حمزہ بنے — کر دیا ہے اس کو حق نے مدح خوان مصطفیٰ ﷺ
بیخودی نے دیکھنا اللہ تک پہنچا دیا — ڈھونڈنے نکلے تھے ہم گھر سے نشان مصطفیٰ ﷺ
خاکساری تھی طبیعت میں تو ہمت تھی بلند — اک زمین مصطفیٰ ﷺ اک آسمان مصطفیٰ ﷺ
رُخ پہ خورشید قیامت کے پسینہ آئے گا — داغ دل دکھلائیں گے جب عاشقان مصطفیٰ ﷺ [۱]

(۲) کلام میں سوز و گداز، جذب شوق اور بے قراری جا بجا پائی جاتی ہے۔

چند اشعار نمونۃً درج ذیل ہیں:

آنکھ میں شکل نبی دل میں مکان مصطفیٰ ﷺ — اس میں شان مصطفیٰ اس میں نشان مصطفیٰ ﷺ

---

۱؎ چمنستان حمزہ، صفحہ: ۳۰

خارج از فہم بشر ہے عز و شان مصطفیٰ ﷺ جز خدا کوئی نہیں ہے رتبہ دان مصطفیٰ ﷺ

سہل ہو جائے میری شوریدہ بختی کا علاج گر کرم فرمائے سنگ آستان مصطفیٰ ﷺ

عشق محبوب خدا کی رہنمائی دل نے کی مل گیا اللہ کے گھر سے نشان مصطفیٰ ﷺ

اس قدر محو تصور ہوں کہ جب لیتا ہوں سانس آتی ہے مجھ کو ہوائے بوستان مصطفیٰ ﷺ[1]

(۳) حمزہ نے مشکل زمینوں میں اچھے مضامین پیدا کئے ہیں:

نام احمد ﷺ کا لکھا ہے مرے دل پر تعویذ اس سے دنیا میں بتادے کوئی بہتر تعویذ

اس آئینہ میں ہے جلوۂ نور احمد ﷺ ہے یہ لاریب نصیبے کا سکندر تعویذ

دل میں ہے ذکر نبی ﷺ ورد زباں نام نبی میرے لب پر بھی ہے اور دل کے بھی اندر تعویذ[2]

(۴) حمزہ نے قصیدوں میں واعظانہ رنگ اختیار کرنے کے بجائے اپنے اعمال پر اشک ندامت بہائے ہیں۔ ساتھ ہی دنیا کی بے ثباتی کو نہایت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ شائق کی تقلید میں بہاریہ قصیدہ بھی بحر طویل میں لکھا ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

لِلّٰہ الحمد یہ وہ روز ہے فیروز کہ نو روز سے بڑھ کر طرب اندوز دل افروز ہے سامان بہار

عشرت انگیز بصد گونہ دل آویز ہے نو خیز ہے گلریز ہے ہر شاخ گلستان بہار[3]

(۵) عوام میں حمزہ کی مقبولیت اور ان کی انفرادیت ہمیں ان کی ٹھمریوں میں نظر آتی ہے۔ نعتیہ شاعری کی یہ خصوصیت جو خالص ہندوستانی رنگ اور انداز لئے ہوئے ہے اردو نعتیہ شاعری کی امتیازی شان ہے جو اسلامی ادب کی دیگر زبانوں میں نہیں پائی جاتی۔ عورت کی زبان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا اظہار ایک انوکھا طرز بیان ہے جس میں مرد کے قلم سے صحیح جذبات کی ترجمانی ذرا مشکل ہی سے ہوسکتی ہے۔ اگر شعراء اس میں کامیاب ہوئے ہیں تو یہ حقیقت میں ان کے حسنِ مذاق اور حسنِ احساس کی بناء پر ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے:

نبی جی کی کھائیں جب میں دنیا میں آئی پر وہ نزدیک مجھ کو بلاتے نہیں

میں نے کیا کی برائی ان سے دل جو لگائیں کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں

---

[1] چمنستان حمزہ، صفحہ:۳۰

[2] چمنستان حمزہ، صفحہ:۱۹

[3] چمنستان حمزہ، صفحہ:۳۰

تلپت کلپت بیتی رتیاں نیند اچٹ گئی ہائی
پلک پلک سے نا ہیں ملیں اور نین جبیں پر درشن پائے
سکھی تم ہی بتاؤ کیسا ہوگا بنہاؤ کس سے بولوں ملاؤں
وہ تو آتے نہیں اور بلاتے نہیں    کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں [1]

(۶) حمزہ کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ وہ الفاظ سے حرکت، رقص اور کیفیت انگیز صوتیت کا سماں باندھتے ہیں۔ نعت کا یہ انداز شاعر کی اس صلاحیت کا پتہ دیتا ہے جس کا ثبوت ان کے ڈراموں میں ملتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں یہ ڈرامائی انداز حمزہ کی بڑی خصوصیت ہے جو میلاد خوانوں کے لئے خاص طور پر نہایت جاذبیت رکھتی ہے:

جھوم جھوم آئی ہے باد بہاری    وہ جھوم جھوم آئی ہے باد بہاری
بزم میلاد ہے میرے نبی ﷺ کی    سیج پھولوں کی ساری وہ کرنے تیاری
جھوم جھوم آئی [2]

جا کے جھومتے جھامتے باد بہاری    لادے طیبہ کی گرد اچھال کے
سرمہ بصیرت اس کو سمجھ کے    رکھوں نینوں میں اپنے سنبھال کے

عشق احمد میں مرے دل نے جو کھائے ہیں داغ
انہیں داغوں سے مرا دل ہے بنا خانہ باغ
کیا بگاڑیں گے بھلا آ کے صبا کے جھونکے
گل نہ ہوں گے کبھی تا حشر مرے گھر کے چراغ [3]

حمزہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوب کر جو ہندی انداز میں سُریلا گیت پیدا کیا ہے وہ اپنی سادگی، موسیقیت، سلاست، اور روانی میں اس رنگ کی بہت اچھی مثال ہے۔ اس میں درد، تڑپ، خلوص اور جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہرہ محاسن پر والہانہ فریفتگی کا اظہار بھی ہے:

---

[1] چمنستان حمزہ، صفحہ: ۱۳۶

[2] چمنستان حمزہ، صفحہ: ۱۸۹

[3] چمنستان حمزہ، صفحہ: ۲۱۵

نجر میں آٹھوں پہر بسو ہے تمہاری چتون کملی والے
انوکھا سج دھج نئ ادائیں رسیلی آنکھیں کملی والے[1]

اس والہانہ جذب وشوق کا اظہار شاعر نے نعت گوئی کو زادِ آخرت قرار دے کر کیا ہے۔اس لئے آخری عمر میں حمزہ ذکر حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر لمحہ کو غنیمت شمار کرتے ہیں:

نعت احمد ﷺ میں جو گزرے وہ غنیمت ہے دم — ہاں خبردار کہ اب عمر کا وقفہ ہے کم
احمد پاک ﷺ کی تعریف کیا کر حمزہ — ہے یہی نعت نبی ﷺ زاد راہ ملکِ عدم
نعت گوئی میں شہرت جو پائی ہے — دین و دنیا کی اس میں بھلائی ہے
تم نے عقبیٰ کی دولت کمائی ہے — خرچ اس کو کرو دیکھ بھال کے
لادے طیبہ کی گرد اُچھال کے[2]

## محمد مظفر الدین معلیٰ

محمد مظفر الدین نام، معلیٰ تخلص، ۹؍ ذیقعدہ ۱۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے۔ وطن احمد پور ضلع بیدر تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی معین الدین صدیقی سے پائی۔ پھر بلدۂ حیدرآباد پہنچے اور علوم کی تکمیل کی۔ فارغ التحصیل ہوتے ہی سررشتۂ مال میں برسر خدمت ہوگئے اور ترقی کرتے ہوئے مددگار ناظم پٹہ خانجات مقرر ہوئے۔ اسی خدمت سے وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔

حضرت معلیٰ نہایت نیک نفس، صوم وصلوٰۃ کے پابند، تہجد گزار بزرگ تھے تین حج ادا کئے اور چار دفعہ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اسّی سال کی عمر پاکر ۲۶؍ شوال ۱۳۳۵ھ پنجشنبہ کو وفات پائی۔

معلیٰ کو کم سنی ہی سے شعر وسخن سے لگاؤ رہا۔ جب شاعری شروع کی تو اصلاح حیدر حسین خاں حیدر سے لی۔ حیدر حضرت حفیظ کے فرزند تھے۔[3]

---

[1] چمنستان حمزہ، صفحہ: ۲۱۵

[2] چمنستان حمزہ، صفحہ: ۱۹۴

[3] یہ حفیظ وہی ہیں جن کے متعلق مولانا محمد حسین آزاد نے شہیدی کا یہ قول نقل کیا ہے: ''میاں شہیدی نے کہا کہ آج ہندوستان میں تین شخص ہیں۔ لکھنؤ میں ناسخ، دلّی میں ذوق، دکن میں حفیظ''۔ (آب حیات، مطبوعۂ اسلامیہ اسٹیم پریس، لاہور ۱۹۱۷ء صفحہ-۴۸۰)

معلیٰ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا شمار حیدرآباد کے نامور شعراء میں تھا اور شاگردوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ جولوگ معلیٰ سے شاعری میں اصلاح لیتے ان میں ایک مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ بھی تھے۔ شادؔ نے اس کا اظہار اپنے اس شعر میں کیا ہے:

تم معلیٰ کو نہیں پہچانتے　　　شاعری میں شادؔ کا استاد ہے

معلیٰ کے مجموعۂ کلام کے تین حصے ہیں: ایک نعتیہ جو ریاض معلیٰ کے حصہ اوّل میں شامل ہے۔ دوسرے میں عشقیہ اور مدحیہ کے علاوہ قطعات، مناجات وغیرہ ہیں۔ یہ ریاض معلیٰ حصہ دوم میں ہے اور دونوں حصے اردو کلام کے ہیں۔ ریاض معلیٰ کا تیسرا حصہ ان کے فارسی کلام کا مجموعہ ہے۔ یہاں ریاضؔ معلیٰ حصہ اوّل کے کلام سے بحث ہے جو نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے جیسا کہ نعت گو شعراء کا دستور ہے، معلیٰ نے نعت کے ساتھ منقبت بھی شامل کردی ہے، خصوصاً حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں جا بہ جا لکھا ہے۔ ریاض معلیٰ کی اشاعت پہلی مرتبہ ۱۳۴۰ھ میں ہوئی جسے معلیٰ کے چھوٹے فرزند مولوی محمد ریاض الدین علی ریاضؔ نے مرتب کر کے عماد پریس حیدرآباد میں چھپوایا۔ اس میں چورانوے مدحیہ غزلیں ہیں، ایک تضمین ہے، ایک ساقی نامہ اور حضرت غوث اعظم کی کرامت کے بیان میں ایک مثنوی ہے۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ کی تقریظ اور فصاحت جنگ حافظ جلیل حسن جلیلؔ کا قطعہ تاریخ طبع دیوان ریاض معلیٰ حصہ سوم کے آخر میں شامل ہیں۔ شادؔ لکھتے ہیں:

> ''حضرت معلیٰ طبعاً شاعر ہونے کے علاوہ عروض میں ایک حد تک تبحر رکھتے تھے۔ آپ نے درد بھرا دل پایا تھا۔ کلام میں عجیب سوز و گداز اور جذبات کے اثرات ہر ایک بات سے پیدا تھے۔''[۱]

جلیلؔ کے قطعے کے چند اشعار یہ ہیں:

خوشا فکر معجز نظام معلیٰ　　　زہے چشمۂ فیض عام معلیٰ
ز خورشید افزوں فروغ معانی　　　زگردوں بلند است نام معلیٰ
ز انوار دیوان والا ست روشن　　　کہ ایں است ماہ تمام معلیٰ[۲]

---

۱۔ ریاض معلیٰ حصہ سوم۔ صفحہ-۷۹

۲۔ ریاض معلیٰ حصہ سوم۔ صفحہ-۷۹

معلیٰ نے یوں مختلف انواع سخن کو اپنے کلام میں جگہ دی لیکن جو ذوق انہیں نعت سے رہا اس کا اظہار اس طرح کیا ہے:

نہ پایا معلیٰ نے جز نعت ذوق    بہت سلک مضمون پرویا کیا[۱]

حقیقت یہ ہے کہ ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معلیٰ نے بمنزلہ وظائف و اوراد برتا ہے۔ فرماتے ہیں:

اے معلیٰ نہ کبھی نعتیہ اشعار کو چھوڑ    کافی ہے ورد یہی بارہ مہینے تجھ کو[۲]

وصف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر نے اپنے عجز کا اقرار بھی کیا ہے:

وصف رسول پاک ﷺ کریں کس زباں سے ہم    لائیں زبان حضرت باری کہاں سے ہم[۳]

......

اللہ کے حبیب ﷺ کا کیا وصف کر سکیں    طاقت کہاں ہمارے دل ناتواں میں ہے[۴]

کہا جاتا ہے کہ جو نعتیہ کلام ہم تک پہنچا ہے یہ ان دو نعتیہ دواوین کے علاوہ ہے جو طغیانی موسیٰ ندی میں تلف ہو گئے سوائے اس کے تھوڑا سا جو دستیاب ہو سکا وہ موجودہ نعتیہ کلام میں شامل کر دیا گیا۔ اس سے حضرت معلیٰ کے شغل نعت گوئی کی کثرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نعت گوئی کی تحریک میں حضرت محسنؔ کاکوروی کے خواب کا ذکر محسنؔ کے بیان میں کیا گیا۔ مولوی محمد ریاض الدین ریاضؔ مرتب ریاض معلیٰ نے اس دیوان کے دیباچے میں معلیٰ کے اس خواب کا ذکر کیا ہے جو نعت سے متعلق ہے۔ اس کی تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ ''دربار رسالت معلیٰ کے سامنے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسند پر جلوہ افروز ہیں، اور شہیدیؔ اپنا قصیدہ سنا رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محسنؔ کا سراپا سناؤ، وہ بہت اچھا ہے۔'' شاید معلیٰ نے اپنی اس باریابی کا ذکر اس شعر میں کیا ہے:

مجھے بھی طالع بیدار نے واں تک جو پہنچایا    معلیٰ کیا بتاؤں کچھ نہ پوچھو فضل یزداں کا[۵]

---

۱۔ ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۲
۲۔ ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۳۱
۳۔ ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۲۷
۴۔ ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۶۲
۵۔ ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۸

حقیقت میں نعت گوئی کی اصل ہی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جب تک یہ کیفیت دل میں نہ ہوگی نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نعتیہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی۔ معلیٰ کے یہاں محبت کی فراوانی، جذبات کی روانی، خیال کی بلندی اور نعت کے مضامین پر احاطہ کماحقہٗ پایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی زندگی کا تقویٰ بارگاہ رسالت میں پہنچنے کے لئے مزاج میں طہارت کا سامان کر رہا ہے۔ یہ ہیں حضرت معلیٰ کے اوصاف حسنہ جو نعت گوئی کے فریضے سے شاعر کو کامیاب گزارتے ہیں۔ نعت گوئی کا تعلق صوفیانہ ادب سے نہایت گہرا ہے۔ اس لئے شعراء کے نعتیہ رنگ کو حال اور قال میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور جو بے احتیاطیاں بعد میں ہوئی ہیں وہ اسی حال میں ہوئی ہیں۔ معلیٰ نے ایک حد تک حال کے رنگ کو اس بے احتیاطی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے کلام میں حفظِ مراتب کا لحاظ بھی پایا جاتا ہے۔ اور شاعر اپنی نعت گوئی پر ناز بھی کرتا ہے تو نیاز مندانہ انداز میں:

دل نے جو کوہ نعت شہ دیں اٹھالیا — کیا حوصلہ بلند ہے اس برگ کاہ کا[۱]

......

عرش بریں پہ طبع معلیٰ کا ہے دماغ — جب سے وہ مدح خوان شہ دوسرا ہوا[۲]

شاعر نے پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر دم نکلنے کی تمنا کو اس طرح ظاہر کیا ہے:

پہنچ کے شہر مدینہ میں دم نکل جائے — ترے حبیب ﷺ کے روضے پہ ہوں فدا یارب[۳]

حقیقت میں شہیدی کی تمنا کا حاصل شاعر کو بے چین کئے ہوئے ہے۔

نمونۂ کلام:

حیف پھر جانا مدینے کو ہمارا نہ ہوا — لطف دیدار میسر وہ دوبارا نہ ہوا
صدقے ہونا نہ ہوا روضۂ اقدس پہ نصیب — بخت کا آہ بلند اپنے ستارا نہ ہوا
کس طرح سے ہو مرا نخل تمنا سرسبز — حاصل اس گنبد خضرا کا نظارا نہ ہوا
کچھ کمی عاشق مضطر نے تڑپنے میں نہ کی — مائل زخم جگر دل ہی تمہارا نہ ہوا

---

۱ ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۲
۲ ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۲
۳ ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۵

لاکھوں اچھے کئے بیمار مسیحا تم نے　　لیکن اچھا دل بیمار ہمارا نہ ہوا
دل دیوانہ مرا کچھ نہ خیالی بن جائے　　خواب میں بھی کبھی دیدار دوبارا نہ ہوا[۱]

اس نالۂ فراق میں شاعر کے عاشقانہ جذبات، اضطراب، بے چینی، تڑپ اور خلوص کی جو فراوانی ہے اس سے معلّیٰ کے داخلی احساسات کا پتا چلتا ہے دل ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا لقائے محبوب کی تمنا میں پیچ وتاب کھا رہا ہے۔ یہ مضمون شاعر کے کلام میں کثرت سے ملتا ہے۔

شاعر کا حاصل مراد ذات محمدی کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ اپنی جنت وہیں بسائے ہوئے ہے:

جائیں جنت کی طرف زہد جتانے والے　　ہم گنہگار مدینے کو ہیں جانے والے[۲]

رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں شاعر کا بیان:-

دل بستۂ گیسوئے رسولِ عربی ﷺ ہے　　جاں شیفتۂ موئے رسولِ عربی ﷺ ہے
پوچھے جو کوئی کعبۂ مقصود ہمارا　　طاق خم ابروئے رسولِ عربی ﷺ ہے
رشک سہی و غیرت سرو چمن خلد　　زیبا قد دل جوئے رسولِ عربی ﷺ ہے
انوار تجلائے خداوند جہاں سے　　روشن رخ نیکوئے رسول عربی ﷺ ہے
جس نور کے پرتو سے ہے سب دہر منور　　پرنور عجب روئے رسولِ عربی ﷺ ہے[۳]

وصف رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں معلّیٰ نے تلمیحات قرآنی سے جگہ جگہ فائدہ اٹھایا ہے۔ مثلاً:

(۱)　جو آیا ہے **فقلنا کن لہٗ** مضمون قرآں میں
بیان حالِ وصف صنعت چالاک دستی ہے[۴]

(۲)　بیان **فاتبعونی** سے حجت مسلّم ہے
کہ طاعت احمد ﷺ مرسل کی عین حق پرستی ہے[۵]

---

۱　ریاض معلّیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۵
۲　ریاض معلّیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۳۴
۳　ریاض معلّیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۳۷
۴　ریاض معلّیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۴۳
۵　ریاض معلّیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۰

(۳) ما ینطق عن الھوی الا دلیل ہے
ناطق تھی وحی حق سے ہی گفتارِ مصطفیٰ ﷺ [۱]

(۴) ما رمیت اذ رمیت میں جو معنی ہیں عیاں
کیا کوئی سمجھے جو ہے سرِ نہانِ مصطفیٰ ﷺ [۲]

(۵) جان کو محوِ رضائے حق کیا اللہ نے
انک لا تھدی کہہ کر امتحانِ مصطفیٰ ﷺ [۳]

بیان وصف کا یہ رنگ بھی ہے:

دیکھی ہے جو شانِ رُخِ زیبائے محمد ﷺ — جبریل امیں کیوں نہ ہوں شیدائے محمد ﷺ
ہے عرش بریں فرش تہ پائے محمد ﷺ — کیوں فخر سے چومے نہ قدمہائے محمد ﷺ
ہے آنکھوں میں اور دل میں مرے جائے محمد ﷺ — سینہ ہے مرا مسکن و ماوائے محمد ﷺ
پروانۂ شمع رُخ زیبائے نبی ﷺ ہوں — کیوں مجھ کو نہ ہو خواہش و پروائے محمد ﷺ
قرآن میں جو آیا ہے بیان قاب وقوسین — ادنیٰ ہے مقام شرف افزائے محمد ﷺ
حاصل ہوا نہیں سرمۂ مازاغ کہاں سے — آنکھیں ہوں مری کیسے شناسائے محمد ﷺ
ہے گول دہن حلقۂ ہالام دو زلفیں — اللہ کا الف ہے قد بالائے محمد ﷺ
ہے کعبۂ مقصود معلّٰی کا مدینہ — اس کے دلِ پُرشوق میں ہے جائے محمد ﷺ [۴]

ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں درود کی فضیلت کا بیان نہایت سادگی، سلاست، روانی اور دلآویزی سے کیا ہے:

منبع فضل کبریا ہے درود — معدن رحمت خدا ہے درود
نہیں کوئی درود سے بڑھ کر — مظہر فیض مصطفیٰ ﷺ ہے درود
کنت کنزا کا راز مخفی ہے — مخزن لطف و اتّقا ہے درود

---

[۱] ریاض معلّٰی حصہ اوّل۔ صفحہ:۱۰
[۲] ریاض معلّٰی حصہ اوّل۔ صفحہ:۴
[۳] ریاض معلّٰی حصہ اوّل۔ صفحہ:۲۱-۲۲
[۴] ریاض معلّٰی حصہ اوّل۔ صفحہ:۲۱-۲۲

کیوں نہ ہو یاد رات دن اس کی | دل عاشق کا مدعا ہے درود
اے مریضان عشق مصطفوی | ہر مرض کے لئے شفا ہے درود
خوف خورشید حشر کا کیا ہو | اپنا محشر میں آسرا ہے درود
نور پھیلا ہے اس کا عالم میں | رونق شمع کی ضیاء ہے درود[۱]

وصف مدینہ میں معلّیٰ نے جونعت کی دلآویزی پیدا کی ہے وہ قابل ستائش ہے۔شاعرنغمہ ترنم ریز ہے:

اللہ رے تاثیر تو لائے مدینہ | ہر داغ جگر ہے گل صحرائے مدینہ
دل جب سے بنا والہ وشیدائے مدینہ | کہتا ہے مرا ہر بُن موہائے مدینہ
غلماں ہیں غلاماں تو پرستار ہیں حوریں | جنت کا سراپا ہے سراپائے مدینہ
چشمان بصیرت سے نگہ کر کے ملائک | رکھ لیتے ہیں آنکھوں پہ قدمہائے مدینہ
ہے سرمۂ چشم بشر و جن و ملائک | خاک قدم اقدس مولائے مدینہ[۲]

عقیدت کی فراوانی میں معلّیٰ کے تخیل نے مبالغے میں بے احتیاطی کا رنگ بھی دکھایا ہے لیکن اس کی مثالیں بہت کم ہیں مثلاً

یہ حامل اقدام ہے وہ حامل نعلین | کیوں عرش سے رُتبے میں نہ بڑھ جائے مدینہ[۳]
ہو رشک دل عرش بریں کو بھی معلّیٰ | رنگ اپنی حقیقت کا جو دکھلائے مدینہ[۴]

اس رنگ کی غزل ان کے دیوان کے آخر میں ملتی ہے۔جس میں شاعر پردۂ میم کو اٹھانے کی غیر ضروری کوشش کرتا ہے۔کلام کی دلآویزی میں کسے کلام ہوسکتا ہے:

شاہ رسل کا شہرۂ آمد جہاں میں ہے | بے مثل و بے نظیر جو کون ومکاں میں ہے
ظاہر میں گرچہ احمد ﷺ بے میم ہے لقب | کیا جانے کوئی کون وہ سر نہاں میں ہے
دیتی خبر ہے اور ہی کچھ شان مارمیت | ہر چند وہ بصورت انساں جہاں میں ہے

---

۱ ریاض معلّیٰ حصہ اوّل۔صفحہ:۳۲-۳۳
۲ ریاض معلّیٰ حصہ اوّل۔صفحہ
۳ ریاض معلّیٰ حصہ اوّل۔صفحہ:۳۲-۳۳
۴ ریاض معلّیٰ حصہ اوّل۔صفحہ:۳۳

مضمون جس کی مدحت خلق عظیم کا    آیا کلام پاک خدائے جہاں میں ہے
شان احد کا آئینہ ہے حسن احمدی ﷺ    انساں حجاب میم کے باعث گماں میں ہے[1]

تضمین کا نمونہ یہ ہے:

فیض بخشی کے بھرے آپ میں سارے ہیں صفا
سب کو ہے آپ کی ہی ذات سے امید نجات
کیجئے رحم غریبوں پہ کچھ اے مظہر ذات
ماہمہ تشنہ لبا نیم و توئی آب حیات
لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی[2]

---

[1] ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ: ۶۴

[2] ریاض معلیٰ حصہ اوّل۔ صفحہ: ۶۵-۶۶

# باب نہم

## دَورِ حاضر

دَورِ جدید میں حاؔلی، شبؔلی اور نظؔم نے نعت کو ایک نئی راہ پر لگایا تھا۔ اس کو آگے بڑھانے میں دورِ حاضر نے اپنی بے پایاں صلاحیت کا ثبوت دیا۔ اقباؔل، مولانا ظفر علی خاں، حفیؔظ جالندھری، ماؔہر القادری وغیرہ کا کلام دراصل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو دورِ جدید میں شروع کیا گیا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ دورِ حاضر کا نعتیہ کلام اپنی چند خصوصیات کی بناء پر نعتیہ شاعری کی ارتقائی صورتوں میں حسین ترین شکل میں جلوہ گر ہے جس میں حکیمانہ بصیرت مصلحانہ تقدس، مجتہدانہ انداز اور شاعرانہ دلآویزیوں نے چار چاند لگا دیئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اب قرآنی تعلیمات کی تفسیر بن گئی اور قرآنی زندگی کی اس آشفتہ حالی میں دنیا کے درد کا درماں شمار ہونے لگا۔ اس طرح نعتیہ بیان نے نئے نئے روپ اختیار کئے۔ مسلمانوں کی اصلاح کی تحریکیں مذہب کے نام پر اٹھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اٹھیں۔ چنانچہ نعتیہ شاعری اب میلاد اور سماع کی محفلوں سے نکل کر سیاسی مجلسوں میں آن پہنچی۔ معاشرتی اور سیاسی اصلاح کے لئے شعراء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھا اور عقیدت مندانہ اور جذباتی انداز کو چھوڑ کر معقولیت سے کام لیا۔

اس دَور میں نعتیہ قصیدے صرف عزؔیز لکھنوی کے یہاں ملتے ہیں۔ مسلسل نظمیں مثنویاں اور غزلیں شعراء نے خوب لکھی ہیں۔ موجودہ دَور میں نعتیہ غزل نے حقیقت پسندی کو زیادہ ملحوظ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر والہانہ تصدق کے اظہار کے باوجود بارگاہِ نبوت کے ادب شناس ہونے کا ثبوت دیا اور دین باختگی سے دامن بچائے رکھا۔ دَورِ حاضر کی غزل میں داخلی جذبات کے اظہار میں ہمواری، تاثیر اور ترنم کی کمی نہیں ہے۔ بحریں رواں اور شگفتہ، زبان صاف و

سادہ اور ترکیبیں خوش آہنگ اور موسیقیت لئے ہوئے ہوتی ہیں۔فرسودہ مضامین اور خیالی رنگینیوں کو دخل نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان میں نہ تو تصوف کی زبان ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بالاتر دکھانے کی کوشش میں شان عبدیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محرومی کے مضامین جو کچھ ہے حقیقی اوصاف کا بیان ہے اور صحیح جذبات کی ترجمانی۔اس دَور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق مترادف ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام کے ساتھ عشق کے اور یہی نعت گوئی کا مقصد اوّلین بھی ہے۔

## مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی

مرزا محمد ہادی نام اور عزیزؔ تخلص ہے۔۱۴/ربیع الاول ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام مرزا محمد علی تھا۔عزیزؔ کی عمر سات سال کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ان کے خاندان میں علم و فضل کئی پشتوں سے چلا آتا تھا۔عزیزؔ نے یہیں تحصیل علم میں بڑی جانفشانی کی۔ان کے اساتذہ میں شمس العلماء مولوی عبدالمجید فرنگی محل، مولانا نعیم، مولوی محمد حسین، مولوی سید ابوالحسن، مولوی شیخ فدا حسین وغیرہ گزرے ہیں۔

عزیزؔ کو علم و ادب سے فطری شغف رہا۔انہوں نے اساتذہ کے کلام سے کماحقہٗ استفادہ کیا اور اپنی شاعری میں استادانہ محاسن پیدا کئے۔انہوں نے اردو کے علاوہ فارسی میں بہت شعر کہے ہیں۔فارسی کے شعراء میں نظیریؔ، عرفیؔ اور حافظ انہیں محبوب رہے اور اردو میں میرؔ اور غالبؔ کا تتبع کیا۔ان کے قصائد میں سوداؔ اور ذوقؔ کے قصائد کی شان پائی جاتی ہے لیکن زبان نہایت صاف وشستہ، سادہ اور رواں ہے۔علم وفضل ان کے کلام سے ظاہر ہے۔

یوں عزیزؔ نے اُردو میں اکثر اصناف سخن کو شاعری کے لئے استعمال کیا ہے لیکن ان کی عظمت کا دارومدار زیادہ تر ان کے قصائد پر ہے۔انہوں نے نظمیں بھی اچھی لکھی ہیں اور غزل گوئی میں ان کا شمار اُردو کے ان نامور شعراء میں ہے جنہوں نے دَورِ جدید میں غزل کی اصلاح میں سعی بلیغ فرمائی۔ان کی غزلوں کا مجموعہ ''گل کدہ'' کے نام سے مشہور ہے۔''صحیفہ وِلا'' ان کے قصائد سلام وغیرہ کا مجموعہ ہے۔

عزیزؔ کا انتقال 1935ء میں ہوا۔

عزیزؔ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں زیادہ تر قصیدے کہے ہیں۔''صحیفہ وِلا''

میں ان کے نعتیہ قصائد کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حسن و عشق۔ قصیدہ بہاریہ نوروز در مکالمۂ حسن و عشق و تخلص بہ نعت حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہ پیرایۂ غزل۔

(۲) بہار ربیع در جوش موسم اردی و برخے از حالات ولادت انسان مکمل عین العالم حقیقۃ الحقائق مرأت الصفاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) معراجیہ۔ در مذاق تغزل و نعت ہادی سبل حضرت ختم الرسل۔

(۴) نوید بعثت۔

(۵) سرجوش حرا۔ درحالات بعثت حضرت سرورِ کائنات۔

(۶) نور ہدایت۔ در زینت افزائے نہ کاخ افلاک مخاطب بہ خطاب لولاک خاتم النّبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۷) شمع رسالت۔ آراستگی عروس مضامین بمدحت رحمۃ للعالمین المخاطب بطٰہٰ و یٰسین۔

(۸) مرات الصفاء۔ درنعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۹) شارع الاسلام۔

قصائد کے علاوہ ''صحیفہ وِلا'' میں حسبِ ذیل عنوانات کے تحت نعتیہ نظمیں بھی درج ہیں:
۱۔پیغمبر اسلام۔ ۲۔قطعہ نعتیہ۔ ۳۔فلسفی اُمی اور (۴) محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔
علاوہ بریں قطعات اور رباعیات میں بھی نعتیہ مضامین نظم کئے ہیں۔

عزیزؔ لکھنوی کے نعتیہ قصائد پر تبصرہ کرنے سے پہلے ہم ان کی قصیدہ گوئی کے عام رنگ کا نہایت اختصار سے جائزہ لیں گے۔

قصیدے نے اپنا رنگ درباری اثرات کے تحت جمایا تھا اور اسی ماحول میں اسے فروغ بھی حاصل ہوا۔ جب یہ سرپرستی ختم ہوئی تو قصیدہ گوئی بھی متاثر ہوئی۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قصیدے کے انتہائی فروغ کا دور ذوقؔ پر ختم ہو جاتا ہے۔ انگریزی عملداری میں قصیدہ خوانی کے ذریعے دنیوی منفعت کی ساری توقعات اٹھ گئیں۔ بعد کے دَور میں داغ، امیرؔ، طباطبائیؔ اور جلیلؔ نے اس وضع کی پابندی کی۔ عزیزؔ بھی اردو ادب میں قصیدہ گو کی حیثیت سے نہایت ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ لیکن ان کا رنگ عام قصیدہ گو شعراء سے جداگانہ ہے۔ انہوں نے مدح کے

لئے کسی صاحب ثروت کو منتخب نہیں کیا۔ ان کے ممدوحین کی فہرست میں ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جس سے دنیوی منفعت کی کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ ان کی مدح سرائی میں تمام تر عقیدت مندی اور خلوص کو دخل ہے۔ چنانچہ ان کے مجموعہ قصائد ''صحیفہ وِلا'' میں ہم نعت اور منقبت کے سوا اور کچھ نہیں پاتے۔ اس مجموعے کے آخر میں قطعات، رباعیات اور سلام بھی انہیں مضامین پر مشتمل ہیں۔ عزیؔز کے قصائد میں شکوہ الفاظ اور زور بیان ان کی عقیدت مندی اور خلوص کی دلیل ہے جس کے اظہار کے لئے وہ اپنی اعلیٰ شعری صلاحیت کو بروئے کار لائے ہیں اس لحاظ سے عزیؔز کا درجہ اردو قصیدہ گوئی میں ممتاز اور مصلحانہ ہے۔ قصیدے کے چند فنّی لوازم ہیں جن میں تشبیب قصیدے کا تمہیدی حصہ قرار پائی ہے۔ تشبیب کا مضمون محدود اور متعین نہیں ہے۔ جاہلیت کے عربی قصائد میں دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد، محبوب کی مفارقت میں بے قراری کا اظہار، سفر کی صعوبت اور ناقہ کی تعریف تشبیب کے عام مضامین تھے۔ اکثر بادہ نوشی کے ذکر سے بھی کلام میں گرمی پیدا کی جاتی تھی۔ اسلامی تعلیمات اور اس کے تمدن نے آہستہ آہستہ اس میں تبدیلی پیدا کی اور تشبیب میں مدح کی مناسبت سے اخلاقی مضامین بھی نظم ہونے لگے لیکن اسی کے ساتھ تشبیب کا اصلی رنگ، یعنی شباب کی باتیں غزل کی شکل میں برقرار رہیں۔

تشبیب قصیدے کا نہایت اہم حصہ ہے اور اس میں زور طبع دکھانے کے مواقع بھی ہیں کیونکہ شاعر کے فکر کو یہاں تخیل کی پرواز کے لئے وسیع فضا ہاتھ آتی ہے۔ اردو میں سوؔدا کی تشبیب زوردار ہوتی ہے۔ عزیؔز کا مرتبہ بھی اس حیثیت سے کم نہیں ہے۔ ان کے قصائد کی تشبیبیں عموماً یا تو بہاریہ ہوتی ہیں یا تغزل کے رنگ میں۔ اس میں عزیؔز کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بیان کو مکالمے کا رنگ بھی دیتے ہیں۔ اس طرح تشبیب میں انہوں نے اپنے زور بیان سے اپنی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ قصیدہ ''حسن و عشق'' کی بہاریہ تشبیب کے چند اشعار نموتاً درج ذیل ہیں:

بہار آتی ہے ان کو ہوگیا ناز خود آرائی
لہو کچھ بڑھ گیا جب فصد دیوانوں نے کھلوائی

حمل کے نقطۂ اوّل پر ایا خسر و خاور
ربیع معتدل لے کر نوید نو بہار آئی

ہوئی باطل دَی و بہمن کی وہ تقویم پارینہ
خزاں کے نام سے آتی ہے فوارے کو ابکائی

چلی وہ بادہ نو روزی وہ تازہ کوپلیں پھوٹیں
گلوں کو دیکھ کر صحن چمن نے گود پھیلائی

نشیلی انکھڑیاں ساقی کی زاہد سے بھی کہہ اٹھیں
یہ پہلا روز فروز دین کا ہے پی جام صہبائی

چھڑا ہے ساز پھر آوازۂ چاک گریباں کا
''مددائے روح مجنوں'' کہہ کے پھر نکلے ہیں سودائی

گھنے بال اس طرف سنبل نے کھولے بہر آرائش
گلابی مدبھری آنکھ اس طرف نرگس نے دکھلائی

نگارِ سبزہ نے مہد زمیں پر کروٹیں بدلیں
ادھر آغوش میں گلشن کے لی بیلوں نے انگڑائی

جوانانِ چمن زندہ ہوئے اعجاز موسم سے
غبار دشت نے اٹھ کر خزاں کی لاش کفنائی[۱]

شروع سے آخر تک یہی رنگ ہے۔

قصیدہ بہار ربیع کی تشبیب بھی اسی طرح کی ہے۔ دیگر نعتیہ قصیدوں کی تشبیبوں کا رنگ غزلیہ ہے۔ قصیدہ ''سرجوش حرا'' میں شروع ہی سے ثنائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پیدا کی ہے جو تغزل کے رنگ میں ہے۔ ابتدائی اشعار یہ ہیں:

حسن اے حسن دلآویز ملاحت والے
ہوش میں آئیں گے ہرگز نہ ترے متوالے

جل کے دکھلائیں ابھی جلوہ گلزار خلیل
دیکھ لیں تجھ کو اگر سوز محبت والے

---

۱؎ صحیفہ ولا: شائع کردہ صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ۔ صفحہ-۲،۱

دیکھ لیں تیری جہاں تاب تجلی کو اگر
نقش دیوار بنیں عالم حیرت والے

سبزہ رنگی پہ تری سادہ نگاری پہ تری
زہر کھائے ہوئے بیٹھے ہیں صباحت والے

صندلی رنگ ہو یا ہو کہیں مہتابی حسن
اب نظر میں نہیں جچتے ہیں یہ طلعت والے

ساختہ حسن کجا حسن خدا داد کجا
جانچ لیتے ہیں اسے چشم بصیرت والے[1]

قصیدہ نور ہدایت کی تشبیب کا نمونہ یہ ہے:

نہیں کٹتی شب فرقت لبوں پر گھٹ کے جان آئی
کہاں تک اے دل رنجور دعوائے شکیبائی

لکھی تھی تلخ کامی کیا ہمارے ہی مقدر میں
ہمیں اس زہر کے قابل تھے کیا اے چرخ مینائی

بلا سے کوئی مرجائے بلا سے کوئی رسوا ہو
اگر ہے امتحان منظور تو کیا خوف رسوائی

بلا کا جذب ہے کافر ادا اس حسن دل کش میں
تری جانب سے پھرتی ہی نہیں چشم تماشائی[2]

عزیزؔ کی تشبیب میں غزل کی پوری شان پائی جاتی ہے۔ مضامین نہایت شگفتہ اور شباب کی تمناؤں کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ان کی گہرائی شاعر کی عمیق نظری کا پتہ دیتی ہے۔ بیان کی قوت اور ندرت اپنی دلآویزی سے قلب کی کیفیت میں گرمی پیدا کر دیتی ہے۔

قصیدے کی دوسری منزل گریز ہے۔ تشبیب اور مدح میں ربط قائم کرنے کے لئے شاعر کو یہاں اپنی قابلیت کا ثبوت بہم پہنچانا پڑتا ہے۔ حقیقت میں قصیدہ گو کی صلاحیت کی کسوٹی یہی

---

[1] صحیفہ وِلا: شائع کردہ صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ۔ صفحہ-۲۲
[2] صحیفہ وِلا: شائع کردہ صدیق بک ڈپو۔ لکھنؤ۔ صفحہ-۲۵

گریز ہے۔ گریز کی بدیع صورتوں کے ذریعے تشبیب اور مدح کے مضمون کو جس قدر ہم آہنگ دکھایا جائے گا اسی قدر شاعر کے کمال کا اعتراف کیا جائے گا۔ عزیؔز کے یہاں گریز کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ قصیدہ میں ''حسن وعشق'' کی تشبیب کے اشعار پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس قصیدے میں شاعر گریز کے لئے حسن وعشق کے طویل مکالمے کی تمہید باندھتا ہے۔ آخر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری اس طرح حاصل کرتا ہے:

لبوں پر مسکراہٹ آگئی شرما کے فرمایا
نقاب اب میں الٹتا ہوں بتقریب شناسائی

ذرا ہوشیار رہنا ضبط کا ہنگام آیا ہے
مرقع جذبۂ دل کا ہوں دیکھا اے میرے سودائی

عزیؔز اللہ جانے کیا ہوا ہم نے تو یہ دیکھا
اٹھا کر عشق کو خلوت میں لائے کچھ تماشائی

ہوا جب لخلخہ تجویز چند ارباب شوریٰ میں
یمانی اک کسا اس مست رعنائی نے بچھوائی

ہوا جب کچھ افاقہ آہ کھینچی دل سے اک ایسی
در و دیوار پر صورت محمد ﷺ کی نظر آئی[1]

قصیدہ شمع رسالت میں شاعر نے تشبیب کے لئے تغزل کا رنگ اختیار کیا ہے۔ پھر وہ نعت کی طرف گریز کے لئے جمال شاہد وحدت کا ذکر چھیڑ دیتا ہے اور نہایت بے تکلفی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کے مضمون کو تشبیب سے ملا دیتا ہے:

بہار آنے پر جب کوئی کلی کھلتی ہے لالے کی
شکست قلب مجنوں کی صدا آتی ہے صحرا سے

جمال شاہدِ وحدت نے باندھی ہے ہوا ایسی
اڑا جاتا ہے دل بن بن کے ہر اک ذرہ صحرا سے

---

[1] صحیفہ ولا۔ صفحہ-۵

ہے حسن و عشق میں اک اتحاد معنوی باہم
برآمد دونوں یہ گوہر ہوئے ہیں اک دریا سے
بظاہر عشق ہے سرگشتۂ صحرائے بیتابی
بباطن یہ نہیں لیکن جدا حسن خود آراء سے
ادھر ہے شوخیوں سے حسن کو شوقِ حنا بندی
ادھر رنگینیاں ہیں عشق کی خون تمنا سے
قیامت کی کشش رہتی ہے حسن و عشق میں باہم
اک آفت کا تعلق عشق کو ہے حسن زیبا سے[۱]

اس کے بعد کا شعر ملاحظہ فرمایئے۔ عزیزؔ نے کس خوبی سے اس مضمون کے ساتھ مدح کو ملا دیا ہے:

شب معراج کس خلوت میں محبوب خدا پہنچے
یہ جذب عشق تھا جس نے ملایا حسن یکتا سے[۲]

گریز کے بعد مدح اور حسن طلب کی باری آتی ہے۔ عزیزؔ کو مدح کے صلے میں نہ تو جاہ و ثروت کی طلب ہے اور نہ ممدوح کی خوشنودی حاصل کر کے کسی دنیوی ضرر کو دفع کرنا مقصود ہے۔ ان کا مقصد فقط خلوص اور عقیدتمندی کا اظہار ہے۔ اس لئے ان کے یہاں مدح میں نہ تو مبالغہ کا گزر ہے اور نہ تصنع کو دخل ہے۔ بس ایک حقیقت حال کا بیان ہے اور خلوص کی زبان ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کے لئے شاعر بہتر سے بہتر الفاظ اور ترکیبوں سے تقدس کی فضاء قائم کرتا ہے اور الفاظ کے شکوہ مضمون کی معنویت اور تخیل کی بلندی سے نعت کو دلکش انداز میں پیش کرتا ہے۔ عزیزؔ کے یہاں طرز ادا کی ندرت اور معنی آفرینی ہر جگہ موجود ہے زبان نہایت صاف سلیس اور لفظی صناعی کی پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ صوتیت کے لحاظ سے الفاظ کی ترکیب میں باہم نہایت مناسب جوڑ، ترنم ریزی کا سامان کرتا ہے۔ اب ہم مدح کے بیان میں عزیزؔ کی نعت گوئی پر روشنی ڈالیں گے۔

مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عزیزؔ نے جہاں تغزل کا رنگ اختیار کیا ہے اور حسن و عشق

---

۱؎ صحیفہ وِلا۔ ۲۹

۲؎ صحیفہ وِلا۔ ۲۹

کی زبانی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی ہے وہاں ایک مضمون میں کئی مضامین پیدا کئے ہیں اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان میں ایک انوکھا انداز اختیار کیا ہے۔ قصیدہ ''حسن و عشق'' میں عزیز کا یہی رنگ ہے۔ اس کے علاوہ قصیدہ ''معراجیہ'' اور قصیدہ ''شمع رسالت'' میں بھی شاعر نے اسی عشق کے بیان سے نعت کا مضمون پیدا کیا ہے۔

قصیدہ ''حسن و عشق'' میں حسن و عشق کے طویل مکالمے کے بعد شاعر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی تجلی سے عشق کو بے خود بناتا ہے۔ اور جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی دید سے اسے اس طرح مشرف کرتا ہے:

ہوا جب کچھ افاقہ آہ کھینچی دل سے اک ایسی
در و دیوار پر صورت محمد ﷺ کی نظر آئی [۱]

حسن محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا فدائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور اپنی آشفتہ حالی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

کہا یہ عشق نے بڑھ کر کہ اے سر دفترِ عالم
ازل سے منتظر تھا آج صورت تم نے دکھلائی

حجاب قدس میں اتنے دنوں سرگرم خلوت تھے
گوارا کس طرح تم کو ہوئی بندے کی تنہائی

دوئی کا نقش بھی میں نے مٹایا یوں تصور میں
جھلک مہر نبوت کی مرے داغوں نے دکھلائی

یہ میری چشم تر اک آبشار طور سینا ہے
ہر اک موج اس کی دکھلاتی ہے شان بحر یکتائی

کیا جبریل نے آ کر وضو اس آب خالص سے
کبھی رونے کی فرصت ہجر میں میں نے اگر پائی

پرستش میرے داغوں کی ہوئی ہے اہل عرفاں میں
یہاں تک عشق میں کامل ہوا اے جان شیدائی

---

۱ صحیفۂ ولا۔۵

مجھے اتنے دنوں بسمل بنا کر کیا ملا تم کو
کہا یہ حسن نے اے دشمن ادراک و دانائی [۱]

عزیزؔ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کے اظہار میں ایک نئی لَے سے کام لیا ہے جو ان کی مخصوص ہے۔ اس ایک مضمون میں اضطراب، بیقراری اور تڑپ، ان ساری کیفیات کو ایک جا جمع کر کے حسن و عشق کے مکالمے سے مضمون آفرینی کا نادر نمونہ پیش کیا ہے۔

عشق کے شکوہ کے بعد حسن کا جواب بھی سن لیجیے جس میں شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت یعنی حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی زبان سے اس طرح بیان کر رہا ہے:

بہت دن نوح و ابراہیم کی یوں پشت بانی کی
کہ ان اصلاب پاکیزہ میں کی ہے جلوہ آرائی

جب آیا صلب عبدالمطلب تک رفتہ رفتہ میں
ہوا قدرت کو تازہ پھر خیال بزم آرائی

جگہ دی صلب عبداللہ میں مجھ کو مشیت نے
ادھر صلب ابوطالب میں حیدر نے جگہ پائی

بھرا ہے رنگ جلووں نے مرے نقش نبوت میں
مصور نے بنائی تھی فقط شکل ہیولائی

مداوا اے دل بیتاب کیوں کر مجھ سے ممکن تھا
میں تجھ سے کس طرح ملتا، بتا اے عشق سودائی

یہ سن کر عشق کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے
کہا اچھا کریں تا چند اب صبر و شکیبائی [۲]

عزیزؔ عشق کی زبانی حسن پر فریفتگی کے مضمون کو پر اثر انداز میں نہایت طول دیتے ہیں اور بارگاہ ایزدی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے مضمون کو بھی دلنشیں پیرائے میں حسن کی زبانی اس طرح پیش کرتے ہیں:

---

[۱] صحیفہ ولا: صفحہ-۵، ۶

[۲] صحیفہ ولا: صفحہ-۶۶

وہ صورت گر کہ جس نے داد چاہی نقش اوّل کی
نمائش میں ازل کی میری صورت تجھ کو دکھلائی

وہ صورت گر کہ جس کو عشق تھا یہ اپنی صنعت سے
مری پرچھائیں تک اس نے زمانے کو نہ دکھلائی

بتا انصاف سے محبوب میں اس کا ہوں یا تیرا
محبت وہ کرے گا مجھ سے یا تو ہوگا شیدائی

یہ سن کر جوش پیدا ہوگیا نالہ فروشی کا
جنابِ عشق کے چہرے پہ اک افسردگی چھائی [۱]

عشق سرگزشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنی والہانہ کیفیت کا برابر اظہار کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا یہ نیازمندانہ انداز خدائے قدوس سے رقابت کا رنگ پیدا کر لیتا ہے۔اس کے جواب میں حسن کی طرف سے سرزنش کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

معاذ اللہ خدا سے بھی ہے آمادہ رقابت پر
میں کرتا تجھ پہ حد جاری اگر ہوتا نہ سودائی

کہا یہ عشق نے اب اور حد شرع کیا ہوگی
بنا کر مجھ کو دیوانہ بنے ہو خود تماشائی [۲]

آخر عشق کو حسن کی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشا جاتا ہے اور اس کے اس جذبہ کی قدر افزائی ہوتی ہے۔

عزیز نے ۱۲۱، ابیات کے اس قصیدے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فداکارانہ جذبے کی ترجمانی جس طور پر کی ہے وہ ان کا خاص رنگ ہے۔ان کے بیان میں ان کے عقیدے کی جھلک بھی جگہ جگہ نظر آتی ہے اور قصیدے کے آخری حصے میں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ:

کہا یہ عشق نے منزل مری ہے قلب حیدر میں
وہیں کرتا ہوں سیر عالم توحید و یکتائی [۳]

---

۱۔ صحیفہ ولا: صفحہ-۷ ۲۔ صحیفہ ولا: صفحہ-۸
۳۔ صحیفہ ولا: صفحہ-۸

تو ان کا مسلک واضح ہو جاتا ہے۔

''بہار ربیع''، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وِلادت کا بیان ہے جس میں بہاریہ تشبیب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اس طرح کہی ہے:

نوید آدم وحوّا کو دے کوئی جاکر
کہ وجہ خلقت دنیا کا اب ہوا اظہار

ذرا کوئی ارنی گوئی طور سے کہہ دے
دکھائیں آج یہاں آ کے طاقت دیدار

وہ باب شہر پناہ طلسم فطرت پر
وفور جوش میں باندھا گیا ہے بند ہنوار

نگار خانہ ابداع میں ہے بزم سرور
حریم کن میں بپا مجلس طرب آثار

وہ گل کھلایا ہے فطرت کے موقلم نے آج
کہ گر گئے ہیں نگاہوں سے سارے نقش ونگار

ہوئی خموش کہ دیر آید و درست آید
وگر نہ جوش میں شق ہوئی کعبہ کی دیوار

گھٹا اٹھی ہے وہ بالائے خانۂ کعبہ
ادھر بھی ہاں مرے ساقی کہ ہوں ابھی ہشیار

ٹپک رہی ہے اشاروں سے داروئے مستی
ہزار جام و صراحی تری نگہ پہ نثار

خطوط ساغر جم ہوں تو دیکھ لے انساں
یہ کون دیکھ سکے چشم سرمگیں کا خمار[1]

شاعر نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لئے عبدالمطلب کو شوق کے طومار سے دو چار دکھایا ہے اور قصیدہ کو دعائیہ شعر پر اس طرح ختم کیا ہے:

---

[1] صحیفہ ولا: صفحہ-۱۳، ۱۴

جہاں میں رونق اسلام تا بہ حشر رہے
بحق سید سادات و آلہ الاطہار[۱]

قصیدۂ معراجیہ میں تغزل کے رنگ میں معراج کا بیان ہے۔ اس میں مکالمے کی صورت پیدا کر کے مضمون کو زیادہ دلنشین اور دلآویز بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ عزیزؔ کے کلام کی یہ خصوصیت ان کے یہاں جگہ جگہ پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں:

میں نے یہ کہا ہاتھ سر دوش تھا کس کا
فرمایا نہ پوچھ اس کو وہ تھی اور ہی ایک بات

کس نے لیا تھا بوسۂ پا ہائے مبارک
یہ تو مجھے بتایئے اے قبلۂ حاجات

فرمایا وہ تھی عرش الٰہی کی جسارت
مانع ہوئی مجھ کو روش حسن مراعات

میں نے کہا فرمایئے خلوت میں ہوا کیا
فرمایا یہ ہیں راز نہ کر ایسے سوالات[۲]

اس کے بعد شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان اس طرح کرتا ہے:

سایہ بھی جدا جسم سے ہوتا نہیں دن رات
زور کشش حسن خداداد کی کیا بات

کیا ذکر مرا دل بھی ہے میرے تو زباں بھی
مشتاق رہے تیرے تکلم کے جمادات

سونے میں بھی وا چشم حقیقت نگری ہے
یکساں ہیں تیرے واسطے سب دن ہوں کہ ہو رات

ہوں راز جلی یا کہ خفی تجھ پہ ہویدا
تو دیکھ رہا ہے عقب و پشت کے حالات

---

۱ صحیفہ ولا: صفحہ-۲۵
۲ صحیفہ ولا: صفحہ-۱۸

تو شارح آیاتِ کتابِ تقدیس
خلوت کدۂ حسن کی ہمراز تری ذات
کس منھ سے کہوں کیفیت لذت تقریر
واللہ کہ میں وحی سمجھتا ہوں تری بات
زلفوں سے تری چیں بہ جبیں کا ہے اشارہ
ہو معجزۂ شق قمر آئی ہے اب رات
کہتے ہیں اسی واسطے تجھ کو ابوالارواح
تھا نور ترا مظہر ارضین و سماوات [1]

عزیزؔ کے قصائد میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جمالی شان سے زیادہ جلالی شان پائی جاتی ہے۔ عزیزؔ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں جہاں رنگ تغزل اختیار کیا ہے وہاں آپ کے حقیقی اوصاف کے بیان میں قرآن اور حدیث کے مضامین کو بھی اپنے خاص انداز میں نظم کیا ہے۔ ان کی نظر حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف زاویوں سے دیکھتی ہے۔ اسی لئے وہ کبھی حسن وعشق کی زبان بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کرتے ہیں، کبھی قرآنی لمحات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو اجاگر کرتے ہیں، کبھی عالم ملکوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلال کا نقشہ کھینچ کر کائنات پر آپ کی برتری کا پرشکوہ مضمون باندھتے ہیں اور کبھی عالم امکاں میں آپ کی پیمبرانہ حیثیت اور اس کی برکات کو نہایت حسن وخوبی سے پیش کرتے ہیں۔ اس آخری خصوصیت کی مثالیں قصیدوں کے علاوہ ہم ان کی نعتیہ نظموں یعنی ''پیغمبر اسلام''، ''فلسفی امّی''، ''محمد مصطفیٰ'' وغیرہ میں بھی پاتے ہیں۔ مثلاً

بزم توحید سے تبلیغ کا نامہ آیا
کوئی پہنے ہوئے قرآن کا جامہ آیا
جس نے اسلام کے پیچیدہ مطالب کھولے
سر پہ باندھے وہ فضیلت کا عمامہ آیا

---

[1] صحیفہ ولا: صفحہ-۱۸، ۱۹

چشمِ مژگاں سے لکھے اس نے ہزاروں دفتر
جس کے مکتب میں دوات آئی نہ خامہ آیا[1]
عرب کے جاہل عرب کے سرکش جن کا جوہر درندگی تھا
یہی ہے وہ ''فلسفی امّی'' کہ جس نے اس قوم کو سنوارا
زمین شورِ عرب پہ آ کر بنائے اخلاق اس نے ڈالی
وہی یتیموں کا آسرا تھا وہی ضعیفوں کا تھا سہارا[2]

عزیزؔ نے مترنم بحروں، سبک اور رواں الفاظ سے لطافت اور عذوبت کا سامان کیا ہے۔ وہ منتخب الفاظ سے کلام کی معنویت میں وسعت پیدا کرتے ہیں۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطالب کا بیان ان کے کلام کی خاص خوبی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف کے بیان میں عزیزؔ کی گلفشانی ان کی انہی خصوصیات کی آئینہ دار ہے:

وہ عقد کشائے آفرینش — سلطان خرد رئیس دانش
وہ سرورِ سروران محمد — سرخیل پیمبران محمد ﷺ
وہ حاکم کشور کفایت — وہ گوہر معدن رسالت
وہ نور نگاہ آفرینش — وہ پشت و پناہ آفرینش
وہ صاحب منبر و افلاک — زیبا ہے جسے خطاب لولاک
داعی و مقدر و مذکر — امی و مزمل و مدثر
ظاہر میں تو ختم مرسلیں ہے — پر نقطۂ خطِّ اولیں ہے[3]

کلام کی یہی دلآویزی ہم صحیفہ ولا کے منظوم مقدمہ میں بھی پاتے ہیں۔ مضمون کی شگفتگی سے عزیزؔ نے اپنی شگفتہ خاطری اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے قلب ونظر کی زندگی کا ثبوت دیا ہے۔ کلام کی ابتداء ثنائے آقائے نامدار سے اس طرح ہوتی ہے:

---

[1] صحیفہ ولا: صفحہ-۳۲۶
[2] صحیفہ ولا: صفحہ-۳۲۸، ۳۲۹
[3] صحیفہ ولا: صفحہ-۳۳۰

بہار گلشن الفقر فخری     طراز دامن الفخر فخری
نگین خاتم سلمان منا     خدیو عالم سلمان منا
محمد ﷺ شہسوار ملک ہستی     محمد ﷺ رونق گلزار عالم
خدیو کشور کن شاہ لولاک     کہ جس کے فرش پا انداز افلاک
ہر اک ذرہ تھا جس پانی کا ترسا     عرب کی خشک ریتی پر وہ برسا
دکھایا زور تسخیر نظر کا     لگا کر سرمہ مازاغ البصر کا
کہاں اس خاک غار آ گیں کا منظر     کہاں دامان وحدت کا گل تر
شرف اس کے در دولت نے پائے     ملائک بھیس میں سائل کے آئے[1]

غرض یہ کہ عزیزؔ کے نعتیہ کلام میں ان کے خلوص کی فراوانی، خیالات کی ندرت، مضامین کی شگفتگی، طرز بیان کی دلآویزی اور شکوہ الفاظ سے ان کی اعلیٰ صلاحیت اور استادانہ قابلیت کا پتا چلتا ہے۔ ان کا علم و فضل ہر جگہ نمایاں ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے خیالات کی وسعت اور گہرائی اپنے اظہار کے لئے الفاظ کو تہی دامان پاتی ہے جس کی بنا پر کہیں کہیں اشعار کا مطلب سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ان کے کلام میں چند مقامات پر بعید از فہم معنویت اور مذہبی تلمیحات کی وجہ سے بھی اس دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مثال شاذ ہیں پھر بھی معدوم نہیں۔

## علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؔ

اقبالؔ ۱۸۷۶ء میں بمقام سیالکوٹ پیدا ہوئے۔ مکتب کی تعلیم کے بعد مدرسہ میں داخل ہوئے۔ انٹرنس کا امتحان پاس کر کے اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے ایف، اے کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں تعلیم کے لئے لاہور جانا پڑا اور ایم. اے کی ڈگری وہیں سے حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ عرصے کے لئے اورنٹیل کالج لاہور اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر رہے۔ ۱۹۰۵ء میں تعلیم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے اور وہاں بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے علاوہ فلسفہ میں پی. ایچ. ڈی. کی ڈگری بھی حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں ہندوستان واپس آئے۔

شاعری میں اقبالؔ نے داغؔ کی شاگردی اختیار کی لیکن ان سے فیض صرف زبان کی حد تک

---

[1] صحیفۂ ولا۔ مقدمہ (الف)

حاصل کیا۔ان کی طبیعت کا فلسفیانہ رنگ غالبؔ کی تقلید کا آئینہ دار ہے۔اقبالؔ کی قومی شاعری نے اخلاقی ،فلسفیانہ اور حکیمانہ نکتہ رسی سے کام لے کر شعری کیفیتوں سے عمل کے لئے دلوں کو گرمایا اور مایوسی اور احساس کمتری کو دور کر کے خودداری اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔

اقبالؔ نے فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ ان کے اُردو کلام کے مجموعے ''بانگِ درا''''بالِ جبریل'' اور ''ضرب کلیم'' ہیں۔ایک عرصے تک بیمار رہنے کے بعد اقبال نے ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ءکو اس جہان فانی کو خیر باد کہا اور لاہور میں دفن ہوئے۔

نعت گو شعراء کی تین قسمیں ہیں۔ایک ایسے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو محض رسمی طور پر یا برکت کے لئے دیوان میں چند نعتیہ غزلیں یا قصیدے لکھ لیتے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ ہے جو سیرت طیبہ کے محاسن و اوصاف کی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت رکھتا ہے لیکن تیسری جماعت ایسی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اُن کی وجہ سے چاہتی ہے اور ان کے عشق میں مرنے کو جینا سمجھتی ہے چنانچہ (۱) نعت برائے برکت ۔(۲) نعت برائے سیرت اور (۳) نعت برائے محبت۔تین قسمیں ہیں اور آخری قسم میں بھی فرق مراتب ہے۔ اقبالؔ موجودہ دور میں جہاں دوسری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں وہاں تیسری جماعت کے بھی امام ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنتے ہی تڑپ جاتے تھے۔

اقبالؔ نے اردو میں نعت بہت کم لکھی ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے اس کا جواب بہ مشکل نظر آتا ہے۔ان کا نعتیہ کلام فارسی میں زیادہ پایا جاتا ہے۔

''بانگ درا''[ا] جو سنہ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی تھی اس کی بکثرت نظموں میں حجازی لے اور

---

ا رموز بیخودی کے آخر میں ''عرض حال مصنف بہ حضور رحمۃ للعالمین'' ہے۔جس کے چند ابتدائی اشعار دور حاضر کی نعت میں بے مثل ہیں۔

اے ظہور تو شباب زندگی　　جلوہ ات تعبیر خواب زندگی

اے زمیں از بارگاہت ارجمند　　آسمان از بوسۂ بامت بلند
شش جہت روشن زتاب روئے تو　　ترک تاجیک و عرب ہندوئے تو
از تو بالا پایۂ ایں کائنات　　فقر تو سرمایۂ ایں کائنات
در جہاں شمع حیات افروختی　　بندگاں را خواجگی آموختی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حجازی مئے پائی جاتی ہے۔ ''حضور رسالت مآب'' (بانگِ درا صفحہ ۲۱۸) میں اقبالؔ نے اس طرح حضوری حاصل کی ہے:

حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی　　تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' میں بھی اسی مئے کی سرشاری ہے۔

''جنگ یرموک کا ایک واقعہ'' ''مذہب'' ''شب معراج'' ''طلوع اسلام'' وغیرہ سب نظموں میں اس عشق کا پرتو موجود ہے۔ اور اقبالؔ نے حقیقت میں اسی محبت اور عشق کی وجہ سے اقبال حاصل کیا ہے۔

اقبالؔ کی تعلیمات کا مرکز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں حیات انسانی کے لئے مکمل نمونہ دیکھتے ہیں۔ ان کی شاعری اگر زندگی

---

پچھلے صفحہ کا بقیہ.............................

اسرار خودی میں کہتے ہیں:

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است　　آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے متعلق یہ اشعار عجیب و غریب جذبات و کیفیات کا آئینہ ہیں اور اس فطری ذوق کی غمازی کر رہے ہیں جس کی تربیت بچپن ہی سے ہوئی ہے اور ان کے ضمیر میں داخل ہے۔

''پیام مشرق'' میں بھی یہی عشق جگہ جگہ کارفرما ہے کیونکہ وہ ایک جگہ صاف کہتے ہیں:

باخدا در پردہ گویم با تو گویم آشکار　　یا رسول اللہ اوپنہاں و تو پیدائے من

چنانچہ یہ عشق بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچا کہ اقبالؔ اپنے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقش گم کردہ ہو کر حاضر ہونے لگے اور اللہ پاک سے یہاں تک التجا کرنے لگے کہ:

تو غنی از ہر دوعالم من فقیر　　روز محشر عذر ہائے من پذیر
ورحسابم را تو بینی ناگزیر　　از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اقبالؔ نامہ حصہ اوّل صفحہ 338 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعہ محمد رمضان عطائی کو بخش دیا تھا۔ اور بعد میں ''ارمغان حجاز'' میں اس مضمون کو اس طرح پیش کیا ہے:

بہ پایاں چوں رسد ایں عالم پیر　　شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجۂ ما　　حسابِ من ز چشم او نہاں گیر

پس چہ باید کرد میں بھی یہی رنگ ہے اور آخر میں ''ارمغان حجاز'' میں یوں کہتے ہیں:

دریں پیری رہ یثرب گرفتم　　نواخوان از سرورِ عاشقاں
چو آں مرغے کہ دو صحرا سر شام　　کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

اور ''بمصطفیٰ برساں خویش را'' کے پُر جوش نغمے آخر عمر تک سنائی دیتے رہے۔

کی تفسیر ہے تو حقیقت میں وہ زندگی یہی اسوۂ حسنہ ہے۔انہوں نے اس ایک مضمون کو فلسفیانہ رنگ دے کر سوسو طرح سے باندھا ہے۔ان کا مردِ مومن، مرد قلندر اور مرد خودی اس بارگاہ کے تربیت یافتہ ہیں، جس کی ادنیٰ سی توجہ مٹی کو اکسیر بنا سکتی ہے۔اگر اقبالؔ کی شاعری اخلاقی اور روحانی مقاصد رکھتی ہے تو ان کی قدروں کو متعین کرنے کے لئے وہ اس مکمل کتابِ زیست کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ وہ اس کے حسنِ صداقت سے خود بھی مسحور ہو جاتے ہیں اور اس کے بیان سے دوسروں کو بھی مسحور کرتے ہیں۔

ہر شاعر میں شعر گوئی کے لئے حسن کا شعور اور حسن پرستی کا بے پایاں جذبہ فطری امر ہے۔اس لئے شاعر کا تخیل حسن کی تلاش میں وادی وادی کے چکر لگاتا ہے اور اکثر فریبِ حسن کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ظاہر پرست نظر رنگ و بو میں الجھ کر حقیقت حال تک نہیں پہنچتی۔

یہی وجہ ہے کہ شاعر کے فکر کی ساری کاوشیں بے مقصدی کی تہمت سے بچ نہیں سکتیں لیکن جو حسن کہ صداقت کی راہ سے دل و دماغ پر روشن ہوتا ہے وہ وجود کے اندر ایک لازوال کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔اقبالؔ کا دل جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لئے فریفتہ ہے کہ وہ اسے صداقت کے پیکر میں جلوہ گر پاتے ہیں۔انسان کی افضلیت اور اس کے کمال کی آخری منزل اقبالؔ کو حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں نظر آتی ہے، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ان کے کلام میں جگہ جگہ کارفرما ہے۔ وہ زندگی کی کامرانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ بارگاہ ایزدی میں مسلمانوں کی زبوں حالی کی شکایت کرتے ہوئے بھی اس عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سہارے اللہ تعالیٰ سے امت محمدی کی گئی ہوئی عظمت کی عطا کی امید باندھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے عتاب کا سبب ان الفاظ میں دریافت کرتے ہیں:

تجھ کو چھوڑا کہ رسول عربی کو چھوڑا ۔۔۔ بت گری پیشہ کیا بت شکنی کو چھوڑا
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا ۔۔۔ رسم سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا[1]

پھر ''جواب شکوہ'' میں اللہ تعالیٰ کا جواب بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے:

کون ہے تارکِ آئین رسول مختار ۔۔۔ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار

---

[1] بانگ درا: صفحہ-۱۸۳

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار　　ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں　　کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں[1]

اور بارگاہ ایزدی سے تلقین ہوتی ہے تو حصول عظمت کے لئے اس عشق کو پیدا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے:

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے　　دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کردے[2]
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں[3]

''صدیق'' کے عنوان سے جو نظم اقبالؔ نے لکھی ہے اس میں بھی اسی عشق کے مضمون کو باندھا ہے:

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا　　جس سے بنائے عشق ومحبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت　　ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
ملکِ یمن و درہم و دینار و رخت وجنس　　اسپ قمر سُم و شتر و فاطر و حمار
بولے حضور چاہئے فکر عیال بھی　　کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر　　اے تیری ذات باعث تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس　　صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول ﷺ بس[4]

اقبالؔ جہاں بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں وہاں عشق رسول کے مضمون کو ضرور باندھتے ہیں اور حقیقت میں یہی ایمان کی اصل بھی ہے۔ ''جنگ یرموک کا ایک واقعہ'' جو علامہ مرحوم نے نظم کیا ہے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فدائی کی یہی داستان ہے جو فراق سے بے چین ہوکر بقائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رخصت پیکار کی درخواست امیر لشکر سے کر رہا ہے۔ اقبالؔ نے واقعہ کو جس سادگی اور صفائی سے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے وہ شاعر کی داخلی کیفیت کی آئینہ داری کرتا ہے:

---

[1] بانگ درا: صفحہ-۲۲۵۔
[2] بانگ درا: صفحہ-۲۳۱۔
[3] بانگ درا: صفحہ-۲۳۲۔
[4] بانگ درا: صفحہ-۲۵۰-۲۵۱۔

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام
اک نوجوان صورت سیماب مضطرب
آ کر ہوا امیر عساکر سے ہم کلام
اے بوعبیدہ رخصت پیکار دے مجھے
لبریز ہوگیا مرے صبر و سکوں کا جام
بیتاب ہورہا ہوں فراق رسولﷺ میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضورﷺ رسالت پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام
یہ ذوق شوق دیکھ کے پُرنم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
بولا امیر فوج کہ وہ نوجواں ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا واجب ہے احترام
پوری کرے خدائے محمدﷺ تری مراد
کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہ رسول امیں میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا وہ خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کئے تھے حضور نے[1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان میں بھی اقبالؔ کے یہاں اسی عشق کا مضمون ملتا ہے۔ یہاں تک کہ نگاہ عشق و مستی میں صرف یہی ایک حقیقت جلوہ فرما ہے:

---

[1] بانگِ درا: صفحہ ۲۷۸-۲۷۹

وہ دانائے سبل ختم الرسل دانائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادئ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طاہا[1]

علامہ اقبالؔ کے نعتیہ کلام میں حکمت آفرینی کی مثالیں جگہ جگہ پائی جاتی ہیں۔ وہ ہر مضمون میں اسی فکر ونظر کی ترجمانی کرتے ہیں جوان کے فلسفۂ حیات سے متعلق ہے۔

یوں مدینہ طیبہ کی تعریف میں اکثر نعت گو شعراء نے نغمہ سرائی کی ہے اوراس خصوص میں عام رنگ غزل سرائی کا ہے۔اقبالؔ نے بھی دیارحبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں شعر کہے ہیں لیکن یہاں بھی ان کا انداز ہر لحاظ سے اچھوتا ہے۔وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کو مقامی حد بندیوں سے نکال کر ایک مرکز سے وابستہ دکھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرکزیت پر مسلمانوں کے ایمان سے یثرب کی مرکزیت کا دلآویز مضمون پیدا کیا ہے:-

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا
خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کی ملی
جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کی ملی
نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے وارث مسند جم کے ہوئے
ہے اگر قومیت اسلام پابند مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی نہ فارس ہی نہ شام
آہ یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

---

[1] بال جبریل: صفحہ-۴۱ (اشاعت اوّل ۱۹۳۵ء)

جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں ۱؎

اقبالؔ کی حکیمانہ نظر نے زندگی کی تعمیر کے لئے خودی کی تکمیل میں لازوال برکت دیکھی ہے۔ انہوں نے اس آشکارۂ خودی کے مسئلے کو شعری لطافتوں میں بسا کر فلسفیانہ انداز میں دلائل کی قوت کے ساتھ پیش کیا ہے اور ایک مضمون کو سوڈھنگ سے باندھا ہے لیکن عروج آدم کی اس ساری داستان کی کڑیوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے تو ہمیں مسلسل ایک ہی حقیقت ملتی ہے اور وہ حقیقت اتنی عظیم الشان ہے کہ انسان کے فکر و نظر کی حدیں وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔

اقبالؔ کے فلسفہ کی ابتداء کائنات میں انسان کی افضلیت کے مسئلے سے ہوتی ہے۔ وہ اس خاک کے پتلے میں حیرت انگیز ممکنات دیکھتے ہیں اور وہ اس ''لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم'' کی تعبیر کرتے جاتے ہیں۔ وہ انسان کے بلند مقام کے سامنے فرشتوں کو بھی حیرت زدہ دکھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مقام مصطفائی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر عرش و کرسی تک اس کی کبریائی کی زد میں دیکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے تجزیہ کیا جائے تو اقبال کا سارا کلام اس زندگی کی تفسیر ہے جس کی سربلندی آسمانوں کو بھی سرنگوں کئے ہوئے ہے۔ فلسفہ خودی کے بیان میں اقبالؔ نے اس نکتہ کی اس طرح وضاحت کی ہے:

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی ﷺ ‏ خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش ‏ خودی کی زد میں ہے ساری خدائی ۲؎

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا یہ ایک نرالا ڈھنگ ہے جو علامہ اقبالؔ نے اپنے کلام میں اختیار کیا ہے۔ اقبالؔ کے کلام کو اس نظر سے دیکھا جائے تو اس کا سارا فلسفیانہ رنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ثنا خوانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ جہاں علامہ کی شاعری کو اپنی دیگر خصوصیات کی بناء پر حیات جاودانی حاصل ہے وہاں ان کے کلام کی یہ نعتیہ خصوصیت بھی انہیں مجتہدانہ حیثیت بخش رہی ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا یہ انداز نہ تو عربی

---

۱؎ بانگ درا: صفحہ-۱۵۷

۲؎ بالِ جبریل: صفحہ-۱۱۸

شاعری کو نصیب ہے اور نہ فارسی شاعری میں یہ صورت پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے اقبالؔ کا مقام نعت گو شعراء میں منفرد ہے۔

## مولانا ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں ۱۸۷۰ء میں کوٹ مہرتھ ضلع سیالکوٹ، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مشن اسکول وزیرآباد میں حاصل کی پھر ۱۸۹۲ء میں علی گڑھ کالج سے ایف.اے کا امتحان پاس کیا۔ کشمیر میں ڈاک اور تار کے سررشتہ میں ملازم ہوگئے۔ لیکن اعلیٰ افسر سے نبھ نہ سکی لہٰذا ملازمت سے علاحدہ ہوکر پھر علی گڑھ آ گئے اور بی اے کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا۔ کچھ مدت تک نواب محسن الملک کے سکریٹری رہے۔ پھر حیدرآباد چلے گئے اور فوج میں ملازمت کرلی۔ وہاں سے دارالترجمہ حیدرآباد (دکن) سے وابستہ ہوگئے اور ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ہوم سکریٹری کے عہدے تک پہنچے۔ جب سربلند جنگ ہوم سکریٹری ہوئے تو ان سے بن نہ سکی اور آخر ملازمت سے بیزار ہوکر بمبئی چلے گئے اور وہاں کمرشیل ایجنسی قائم کی لیکن ادیبانہ مزاج کے ساتھ تجارتی کاروبار چل نہ سکا۔ اب مولانا نے دکن ریویو نکالا۔ اس عرصے میں عزیز مرزا ہوم سکریٹری ہوگئے۔ ان کے بلانے پر پھر حیدرآباد گئے اور لیجسلیٹیو اسمبلی کے رجسٹرار مقرر ہوئے۔ اب مولانا نے لارڈ کرزن کی تالیف خیابان فارس کے اُردو ترجمہ کی وجہ سے بہت شہرت پائی۔ داغؔ نے جو اس کی تقریظ لکھی وہ حقیقت میں ظفر علی خاں صاحب کی ادبی صلاحیت کا اعتراف ہے۔

مولانا اپنی صاف گوئی، بیباکی، خودداری اور حریت پسندی کی وجہ سے چھوٹے دل و دماغ کے لوگوں کی محکومی کو نباہ نہ سکے۔ چنانچہ بالآخر انہیں ملازمت کی ذلت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ لاہور پہنچے۔ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ''زمیندار'' اخبار کو اب خود ہی سنبھالا اور اسے وزیرآباد سے لاہور منتقل کردیا۔ مولانا کی ادارت میں اخبار کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔ بڑے بڑے معرکے اس اخبار نے سر کئے۔ اور بڑی بڑی دشواریوں سے اسے دوچار ہونا پڑا۔ آج بھی ''زمیندار'' کا نام کون نہیں جانتا۔ یہ اخبار اب تک چل رہا ہے۔ مولانا نے قومی بیداری اور آزادی کی جدوجہد کے لئے جملہ مصائب کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کیا اور ۱۹۳۶ء تک برابر وقفے وقفے سے قید کی مشقت برداشت کرتے رہے۔ مولانا کی زندگی کے تقریباً بارہ سال قید

فرنگ میں کٹے۔ جنگ بلقان کے سلسلے میں طبی وفد کے ساتھ بلقان بھی گئے۔ شاعری کے علاوہ تقریر اور تحریر میں بھی انہیں زبردست ملکہ حاصل رہا۔ زور اور روانی بہت ہے۔ ترجمہ کرتے وقت نئے نئے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اس خصوصیت میں بھی وہ نہایت ممتاز ہیں۔

''معرکۂ مذہب وسائنس'' ''غلبہ روم (منظوم ڈرامہ)'' ''جنگ روس و جاپان'' مولانا شبلی کی الفاروق کا انگریزی ترجمہ وغیرہ ان کی خاص تصانیف ہیں۔ ان کے علاوہ ان کا کلام ''بہارستان'' ''چمنستان'' اور ''نگارستان'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ حال ہی میں لاہور میں مولانا ظفر علی خاں صاحب کی ۸۳ ویں سال گرہ منائی گئی۔ کبر سنی اور صحت کی خرابی کی بناء پر مولانا اس وقت معذور ہیں۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے لاہور کے ایک روزنامے سے سال گرہ کی روداد کو ''درسِ عبرت'' کے عنوان کے تحت نقل کرکے جو تبصرہ فرمایا اس سے مولانا ظفر علی خاں کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہفتہ وار صدق جدید لکھنؤ سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

''ایک لاہوری روزنامے سے۔

''کل اس عظیم شخصیت کی ۸۳ ویں سال گرہ منائی گئی ہے جس نے اردو صحافت کی روایت میں نئے تجربہ کی بنیاد ڈالی اور صحافت کی نئی نئی راہیں تراشیں۔ لاہور کے جلیل القدر صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں نے کرم آباد میں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا۔...... مہمانوں کی آمد کے تھوڑی دیر بعد مولانا اختر علی خاں اور دو ایک صاحب بابائے صحافت کو سہارا دے کر لائے۔ ظفر الملت شدت بیماری سے بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ چل کر آ سکیں۔ لیکن مشتاقانِ دید کے اضطراب کے پیش نظر وہ جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے۔ سب سے پہلے آگے بڑھ کر مولانا سالک نے مصافحہ کیا اور خیریت پوچھی۔ ظفر الملت کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہوگئی۔ لیکن لب صرف پھڑ پھڑا کر رہ گئے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ قبلہ مولانا کی قوت گویائی بالکل ختم ہوگئی

ہے تو حاضرین کے چہرے اداس ہو گئے اور پلکیں نیم گرم آنسوؤں
سے بھیگ گئیں۔''

اللہ اللہ! یہ کون ظفر علی خاں ہیں جو آج نئی نسل کے لئے گمنام اور بے نشاں سے ہیں اور ابھی کل تک جن کا یہ دبدبہ، یہ طنطنہ تھا کہ شہر لاہور اور صوبہ پنجاب کیا معنی، ہندوستان بھر کے کسی حصہ میں کوئی بھی بڑی تحریک شروع ہو اور ممکن نہ تھا کہ اس کے نقیب یا اس کے حریف کی حیثیت سے ظفر علی خاں صف اوّل میں نہ ہوں!...... یہ قوت گویائی کس کی سلب ہو گئی ہے اور ''ہاں''۔''نہ'' کہنے تک سے آج کون معذور ہو گیا ہے! وہ جس کی قوتِ تقریر کا یہ عالم تھا کہ گھنٹوں بے تکان بولتا چلا جاتا تھا ہزار ہا کے مجمع میں کونے کونے تک اپنی آواز پہنچا دیتا تھا اور مخالفت کرنے والوں کے شور وغل کرنے پر بھی اسی کی آواز مجمع پر غالب رہتی تھی! اس منظر کی گواہی دینے والے لوگ بھی ابھی ہزار ہا کی تعداد میں موجود ہیں۔[1]

مولانا ظفر علی خاں کی شاعری ان کی زندگی کے حالات میں پروان چڑھی جو ملک کی عام سیاسی بیداری کی بناء پر ایک مسلسل جد وجہد کی صورت میں نمودار ہوئے۔ مولانا جنگ آزادئ ہند کی تحریک کو عملی طور پر آگے بڑھانے میں نمایاں طور پر پیش پیش رہے ہیں۔ ان کا شمار ان سربرآوردہ قائدین میں ہے جن کی تحریر، تقریر اور گونا گوں مساعی کے ساتھ جرأت آموز قربانیوں نے ایک ایسا ماحول پیدا کیا جس میں ہندوستان کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک ایک عام احساس بیدار ہوا۔ ماضی کی عظمت کا احساس، حال کی نکبت سے بیزاری اور مستقبل کے شکوہ کی امید میں تڑپ، اضطراب، بے چینی، پریشانی اور آلام ومصائب اس دور کی برکتیں ہیں جن سے قوم میں زندگی کے آثار کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس مقصد کے حصول کے لئے خصوصاً مسلمانوں کو ان کی مذہبی روایات کو یاد دلا کر ابھارا۔ یہ فطری امر بھی تھا اس لئے کہ مولانا کی زندگی کی صلاحیتیں اپنے اندر مجاہدانہ رنگ کے ساتھ حکیمانہ نظر اور مذہبی جذب وفکر لئے ہوئے تھیں۔ ملت کی زبوں حالی پر ان کا دل ہمیشہ تڑپتا رہا۔

مولانا ظفر علی خاں کی شاعری میں ہم ان کی زندگی کے یہ سارے تاثرات پاتے ہیں، جن میں مذہبی تاثر نہایت نمایاں ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں اس والہانہ جذبے کی فراوانی

---

[1] صدق جدید لکھنؤ یوم جمعہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ ہجری ۴ر فروری ۱۹۵۵ء۔ صفحہ ۱-۲

پائی جاتی ہے۔ اسلام کی عظمت کے مضامین سے ان کا کلام پُر ہے۔ ہر وہ چیز جسے اسلام سے برائے نام بھی لگاؤ ہے انہیں عزیز ہے۔ جس کلمہ گو کے رگ و پے میں اللہ اور اس کے دین سے اس درجہ الفت بسی ہوئی ہو اس کے دل میں حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گہرا نقش ہونا ایک لازمی امر ہے۔ چنانچہ مولانا نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جا بجا مدح سرائی کر کے اس عقیدت مندی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کا یہ جذبہ ''فریاد بحضور'' ''سرور کونین'' ''صلّوا علیہ وآلہ'' ''رحمۃ للعالمین'' ''شب معراج'' ''التجا بحضور سرور کائنات'' ''نذر محقر'' ''عرضداشت امت'' ''اسلامیان ہند کی فریاد'' ''نذر عقیدت'' ''جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' ''صاحب قاب قوسین او ادنیٰ'' ''عرش سے فرش تک'' ''مقام محمود'' ''تاجدار عرب وعجم'' ''فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم'' ''عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' ''نور حقیقت'' ''صاحب معراج'' ''نوید مسیح'' ''چشمۂ آب بقا'' ''اللہ والے'' ''انک انت الاعلیٰ'' ''عالم و عامل'' ''اطاعت و استطاعت''[1] ''شان احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' ''شان مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم'' ''من کان اللہ کان العدلہ''[2] وغیرہ میں جلوہ گر ہے۔

مولانا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف بیان کئے ہیں۔ اس لئے کلام میں جا بجا قرآن اور حدیث کی تلمیحات ملتی ہیں، یہاں تک کہ بعض نظموں کے جو عنوانات قائم کئے ہیں وہ قرآنی آیات کے ٹکڑے ہیں۔ مثلاً **رحمة للعالمين۔ صلوا عليه وآله۔ صاحب قاب قوسين او ادنىٰ۔ انك انت الاعلىٰ۔ ان الله وملائكته يصلون على النبى۔ يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما۔** ان عالمانہ رنگ کے باوجود مضامین نہایت عام فہم اور دلنشیں ہیں۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے لئے جو واقعات نظم کئے ہیں وہ بھی حقیقت میں احادیث ہی کے مضامین ہیں۔ مثلاً عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے جرمِ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قتل کا روح فرسا واقعہ نہایت قوت سے بیان کیا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی کے متعلق جناب شورش کاشمیری کا خیال ہے کہ ''ان کے

---

[1] ملاحظہ ہو ''بہارستان'' از ظفر علی خاں۔ مطبوعہ عالمگیر الکٹرک پریس لاہور ۱۹۳۷ء

[2] ملاحظہ ہو ''چمنستان'' از ظفر علی خاں۔ ناشر پبلشرز یونائیٹڈ لاہور ۱۹۴۴ء

ممدوحین کی فہرست مختصر لیکن معتوبین کی فہرست طویل ہے۔ جن ہستیوں اور عقیدوں کو انہوں نے خراج ادا کیا ان میں حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو مستقلاً ہیں۔ اس باب میں انہوں نے سنگلاخ سے سنگلاخ زمینیں منتخب کیں اور شگفتہ سے شگفتہ مضامین نکالے۔ ان کے نعتیہ کلام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسرے شعراء کی طرح غلو سے کام نہیں لیتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نقشہ اور ان کے محاسن کی تصویر اس کمال سے کھینچتے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظامی نے ایک دفعہ آپ کے قلمی چہرے میں لکھا تھا کہ قیامت کے روز اپنی نعتوں کے باعث بخشے جائیں گے۔ خود ظفر علی خاں اپنے اس کلام کو توشۂ آخرت سمجھتے ہیں۔[۱]

مولانا ظفر علی خاں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء خوانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف بیان کئے ہیں انہیں زندگی کی حقیقتوں سے ہم آہنگ دکھایا ہے۔ قرآن اور احادیث کے ان مضامین کو خاص طور پر واضح کیا جن سے عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کے ساتھ ان میں تعمیر حیات کا سامان پایا جاتا ہے۔ مولانا حالؔی کے یہاں بھی ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مقصد ہے کہ وہ اسوۂ حسنہ کے طور پر دنیا کے سامنے پیش ہوں۔ لیکن حالؔی کی لے مصلحانہ، واعظانہ اور دردانگیز ہے جس میں آہ و نالے کے ساتھ قوم کو اس کی کھوئی ہوئی عظمت کا احساس دلایا گیا ہے اور یادِ رفتہ کو دل و دماغ میں بسا کر اس کے ذریعہ اصلاح قوم کی امید باندھی گئی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں نے بھی اسی مقصد کو پیش نظر رکھا ہے لیکن اس کے حصول کے لئے جمالی سے زیادہ جلالی روش اختیار کی۔ انہوں نے یادِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تو آہ کی اور نہ نالہ وفریاد سے کام لیا، بلکہ اس کے لئے نعرے بلند کئے اور ایک جوش اور ولولے سے دلوں کو گرمایا کہ کارِ حیات کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا سرفروشی کی تمنا لے کر اٹھیں اور آپ کا نام لے کر جینے کے بجائے آپ کے نام پر مرنے کی تڑپ اور جذبہ پیدا کریں۔ اس لئے مولانا نے نعت کے لئے وہی مضامین منتخب کئے جو ان کے مقصد کو پورا کر سکتے ہیں۔ بیان کی گرمی، زور اور روانی فطری اور خداداد ہے۔ مولانا حالؔی کی طرح ظفر علی خاں نے بھی نعتیہ مضامین کو عام فہم، سادہ اور صاف بنا کر پیش کیا اور نتیجتاً اس کی افادیت عوام اور خواص

---

[۱] نقوش، شخصیات نمبر۔ مرتب محمد طفیل۔ مطبوعہ ۱۹۵۵ء ادارہ فروغ اردو لاہور

دونوں کے لئے یکساں ہے۔ جہاں مولانا کا نعتیہ کلام ادبی خوبیوں سے مالا مال ہے وہاں اس کی عملی اور عوامی افادیت بھی ظاہر ہے۔ اسی قسم کی شاعری نے ملک کے طول وعرض میں احساس اور بیداری کی ایک عام لہر دوڑا دی جس نے مجالس میلاد کی آہ، واہ اور جذب و مستی کی کیفیت سے بالکل مختلف رنگ جمایا اور زندگی میں ایک ایسی حرکت پیدا کی جس نے فکر و نظر کے رجحانات میں ایک تعمیری انقلاب برپا کیا۔ اب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو زندگی سمجھ کر دیکھنے لگے، عالم قدس کی رونق نہیں بلکہ عالم امکان کا حاصل، زندگی کا مدعا اور محفل ہستی کی جانِ جاں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا ظفر علی خاں کی نعت گوئی کا اصلاحی اور مقصدی رنگ فقط حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرمستی کا اظہار نہیں ہے۔ یوں کلام میں جذب، کیف اور شوق کی شدت کا یہ عالم ہے کہ گل محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فدائی اس گلستاں کے کانٹوں سے بھی پیمانِ محبت باندھ کر انتہائی جذبۂ سرفروشی سے سرشار معلوم ہوتا ہے لیکن مقصدی نظر رکھنے کی بناء پر شاعر کا یہ جذبہ بے مقصد نہیں ہے۔ وہ جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا فریفتہ بن کر اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلیوں کے لئے بے تاب رہتا ہے۔ وہ صفات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زندگی کی تعمیر کے سامان کا متلاشی ہے۔ اس کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہر عقدہ کشائی کے لئے اسم اعظم کا حکم رکھتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمانی رشتہ درحقیقت محبت کا رشتہ ہے جس کے بغیر ایمان کی تکمیل ممکن نہیں۔ نعتیہ شاعری میں اسی ایک جذبہ کی کارفرمائی شاعر کو نغمہ کے لئے ابھارتی ہے۔ جو اس دولت سے سرفراز کیا گیا وہ حقیقت میں دونوں جہانوں کی نعمتوں سے مستغنی ہو گیا۔ مولانا الفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لطف خدا کا نتیجہ سمجھتے ہیں:

مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی الفت لطف خدا سے مل ہی گئی
اے دل ناداں اس سے زیادہ تجھ کو ہو کس دولت کا حصول[۱]

ان کے یہاں عقیدت کی فراوانی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت کی وجہ سے ذرّہ نوازی کے مضامین بہت ملتے ہیں:

کہنے کو ہوں آج میں نعت رسول کریم ﷺ — میری زباں کیوں نہ ہو رشک زبان کلیم

---

۱ بہارستان از ظفر علی خاں مطبوعہ عالم گیر الکٹرک پریس لاہور ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۸

مایۂ نازش مجھے ہے مری فکر رسا　　وجہ تفاخر مجھے ہے مری طبع سلیم [۱]

......

مجھے دین و دنیا کی دولت ملی ہے　　کہ ہے میرے ہاتھوں میں دامان احمد ﷺ
مری مدح کرتی ہے ساری خدائی　　ہوا ہوں میں جب سے ثناء خوان احمد ﷺ
ترانے مرے عرش پر گونجتے ہیں　　میں ہوں عندلیب گلستان احمد ﷺ [۲]

بارگاہ ایزدی میں شاعر کی دعا بھی اسی کیفیت کی آئینہ دار ہے:

بتادوں گا کہ خاک ہند یوں اکسیر بنتی ہے
مری پلکوں کو جاروب حریم مصطفیٰ ﷺ کردے [۳]

اسی لئے تصدق، جاں نثاری اور نیازمندی کے جذبات کی ترجمانی کثرت سے پائی جاتی ہے:

میرے ہزار دل ہوں تصدق حضور ﷺ پر　　میری ہزار جان ہو قربان مصطفیٰ ﷺ
رشتہ مرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے　　چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامان مصطفیٰ ﷺ
لائے نہ کیوں یہ نغمہ ملائک کو وجد میں　　گاتا ہے جس کو بلبل بستان مصطفیٰ ﷺ [۴]

......

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پر نثار　　سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پر نثار
ہم تیری ذات پر فدا ہم تیرے نام پر نثار　　تیری گلی میں ہوں مقیم تیرے مقام پر نثار [۵]

شاعر عرض تمنا بھی کرتا ہے تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنا درد اور دکھ اسی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور درماں طلبی کے لئے اسی آستانے پر گڑگڑاتا ہے۔ چنانچہ نعتیہ عنوانات کو دیکھ کر اس کا اندازہ بہ خوبی ہو جائے گا، مثلاً ''فریاد بہ حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم'' ''التجا بہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم'' ''عرض داشت امت بہ حضور سرور کون و

---

[۱] بہارستان از ظفر علی خاں۔ مطبوعہ عالمگیر الکٹرک پریس لاہور۔ سنہ ۱۹۳۷ء۔ صفحہ-۵۱
[۲] چمنستان از کولانا ظفر علی خاں پبلشرز یونائیٹڈ لاہو۔ سنہ ۱۹۴۴ء۔ صفحہ-۲۳
[۳] بہارستان از ظفر علی خاں۔ مطبوعہ عالمگیر الکٹرک پریس لاہور۔ سنہ ۱۹۳۷ء۔ صفحہ-۱۹
[۴] چمنستان۔ صفحہ-۱۷۸
[۵] بہارستان: صفحہ-۳۷

مکاں‘‘ ’’اسلامیان ہند کی فریاد بارگاہِ سرورِ کائنات میں‘‘ وغیرہ:

جاگ او یثرب کے میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لُٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج

ہم ہیں ننگے سر اٹھ اے شان عرب آن عجم
اور پہنا دے ہمیں پھر سطوت کبریٰ کا تاج

اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج[۱]

مولانا کی نظر میں زندگی کی صرف دو حقیقتیں ہیں۔ ایک حقیقت احدیت اور دوسری حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور یہی حقیقتیں کائنات کے قیام کی ضامن ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے بیان میں شعراء نے نہایت بدیع مضامین پیدا کئے ہیں جن میں تصوف کی آمیزش سے گوناگوں لطافتیں بھی پیدا کی گئیں۔ لیکن ان میں حدود کو اکثر قائم نہیں رکھا گیا اور بیان نے وہ وہ صورتیں اختیار کیں جن میں تعلیمات اسلامی کو کلام ہوتا ہے اور باوجود تاویلوں کے محل اعتراض باقی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گو شعراء اس مقام سے بہت کم کامیاب گزرے ہیں۔ کہیں نہ کہیں کوئی لغزش ضرور پائی گئی۔ مولانا ظفر علی خاں اور ان کے رنگ کے شعراء نے ان نازک مسائل سے ہمیشہ دامن بچایا ہے اور بیان کے لئے کنائے اور متصوفانہ انداز سے پرہیز کیا ہے۔ مولانا کے یہاں عقیدت کی فراوانی کے باوجود عقیدت مندی میں غلو کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ مقامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار میں بہت کچھ کہا بھی تو صرف اس قدر کہ:

فقط دو حقائق یہ دنیا ہے قائم — بقائے خدا و دوام محمد ﷺ[۲]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو بیان کرنے میں مضمون نہایت صاف، سادہ اور عام فہم نظم کیا ہے۔ مولانا کے یہاں ہر مقام پر حقیقی اوصاف کا بیان پایا جاتا ہے:

نہ پہنچے وہاں جبرئیل امیں بھی — بلند اس قدر ہے مقامِ محمد ﷺ

---

۱ بہارستان: صفحہ-۳۵

۲ بہارستان: صفحہ-۴۹

مرا منہ لیا چوم روح الامیں نے　　لیا میں نے جس وقت نامِ محمد ﷺ

ہماری محفل ہستی کی ساری آراستگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے ہے۔ ''نذر عقیدت'' میں شاعر نے اس مضمون کو نہایت دلآویز اثر انگیز بنا کر پیش کیا ہے۔ اس شان کی نعتیں اردو ادب میں بہت کم ملیں گی:

اے کہ آرائش ہماری داستاں کی تجھ سے ہے
اے کہ افزائش ہماری عز و شاں کی تجھ سے ہے

ملت بیضا کی رونق تیرے دم سے برقرار
تمکنت اس باتجمل کارواں کی تجھ سے ہے

تیرے آب و رنگ سے رنگیں ہے ایراں کا چمن
جلوہ ریزی گلشن ہندوستاں کی تجھ سے ہے

سایہ پرور تیری رحمت کا حرم بھی دیر بھی
سود اور بہبود بہمان و فلاں کی تجھ سے ہے

امت مرحوم کے درد و جگر کے چارہ ساز
ساری تاثیر اس کی فریاد و فغاں کی تجھ سے ہے

ساری دنیا بن گئی ہنگامہ زارِ کشت و خوں
کچھ اگر امید ہے امن و اماں کی تجھ سے ہے[1]

یوں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوان کرم سے امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہرہ ور ہونا سبھی نعت گو شعراء کے کلام میں ملتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان کے جواب میں شکر گزاری کے مضامین مختلف طور پر شعراء نے باندھے ہیں۔ مولانا کی نظر ان حدود سے گزر کر وسیع تر مضامین پیدا کرتی ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمین کو قومی، ملی اور مقامی حد بندیوں سے نکال کر عالمی رنگ میں پیش کرتے ہیں وصفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلو حقیقی اور قرآنی ہے اور علمی سیاست کے مرد میدان ہونے کی حیثیت سے مولانا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کو اسی نظر سے دیکھا ہے۔

---

[1] بہارستان: صفحہ-۴۳

وہ وقت آنے کو ہے جب ایشیا کی طرح یورپ بھی
رسول اللہ کے خوانِ کرم سے ریزہ چیں ہوگا[۱]

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت
وہ آیا لیکن آیا رحمۃ للعالمین ہوکر[۲]

اے کہ تری نمود ہے غازہ روئے کائنات
جلوہ فشاں ہے ہر طرف تیری ہی تجلیات[۳]
ہیں عرب و عجم ترے دونوں پہ ہیں کرم ترے
تجھ سے حرم کی آبرو تیرے قدم میں سومنات
شرق ہے تجھ سے مستفیض غرب ہے تجھ سے فیضیاب
دونوں جہاں کی رحمتیں ہوگئیں تیری ہمرکاب
جو ترے درد کی خاک تھے ہوگئے آسماں جناب
لطف ترا ہے بے شمار فیض ترا ہے بے حساب
ہم سے پھر ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات
چین سے تا بہ اندلس بادہ فروش تو ہی تھا
بادہ کشوں کے واسطے چشمۂ نوش تو ہی تھا
شاہد علم و فضل کا حلقہ بگوش تو ہی تھا
سارے جہاں کے لئے دیدۂ ہوش تو ہی تھا
ہم سے بھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات[۴]

عام نعتیہ رنگ کے برخلاف مولانا کے نعتیہ کلام میں تغزل کو زیادہ دخل نہیں ہے۔ یہاں جو بھی ہے اوصاف کا بیان ہے۔ لیکن جگہ جگہ داخلی کیفیت کی آمیزش نے جذبات کی لطافتوں

---

۱ بہارستان، صفحہ-۲۶۴
۲ بہارستان: صفحہ-۲۳
۳ بہارستان: صفحہ-۴۱
۴ بہارستان: صفحہ-۳۶-۳۷

سے کلام کو تغزل کے محاسن سے بھی محروم نہیں رکھا۔ مولانا کے کلام کی یہ خصوصیت ان کی نظم ''صاحب قاب قوسین او ادنیٰ'' سے پیش کی جاتی ہے:

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو　　ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تم ہی تو ہو
پھوٹا جو سینۂ شب تار الست سے　　اس نور اوّلیں کا اجالا تم ہی تو ہو
جلتے ہیں جبرئیل کے پَر جس مقام پر　　اس کی حقیقتوں کے شناسا تم ہی تو ہو
جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا　　اے رہ نورد جادۂ اسریٰ تم ہی تو ہو
پیتے ہی جس کے زندگی جاوداں ملی　　اس جانفزا زلال کے مینا تم ہی تو ہو
اُٹھ اُٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں　　وہ درد، دل میں کر گئے پیدا تم ہی تو ہو[1]

اثر آفرینی ظفر علی خاں کے کلام کی بڑی خصوصیت ہے اور درحقیقت یہ اثر آفرینی کیا ہے حضور خواجہ دو جہاں احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت میں وارفتگی کا کرشمہ ہے۔ جو سارے نعتیہ کلام میں جاری و ساری ہے۔ مولانا اثر میں ڈوبا ہوا شعر کہتے ہیں اور اس کے لئے خود بھی اثر میں ڈوب جاتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنا پرگو شاعر جذب و تڑپ کو اس قدر سرعت اور شدت سے رگ و پے میں جاری کر کے کیونکر یہ ساحرانہ کیفیت پیدا کر سکتا ہے۔ ہمیں مولانا کے محاسن شاعری کو دیکھ کر اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے:

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

اس خصوصیت کی پرکیف مثالیں تمام کلام میں ملیں گی۔ ہم یہاں ایک مثال پر اکتفا کریں گے جو کسی اور جگہ اس مضمون میں درج نہیں ہے:

وہ اٹھا خاک بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر
علم بردار حق بن کر سپہ سالار دیں ہو کر

خدا نے اس کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھنا ہے اس کا پر تو نور صبح اولیں ہو کر

خدا پر تھا یقین پہلے ہی لیکن اس کا احسان ہے
کہ آنکھوں میں یقیں پھرنے لگا عین الیقیں ہو کر[2]

---

[1] بہارستان: صفحہ-۴۶　　[2] بہارستان: صفحہ-۳۳

مولانا کی جو نظمیں یا غزلیں مقبول عام ہو کر محفل حال وقال کی رونق نہیں بلکہ جذب و شوق کی محرک ہوئیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) اے کہ ترا جمال ہے زینت محفل حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکوٰۃ

(۲) وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

(۳) وہ اٹھا خاک بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر
علم بردار حق بن کر سپہ سالار دیں ہو کر

(۴) اے کہ تری نمود ہے غازۂ روئے کائنات
جلوہ فشاں ہیں ہر طرف تیری ہی سب تجلیات

(۵) دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تم ہی تو ہو

## مولوی سید احمد حسین صاحب امجدؔ

مولوی سید احمد حسین صاحب امجدؔ کی پیدائش غالباً ۱۳۰۳ھ میں ہوئی۔ ان کے والد صوفی رحیم علی کا انتقال ان کے بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ تعلیم مدرسہ دارالعلوم میں حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان دیا۔ کامیابی کے بعد مولانا سید نادرالدین سے فلسفہ پڑھا۔

حضرت امجدؔ کی زندگی کا المناک سانحہ رود موسیٰ کی طغیانی ہے جس نے ان کی والدہ بیوی اور بچی کو طوفان میں غرق کر دیا۔ یہ حادثہ ۱۳۲۶ھ کا ہے۔ ساتھ ہی والد کے انتقال کے بعد وہ مالی پریشانی میں مبتلا رہے اور جیسا کہ موصوف نے راقم الحروف سے بیان کیا۔ سولہ سال کی عمر تک مشکل سے دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کھایا ہوگا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ اللہ کسی بندے کو جب قریب کرنا چاہتا ہے تو اسے آزمائشوں میں گرفتار کر دیتا ہے تو اس کے نمایاں آثار ہم امجدؔ کی زندگی اور نتیجتاً ان کی شاعری میں پاتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ ان کی شاعری کلیتہً ان حالات کا نتیجہ ہے۔ اس کی تردید موصوف نے خود ہی دوران گفتگو میں فرمائی اور کہا کہ اس میں خاندانی تباہی کے اثرات نہیں ہیں بلکہ فطری اثرات ہیں۔

حصول معاش کے لئے حضرت امجدؔ نے مدرسہ دارالعلوم میں مدرسی کی خدمت انجام دی اور پھر دفتر صدر محاسبی میں منتقل ہو گئے جہاں سے پچپن سال کی عمر میں وظیفہ پر علاحدہ ہوئے۔ شعر گوئی کا سلسلہ بچپن ہی سے رہا۔ دس بارہ سال کی عمر میں شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ شاعری میں تلمذ کسی سے حاصل نہیں کیا۔ البتہ حبیب کنتوری اور ترکی کو اپنا کچھ کلام سنایا۔ ان کی جو کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں وہ یہ ہیں:

رباعیات امجدؔ حصہ اوّل و دوم۔ ریاض امجدؔ حصہ اوّل و دوم۔ نذر امجدؔ۔ خرقہ امجدؔ۔ حج امجدؔ۔ حکایات امجدؔ۔ پیام امجدؔ۔ میاں بیوی کی کہانی۔ گلستان امجدؔ۔ ایوب کی کہانی۔ مکتوبات امجدؔ اور جمال امجدؔ۔

حضرت امجدؔ کو حکیم الشعراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے کلام کے متعلق رائے ہے کہ ایسے ہی کلام سے یقین ہوتا ہے کہ ''شاعری جزویست از پیغمبری''۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ معراج سخن میں شاہد معنی کو ہفت دیکھنا ہو تو رباعیات امجدؔ کو دیکھئے۔[۱]

ڈاکٹر اقبالؔ ان کی ہر رباعی سے روحانی مسرت حاصل کرتے تھے۔[۲]

جب حضرت امجدؔ سے کہا گیا کہ راقم الحروف اردو میں نعت گوئی پر مقالہ لکھ رہا ہے تو فرمایا۔ ''میں حمد اور نعت کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ بس حمد اور نعت لکھتا ہوں۔''

دراصل امجدؔ کے معرفت میں ڈوبے ہوئے اشعار کا الہامی رنگ اسی بناء پر ہے۔

## شعر و شاعری کے متعلق امجدؔ کا نظریہ

شعر ہو یا راگ، جب تک سامع کو بے خود نہ کردے، بارد فطرت میں حرارت نہ پیدا کردے، قدیم کافر کو مسلمان نہ بنادے، کثیف مادّے میں لطیف روح نہ پھونک دے، فنون لطیفہ میں شمار نہیں کئے جاسکتے۔[۳] امجدؔ اثر کو شعر کی جان قرار دیتے ہیں۔

شاعری کے متعلق بھی ان کا نظریہ قرآنی ہے یعنی شاعری کو وہ لازماً مقصدی قرار دیتے ہیں اور ان شعراء کی کاوشوں کو تضیع اوقات خیال کرتے ہیں جو ''فی کل واد یھیمون'' کے مصداق

---

[۱] یہ قول مولانا عبداللہ عمادی مرحوم کا ہے۔ مرقع سخن۔ صفحہ۔ ۳۳۸

[۲] مرقع سخن۔ صفحہ۔ ۳۳۸

[۳] خرقہ امجد۔ صفحہ۔ ۲،۳

ہیں۔ امجؔد کے نزدیک، ''نظم ہو یا نثر، تقریر ہو یا تحریر، اس کا کچھ نہ کچھ حاصل ہونا چاہیے، دینی یا دنیوی، خود اپنے لئے یا غیر کے لئے ہے۔''[1]

شعر میں اثر کے متعلق امجد کی ایک رباعی اپنے مخصوص اختصار کے ساتھ ایک انوکھے انداز میں حسن اثر کو لئے ہوئے ان کے خیال کی ترجمان ہے:

نغمہ کا ہے شوق لحن داؤد نہیں — اس طرز میں حمد کی کہ محمود نہیں
لازم ہے کہ آہ بھی لبوں سے نکلے — ایک واہ ہی شاعری کا مقصود نہیں[2]

شعر کے مضامین کے متعلق امجؔد کا خیال ہے:

ہر فکر میں باب معرفت کھلتا ہے — کانٹا بھی یہاں نگاہ میں تُلتا ہے
شاعر اور اسرار خلق سے ماہر ہے — جو عارف کامل ہے وہی شاعر ہے
شاعر کی صدا ہے رہنما کی آواز — اس خلق سے آتی ہے خدا کی آواز[3]

شاعری کے متعلق امجؔد کا یہی نظریہ ان کے کلام کو الہامی اور عارفانہ رنگ دیئے ہوئے ہے۔ وہ قرآنی مضامین کو نہایت خوبی سے شاعری کا جامہ پہناتے ہیں اور لطیف انداز میں ان کے مطالب کو بیان کرتے ہیں، جگہ جگہ حمد و نعت کے مضامین پیدا کئے ہیں جن میں جذب، کیف، مستی، اور سرور کی نیازمندانہ شان جھلکتی ہے مثلاً الرحمٰن الرحیم کی تشریح میں حمد اور نعت کا بیان ملاحظہ ہو:

اللہ کا ایک وصف رحمٰن بھی ہے — بندوں کی اسی سے جان میں جان بھی ہے
رحمٰن محیط ماہ و طین ہے بالکل — واللہ مبالغہ نہیں ہے بالکل
کونین میں فیض بخش عالم ہے یہی — رحمت کی طلب کا اسم اعظم ہے یہی
مطلق ظاہر ہوا مقصد بن کر — رحمت نازل ہوئی محمد ﷺ بن کر
اسلام کا لطف کل نظر آئے گا — رحمٰن ہی جب رحیم ہوجائے گا
تخصیص میں لطف ہوگا تعمیم کے بعد — کوثر کا مزہ آئے گا تسنیم کے بعد
سب کے لئے لاالہ الا اللہ ہے — مسلم کو محمد ﷺ رسول اللہ ہے[4]

(بالمومنین رؤف رحیم)

---

[1] خرقۂ امجؔد۔ صفحہ۔۴ — [2] خرقۂ امجؔد۔ صفحہ۔۱۳
[3] خرقۂ امجد۔ صفحہ۔۱۳،۱۴ — [4] خرقۂ امجد۔ صفحہ۔۱۹

امجد نے اکثر عنوانات بھی کلام مجید کی آیات کے قائم کئے ہیں۔ مثلاً

(١)الحمد لِلّٰه رب العالمين۔ (٢)الرحمن الرحيم۔ (٣)مالك يوم الدين۔ (٤) اياك نعبد و اياك نستعين۔ (٥)اهدنا الصراط المستقيم۔ صراط الذين انعم عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔ اوراس طرح سورۂ فاتحہ کی تشریح ان عنوانات کو قائم کر کے کی گئی ہے۔اس کی چند مثالیں اور پیش کی جاتی ہیں:-

(۱) و ما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔ (القرآن)

(۲) رحمتی وسعت كل شئی۔ (القرآن)

(۳) انا انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال۔ الخ۔ (القرآن)

(۴) اكرمكم عندالله اتقاكم۔ (القرآن)

(۵) اليس الله بكاف عبده۔(القرآن)وغیرہ وغیرہ۔

امجد فطرتاً حساس طبیعت رکھتے ہیں اور صاحبِ وجد و حال بھی ہیں اسی لئے ان کے جاندار الفاظ اور رقصاں ترکیبوں سے ایک کیف آور سماں بندھ جاتا ہے۔ان کے کلام کے بلند اخلاقی مضامین سے اسرار و معارف کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ندرت خیال، ندرت ادا، بلندیٔ تخیل، جوش وولولہ، برجستگی اور سادگی اپنی قوت اظہار کے ساتھ امجد کی اعلیٰ صلاحیتوں کا پتہ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں غضب کی اثر آفرینی پائی جاتی ہے کہ سننے والا مسحور ہو جاتا ہے۔

## حضرت امجد کی نعتیہ شاعری

فلک کی صدا ہے محمد ﷺ یہی ہے  احد کہہ رہا ہے کہ احمد یہی ہے[۱]

حضرت امجد نے نعت کثرت سے لکھی ہے۔ چنانچہ ان کا کوئی مجموعۂ کلام ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں ہے۔خصوصاً ریاض امجد حصہ اوّل و دوم اور حج امجد میں نعت زیادہ ہے۔ نذر امجد میں ہجرت کا ذکر ہے۔امجد اپنی قسمت پر نازاں ہیں کہ اللہ نے انہیں مداح رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

---

۱ نذر امجد۔ صفحہ-۱۹

میں وقت کا اپنے حسان ہوں تقدیر پہ اپنی نازاں ہوں
امجدؔ ہے یہی معراج مری مداح شہ معراج ہوں میں[۱]

دوسری جگہ شغل نعت گوئی کا ذکر کرتے ہوئے دیوان محشر میں عزت افزائی کی التجا کی ہے:

رہی مصروف فطرت رات دن نعت پیمبر میں
اسی سرکار کی الفت کا خلعت ہے میرے بر میں
بھلا اتنی تو عزت ہو مری درگاہ داور میں
فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں دیوان محشر میں
جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمد ﷺ کا[۲]

یہ محسنؔ کاکوروی کے مشہور قصیدے ابیات نعت کی تضمین ہے۔

شاعر کی نظر میں صرف دو حقیقتیں بسی ہوئی ہیں۔ بندہ اللہ کا ہے اور غلام اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور بندہ اللہ کا اس لئے کہ غلام اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے:

انسان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں ہر جان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں
یہ کلمۂ طیبہ کے دو جزو نہیں ایمان کی زندگی کی دو سانسیں ہیں[۳]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے دل بے چین ہو جاتا ہے اور باطنی کیفیت ایک جذب کیف، شوق و مستی سے دوچار رہوتی ہے۔ حبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشاری کا ولولہ دراصل امجدؔ کی نعت گوئی کا محرک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حمد اور اس کے چاہنے والے کی زبان پر نعت کا مضمون ملاحظہ کیجئے:

میری زبان پر نعت ہے تیری زبان پر حمد ہے
سبحانہٗ تیری صدا صلِّ علیٰ میرا بیان[۴]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر شاعر کا ناز اس کے نیازمندانہ جذبۂ خلوص کا آئینہ دار

---

۱۔ ریاض امجدؔ۔ حصہ دوم۔ صفحہ-۳۹
۲۔ ریاض امجدؔ۔ حصہ دوم۔ صفحہ-۳۹
۳۔ نذر امجد۔ صفحہ-۹
۴۔ رباعیات امجد۔ حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۶

ہے۔ شاعر اس اعزاز پر پھولے نہیں سماتا کہ اس سرکار سے اسے نسبت نصیب ہے:

دونوں عالم میں کیا حق نے سرفراز مجھے　　اپنی رحمت سے دیا خلعت اعزاز مجھے
بس ہے اک تیری نگاہ غلط انداز مجھے　　امتی ہوں تیرا تقدیر پہ ہے ناز مجھے
بہ غلامی تو زاں ساں کہ بناز دل من　　دل من داند و من دانم و داند دل من [۱]

کوئے حبیب میں پہنچ کر شاعر اپنے مرتبے کی بلندی کو محسوس کرتا ہے:

امجدؔ کو آج تک ہم ادنیٰ سمجھ رہے تھے　　لیکن مقام اس کا دیکھا تری گلی میں [۲]

ایک اور شعر ہے:

اے مست مئے وحدت امجدؔ تجھے کیا کم ہے
کوثر ہے مدینہ میں اور کعبہ میں زمزم ہے [۳]

بارگاہِ رسالت میں شاعر کی سرفرازی نے جو نغمہ پیدا کیا ہے وہ بیک وقت امجدؔ کی نعتیہ شاعری کے گوناگوں محاسن کا حامل ہے۔ مضمون وہی ناز و نیاز کا ہے لیکن تغزل کے رنگ میں ڈوب کر عشق، مستی، جذب، جوش اور تڑپ کی وجدانی کیفیتوں کو ترنم ریز بنا کر پیش کر رہا ہے۔ لطافت احساس، لطافت تخیل، ندرت بیان، صدق اظہار، صفائی اور برجستگی ہر شعر سے ٹپکتی ہے۔ شاعر کا حسن عقیدت اپنے اظہار کے لئے ان سارے محاسن سے کام لیتا ہے:

مل گیا صوت سرمدی میرے شکستہ ساز سے
نغمہ کی آتی ہے صدا نوحہ دل گداز سے

اب تو میری نظر میں ہے حسن ہی حسن ہر طرف
خلعت عشق مل گیا بارگاہ حجاز سے

حاصل عمر مل گیا قلب فسردہ کھل گیا
پڑ گئی زندگی میں جان ان کی نگاہ ناز سے

برسوں کے بچھڑے مل گئے داغ دلوں کے دھل گئے
لپٹی ہے ان کی خاک پا میرے سر نیاز سے

---

۱ ریاض امجدؔ۔ حصہ دوم۔ صفحہ-۱۶　　۲ حج امجدؔ۔ صفحہ-۹۸
۳ ریاض امجد۔ حصہ دوم۔ صفحہ-۵۱

بیٹھے تھے اک زمانے سے نور قدم کے منتظر
نکلے ہیں سجدے سیکڑوں اب تو سرِ نیاز سے

صَلِّ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ہوگیا قابلِ عمل
رفع یدین کرسکے کون اب اس نماز سے

دل کی شکستگی نے جب جوڑ دیا کسی کے ساتھ
دیکھ لیا رخ حسین اس دو نیم باز سے

حالت وجد وشوق میں دل سے یہ کہہ رہا ہے درد
ہم نے ملا دیا تجھے لے ترے چارہ ساز سے

امجدؔ نیم جان کی جان جان جہاں کو پا گئی
بربط روح بھر گیا نغمۂ دل نواز سے [1]

۱۔حضرت امجدؔ کی نعت گوئی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مضامین سے پُر ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان دوسروں کے حال وقال کے رنگ میں بھی ہو تو اسے شاعر کی اپنی باطنی کیفیت کی ترجمانی سمجھنا چاہیئے۔رسالت مآب کا مدینہ میں ورود اور رخِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر فدائیوں کا جذب وشوق ملاحظہ کیجیئے:

مدینہ میں آتا ہے اب کعبہ والا      ہوا نور ایماں سے ہر سو اُجالا
ہے تاروں کا مہتاب کے گرد ہالا      بچائے نظر سے اسے حق تعالیٰ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخ سے نقاب اُٹھ گیا ہے
تجلی حق سے حجاب اُٹھ گیا ہے

محبت میں آنکھیں بچھاتا ہے کوئی      تصور میں صورت جماتا ہے کوئی
سنبھالے ہوئے دل کو آتا ہے کوئی      ادھر دل ہی دل میں بلاتا ہے کوئی
محبت کا سودا ہے ہر ایک سر میں
ہر اک چاہتا ہے رہے میرے گھر میں

کسی کی نگاہیں ہیں روئے حسیں پر      کوئی جان دیتا ہے روشن جبیں پر

[1] حج امجدؔ۔صفحہ-۱۱۲

کسی کی نظر دیدۂ سرگیں پر　　تصدق ہے کوئی قد دل نشیں پر
ہے کوئی تو قدموں میں آنکھیں بچھائے
کفِ پا میں مژگاں کوئی چبھ نہ جائے
کوئی کہہ رہا ہے کہ آنکھوں میں آؤ　　کوئی کہہ رہا ہے کہ دل میں سماؤ
کوئی کہہ رہا ہے کہ صورت دکھاؤ　　کوئی کہہ رہا ہے اب آگے نہ جاؤ
مرے دل میں آجاؤ ایمان بن کر
اتر آؤ سینے میں قرآن بن کر[۱]

محبوبیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون مسلسل ہے اور اسی طرح رواں دواں بے ساختہ اور فطری معلوم ہوتا ہے کہ نثر میں شاعر نے ترنم بھر دیا ہے۔ عبارت ایسی کہ گویا باتیں کر رہے ہیں۔ نہ لفظی صناعی ہے اور نہ تشبیہ و تمثیل کی عالمانہ رنگ آمیزی۔ جو چاہے سمجھ لے کہ شاعر کیا کہہ رہا ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کے مضامین اپنی اپنی بساط کے موافق تقریباً سب ہی نعت گو شعراء نے باندھے ہیں، لیکن امجدؔ نے ذرہ ذرہ کو عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار دکھایا ہے۔ یہ ایک شاعرانہ نکتہ رسی ہی نہیں ہے بلکہ استن حنانہ کی آہ و زاری کی حقیقت اس تخیلی چیز کو حقیقت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ امجدؔ نے اپنے مخصوص انداز میں جو رنگ اس مضمون میں بھرا ہے وہ قابل صد تحسین ہے۔ مکّے سے مدینے کی طرف ہجرت کے وقت فراق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے ماحول میں بے چینی اور بے قراری کو اس طرح بیان کیا ہے:

شہنشاہ کونین نکلا جو گھر سے　　دھواں سوز فرقت کا اُٹھا جگر سے
زمیں سے زماں سے شجر سے حجر سے　　اٹھا شور کعبے کی دیوار و در سے
چلا تو کہاں رب کے گھر کے اُجالے
نہ جا چھوڑ کر ہم کو او جانے والے[۲]

---

۱؎ نذر امجدؔ۔ صفحہ۔ ۳۰۔۳۱۔۳۲۔۳۳

۲؎ نذر امجدؔ۔ صفحہ۔ ۹

کوئی کہہ رہا ہے جگر کو سنبھالے  ادھر دیکھ لینا ادھر جانے والے[۱]

......

ہے دریائے خوں چشم زمزم سے جاری  سواد حرم میں ہے اک سوگواری
ہر اک دل میں ہے برق سی بیقراری  ہر اک کی صدا ہے کہ سُن لے ہماری
نہ جا ہم سے منھ موڑ کر جانے والے
یہاں کون ہم بیکسوں کو سنبھالے
صفا مروہ کا دل ہوا پارہ پارہ  وہ بجلی گری پھٹ گیا سنگ خارا
ہوا غم سے کعبہ سیہ پوش سارا  تڑپ کر یہ غار حرا نے پکارا
کہاں تو چلا میرے نازوں کے پالے
پھر آ میری آغوش میں جانے والے[۲]

حرا کا حرارت سے دل جل رہا ہے  دل سنگ بھی مثل زر گل رہا ہے[۳]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت کا ذکر ہے، نہایت سادہ، اور صاف۔ شاعر کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کے ہر رُخ کو نہایت حسین بنا دیا ہے:

یہ کون آج سر رکھ کے یوں سو گیا ہے  کہ زانوئے صدیق دل ہو گیا ہے[۴]

......

وطن چھوڑ کر اپنا مطلوب بنایا  محبت نے جنگل کو منگل بنایا
کہاں آج پہنچا صداقت کا پایا  جو رہتا تھا دل میں وہ پہلو میں آیا
ہے صدیق پر کتنی رحمت خدا کی
کہ ہجرت میں بھی ہے معیت خدا کی[۵]

---

[۱] نذر امجد۔ صفحہ-۱۰
[۲] نذر امجد۔ صفحہ-۱۱-۱۲
[۳] نذر امجد۔ صفحہ-۱۴
[۴] نذر امجد۔ صفحہ-۱۷
[۵] نذر امجد۔ صفحہ-۱۴

زانوئے صدیق رضی اللہ عنہ میں دل کی کیفیت، دل میں بسنے والے کا پہلو میں آنا اور ہجرت میں معیت کا مضمون، بیان کا کتنا لطیف انداز ہے۔ دوسری جگہ اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:

صداقت کی آغوش میں ہے محبت　　　اٹھائے ہیں صدیق بارِ نبوت
صداقت کے پہلو میں ایمان دیکھو[۱]　　　یہ نور علیٰ نور کی شان دیکھو

شاعر محبوب باری کے فروغ حسن پر نازاں ہے کہ ساری کائنات اسی پر مٹ رہی ہے:

اک آفتاب وحدت ہے فیض بخش کثرت
نکلی ہوئی ہیں گلیاں صدہا تیری گلی میں

کس طرح پاؤں رکھے یاں صاحب بصیرت
آنکھیں بچھی ہوئی ہیں صدہا تری گلی میں

ہوش و حواس گم ہیں عقل فلک رسا کے
مجنوں بنی ہوئی ہے لیلیٰ تری گلی میں

پہلو سے دل نکل کر قدموں پہ لوٹتا ہے
چبھتا ہے پاؤں میں جب کانٹا تری گلی میں

ہر ایک اپنی دھن میں گاتا ہے راگ تیرا
ہوتا ہے خوب ہر شب جلسہ تری گلی میں

رنگ بلال میں اک صاحب جمال بھی ہے
ڈالا ہے تیرگی نے پردہ تری گلی میں

سب تجھ پہ مرمٹیں گے جتنے ہیں آنے والے
تو ہی رہے گا آخر تنہا تری گلی میں[۲]

اسی لئے شیفتگی اور بیقراری کے مضامین حضرت امجدؔ کے یہاں کثرت سے ملتے ہیں۔ شاعر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچنے کے لئے کیسا اہتمام کرتا ہے:

---

[۱] نذر امجدؔ۔ صفحہ۔ ۷

[۲] ریاض امجد۔ حصہ دوم۔ صفحہ۔ ۴۵۔ ۴۶

مضطرب یوں روضۂ اقدس پہ جانے کے لئے
دل کے ٹکڑے ڈھونڈ لایا ہوں چڑھانے کے لئے[۱]

تمنائے دید میں آنکھوں کی حسرت اسی بیقراری کی ترجمانی کرتی ہے:

کرتی ہیں میری تمناؤں کا اظہار آنکھیں — حسرت دید میں ہیں نقش بدیوار آنکھیں
بند ہوتی ہی نہیں آہ طلبگار آنکھیں — بعد مردن بھی کھلی ہیں پئے دیدار آنکھیں[۲]

دربار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شاعر کی عرضداشت جس والہانہ انداز میں پیش کی گئی ہے، اس سے ان واردات کا پتہ چلتا ہے جو عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دل میں پیدا کئے ہیں۔ جذبات کے طوفان کو سمیٹتے ہوئے حسنِ خطاب، سادگی اور سلاست کو ملحوظ رکھتے ہوئے، شاعر نکھرے ستھرے انداز میں عرضِ تمنا کرتا ہے اور کس کیف و مستی میں کرتا ہے:

بھرا ہے دل میں شوق ہمکلامی — مٹادے اچھے ساقی تشنہ کامی
پہن کر فخر سے تاجِ غلامی — عراقی مصری و رومی و شامی
کھڑے ہیں دیر سے در پر سلامی
فقم قم یا حبیبی کم تنامی

خدارا مرنے والوں کو جلادے — ردائے پاک چہرے سے ہٹادے
تجلّی رخِ انور دکھا دے — حواس و ہوش میں بجلی گرادے
مٹادے سب ہمارے دل کی خامی
فقم قم یا حبیبی کم تنامی

برائے خاطر اصحاب بر خیز — بہ تسکین دل بے تاب برخیز
ز خواب اے نرگسِ سیراب برخیز — چو نرگس خواب چند از خواب برخیز
بدہ جان و تن از نازک خرامی
فقم قم یا حبیبی کم تنامی[۳]

---

۱ ؎ جج امجد۔ صفحہ۔ ۷
۲ ؎ ریاض امجد۔ حصہ دوم۔ صفحہ۔ ۱۶
۳ ؎ جج امجد۔ صفحہ۔ ۴۹

جذب وشوق کا ایک یہ بھی نمونہ ہے:

شب معراج ہنگامہ بپا ہے    صدا ہر ذرہ کی صلی علیٰ ہے
خدائے پاک مشتاق لقا ہے    برآمد ہوں حضور اب دیر کیا ہے

......

تری جویا ہے میری چشم تر آ    ادھر ہی سے ہے تیری رہ گزر آ
ادھر آ میں ترے قربان ادھر آ    مری آنکھوں سے تو دل میں اتر آ [۱]

بارگاہِ رسالت میں عرض حال بھی حسب دستور سادگی، اثر اور خلوص سے لبریز ہے:

چشم رحمت تیری مازاغ البصر    پھر نہیں ہے کیوں غریبوں پر نظر
تیری مرضی رحم کر یا نہ کر    دیکھ تو لے رحمت عالم ادھر
یا رسول اللہ انظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا
عروۃ الوثقیٰ ہے ہم کو تیرا در    خاک طیبہ سرمۂ اہلِ نظر
آے ہیں در پر ترے با چشم تر    چاک دامان چاک دل ٹکڑے جگر
یا رسول اللہ انظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا [۲]
جسم کی ساری رگیں ہیں غم کا جال    ہے وبال زندگانی بال بال
کیا بتائیں بندہ پرور اپنا حال    ہم فقیروں کی ہے خود صورت سوال
یا رسول اللہ انظر حالنا
یا حبیب اللہ اسمع قالنا [۳]

۳- نعت گو شعراء نے حسن عقیدت میں اکثر ایسے مضامین باندھے ہیں جن میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام ہوتا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سجدہ ریزی،

---

[۱] ریاض امجد۔ حصہ دوم۔ صفحہ-۲۲
[۲] ریاض امجد۔ حصہ دوم۔ صفحہ-۲۰
[۳] ریاض امجد۔ حصہ دوم۔ صفحہ-۲۰

عرب اور رب میں مماثلت، احمد اور احد کی شان واحد وغیرہ وغیرہ۔ حضرت امجدؔ کا کلام اس مضمون سے خالی نہیں ہے۔ لیکن جس ڈھنگ سے انہوں نے اسے عموماً پیش کیا ہے وہ ان کے تبحر علمی کے ساتھ اس احتیاط کا پتہ دیتا ہے جو بلند پایہ شاعر کے کلام کی خصوصیت ہے۔ مثلاً شاعر نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سجدے کو جائز تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی جبین نیاز میں سجدہ ریزی کی تڑپ کو ظاہر کر ہی دیا:

سب کہتے ہیں کہ آپ کو سجدہ روا نہیں　　　نور خدا رسول خدا ہے خدا نہیں
اے واعظو یہ بات میں کیا جانتا نہیں　　　لیکن غضب تو یہ ہے کہ جی مانتا نہیں[۱]

دوسری جگہ شاعر یہ تو نہیں کہتا کہ رسولِ خدا خدا ہیں لیکن جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں خدائی شان کو دیکھ کر دوسروں کے تاثرات کی ترجمانی اس طرح کرتا ہے:

ہوا کب کوئی ایسا بندہ خدا کا　　　کہ ہے جس پہ بندوں کو دھوکا خدا کا[۲]

اور خود بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

احد اور احمد کا مضمون یہ ہے:

مرے ساقی مئے وحدت پلا دے　　　دو عالم سے دوئی بالکل مٹا دے
احد کی شکل احمد میں دکھا دے　　　اٹھا دے میم کا پردہ اٹھا دے[۳]

......

جلوہ فرما شکل احمد میں ہوا نور احد　　　کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ حسنِ ابد[۴]

جذب و کیف کے عالم میں شاعر کی کشمکش بھی دیدنی ہے۔ اس کا عشق اپنی شدت شوق مستی میں جبین سائی کے لئے مضطرب کئے ہوئے ہے۔ لیکن آداب شریعت کا پاس بھی جذبۂ ایمانی کا تقاضا ہے:

کبھی ہے دھیان کعبہ کا کبھی ہوں مائل طیبہ
ادھر بھی ہے وہی صورت ادھر بھی ہے وہی نقشہ

---

۱ حج امجدؔ۔ صفحہ-۹۲　　　۲ نذر امجدؔ۔ صفحہ-۵
۳ ریاض امجدؔ: صفحہ-۲۱
۴ ریاض امجد: حصہ دوم۔ صفحہ-۱۹

تردّد میں نظر آتا نہیں رستہ تعین کا
احد کو کیجیے یا احمد بے میم کو سجدہ
عجب مشکل ہے مضموں میرے مفہوم مردّد کا[۱]

حضرت امجد نے ''لاموجود الا ہو'' کے مضمون کو شریعت کی گرفت سے دامن بچاتے ہوئے نہایت خوبی سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کیا ہے۔ عشق کی نظر میں معشوق کا بسا رہنا ایک فطری امر ہے۔ اور پھر محبت کی انتہائی منزل میں ساری کائنات پر جلوۂ حبیب کا چھا جانا بھی ایک بدیہی حقیقت ہے۔ لیکن شاعر یہاں کچھ اور چاہتا ہے۔ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وہ کائنات کے رگ و پے میں جاری و ساری دیکھ رہا ہے۔ اس کی نظر میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سارا وجود گرم ہے۔ لیکن وہ صاف کہنا بھی نہیں چاہتا۔ لہٰذا اس نے یہ تماشا عشق کی نظر سے دکھایا ہے:

ادھر محراب میں دیکھو تو ابروئے محمد ﷺ ہے
اُدھر قبلے کی جانب جلوۂ روئے محمد ﷺ ہے
سکوت خاص میں محو تماشا چشمِ امجد ہے
اُدھر دیکھو محمد ﷺ ہے ادھر دیکھو محمد ﷺ ہے[۲]

شریعت کی مجبوری کو کیا کریں رخ تو کعبے ہی کی جانب رہے گا لیکن دل پر کس کو اختیار ہے۔ تحویل قبلہ کا مضمون بھی دیکھیے:

رخ کعبہ کی جانب ہے دل سوئے محمد ﷺ ہے[۳]

لیکن جس کیفیت کا اسے عنوان بنایا گیا اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں ہے۔ کہیں کہیں شاعر عشق محمدی سے سرشار ہو کر بے خودی میں اللہ کو بھول بھی جاتا ہے یا یہ کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول جاتا ہے۔ اسے دونوں کی حقیقت ایک ہی نظر آتی ہے۔ شاعر حیران ہے کہ اسے اللہ کہوں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہو۔ نہ وہ اللہ کو چھوڑ سکتا ہے اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول سکتا

---

[۱] حجِ امجد: صفحہ-۱۰۴
[۲] صبحِ امجد: صفحہ-۹۹
[۳] صبحِ امجد: صفحہ-۱۱۲

ہے۔ آخر حسنِ تصور دونوں حقیقتوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ ذات احدیت کی صفات "**ھوالظاھر، ھو الباطن**" میں شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جلوہ گر کیا ہے:

عرش والا زمین پر آتا ہے — فاتقو اللہ یا اولی الابصار
قابل حمد ہی محمد ﷺ تھا — کارواں میں تھا کارواں سالار
شکل احمد میں خود احد آیا — ہوا مطلق مقیّد اظہار
دائرہ مختفی تھا نقطہ میں — ہوگئی ختم گردش پُرکار
وہی اژدر وہی عصائے کلیم — وہی قطرہ وہی در شہوار
بیج بھی ہے وہی شجر بھی وہی — وہی قہار ہے وہی غفار
آپ اپنا پیام پہنچایا — آپ خود اپنا کر گیا اقرار
یار آیا تھا نامہ بر بن کر — خط کے دھوکے میں رہ گئے اغیار[۱]

امجؔد کے یہاں احتیاط کے باوجود مضمون کی بے احتیاطی میں بھی کلام نہیں۔ لیکن ہمیں تو امجؔد کی شاعری سے بحث ہے۔ تصوف کی باریکیوں میں اُلجھنے کا محل نہیں ہے۔ نعت گو شعراء کے مذہب عشق میں بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سجدہ روا اور جائز قرار پا چکا ہے اور اس مضمون کے پُرکیف اشعار سے نعتیہ شاعری پُر ہے۔ اگر حضرت امجؔد کے یہاں بھی اسی کا بیان ہوتا تو کوئی ندرت اور جدّت نہ ہوتی۔ لیکن سخن آفرینی شاعر کسی مضمون میں نئی بات نہ پیدا کرے تو کیا بات ہوئی۔ امجؔد اس خصوص میں ایک منزل آگے بڑھ گئے ہیں۔ اور وہ مضمون پیدا کیا ہے کہ پیرانِ شریعت کو بھی واہ ہی کہتے بنے گی:

ہے بارگاہ عالی کتنی بلند و ارفع — سجدے کو بھی نہیں جا اصلاً تری گلی میں

۴۔ عشق اور رشک لازم وملزوم ہیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات، "**اَللّٰھُمَّ بالافق الاعلیٰ**" سن کر جو کیفیت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں پیدا ہوئی وہ شاید اسی حقیقت کی ترجمان ہے۔ لیکن عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شعراء نے رشک کا مضمون شاذ ونادر ہی باندھا ہے۔ حضرت امجؔد کے کلام کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ انہوں نے رشک کے ارتقاء کی آخری منزل کو نہایت خوبی سے پیش کیا ہے:

---

۱؎ ریاض امجؔد: صفحہ-۱۴-۱۵

صورت تری تک رہی ہیں میری آنکھیں
جلوے سے چمک رہی ہیں میری آنکھیں
تیرے چہرے پہ میری آنکھوں کی نظر
آنکھوں میں کھٹک رہی ہیں میری آنکھیں[۱]

۵-حضرت امجدؔ کی تشبیہیں اور اشارے صاف اور واضح ہوتے ہیں۔ معشوق کو کہیں شاعر بدر قرار دیتا ہے۔ کہیں شمس:

بلاتا ہے کون آج میں بھی تو دیکھوں ہے شمس و قمر کے لئے ثور موزوں[۲]
چھپے آج بدلی میں دو بدرِ کامل ہوا آج برسوں کا مقصود حاصل[۳]

طور پر نور کی تشبیہ تو عام ہے۔ زلف اور رخسار مبارک کو نور پر طور قرار دے کر شاعر نے نہایت بدیع تشبیہ پیدا کی ہے:

تہہ زلف رخسار پر نور دیکھو نئی بات ہے نور پر طور دیکھو[۴]

رخ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تجلی کا حق قرار دے کر نقاب کو حجاب سے تعبیر کیا ہے۔ اب بے نقاب ہونے کا مضمون ملاحظہ کیجئے:

محمد ﷺ کے رُخ سے نقاب اُٹھ گیا ہے
تجلی حق سے حجاب اُٹھ گیا ہے[۵]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو انجم سے تشبیہ دی ہے شاعر نے اسی کو استعارہ بنا کر مہتاب کو اس کے ساتھ شامل کر دیا اب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ ملاحظہ کیجئے:

ہے تاروں کا مہتاب کے گرد ہالا بچائے نظر سے اسے حق تعالیٰ[۶]

---

۱ صبح امجدؔ: صفحہ-۴۸
۲ نذر امجدؔ: صفحہ-۱۷
۳ نذر امجدؔ: صفحہ-۱۶
۴ صبح امجدؔ: صفحہ-۲۴
۵ نذر امجدؔ: صفحہ-۳۰
۶ نذر امجد: صفحہ-۳۰

ایک اور مثال ہے:

اُتر آیا ساحل پہ دریا کرم کا — دو عالم سے دھویا گیا نقش غم کا [۱]

۶-ابھی تک حضرت امجد کی نعتیہ شاعری کے اس رخ کا بیان تھا جس میں ہم وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کم اور حبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ پاتے ہیں۔ امجد نے مختلف عنوانات کے تحت نعتیہ اشعار لکھے ہیں۔ مثلاً یا محمد ﷺ۔ **طلع البد علینا. ھوالظاھر ھوالباطن. رحمة للعالمین. صلی اللّٰہ علیہ و سلم. مازاغ البصر و ما طغیٰ** وغیرہ۔ ان عنوانات میں سے اکثر قرآنی نعت کے ٹکڑے ہیں۔ اب چند عنوانات کو ان کے متعلقہ اشعار کے ساتھ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

**(۱) لا الہ الا اللّٰہ محمد ﷺ رسول اللّٰہ:**

معبود کی شان عبد میں پاتا ہوں — تنزیہ سے تشبیہہ کی سمت آتا ہوں
کلمہ میں خدا کے بعد ہے نامِ نبی ﷺ — کعبہ سے مدینے کی طرف جاتا ہوں [۲]

**(۲) اشھد ان محمد رسول اللّٰہ:**

طیبہ ہی کو اب کعبۂ مقصد کہئے — دہلیز نبی ﷺ کو سنگِ اسود کہئے
گر حمد خدا کا حق ادا کرنا ہے — دل سے اک بار یا محمد ﷺ کہئے [۳]

**(۳) خاتم النّبیین:**

رُخ مہر ہے، قد خط شعاعی کی طرح — وہ گلہ امت میں ہے راعی کی طرح
اس خاتم انبیاء کا آخر میں ظہور — ہے مصرع آخر رباعی کی طرح [۴]

**(۴) مازاغ البصر و ما طغیٰ:**

حیرت نہیں بے سایہ اگر ذات ہوئی — ٹکڑے کیا چاند کیا کرامات ہوئی
دن رات تھا جلوۂ خدا پیش نظر — معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی [۵]

---

[۱] نذر امجد: صفحہ-۳۴
[۲] رباعیات امجد۔ حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۴
[۳] رباعیات امجد: حصہ دوم۔ صفحہ-۱۸
[۴] رباعیات امجد: حصہ دوم۔ صفحہ-۱۳
[۵] رباعیات امجد: حصہ اوّل۔ صفحہ-۱۵

جو مثالیں وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیش کی گئی ہیں دراصل ان میں شاعر کا حکیمانہ انداز وصف کو خاص انداز میں پیش کرتا ہے۔ شاعر کی معنی آفرینی اور جدّت اس میں ایک نیا لطف ضرور پیدا کر دیتی ہے لیکن وصف کی جو بیانیہ صورت ہونی چاہئے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت امجد کا نعتیہ کلام صرف والہانہ جذبات کی ترجمانی ہے اور عارفانہ کیف و مستی کا بیان ہے۔ ان کے کلام میں اس قسم کی مثالیں بھی کثرت سے ملتی ہیں۔ جس میں وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعثت رسول کی غایت کا مضمون نہایت سادگی اور دلآویز پیرائے میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً

ہدایت کی شعاعوں سے ضلالت کا مٹا سایا رُخِ روشن نے غارت کر دیا ظلمت کا سرمایہ
سواد ابروئے خمدار نے کیا رنگ دکھلایا ہوئی شام آفتاب بت پرستی پر زوال آیا
مہ نو خوب چمکا بدر میں تیغ محمد ﷺ کا[۱]

......

دو عالم میں ہے اک شہرہ ترے حسن مجدد کا
خدائے دوجہاں کرتا ہے نظارہ ترے قد کا
مبرّا آب و گل سے ہے ہیولا ذات ارشد کا
محمد مصطفیٰ ﷺ پتلا ہے تو نور مجرد کا
ہوا خورشید اقلیم عدم سایہ ترے قد کا[۲]
فلک کو چاند تاروں سے زمیں کو گل سے زینت دی
عطا کی لہلہاتے کھیت سے جنگل کو سرسبزی
مٹایا داغ کثرت شمع وحدت کو ضیاء بخشی
خدا نے زیب و زینت کی جو بزم آفرینش کی
لگایا اس میں قد آدم آئینہ ترے قد کا
پتہ دیتی ہے جنت کا بہار عارض نیکو
دہان تنگ سے ملک عدم کا راستہ پوچھو

---

[۱] ریاض امجد حصہ اوّل۔ صفحہ۔۷ [۲] ریاض امجد حصہ اوّل۔ صفحہ۔۸

قدِ موزوں کے مضموں سے نکالے ہم نے پہلو دو

بنایا رہنما جب عالم ایجاد کا تجھ کو

ہوا خضر سر راہ عدم سایہ ترے قد کا[۱]

## ۷-حضرت امجدؔ کی نعت میں ہندوستانی عناصر

کلام امجدؔ میں مدینہ کی جوگن نعتیہ شاعری کی ہندوستانی خصوصیت کی آئینہ دار ہے۔ حبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ایک عورت کی زبانی ملکی شاعری کی نمایاں خصوصیت ہے جو عربی اور فارسی نعت میں مفقود ہے۔ قیس سے جوگن کے خطاب میں شاعر نے حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو والہانہ بنا کر پیش کیا ہے:

او قیس عامری تو کیوں پھر رہا ہے بن بن

ٹکڑے ہیں کیوں گریباں صد چاک کیوں ہے دامن

کیوں ہے جنوں سے الفت انسانیت سے اَن بن

دشمن کا دوست ہے تو عقل و خرد کا دشمن

تو خاک چھانتا ہے لیلیٰ کی جستجو میں

نکلی ہوں میں بھی گھر سے یثرب کی آرزو میں

جوگن بنی ہوں میں بھی اپنے پیا کے کارن

چھوڑا ہے دیس میں نے اک دلربا کے کارکن

کرتی ہوں آہ و نالے اک خوش ادا کے کارکن

ہے چاک جیب و دامن رنگین قبا کے کارن

مثل حنا جہاں میں اب پائمال ہوں گے

تیغ مفارقت سے بس لامثال ہوں میں[۲]

آئی برہ کی ماری تیرے لئے بروگن

درشن سے اپنے کردے دل شاد چشم روشن

---

[۱] ریاض امجدؔ حصہ اوّل۔صفحہ-۹

[۲] ریاض امجد۔حصہ اوّل۔صفحہ-۱۱

ہاں کب سے رو رہی ہوں میں رکھ کے منھ پہ دامن
کب سے کھڑی ہے داتا در پر ترے بھکارن
جوگن کی جھولی بھردے او رام نام والے
اس بُت کو رام کردے او رام نام والے[۱]

غرض کہ حضرت امجؔد کے کلام کی بڑی خصوصیت جذب وشوق کی ترجمانی ہے جس کے پیش کرنے کا موثر انداز الہامی صورت اختیار کر کے حکمت وعرفان کے نازک مسائل کو بھی صاف سادہ اور شگفتہ بنا دیتا ہے۔ان کی زبان کی سلاست روانی اور علمی کیفیت نظم کے سارے محاسن کے ساتھ نثر کی برجستگی اور صفائی کا لطف پیدا کرتی ہے۔

امجؔد کا مقام اردو کے نعت گو شعراء میں نہایت مہتم بالشان ہے جو نعتیہ مضامین سے قطع نظر ادبی لحاظ سے بھی بڑا پایہ رکھتا ہے۔

## مہاراجہ سرکشن پرشاد شاؔد

مہاراجہ سرکشن پرشاد شاؔد بتاریخ ۲۸ رجنوری ۱۸۶۴ء (۱۸ رشعبان ۱۲۸۰ھ) پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام راجہ ہری کشن پرشاد تھا۔شاؔد کے نانا مہاراجہ نریندر پرشاد لا ولد تھے اس لئے شاد کی تعلیم وتربیت انہوں نے اپنا فرزند سمجھ کر کی۔ چنانچہ شاؔد نے انگریزی، اُردو، عربی، فارسی، تلنگی اور مرہٹی میں اچھی استعداد حاصل کر لی۔شاد نے مدرسہ عالیہ حیدرآباد میں تعلیم پائی۔

شاؔد اپنے دادا کے جانشین ہوئے اور جاگیرات پیش کاری سے سرفراز کئے گئے۔۱۳۱۰ھ میں صدارت عظمیٰ کی خدمت سپرد کی گئی۔

۱۲۹۱ھ میں شاؔد کو راجہ بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور ۱۳۰۱ھ میں ہفت ہزاری منصب وغیرہ کے علاوہ راجۂ راجایان مہاراجہ بہادر کا خطاب عطا ہوا۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں یمین السلطنت کے خطاب سے نوازے گئے۔حکومت ہند نے ۱۹۰۳ء میں سی، آئی، ای اور ۱۹۱۰ء میں جی، سی، آئی، ای کے خطابات دیئے۔

---

[۱] ریاض امجؔد حصہ اول۔صفحہ:۱۲

شاؔد کو شاعری کا شوق ابتداء ہی سے رہا۔ ان کے یہاں شعراء اور اہل علم حضرات کی محفلیں ہمیشہ گرم رہتیں۔ امیرؔ، جلیلؔ، ظہیرؔ، سرشاؔد، فاؔنی، ہوشؔ، ثاقبؔ، صغیؔر وغیرہ ان کے مصاحبین رہے ہیں۔

شاؔد کا انتقال ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں ہوا۔

شاؔد کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''ہدیۂ شاؔد'' کے نام سے موسوم ہے جو پہلی مرتبہ ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوا۔ حافظ جلیل حسن جلیلؔ نے تاریخ طبع کے کئی قطعات لکھے ہیں جن میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے:

کس منہ سے اس کلام کی تعریف ہو سکے
جس میں ہو ذکر پاک شہ کائنات کا
تاریخ طبع میں نے جو پوچھی جلیلؔ سے
بولا کہ یہ سخن ہے وسیلہ نجات کا
۱۳۲۶ھ

ہدیۂ شاؔد میں ۱۰۲ غزلیں ہیں۔ ایک قصیدہ ہے۔ سات مخمس ہیں اور پانچ سلام ہیں۔ سلام اہل بیت کی منقبت میں ہیں۔ کلام جملہ ۱۹۱ صفحات پر پھیلا ہوا ہے ہر صفحہ میں زیادہ سے زیادہ ۱۰ اشعر ہیں۔ اور اگر اوسطاً شعر شمار کئے جائیں تو جملہ شعر ۱۳۳۱ ہیں۔ دیوان کے آخری حصہ میں دیگر قطعات تاریخ کے ساتھ لطیف احمد اختر مینائی کی تقریظ بھی شامل ہے۔ جس میں شاؔد کی نعت گوئی پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس کے اقتباسات درج ذیل ہیں:

> ''کلام خود کہتا ہے کہ ایسے سوز و گداز کے اشعار بغیر دل کی لگی کے نہیں نکلتے۔ حق تو یہ ہے کہ اس گویائی کا رنگ امیرؔ کے رنگ سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب مصنف نے امیرؔ مینائی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بہت دلچسپی اور والہیت کے ساتھ دیکھا اور سنا ہے۔''[۱]

---

۱؎ ہدیۂ شاؔد: مطبوعہ سنہ ۱۳۲۶ھ صفحہ: ۱۹۵

جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''ہدیۂ شاؔد'' بارگاہ رسالت میں شاعر کا عقیدت مندانہ ہدیہ ہے اس میں ایک غیر مسلم کے جذبات کی ترجمانی ہے جو شمع رسالت پر پروانہ وار فدا ہونے کا دعویدار ہے۔ شاد نے اپنے عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار جگہ جگہ کیا ہے:

کافر عشق محمد ﷺ ہوں میں شاؔد — سبحہ سے بڑھ کر مرا زنّار ہے[۱]

اسی لئے شاعر بارگاہ ایزدی کا شکر گزار ہے کہ اس نے نعت گوئی کی توفیق عطا فرمائی:

مشغلہ نعت نبی ﷺ کا ہے مجھے شکر خدا — بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقصد مجھ کو[۲]

مندرجہ ذیل اشعار سے شاؔد کے نعتیہ کلام کے رنگ کا اندازہ ہو جائے گا:

احمد ﷺ کے در پہ اس لئے میں جبہ سا رہا — سجدے کے لائق اور کوئی آستاں نہ تھا[۳]

کافر عشق محمد ﷺ خلق کہتی ہے مجھے — سب مسلماں قدر کرتے ہیں میرے زنّار کی[۴]

کافر ہوں کہ مومن ہوں خدا جانے میں کیا ہوں — پر بندہ ہوں ان کا جو ہیں سلطان مدینہ[۵]

عاشق ہوں مجھے جنت فردوس سے کیا کام — ہے سر میں ازل سے مرے سودائے مدینہ[۶]

دم مرا سینے میں ٹھہرا وقت نزع — مجھ کو جس دم یاد آئی آپ ﷺ کی[۷]

......

مرے سوزِ محبت کو جو دیکھا — فلک پر رشک سی بجلی جلی ہے

طواف روضہ عین حج ہے اے شاؔد — مرا کعبہ مدینے کی گلی ہے[۸]

ہم خیال رخ پرنور میں حیراں ہوں گے
یاد آئیں گے جو گیسو تو پریشاں ہوں گے

---

۱ ہدیۂ شاؔد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ-۱۴۸
۲ ہدیۂ شاؔد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ-۷۹
۳ ہدیۂ شاؔد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ-۱
۴ ہدیۂ شاؔد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ-۱۲۷
۵ ہدیۂ شاؔد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ-۹۲
۶ ہدیۂ شاؔد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ-۹۴
۷ ہدیۂ شاؔد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ-۱۰۹
۸ ہدیۂ شاؔد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ-۱۱۳

لے گیا بخت اگر روضۂ اقدس کی طرف
جان و دل سے کبھی صدقے کبھی قربان ہوں گے

ہم کو تو گلشن طیبہ میں اڑا کر لے جا
ہم ترے باد صبا بندۂ احساں ہوں گے [۱]

۱-شاؔد کے کلام کی بڑی خصوصیت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار ہے اور اس جذب وشوق میں توحید کی طرب انگیزی بھی پائی جاتی ہے:

ساز گار اپنا زمانہ ہوگیا ہند سے طیبہ کو جانا ہوگیا
دفن یثرب میں مرا لاشہ ہوا اب مسافر کا ٹھکانا ہوگیا
جب سے وحدت کا ہوا دل کو خیال تھا جو بیگانہ یگانہ ہوگیا
پھر پلٹ آئی گلستاں میں بہار اپنا آبادِ آشیانہ ہوگیا
کفر چھوڑا پی کے مئی توحید کی رنگ شاداؔب عاشقانہ ہوگیا [۲]

اسی لئے ان کے بیشتر کلام کو پڑھ کر یہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کلام ایک کافر ہندی کا ہے یا مومن صادق کا۔ جو خلوص اور وابستگی شاؔد نے بارگاہ رسالت سے ظاہر کی ہے شوق کی راہ جگہ جگہ نمایاں ہے۔

۲-یوں تو نعت گو شعراء نے بیقراری کے مضامین کثرت سے باندھے ہیں۔ لیکن شاؔد کے کلام کی یہ خصوصیت ایک انوکھے انداز میں ہے۔ ایک تو شاعر کو حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بے چینی کا سامنا ہے۔ دوسرے وہ حلقہ بگوشان محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہونے کے بعد بھی اپنے کفر کی بناء پر نفسیاتی طور پر شہنشاہ لولاک سے دوری کا شدید احساس رکھتا ہے اور اسی لئے تاسف کے آنسو بہاتا ہے۔ جذبات کی شدت ہر جگہ موجود ہے:

کیوں ہے بے چین الٰہی دل مضطر اپنا کہ کسی طرح سے قابو نہیں اس پر اپنا
جن کو کہتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں اپنے سلطان جس کو کہتے ہیں مدینہ وہ ہے کشور اپنا
کیوں نہیں روضۂ اقدس کی زیارت ہوتی کیوں بگڑ جاتا ہے بن بن کے مقدر اپنا

---

۱ ہدیۂ شاؔد مطبوعہ ۱۳۲۶ھ صفحہ-۱۳۷

۲ ہدیۂ شاؔد، صفحہ-۳-۴

پائے بوسی کی تمنا نہیں نکلی اب تک　　کیا ابھی دیکھیں دکھاتا ہے مقدر اپنا[۱]

میں دور ہوں مدینے سے فریاد یا نصیب　　اب تک حضور میں نہ ہوئی یاد یا نصیب

پایا نہ درد آہ نے کیوں بے اثر نہ ہو　　فریاد کرتے ہیں لب فریاد یا نصیب[۲]

۳-شاؔد کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر داخلی جذبات کی ترجمانی ہے اور شروع سے آخر تک تغزل کا رنگ غالب ہے۔ البتہ کہیں کہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان بھی ملتا ہے جس کی مثال درج ذیل ہے:

سرور الشّمس الضحیٰ یا نبی بدرالدجیٰ　　عقل کا نورالہدیٰ شاہ دیں خیرالوریٰ

ناسخ احکام ہے حجت اسلام ہے　　دافع آلام ہے وہ رسولِ مجتبیٰ

سید الکونین ہے مجمع البحرین ہے　　رحمت دارین ہے شافع روز جزا

خواجۂ ہر دوسرا مالک ارض و سما　　گمرہوں کا رہنما سب جہاں کا پیشوا[۳]

۴-اردو کے اکثر نعت گوشعراء نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو اللہ کی شان سے ہمرنگ دکھایا ہے اور اس طرح مخلوق کو خالق کی صفات میں پیش کیا ہے۔ یہ مضمون غیر اسلامی عقائد کے اثرات کی بناء پر نعتیہ شاعری میں کچھ اس طرح داخل ہوگیا ہے کہ گویا نعت گوشعراء کے ایک طبقے کا جزو ایمان بن گیا ہے۔ شاؔد کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

ایک ہیں نور احد نور محمد ﷺ دونوں
صاف کہہ دینے میں ہم کو کوئی پروا کیا ہے[۴]

احد اور احمد ﷺ ہے کس طرح واحد　　وہی جانتا ہے جو سمجھا ہوا ہے[۵]

باطن میں ذات ایک ہے ظاہر میں عبد و رب
عقدہ کھلا یہ ہم کو شگاف قلم سے ہے[۶]

---

۱ ہدیۂ شاد، صفحہ-۱۲-۱۳
۲ ہدیۂ شاد، صفحہ-۱۷
۳ ہدیۂ شاد، صفحہ-۱۴
۴ ہدیۂ شاد، صفحہ-۱۰۴
۵ ہدیۂ شاد، صفحہ-۱۱۸
۶ ہدیۂ شاد، صفحہ-۱۴۹

خود ذات ہی تھی احمد و محمود و محمد ﷺ    آئینۂ عرفان میں جو دیکھا شب معراج [۱]

۵- مدینہ طیبہ کا وصف نعت گو شعراء نے اکثر بیان کیا ہے اور اس طرح دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا اظہار نعتیہ کلام میں جا بجا ملتا ہے۔ شاؔد کے یہاں بھی وصفِ مدینہ کا مضمون ہے۔ لیکن نہایت غلو کے ساتھ شاؔد کے مذہبِ عشق نے اسے روا رکھا ہے کہ اس کی حرمت کو اللہ کے گھر کی حرمت سے بھی بڑھا دے:

نظر آتی ہے واں شان خدائی    در و دیوار کے انوار دیکھو [۲]

طواف روضہ عین حج ہے اے شاؔد    مرا کعبہ مدینے کی گلی ہے [۳]

وہ گھر ہے خدا کا تو یہ محبوب خدا ہے    کعبے سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شان مدینہ

ہے قبر نبی ﷺ ہی سے یہ سب عزت و اجلال    قالب ہے مدینہ تو وہ ہے جان مدینہ [۴]

۶- شاؔد نے اکثر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ساری کائنات کا وجود آپ کے وجود سے ہے اور ہر چیز آپ ہی کے نور سے ہے۔ یہ صورت حقیقۃً اور عقیدۃً دونوں طرح درست ہے لیکن دامن رحمت کا سایہ تو اسی کو نصیب ہوگا جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ اطاعت جوڑ چکا ہے اور ایمان کو دل میں جگہ دے چکا ہے۔ شاعر کفر کی حالت میں بزم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری کا شدید احساس رکھتا ہے۔ اب وہ فکر میں ہے کہ کونسا مضمون اس بزم میں پہنچا سکتا ہے۔ اس کے لئے شاد نے منطقی استدلال سے کام لیا ہے۔ لولاک لما خلقت الافلاک کی تعبیر کس خوبی سے اپنی تائید میں کی ہے:

ہیں پھول اسی باغ کے سب کافر و مومن    یہ گلشن ایجاد ہے گلزار محمد ﷺ [۵]

ساتھ ہی رسالت سے انکار پر کفر کے فتویٰ میں دلیل کی قوت پیدا کی ہے:

تنزیہ میں کچھ اور ہے تشبیہ میں کچھ اور    انکار خدا کیوں نہ ہو انکار محمد ﷺ [۶]

---

[۱] ہدیۂ شاؔد، صفحہ-۲۶

[۲] ہدیۂ شاؔد، صفحہ-۸۱

[۳] ہدیۂ شاؔد، صفحہ-۱۱۴

[۴] ہدیۂ شاؔد، صفحہ-۹۱

[۵] ہدیۂ شاؔد، صفحہ-۲۹

[۶] ہدیۂ شاد، صفحہ-۳۰

وحدت کے مضمون میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے:

وحدت کا جو طرہ ہے انہیں کو ہے وہ زیبا　　　ہے تاج نبوت کا سزاوار محمد ﷺ [۱]

۷- مشکل زمینوں میں اچھے مضامین بھی پیدا کئے ہیں۔ مثلاً:

گلشن طیبہ سے میری روح یوں مانوس ہے
جیسے ہو بلبل کو اپنے آشیاں سے ارتباط

در حقیقت محو ہیں دل سے خدا کی ذات میں
ہے بظاہر آپ کو سارے جہاں سے ارتباط

یاد احمد کیوں نہ آئے میرے دل میں بار بار
جو مکیں ہے اس کو لازم ہے مکاں سے ارتباط

رحمۃ للعالمیں کے کیوں نہ سب مداح ہوں
رحمت حق کو ہے ان کی مدح خواں سے ارتباط [۲]

دل کو ہے روئے پیمبر سے غرض　　　آئینہ کو ہے سکندر سے غرض
سجدہ گاہیں اور بھی ہوں گی مگر　　　میرے سر کو ہے ترے در سے غرض
دولت عشق نبی ﷺ درکار ہے　　　مال سے کیا کام کیا زر سے غرض
تشنۂ دیدار ہوں میں آپ ﷺ کا　　　کب نکل سکتی ہے کوثر سے غرض [۳]

۸- نعتیہ اشعار میں تصوف کے مسائل کا بیان بھی شاد کے یہاں اکثر و بیشتر ملتا ہے جو حقیقت میں ان کے صوفی مشرب ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ شادؔ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے ہندوستان میں مذہب کو تصوف کی نظر سے دیکھا اور اسلام کو ان عقائد کے ساتھ ہم آہنگ کرنا چاہا جس کا جواز شریعت میں تو نہیں خود ساختہ طریقت میں ملتا ہے:

یہ وحدت الوجود کا مشکل ہے مسئلہ
دریا ہے اس کو کوزے میں کس طرح لائیں ہم

---

۱ ہدیۂ شادؔ، صفحہ-۳۰

۲ ہدیۂ شادؔ، صفحہ-۴۴-۴۵

۳ ہدیۂ شادؔ، صفحہ-۴۲

آئینہ دار حق ہیں ودیعت خدا کی ہے
پھر کس طرح سے دل یہ بتوں سے لگائیں ہم [۱]

کن کہتے ہی نمود ہوئی بے نمود کی — عالم پہ بات کھل گئی نابود و بود کی
اپنی خودی کو کھو کے اسے پایا آپ ہی — یہ سیر کی ہے آ کے عدم سے وجود کی
صل علیٰ نہ کیوں کہیں احمد ﷺ کے نام پر — پڑھنے کی ہے جگہ تو یہی ہے درود کی [۲]

۹-شاؔد نے جہاں داخلی جذبات کے اظہار میں نہایت لطیف پیرایہ اختیار کیا ہے اور جذب وشوق کی فراوانی سے اپنے خلوص کا ثبوت دیا ہے وہاں اکثر نعت گوشعراء کے رنگ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعشق کا اسی طرح اظہار کیا ہے جس طرح ایک شاہد مجازی سے کیا جاتا ہے۔آپ کے گیسو، زلف، خدوخال وغیرہ پر فریفتگی کا مضمون یہ ہے:

۱- عشق میں زلف محمد ﷺ کے مری جان چلی
یہ پری اڑ کے مجھے ڈس گئی ناگن بن کر [۳]

۲- گیسو کی یاد ہے کبھی عارض کی یاد ہے
ہے مست اسی خیال میں لعل و نہار دل [۴]

۳- مژگاں پاک دیکھ کے کہتے ہیں جان نثار
دل میں خلش ہے جن کی وہ پیکاں یہی تو ہیں [۵]

۴- جو بات ہے قامت شاہ مدنی میں
آئی ہے نہ آئے گی وہ سروچمنی میں [۶]

۵- بل کھاتے ہو کیا فرط نزاکت سے حسینو
حضرت کے ذرا گیسوئے خم دار کو دیکھو [۷]

۶- اعجاز بھری آنکھیں سمائی ہیں نظر میں
اب نرگس شہلا تجھے دیکھا نہ کریں گے [۸]

---

[۱] ہدیۂ شاؔد، صفحہ:۴۲ — [۲] ہدیۂ شاؔد، صفحہ:۵۷
[۳] ہدیۂ شاد، صفحہ:۹۵ — [۴] ہدیۂ شاد، صفحہ:۳۲
[۵] ہدیۂ شاد، صفحہ:۶۱ — [۶] ہدیۂ شاد، صفحہ:۴۷
[۷] ہدیۂ شاد، صفحہ:۸۷ — [۸] ہدیۂ شاد، صفحہ:۱۰۰

۷- آرزو اب کس کو ہے رویت کی تیری ماہ نو

ہم زیارت کر چکے ہیں ابروِ خم دار کی[1]

شادؔ کا نعتیہ قصیدہ ۱۷۰ ابیات پر مشتمل ہے جس کا مطلع یہ ہے:

مئے وحدت سے آج ہوں مخمور بادۂ عشق کا ہے دل میں سرور[2]

قصیدے کی تشبیب یا تمہید میں شاعر نے اپنے مقام کی رفعت کے مضمون کو طرح طرح سے باندھا ہے۔اس میں مئے وحدت کی مستی کا بھی ذکر ہے اور قید مذہب سے آزادی کا دعویٰ بھی ہے۔شاعر اپنے نغموں کی دلآویزی اور عشق کے بیان کے ساتھ خود کو ہر آن ایک نئی شان میں جلوہ گر دکھاتا ہے آخر یہ کہہ کر نعت کی طرف گریز کرتا ہے کہ:

ہوں حقیقت میں کیا نہیں معلوم پر ہوں اک بندۂ خدائے غفور
جوش مستی میں کہہ دیا جو کچھ ہوں میں امیدوار عفو قصور
ساقیا ہاں پلا شراب طہور تا کہ ہوجاؤں نشے میں پھر چور
نعت کرنی ہے مجھ کو ان کی رقم ہے لقب جن کا سرور جمہور[3]

وصف کے اشعار یہ ہیں:

جس کو کہتے ہیں احمد بے میم ہے اسی کے لئے جہاں کا ظہور
ذات ہے اس کی مظہر غفار کیوں نہ امت اسی کی ہو مغفور
بات ہر اک ہے معجزہ ان کی ہے علوم لدنیہ پر عبور
ان کا کہنا ہے وحی ما یوحی نہ بناوٹ نہ اس میں کچھ ہے قصور[4]

شاعر نے اپنے عام رنگ سے الگ قصیدے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان شرح وبسط سے کیا ہے۔قصیدہ کا خاتمہ دعا پر کیا ہے جو طویل ہے۔اس میں شاعر نے اپنا مدعا پیش کیا ہے اور کہیں کہیں داخلی جذبات کا اظہار بھی ہے۔

---

[1] ہدیۂ شاد، صفحہ:۱۲۶
[2] ہدیۂ شاد، صفحہ:۱۶۷
[3] ہدیۂ شاد، صفحہ:۱۷۱
[4] ہدیۂ شاد، صفحہ:۱۷۱-۱۷۲

مخمس کا نمونہ درج ذیل ہے:

میں فداتم پہ دل و جاں سے ہوں اے میرے نبی ﷺ
مجھ کو بلوا لو مدینے میں شہ مطلبی
یہی کہتا ہوا آؤں گا جو ہوگی طلبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
چاند سا دیکھ کے مکھڑا ہوا حیران عالم
ہے عیاں قدرت حق آپ سے اے شاہ امم
وصف اس حسن خداداد کا کیوں کر ہو رقم
من بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جما لست بدیں بوالعجبی [1]

## سید افضل شاہ خاں چشتی طوفاںؔ

سلطان سخن (الموسوم دیوان طوفان رحمت) ایک نعتیہ دیوان ہے۔ جس کے مصنف سید افضل شاہ خاں چشتی قادری المتخلص طوفاںؔ تھے۔ ان کے صاحبزادے سید احمد شاہ چشتی قادری نے یہ دیوان شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمے میں وہ اپنے مقامی انداز بیان میں لکھتے ہیں، کہ وہ ''خلیفہ حضرت شاہ فیض الدین صاحب چشتی القادری قدس سرہٗ العزیز کے تھے۔ چہار پشت ضلع بیڑ و اورنگ آباد میں گزرے اور حضرت کی پیدائش ضلع بیڑ کی ہے۔ اور بتلاش روزگار ضلع کریم نگر پہنچ کر بعد ملازمت ۳۴ سال وظیفہ حسن خدمت حاصل کر کے ۱۳۳۹ھ میں دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ حضرت قبلہ کو بزمانہ شباب حضرت آغا داؤد صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز خلیفہ حضرت محمد حسن صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز سے بیعت تھی۔ اور آخری عمر میں حضرت سید شاہ فیض الدین صاحب قبلہ چشتی القادری قدس سرہٗ العزیز نبیرہ حضرت حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ جو موضع بیارم ضلع آصف آباد میں قیام پذیر تھے، طالب

---

[1] ہدیۂ شادؔ، صفحہ: ۱۵۲

ہوئے۔ حضرت سید شاہ فیض الدین صاحب چشتی القادری کی صحبت نے حضرت قبلہ طوفاںؔ صاحب کا ایسا ذوق بڑھایا کہ چودہ ماہ میں دیوان نعتیہ تکمیل پایا، یہ دیوان ۱۳۸۱ھ میں شائع ہوا تھا اور نواب فصاحت جنگ خلیلؔ نے تاریخ طبع کا مادہ اس طرح پیش کیا:

طبع کی تاریخ تم لکھو جلیلؔ　　بے بہا بے مثل نعت مصطفےٰ ﷺ

۱۳ھ　　۸۱

دیوان میں کم وبیش چار ہزار اشعار ہیں اور قریب قریب تمام اصناف سخن موجود ہیں۔ شروع میں ایک مناجات ہے۔ جس میں شاعر نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کے لئے دعا کی ہے اور اس عشق میں اشعار پیش کرنے کی آرزو ظاہر کی ہے:

آرزو ہے اس شفاعت خواہ کی　　اور تمنا ہے یہ افضل شاہ کی

عشق کے دریا میں ہو طوفاںؔ بپا　　رنگ دکھلائے وہ نعت مصطفےٰ ﷺ

پھر ردیف وار غزلیات ہیں۔ تضمین، ترجیع، مثلث، مخمس، مسدس، مستزاد وغیرہ سب کچھ ہیں۔ کچھ خمسے اور مرثیے پوربی زبان میں بھی ہیں۔ سلام بھی ہیں اور شہدائے کربلا کا ذکر بھی مختلف مقامات پر ہے۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ جامیؔ، مولوی لطف اللہ خاں لطفؔ بریلوی، خواجہ وزیرؔ، اکبرالہ آبادی، بیدمؔ وارثی اناوی، ہنرؔ حیدرآبادی وغیرہ کے کلام پر اچھی تضمینیں لکھی ہیں۔ مثنویاں اور رباعیاں بھی ہیں اور ہر جگہ نعت ہی نعت غالب ہے۔ اور چونکہ طوفاںؔ کا تعلق قادریہ اور چشتیہ دونوں سلسلوں سے ہے اس لئے ان کے بزرگوں کا ذکر بھی جگہ جگہ آتا ہے۔ مثلاً

ہے غوث پاک نام مرے دستگیر کا　　مشرق میں گر پکاروں تو مغرب سے لے خبر[۱]

دوری کے شکنجے میں کیوں تو مجھے کستا ہے　　اے ہجر معین الدینؒ مجبور نہ کر مجھ کو[۲]

ان روحانی پیشواؤں کے علاوہ متعدد مقامات پر مادی آقا یعنی میر عثمان علی خاں والی دکن کی مدح سرائی بھی ہے۔ مثلاً:

ذکر علم الاولیں پر غش ہے سلطان العلوم
جس کے علم وفضل کی ہندوستاں میں دھوم ہے[۳]

---

۱؎ سلطانؔ سخن: صفحہ-۲۵　　۲؎ سلطانؔ سخن: صفحہ-۱۲۷
۳؎ سلطانؔ سخن: صفحہ-۱۱۹

حال شہ عثمانؔ اعلیٰ ہے لاکھوں نیکوں میں نرالا ہے

شاہوں میں اللہ والا ہے سمجھا دیا کملی والے نے[۱]

شیدائے رسول ﷺ مدنی ہے شہ عثمان　　شاہوں میں یہ سلطان دکن اور ہی کچھ ہے[۲]

سادگی سے شہ عثمانؔ کی ہے شاہی کو فروغ

ہیبت حق سے نہیں تیغ میں جوہر خالی[۳]

۱۔طوفانؔ کی نعتیہ غزلوں مس تغزلؔ پوری طرح کارفرما ہے۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک نعت گوشاعر اس صنف میں بھی کس قدر کامیاب ہوسکتا ہے۔تغزل کے اشعار یوں آتے ہیں:

بے تابیٔ دل اپنی یوں ان کو خبر کرنا　　سرمار کے فرقت میں دیوار کو در کرنا

اس تغزل کے ساتھ عقیدت اور محبت بھی عجیب شوق واشتیاق کے ساتھ ہے:

دودل کو ملاتے ہیں روٹھوں کو مناتے ہیں　　عادت ہے محمد ﷺ کی یوں شیر وشکر کرنا

کہہ دو میری جانب سے انوار الٰہی کو　　قطرے کو گہر کرنا ذرے کو قمر کرنا

ایک اور غزل کا تغزل ملاحظہ فرمایئے جس کا مطلع یوں ہے:

میں رہوں ہوش میں خلوت کا یہ دستور نہیں　　غیر کے سامنے آنا انہیں منظور نہیں

پوری غزل اسی رنگ کی ہے۔اور مقطع یوں آتا ہے:

بے سبب آنکھ سے آنسو نہیں گرتے طوفانؔ　　پھر یہ کیا ہے جو جگر میں کوئی ناسور نہیں

ایک اور غزل میں تغزل یوں ہے:

یہی طریق ہے در پردہ ان کے آنے کا　　خیال میں یہی آتا ہے خواب ہو کے رہوں

جلا کے آتش فرقت مجھے تو خاک نہ کر　　مزا تو جب ہے کہ بوئے کباب ہو کے رہوں

یہ تغزل طوفانؔ کی عقیدت میں طوفان برپا کردیتا ہے۔اور ان کی اکثر غزلوں میں اس لطیف عنصر کی وجہ سے بڑی دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔

۲۔حسن تعلیل سے بھی طوفانؔ نے بہت کام لیا ہے۔اور لطف یہ ہے کہ اس صنعت کی موجودگی کے باوجود تصنع ظاہر نہیں ہوتا۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

---

۱۔ سلطانؔ سخن: صفحہ۔۱۲۷　　۲۔ سلطانؔ سخن: صفحہ۔۱۳۳

۳۔ سلطانؔ سخن: صفحہ۔۱۴۵

فراق محمد ﷺ میں روتی ہے شبنم　　غضب ہے گلوں کو ہنسی سوجھتی ہے
کس حسن کی اس گنبد خضرا میں کشش ہے　　جاتی ہے تو واپس نہیں آتی نظر شوق
بہر نثار روضۂ والا تمام رات　　تارے بنے ہیں دامن چرخ کہن میں پھول
پیری میں سوز الفت احمد نہ چھپ سکا　　ہو کیوں نہ زرد زرد چراغ سحر کا رنگ
قدر سونے کی کسوٹی سے ہوا کرتی ہے　　کیوں لگاوٹ نہ ہو رحمت کو سیہ کاروں سے

۳- حقیقی جذبات کی ترجمانی بڑے لطیف پیرائے میں کی ہے جس سے عقیدت اور حقیقت دونوں کا اظہار ہوتا ہے:

گر ہم نہ گئے روح تو جائے گی مدینہ　　دل میں کشش صادق حب الوطنی ہے
شب فرقت میں تو اے خواب آنکھوں سے خفا کیوں　　تمنا ہے کہ اس بیتابی دل کا اثر دیکھوں
ضعف کہتا ہے کہ کس طرح مدینہ جائیں　　شوق کہتا ہے کہ مرمر کے چلے جایئے آپ
ایک منزل میں تو رہتے ہیں مل کر دونوں　　ہوش جاتا ہے تو پھر بے خبری آتی ہے

آپ کیا آئیں پر آتا ہے خیال اک آپ ﷺ کا
کیا اسی صورت سے دل کو میرے بہلائیں گے آپ ﷺ

۴- بات میں بات پیدا کرنا بھی بعض شعراء کا شیوہ ہے۔ طوفاںؔ کے یہاں ایسی مثالیں بہ کثرت ہیں:

جو بے خطا رہا وہ خطاوار ہے ضرور　　بندہ کا ہے خمیر مرکب خطا کے ساتھ
خنجر کی طرح چاند سی صورت پہ بھویں ہیں　　اس بدر میں اس بدر کا رَن بول رہا ہے
تلواروں کی دھاروں میں بھی جاؤں گا مدینہ　　دل بھی میرا فولاد ہے منزل جو کڑی ہے
شرمندۂ عصیاں پر رحمت کا پڑا پانی　　ہم اپنے پسینے میں خود آپ نہا بیٹھے
جس ہٹ پہ تھے ہٹیلے آخر وہی قبیلے　　بگڑے ہوئے بنے سب انساں تری گلی میں
اترا رہے ہیں دونوں تیری عنایتوں پر　　دانا تری گلی میں ناداں تری گلی میں

۵- سنگلاخ زمینیں بھی جگہ جگہ اختیار کی ہیں۔ جو طوفاںؔ کی قادر الکلامی کی دلیل ہیں۔ اور ایسی زمینوں میں اچھے اچھے مضامین بھی پیدا کئے ہیں۔ سوال طوالت کے خوف سے ان زمینوں کی صرف نشاندہی کی جاتی ہے:

''آب خنجر دھوپ میں۔ برابر دھوپ میں۔ جب روشن چراغ۔ شب روشن چراغ۔ جلوہ گر چاروں طرف۔ مگر چاروں طرف۔ کافور کی آگ۔ ناسور کی آگ۔'' ''تدبیر تھی دھری تہری۔ زنجیر تھی دھری تہری۔''

بعض نعتیہ غزلیں بہت دلکش ہیں ہم یہاں صرف مطلعے پیش کرتے ہیں:

حور و ملک ہیں سارے خیر البشر پہ صدقے
عالم ہے در پہ قرباں جبریل گھر پہ صدقے

نازل ہوا ہے قرآں اے جاں تری گلی میں
لاکھوں کو مل رہا ہے ایماں تری گلی میں

غافل نے عمر کھوئی ہیں تو کی گفتگوئیں
مرنے سے پہلے مر کر گم ہوگیا نہ ہوئیں

بروں کو کچھ ایسی بھلی سوجھتی ہے
مدینے کی ہر دم گلی سوجھتی ہے

ان خوبیوں کے باوجود بعض مقامات پر سقم بھی پایا جاتا ہے اور زبان بھی مقامی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ مثلاً:

تھی راہ مدینہ میں جو خاک مری باقی　　صد حیف کہ آندھی نے اس کو بھی اڑا ڈالی
(ص-۱۲۹)

مژدہ لاتقنطوا سن کر ہوئے ہم باغ باغ　　اور تازہ ہوگیا ہر پھول کھلاتے ہوئے
(ص-۱۲۲)

اس گنہگار کو کیا خاک جلائے گی جحیم　　قدرت حق نے جسے چاہ سے پالی ہوگی
(ص-۱۴۴)

خاک میری اڑا کے آندھی نے　　لو مدینے کی راہ پر ڈالی
(ص-۱۳۰)

حضرت ہی نہ آئیں تو کیا خاک شفا ہوگی　　بیمار محبت سے سب ہاتھ اٹھا بیٹھے
(ص-۱۲۲)

سیر ہوکر نہ کبھی آپ نے کھانا کھایا     شکم پاک سے اک دن بھی نہ پتھر نکلا
(ص-۹)

''مدثر'' (دال۔ث مشدد) کوصرف مدثّر (صرف ثؔ مشدّ د) استعمال کیا ہے۔مثلاً:

اٹّھا جو مدثؔر کا گھونگھٹ حوروں نے بلائیں لیں چٹ چٹ
بلبل کی ہوئی گل سے کھٹ پٹ شرما دیا کملی والے نے
(ص-۱۲۷)

ہر لفظ کے گھونگھٹ میں جلوہ ہے محمد ﷺ کا     تفسیر مدثؔر کی دیوان ہے طوفاؔن کا

لیکن یہ کوئی غلطی نہیں ہے۔کیونکہ فارسی شعراء نے ''مزمل'' (بغیر زائے مشدد کے ) استعمال کیا ہے۔مثلاً۔حکیم ازرقؔی لکھتا ہے:

گل در لحاف غنچہ خوش گفتہ بدسحر گہ     باد صبا برو خواند یٰایھا المزمل

کمال اسمٰعیل نے بھی کہا ہے:

واں گردش مزمل زریں شگفت را     گوئی بروشنی چوروان اندر وروان

## محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی حسرتؔ

مولانا عبدالقدیر صدیقی حسرت ۱۲۸۸ھ میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔تعلیم اپنے والد محمد عبدالقادر صدیقی کی نگرانی میں پائی۔ فارغ التحصیل دارالعلوم سے ہوئے۔مولوی، مولوی عالم، منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات میں پنجاب یونیورسٹی سے امتیازی درجہ میں کامیابی حاصل کی۔پھر حبیب ابوبکر بن شہاب اور مولانا قادرالدین وغیرہ سے درس نظامی کی تعلیم پائی۔یوں حسرتؔ تفسیر، فقہ، حدیث، منطق، فلسفہ وغیرہ کے ماہرین میں شمار ہوتے ہیں۔لیکن ان کا خاص دلچسپ موضوع تصوف ہے۔پہلے دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے پھر اسی کالج میں عربی کے پروفیسر رہے۔آخر جب جامعہ عثمانیہ وجود میں آیا تو وہاں صدر شعبۂ دینیات کی خدمت پر فائز رہے۔۱۳۴۳ف میں وظیفہ پر خدمت سے علاحدہ ہوگئے۔

مولانا حسرتؔ کا شمار حیدرآباد کی ان شخصیتوں میں ہوتا ہے جس پر حیدرآباد کو بجا طور پر ناز ہے۔انھوں نے جہاں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں ہیں وہاں شعروسخن میں بھی اپنا

مقام پیدا کیا ہے۔ ان کی تصانیف میں ''الدین'' ''حکمت اسلامیہ'' ''معیار الکلام'' اور ''معارف'' شامل ہیں۔

حسرتؔ نے عربی، فارسی، اردو اور ہندی زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ یہاں ہم حسرتؔ کے نعتیہ کلام سے بحث کریں گے۔

حسرتؔ نعت گو شعراء میں اس حیثیت سے قابل قدر ہیں کہ انہوں نے اُردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی روح افزا نعتیں لکھی ہیں۔ گویا ان کا کلام جہاں عربی اور فارسی محاسن سے مالا مال ہے، وہاں ہندوستانی رنگ کو بھی خالص ہندوستانی خصوصیات کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ ایک طرف وہ اپنی نعتیہ ٹھمریوں میں صنفِ نازک کی زبان سے ''معراجی سیّاں'' ''مکے والے بلما'' ''کالی کملی والے کنہیا'' وغیرہ کی ترکیبیں استعمال کر کے حسن کلام میں ہندوستانی ادائیں پیدا کرتے ہیں تو دوسری طرف ''سید المصطفیٰ'' ''احمد المجتبیٰ ﷺ'' ''سید الابرار'' ''مرتضیٰ'' ''خیر الوراء'' وغیرہ کے القاب سے وہ بارگاہ رسالت میں تقدس اور حسن خطاب کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ جس طرح حسرتؔ کی ذات جامع صفات ہے، اسی طرح ان کی نعتیہ شاعری بھی جامع خصوصیات ہے۔ یہاں ہمیں مولانا کی عربی اور فارسی نعت سے بحث نہیں ہے۔ صرف ان کی اردو نعت سے متعلق عرض کرنا ہے۔ حسرتؔ کے مجموعۂ کلام ''زفرات الاشواق'' (مطبوعہ ۱۳۵۳ھ) میں عربی نعت اور ٹھمریاں شامل ہیں۔ ''نسیم عرفان'' میں۔ کوئی مستقل نعتیہ غزل نہیں ہے۔ نعتیہ ٹھمریاں درج ہیں۔ البتہ ''زمزمہ محبت'' میں صرف حمد، نعت اور منقبت پائی جاتی ہے۔ اس میں ٹھمریاں وہی ہیں جو ''زفرات الاشواق'' اور ''نسیم عرفان'' میں ہیں ''زمزمۂ محبت'' کے دیباچہ میں حسرتؔ نے مداح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر ناز کیا ہے اور اس سعادت پر خود کو مبارکباد دی ہے۔ جہاں تک شعر گوئی کے مقصد کا سوال ہے حسرتؔ کے یہاں اس قبیل کی کوئی صورت نظر نہیں آتی سوائے کہ ''اللہ ربی و محمد حبیبی'' شعر کہنے میں انہیں نہ تو ستائش کی تمنا ہے اور نہ صلے کی پروا۔'' علماء التفات نہ کریں مناسب، شعراء نہ مانیں منظور، دنیا پسند نہ کرے نہ کرے۔'' ان کی نظر میں کچھ نہ سہی۔ جگر کی خلش تو دور ہوئی دل کی کاوش تو زائل ہوئی۔[1]

---

[1] دیباچہ۔ نسیم عرفان۔ دیوان العلامہ۔ محمد عبد القدیر حسرت۔ از مصنف۔ ص-۱

۱-غرض یہ کہ حسرتؔ نے شعر گوئی کا مقصد جذبات کا اظہار قرار دیا ہے۔ اگر حسرتؔ کی نعتیہ شاعری صرف رسالت مآب سے عقیدت اور خلوص کا اظہار ہے تو یہ جذبہ بھی کچھ کم قابل ستائش نہیں ہے۔ دراصل حسرت کی نعت گوئی کی پہلی خصوصیت اسی جذبہ عقیدت اور محبت کا اظہار ہے۔ ساتھ ہی عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دل و جان میں بسی ہوئی ہے۔ وہ دنیا اور عاقبت کی فلاح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی میں دیکھتے ہیں:

تم پہ میں جان سے قربان رسولِ عربیﷺ ۔۔۔ تم مری جان کی ہو جان رسولِ عربیﷺ
آپ کی شان میں ہے بے ادبی بے دینی ۔۔۔ آپ کا عشق ہے ایمان رسولِ عربیﷺ
جن و انس اور ملائک کی سمجھ سے باہر ۔۔۔ آپ کا مرتبہ و شان رسولِ عربیﷺ
تری تعظیم کریں اور تری توقیر کریں ۔۔۔ یہ ہے اللہ کا فرمان رسولِ عربیﷺ
مومن نہیں جو اس میں کرے فرق ذرا بھی ۔۔۔ اللہ کا فرمان ہے فرمان رسولِ عربیﷺ [۱]

۲-خلوص و محبت کی فراوانی کی وجہ سے بے قراری کے مضامین کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ شاعر لقائے حبیب کے لئے تڑپتا ہے اور حسرتؔ دیدار کی بے چینی میں بارگاہ رسالت میں اپنی تمنا لے کر پہنچتا ہے:

آجا آجا سر و سامان غریباں آجا ۔۔۔ اے تسلی وہ دل ہائے پریشاں آجا
بس بہت عرش معلّٰی کے تماشے دیکھے ۔۔۔ دیکھنے حال دل خاک نشیناں آجا
کس مصیبت سے جدائی کے یہ دن کٹتے ہیں ۔۔۔ کردے آباد مرا خانۂ ویراں آجا
دن کو تسکین نہیں رات کو آرام نہیں ۔۔۔ ہے ترے واسطے دل میرا پریشاں آجا
نزع کے وقت دکھا دے رخِ پرنور اپنا ۔۔۔ اتنا احسان تو کر اے شہ خوباں آجا [۲]

انہیں جذبات کا اظہار حسرتؔ کے کلام میں جابجا پایا جاتا ہے۔ ذیل کے اشعار بھی اسی خصوصیت کے آئینہ دار ہیں:

مئے محبت سے چور کردے ۔۔۔ دکھا کے صورت کملیا والے
غمِ جدائی کو دور کردے ۔۔۔ دکھا کے صورت کملیا والی

---

[۱] زمزمۂ محبت: صفحہ-۱۲

[۲] زمزمۂ محبت: صفحہ-۱۵

اٹھا دے منھ سے نقاب اپنا　　دکھا دے انّی انا کا جلوہ
بطون کو تو ظہور کردے　　دکھا کے صورت کملیا والے
کہاں ہمارا حبیب رب ہے　　دُعا یہ حسرتؔ کی روز و شب ہے
یہ انجمن رشک طور کردے　　دکھا کے صورت کملیا والے [۱]

۳-حسرتؔ نے جہاں داخلی جذبات کا اظہار کیا ہے وہاں حقیقی اوصاف محمدی صلی اللہ علے وسلم سے بھی ان کا کلام خالی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اوصاف کا بیان بھی ان کے یہاں اسی فراوانی اور قوت سے پایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی کلام کی سادگی اور روانی مضامین کو دلنشین بناتی جاتی ہے:

شہنشاہ کون و مکان ہیں محمد ﷺ　　دوعالم کی روح رواں ہیں محمد ﷺ
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا　　کلید ظہور جہاں ہیں محمد ﷺ
محمد ﷺ سے ہی رونق بزم ہستی　　بہار ریاض جہاں ہیں محمد ﷺ
روابط کئے عبد و رب کے نمایاں　　شناسائے غیب و عیاں ہیں محمد ﷺ
معلم بناکر انہیں حق نے بھیجا　　وہ دانائے راز نہاں ہیں محمد ﷺ [۲]

۴-حسرتؔ کے کلام میں، ان کی علمیت اور تصوف سے ان کے گہرے لگاؤ کا ثبوت جگہ جگہ ملتا ہے۔ تاہم کلام کی سادگی، صفائی اور عام فہم مضامین کی وجہ سے ہر شخص لطف انداز ہوسکتا ہے:

جہاں میں غل ہوا محبوب رب العالمین آیا
شہنشاہ دوعالم صاحب تاج و نگین آیا

بتوں کی شوکت وعظمت جہاں سے کیوں نہ ہو باطل
اڑاتا پرچم توحید ختم المرسلین آیا

دعا کی تھی خلیل اللہ نے جس کے لئے پہلے
خبر دی جس کی عیسیٰ نے وہ شاہنشاہ دین آیا

نہ تھا معلوم کوزہ میں سمندر بھی سماتا ہے
محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ کر سب کو یقین آیا

---

۱ نسیم عرفان: صفحہ-۶۵-۶۶　　۲ زمزمۂ محبت: صفحہ-۲۰

نہ جس کا مثل نکلا حضرت آدم سے عیسیٰ تک
وہ فخر اوّلین آیا وہ عزِّ آخرین آیا
خلیل اللہ نے دیکھا جو حضرت کو تو فرمایا
مرا لختِ جگر عزت نشاں مسند نشین آیا
دمِ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر حسرتؔ یہ چلاؤں
مرا ماویٰ مرا ملجا مرے دل کا مکین آیا[۱]

وصفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں حسرتؔ نے قرآنی تلمیحات سے اکثر کام لیا ہے۔ لیکن ان کی تشریح خود شعر کے مضمون ہی سے ہو جاتی ہے:

ہاں صبح ہدایت آئی نکل تاریکیٔ کفر ہوئی زائل
جب جاء الحق زحق الباطل فرما دیا کملی والے نے
اللہ نے فترضی کا وعدہ جب بہر شفاعت فرمایا
پھر باغ جناں میں امت کو پہنچا دیا کملی والے نے
معراج میں جس دم آئے نبی اللہ نے کہا ادنِ منّی
تو شکر میں جو کچھ تھا اپنا لٹوا دیا کملی والے نے[۲]

حدیث کے مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے:

اے حسرتؔ شیدا فکر نہ کر ہیں ساتھ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
جب انت مع من احببت فرما دیا کملی والے نے[۳]

حسرتؔ کا سلام بھی چھوٹی بحر میں ترنم ریز اور دلآویز ہے۔ یہاں داخلی جذبات کے اظہار کے ساتھ اوصاف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کلام کو مزین کیا گیا ہے:

تم امام انبیاء ہو مقتدائے اتقیا ہو
تم جہاں کے پیشوا ہو رہبر راہ خدا ہو
یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام علیکم[۴]

---

۱؎ زمزمۂ محبت (مطبوعہ سنہ ۱۳۵۳ھ): صفحہ-۱۷
۲؎ زمزمۂ محبت: صفحہ-۱۷
۳؎ زمزمۂ محبت: صفحہ-۱۶
۴؎ زمزمۂ محبت: صفحہ-۷

۵- حسرت کی ٹھمریاں ان کی نعتیہ شاعری کا ایک الگ اور اہم باب ہے۔ جس میں انوکھے انداز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا اظہار کیا گیا ہے۔ ایک سرمستی، جذب وشوق کلام کے ہر انداز سے ٹپکتا ہے۔ شاعر اپنے سیّاں پر فریفتہ، قربان اور تصدق ہونے کے لئے نازکی ان ساری اداؤں سے کام لیتا ہے جو ایک صنف نازک کا فطرتاً ناز و نیاز کا انداز پیدا کرسکتا ہے۔ جذبات کی فراوانی، ان کی لطافت اور شدت فراق کے شدید احساس کی آئینہ داری کرتی ہے:

معراجی سیّاں تم پر جیا قربان — آنکھوں کے تارے راج دلارے
تم ہو میری جان، معراجی سیّاں — نیند نہیں آوے چین نہیں آوے
تم بن اے سلطان، معراجی سیّاں — تن من واروں جیارا واروں
تم پر سب قربان، معراجی سیّاں[۱]

او مکّے والے بلما تو آجا رے — آجا رے، پھر نہ جا رے
خدیجہ بی بی کے راج دلارے — عائشہ بی بی کے بالم پیارے
آجا پھر نہ جا رے
نینوں میں آجا من میں سماجا — درس دکھا جا من کو لبھا جا
آجا پھر نہ جا رے
جلد بلالو اپنے دوارے — کب تک حسرتؔ چیری پکارے
آجا پھر نہ جا رے[۲]

ایک اور نمونہ درج ذیل ہے:

بھولی بھالی میں ہوں ناری — پیت گلے کا ہار
موری نیّا منجدھار
میّا بابل کوئی نہیں ہے — بیری ہے سنسار
موری نیّا منجدھار

---

۱؎ نسیم عرفان: صفحہ-۶۳
۲؎ نسیم عرفان: صفحہ-۶۴-۶۵

تیرے دوارے آن پڑی ہوں چھوڑ کے سب گھر بار
موری نیّا منجدھار
کالی کملی والے بھیّا آؤ اب سرکار
موری نیّا منجدھار [1]

علامہ حسرتؔ کے نعتیہ کلام کی مقبولیت، سادگی اور سلاست کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ سلسلہ دینیات کی ابتدائی کتابوں میں چھوٹے بچوں کے لئے جب نعتیہ اشعار کا انتخاب کیا گیا تو اس کے لئے حسرتؔ ہی کے کلام پر نظر پڑی۔ چنانچہ ان کی یہ نعتیہ غزلیں بچوں کے ورد زبان ہیں:

(۱) حبیبِ خدا ہیں ہمارے محمد ﷺ۔
(۲) محمد ﷺ دلوں کی دوا بن کے آئے۔
(۳) شہنشاہ کون ومکان ہیں محمد ﷺ۔

حسرتؔ کی یہ غزلیں بھی مقبول خاص وعام ہیں:

(۱) اسلام کا پرچم عالم پر اڑوا دیا کملی والے نے۔
(۲) تم پہ میں جان سے قربان رسولِ عربی ﷺ۔

## حافظ جلیل حسن جلیلؔ

جلیلؔ مانکپور کے رہنے والے تھے۔ شاعری میں امیر مینائیؔ کے شاگرد اور جانشین تھے۔ وہ حیدرآباد اپنے استاد ہی کے ساتھ آئے اور وہیں فروغ پایا۔ والیٔ دکن میر عثمان علی خاں ان سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ خسروانہ عنایات ان کے ساتھ آخر تک رہیں۔ فصاحت جنگ کے خطاب سے نوازے گئے اور نہایت فارغ البال رہے۔ آخر دم تک حیدرآباد ہی کے ہو رہے۔ چنانچہ ان کا انتقال بھی وہیں ۱۳۶۵ھ میں ہوا۔

جلیلؔ کا کلام زبان کے لحاظ سے نہایت صاف اور شستہ ہے۔ لکھنوی رنگ کا یہ حسن ان کے کلام میں ہر جگہ موجود ہے۔ ساتھ ہی لکھنؤ کی دیگر خصوصیات بھی ان کے یہاں پائی جاتی

---

[1] زمرات الاشواق مع فغان حسرتؔ (مطبوعہ ۱۳۵۳ھ): صفحہ ۱۹-۲۰

ہیں اور حالات کے لحاظ سے درباری داری کا رنگ بھی دانستہ یا نادانستہ پیدا ہوجاتا ہے۔ بایں ہمہ معرفت اور اخلاق کے مضامین کی کمی نہیں ہے۔ اسے ان کے استاد کا فیض کہئے یا ان کی طبیعت کا رجحان۔ بہرحال ان کی شاعری میں جہاں شاہد مجازی سے چہل کے مضامین ملتے ہیں وہاں ان لطیف جذبات کی ترجمانی بھی پائی جاتی ہے جو روح کی کثافت کو لطافت میں تبدیل کردیتے ہیں اور مزاج کو سنجیدگی اور شریف رجحانات کا سبق دیتے ہیں۔ اردو کے مشہور نعت گو شاعر امیرؔ مینائی کے شاگرد اور جانشین ہونے کی حیثیت سے نواب فصاحت جنگ جلیلؔ نے اپنے استاد کی روایت کو قائم رکھا اور نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی سخن سنجی کی۔ امیرؔ کے اس فیض کو اس شعر میں ظاہر کیا ہے:

نعت گوئی میں مری کیوں نہ ہو تاثیر جلیلؔ　　فیض ہے اس میں امیر الشعراء سے مجھ کو

ان کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''معراج سخن'' (۱۳۴۷ھ) ان کے اس رنگ کو اجاگر کرتا ہے۔ اس مجموعہ میں ۳۱ نعتیہ غزلیں، ایک ترجیع بند (شب معراج) ۸ رباعیات شب معراج اور ۵ نعتیہ رباعیات ہیں۔ باقی کلام منقبتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم منقبتِ حضرت امام حسن وحضرت امام حسین رضی اللہ عنہما، سلام اور مرثیوں کے علاوہ مدحِ غوث اعظم قدس سرہٗ اور مدحِ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ پر مشتمل ہے۔

۱۔ جلیلؔ کا نعتیہ کلام جو عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے ان کے ایمان کی نیازمندانہ کیفیت کا پتا دیتا ہے۔ شاعر حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کا حاصل اور مقصود گردانتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے مضمون کو جگہ جگہ باندھا ہے اور اس کو اصل ایمان قرار دیا ہے۔ دنیوی اور اخروی دونوں کامیابیوں کا سبب اس کو گردانا ہے۔ ان کے نزدیک حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر زندگی کی کامرانی کا دارومدار ہے:

مدار کار ہے حب رسول ﷺ پروانہ　　عمل ہزار ہوں اچھے، ثواب کیا ہوگا [۱]

داغہائے عشق احمد کو نہ رکھوں دل میں کیوں
یہ شرارے پھول جنت کے نہ بن جائیں گے کیا [۲]

---

۱ معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۱
۲ معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۴

شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رنگ میں محبوب ہے:

احمد پہ میں قربان محمد ﷺ پہ تصدق	محبوب ہر اک نام ہے محبوب خدا کا[۱]

شاعر کی نظر میں عشق احمد میں مصیبت بھی رحمت بن جاتی ہے:

عشق احمد میں مصیبت کو بھی رحمت سمجھا
بڑھ کے لیں میں نے، فلک سے جو بلائیں آئیں[۲]

''خیال مصطفیٰ ﷺ'' سے ''سکونِ خاطر بیمار'' کا مضمون بھی جلیل کے قلب کی اسی کیفیت کی ترجمانی ہے:

خدا رکھے سلامت اے خیال مصطفیٰ تجھ کو	تجھی سے کچھ سکون خاطر بیمار ہوتا ہے
(معراج سخن: صفحہ-۴۷)

اسی لئے بارگاہ رسالت سے امیدواری کے مضامین جابہ جا پائے جاتے ہیں۔ شاعر نیازمندانہ انداز میں کلام کو دردانگیز، دلآویز اور ترنم ریز بنا کر اپنا مدعا پیش کرتا ہے۔ طرز ادا کی ندرت ایسی ہے کہ سننے والا بارگاہِ رسالت میں شاعر کی باریابی اور مقبولیت پر ایقان کے لئے مجبور ہو جاتا ہے:

ہم بھلا تاریکیٔ مرقد سے گھبرائیں گے کیا	خواجۂ عالم جمال اپنا نہ دکھلائیں گے کیا
خنجر عصیاں کے چر کے مجھ کو تڑپائیں گے کیا	چارہ سازی سیّد عالم نہ فرمائیں گے کیا
امتی جلنے لگے کیوں آفتاب حشر میں	دامن رحمت کے سائے میں نہ آجائیں گے کیا
تم شفیع عاصیاں ٹھہرے تو پھر میرے گناہ	سامنے داور کے مجرم مجھ کو ٹھہرائیں گے کیا
ہاتھ خالی حشر میں جانے کا غم کیا اے جلیلؔ	ہم وہاں شاہ دو عالم کو نہ پا جائیں گے کیا[۳]

جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر فریفتگی کا بیان اپنی زبان میں اور دوسروں کی زبان میں جلیلؔ نے نہایت حسن و خوبی سے کیا ہے۔ عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیخودی، بے قراری، جذب اور شوق کا جگہ جگہ اظہار ہے۔ ترجیع بند شب معراج کا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

---

[۱] معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۱۰
[۲] معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۱۶
[۳] معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۴-۵

حوریں کہتی ہیں ہم اس حسن پہ قربان ہوں گے
جامہ زیبی پہ تری چاک گریباں ہوں گے
جتنے جلوے ہیں نہاں آج نمایاں ہوں گے
صدقے ہر جلوے پہ دیدار کے ارماں ہوں گے
خوب نظارۂ رخسارۂ تاباں ہوں گے
دیکھنے والے یہ کہہ کہہ کے ثنا خواں ہوں گے
مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی [۱]

شب معراج میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کا اہتمام اسی شوق کی صورت پیش کر رہا ہے جو عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرّے ذرّے میں جاری وساری کر دیا ہے:

نظر آتی ہے نئی چرخ کہن کی صورت — خلد آراستہ ہے آج دلھن کی صورت
غنچے غنچے میں چمک درِ عدن کی صورت — قابل سیر ہے اب سرو وسمن کی صورت
دل مشتاق شگفتہ ہے چمن کی صورت — کہتے ہیں دیکھ کے سب شاہ زمن کی صورت
مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی — دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی [۲]

بے خودی کی ایک یہ بھی صورت ہے:

بے خودی عشاق کی پوچھیں تو کہنا اے صبا
آپ آئیں گے نہ جب تک آپ میں آئیں گے کیا [۳]
سب اٹھیں گے حشر کے دن تیرے مستوں کو مگر
صور کے اونچے ترانے ہوش میں لائیں گے کیا [۴]

۲- زبان کی سلاست، روانی، سادگی اور خلوص کی آمیزش سے شاعر ایک عجیب دلکش سماں باندھ دیتا ہے۔ بیان میں تکلمی کیفیت مضامین کے بہاؤ میں کہیں رکاوٹ پیدا ہونے

---

۱ معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۵۰
۲ معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۴۹
۳ معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۴
۴ معراج سخن، نظامی پریس لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۵

نہیں دیتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے نثر میں ترنم بھر دیا ہے:

نہ منصب نہ دولت نہ زر چاہیئے　　مجھے آپ ﷺ کی اِک نظر چاہیئے
صبا اور کو دے نوید بہار　　مجھے مصطفیٰ ﷺ کی خبر چاہیئے
زہے نشۂ جام عشق رسول ﷺ　　یہ مستی تو آٹھوں پہر چاہیئے
درِ مصطفیٰ ﷺ ہے، ادب اے جبیں　　یہاں سجدہ کرنے کو سر چاہیئے
نہاں کب ہیں آنکھوں سے شاہ رسل　　مگر دیکھنے کو نظر چاہیئے
دو عالم ہے گلزار جس پھول سے　　وہی پھول باد سحر چاہیئے
دم نزع اک جلوہ بہر خدا　　مسافر کو زاد سفر چاہیئے
یہ کہتی ہے میری جبین نیاز　　مجھے آپ کا سنگ در چاہیئے [۱]

۳۔ جلیلؔ کے کلام کی بڑی خصوصیت ان کی زبان کی شگفتگی، طرز ادا کی ندرت وتازگی اور محاورہ بندی کی دلآویزی ہے۔ داغؔ کی صحبت کا یہ اثر جلیلؔ کے کلام پر نہایت گہرا اور نمایاں ہے۔ اس قادرالکلام شاعر کی غزلوں میں اکثر یہی رنگ مسلسل شروع سے آخر تک نہایت حسن وخوبی کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ پڑھنے والے کو یہ محسوس نہیں ہوتا ہے کہ اس میں تکلف کو ذرا بھی دخل ہے۔ جذب وشوق کی فراوانی سے محاورہ بندی میں بھی ایک نیا لطف پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جلیلؔ کے اس رنگ کی ایک غزل کے اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

ہم ایما آپ کا پاتے تو آتے اپنی آنکھوں سے
گہر اشکوں کے روضے پر چڑھاتے اپنی آنکھوں سے

زیارت کی تمنا میں خیال رنج و راحت کیا
کڑی جو راہ میں پڑتی اٹھاتے اپنی آنکھوں سے

نظر آتا کوئی تنکا اگر یثرب کی گلیوں میں
اٹھاتے اپنی پلکوں سے لگاتے اپنی آنکھوں سے

خدا کرتا کبھی حضرت سے آنکھیں چار ہوجاتیں
ہم اپنا درد دل سب کچھ سناتے اپنی آنکھوں سے

---

[۱] معراج سخن، نظامی پریس، لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۴۲-۴۳

تصور گر اچٹتا بھی تو رو کر پھر جما لیتے
ہم اپنے پیارے روٹھے کو مناتے اپنی آنکھوں سے
وہ آتے خواب میں تو پتلیاں قدموں سے مل جاتیں
ہمیں وہ کاش دیوانہ بناتے اپنی آنکھوں سے
نگاہ لطف ہی کافی تھی بیمار محبت کو
نہ سنتے حال لیکن دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے
جلیلؔ اشک ندامت جوش پر آتے تو کیا کہنا
ہم اپنی بگڑی حالت کو بناتے اپنی آنکھوں سے[۱]

۴-زبان اور بیان کی دلآویزی کے ساتھ جلیلؔ کی ترنم ریز بحریں موسیقیت کے زیر و بم سے کیف و مستی کا سامان کرتی ہیں۔ سننے والا پھڑک اٹھتا ہے اور حبِّ رسول سے دل لبریز ہو جاتا ہے۔ اضطراب، جذب اور تڑپ رگ و پے میں زندگی کی لہر دوڑا دیتے ہیں۔ ان کے اس رنگ کی ایک اچھی مثال ذیل میں درج کی جاتی ہے:

کٹے عمر صل علیٰ کہتے کہتے — اٹھو حشر میں مصطفیٰ ﷺ کہتے کہتے
محمد ﷺ کو پایا خدا کہتے کہتے — خدا مل گیا مصطفیٰ ﷺ کہتے کہتے
بڑا کام نکلے اگر جان نکلے — زباں سے حبیب خدا کہتے کہتے
پیام تمنا نہ پوچھو ہمارا — کہ تھک گئی ہے صبا کہتے کہتے
وہ لذت بھرا تھا مدینے کا قصہ — مجھے ہائے غش آ گیا کہتے کہتے
سراپا زبان شمع ساں بن گیا ہوں — غمِ ہجر کا ماجرا کہتے کہتے
ہوئیں مشکلیں سب غریبوں کی آسان — محمد ﷺ کو مشکل کُشا کہتے کہتے
عجب حال ہوگا جو روضے پہ ان کے — میں پہنچوں گا روحی فدا کہتے کہتے
کچھ ایسا ہوا رعب وقت حضوری — زبان رک گئی مدعا کہتے کہتے
جلیلؔ آ گئے وجد میں سب فرشتے — ترے شعر پر مرحبا کہتے کہتے[۲]

---

۱ معراج سخن، نظامی پریس، لکھنؤ، مطبوعہ ۱۳۴۶ھ: صفحہ-۲۳-۲۴-۲۵
۲ معراج سخن: صفحہ-۴۱-۴۲

۵-نعت میں جلیلؔ کے یہاں زیادہ تر داخلی جذبات کی والہانہ کیفیت کا اظہار ہے لیکن اس کے ساتھ ان کے یہاں وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشعار کی کمی نہیں ہے جن میں آپ کی مختلف صفات کو بیان کیا گیا ہے:

الٰہی عشق دے اس کا مدینے کا جو سلطاں ہے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام ہے تاج رسل ہے شاہ خوباں ہے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبلۂ ہر دو جہاں ہے، کعبۂ جاں ہے
انیس بیکساں ہے چارہ ساز دردمنداں ہے

زہے تقدیر امت کی کہ وہ پیارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پایا
یتیموں کا جو وارث ہے جو ملجائے غریباں ہے

عجب تاثیر ہے صل علیٰ نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں
غذائے روح انساں ہے دوائے ورد عصیاں ہے

سواری دیکھ کر شہ کی یہ کہتے تھے فرشتے بھی
یہی فخر دوعالم ہے یہی محبوب یزداں ہے

وہ خاصان خدا جن کو ملا رتبہ رسالت کا
سب اخوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم فخر اخواں ہے[1]

وصف کے چند اشعار اور پیش کئے جاتے ہیں:

حقّا وہ حبیب حق تو ہے کہ تری خاطر
خلاق دوعالم نے عالم کی بنا ڈالی

ما زاغ کا سرمہ تھا زیبا نہیں آنکھوں کو
جن آنکھوں میں قدرت نے بنیاد حیا ڈالی

وصف قد حضرت سے ہے فکر بلند ایسی
مصرع جو ہوا موزوں طوبیٰ کی بنا ڈالی

قدرت کے مرقع میں کیا کیا تھے حسیں لیکن
کھینچی جو تری صورت ہر شکل مٹا ڈالی

۶-جلیلؔ کے یہاں نہ تو سجدہ ریزی کا مضمون ہے، نہ عرب اور رب کی معرفت کا بیان اور نہ میم کے گھونگٹ کی نقاب کشائی سے احمد کو احد کی شان میں جلوہ گر کرنے کی کوشش۔ ان کی نظر میں ان کاوشوں کے بغیر بھی شان رسالت ہر جگہ ''بعد از خدا بزرگ توئی'' کے رنگ میں جلوہ

---

[1] معراج سخن: صفحہ-۳۳-۳۴

گر ہے۔ والہانہ کیف و مستی کی نیاز مندی کے طوفان نے شاعر کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جبینِ نیاز جھکانے کے لئے مجبور بھی کیا تو وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا کہ:

در مصطفیٰ ﷺ ہے ادب اے جبیں — یہاں سجدہ کرنے کو سر چاہیئے [1]

یا زیادہ سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو دکھانے میں مبالغہ کیا بھی تو اسی حد تک کہ:

موسیٰ سے کہو دیکھ لیں رخسار محمد ﷺ — اللہ کا دیدار ہے دیدارِ محمد ﷺ [2]

لیکن اس شعر میں غلو کی کوئی خرابی نہیں ہے۔ اس سے شاعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال سے صانعِ کائنات کے کمال کی شان ظاہر ہوتی ہے، دوسرے اس میں اس مضمون کی ترجمانی ہے کہ ''انا من نور اللہ وکل شیء من نوری''۔

جلیلؔ کے اس شعر کے مضمون پر بھی بے احتیاطی کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا:

نظروں میں جلیلؔ اپنی تھے عرش کے سب جلوے
اس روضۂ انور پر جب آنکھ ذرا ڈالی [3]

غرض یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا گوئی میں جلیلؔ کی بڑی صفت یہ ہے کہ انہوں نے جادۂ اعتدال سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا۔ طرز خطاب میں بھی وہ بارگاہ رسالت کی عظمت اور جلالت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ جہاں عشق کا اظہار ہے تو وہ بھی نیاز مندانہ انداز میں، سلجھے ہوئے اور سنجیدہ بیان میں۔ اس لئے الفاظ اور ترکیبوں کا انتخاب بھی اعلیٰ شاعرانہ مذاق کے علاوہ غلام و آقا کے حدود میں امتیاز کے حسن شعور کا پتہ دیتا ہے۔ اردو کے نعت گو شعراء میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ وفور شوق میں قدم ڈگمگا نہ گئے ہوں۔ اس لحاظ سے بھی جلیلؔ کی شخصیت نعت گو شاعر کی حیثیت سے نہایت ممتاز ہے۔ ساتھ ہی ان کے کلام کا ادبی پایہ بھی بہت بلند ہے۔

## خواجہ صوفی محمد اکبر خاں اکبرؔ میرٹھی

خواجہ صوفی محمد اکبر خاں نام اور اکبرؔ تخلص ہے۔ ان کا اصل وطن موضع بجولی تھانہ کھر کھودا۔ تحصیل ہاپوڑ۔ ضلع میرٹھ ہے۔

---

[1] معراج سخن: صفحہ-۴۳

[2] معراج سخن: صفحہ-۱۳

[3] معراج سخن: صفحہ-۴۶

اکبرؔ میرٹھی کے نعتیہ کلام کے کئی مجموعے ہیں۔ پہلے دو مجموعے اپنے تاریخی ناموں کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔ یعنی ''باغ کلامِ اکبرؔ'' اور ''نہال روضۂ اکبرؔ'' ان کے علاوہ ریاض اکبر (تیسرا مجموعہ) گلزار اکبر (چوتھا) اور گلستان اکبر (پانچواں) بھی شائع ہو چکے ہیں۔

پھر کلیات، احوال، شہادتیں وملالِ حسنین، روایت مشاط، ہدیہ اعظم، جنت کی کلی، جنت کا پھول، میلاد شریف اکبرؔ، معراج تجلی، تاریخ اسلام وغیرہ اکبرؔ کی مختلف تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ وہ وارثی ہیں اور قادری اور چشتی سلسلوں سے وابستہ ہیں۔ کراچی میں غالباً ۱۹۸۲ء میں انتقال کیا۔ اپنے شیخ حاجی حافظ سید وارث علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی مدح میں لکھتے ہیں:

ہیں گوہر تاج سخا وارث علی شاہ زمن　　　محبوب محبوب خدا وارث علی شاہ زمن[۱]

ہوجائے ادھر چشم کرم وارث ذی جاہ
مٹ جائیں یہ سب درد و الم وارث ذی جاہ[۲]

پھر چشتیہ سلسلے کے چشم و چراغ حضرت علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں لکھتے ہیں:

مری آنکھوں میں ہے جلوہ علاء الدین صابر کا
میں دیوانہ ہوں مولانا علاء الدین صابر کا[۳]

اور سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی مدح بھی کی ہے:

نظام الدین سلطان المشائخ شان محبوبی　　　محبت مصطفیٰ محبوب حق شایانِ محبوبی[۴]

حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں بھی کہا ہے:

مری بگڑی بنا دینا معین الدین اجمیری　　　مرے مخدوم ہو تم یا معین الدین اجمیری[۵]

اور قادریہ سلسلے سے بھی تعلق ہے۔ اس لئے حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح بھی لکھی ہے۔ جو بہت مقبول و معروف ہے:

---

۱ باغ کلام اکبرؔ: مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۴ء: صفحہ-۲۹
۲ باغ کلام اکبرؔ: مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۴ء: صفحہ-۳۵
۳ باغ کلام اکبرؔ: مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۴ء: صفحہ-۷
۴ باغ کلام اکبرؔ: مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۴ء: صفحہ-۴۶
۵ باغ کلام اکبرؔ: مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۴ء: صفحہ-۵۰

شہ کونین کے جانی محی الدین جیلانی ضیائے عرش رحمانی محی الدین جیلانی[۱]

انہوں نے اپنے معتقدات کے متعلق لکھا ہے:

مذہب ہے صلح کل نہیں اکبر کسی سے رنج قائل ہوں پنجتن کا مُقر چاریار کا[۲]

اکبر چونکہ عالم باعمل ہیں اور خلوص وعقیدت والے بزرگ ہیں اس لئے ان کے کلام میں بھی بہت درد واثر ہے۔ اوران کی لکھی ہوئی میلاد شریف اسی لئے پورے ملک میں سب سے زیادہ شہرت رکھتی ہے۔ وہ اپنی تصنیفات کی مقبولیت کے لئے دعاء بھی کرتے ہیں کہ:

لکھ کے لایا ہے تری درگاہ میں حمد وثناء ہوں قبول اکبر کی تصنیفات اللہ الصمد[۳]

خلوص اور عقیدت کی وجہ سے قرآنی قوافی بھی ایک غزل میں عجیب کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ غزل پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے:

ہے جسم محمد ﷺ سراجاً منیرا کہ ہے شان میں جس کی ذکراً کثیراً
جو منظورِ خالق ہوئی رہ نمائی محمد ﷺ کو بھیجا بشیراً نذیراً
کہا اُس کے دشمن کے حق میں خدا نے فدعو ثبوراً و یصلی سعیراً
خدا دانا بینا ہے ہر نیک و بد کا کہ ہے ذات اس کی سمعاً بصیراً
منافق مخالف کے حق میں خدا نے کہا ہے جہنم و سائت مصیراً
خدا نے محمد ﷺ کی امت کو بخشی وہ جنت صفت جس کی ملکاً کبیراً
مکاں موتیوں کے حسیں حور و غلماں ہوا ٹھیک شمساً و لاز مہریرا
دعا ہے الٰہی طفیل محمد ﷺ ہو گلزار طیبہ میں میرا خطیرا
محمد ﷺ کہ محبوب سبحاں ہے اکبر فصلوا علیہ کثیراً کثیراً[۴]

اکبر کی کوئی غزل بغیر انتخاب کے بھی اٹھالی جائے تو وہ انتہائی خلوص وعقیدت کا آئینہ نظر آتی ہے۔ مثلاً یہ غزل ملاحظہ ہو:

---

۱۔ باغ کلام اکبر: مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۴ء: صفحہ-۴۸
۲۔ باغ کلام اکبر: مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۴ء: صفحہ-۲،۳
۳۔ باغ کلام اکبر: مطبوعہ دلّی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۴ء: صفحہ-۱۳
۴۔ باغ کلام اکبر: صفحہ-۵

دل میں میرے آنکھوں میں سما جائے محمد ﷺ
ہر سمت نظر آئے تجلائے محمد ﷺ
ارمان نکل جائے مرے حجرۂ دل سے
یہ گھر ہے محمد ﷺ کا یہاں آئے محمد ﷺ

(ارمان نکلنے میں کیا خوب رعایت ہے)

آنکھوں میں لگا لوں اسے پتلی میں بٹھالوں
ہے خاک شفا خاک کفِ پائے محمد

مرجاؤں میں سن سن کے ترا ذکر مبارک — افسانے سے تیرے مجھے نیند آئے محمد ﷺ
وہ دل ہے کہ جس میں محبت ہو نبی ﷺ کی — وہ سر ہے کہ جس سر میں ہو سودائے محمد ﷺ
دیکھیں ہیں وہ امت کو خدا دیکھے ہے ان کو — یہ حق کا تماشا وہ تماشائے محمد ﷺ
گر پوچھا نکرین نے امت میں ہے کس کی — اٹھ بیٹھوں گا پڑھتا ہوا اسمائے محمد ﷺ
انوار خدا کا بھی کہیں ہوتا ہے سایہ — ہے نور علی نور سراپائے محمد ﷺ
تھوڑی سی زمیں طیبہ میں اکبر کو دے اللہ — قدموں میں محمد ﷺ کے ہو شیدائے محمد ﷺ [۱]

اکبر کے پورے کلام میں انتہائی خلوص اور عجیب عقیدت ہے۔ تڑپ، بے قراری اور جاں فشانی کے جذبات ہر جگہ موجود ہیں۔ مثلاً ایک غزل ہے: (مطلع)

ہے نور مجسم قد زیبائے محمد ﷺ
آنکھوں میں بٹھالوں جو نظر آئے محمد [۲]

(مقطع)

اکبر تو نہیں دفن ہے اس راہ گزر میں
کس سمت سے آئی ہے صدا ہائے محمد ﷺ [۳]

دوسری غزل کا مطلع اور مقطع اس طرح ہے:

---

[۱] باغ کلام اکبر: صفحہ-۱۵-۱۶۔
[۲] باغ کلام اکبر: صفحہ-۱۶۔
[۳] باغ کلام اکبر: صفحہ-۱۷۔

جان لے کر جائے گا مولا ترا درد فراق　　ریشے ریشے میں چمک ہے جا بجا درد فراق
کہتی ہوگی تربت اکبر پہ رو کر بے کسی　　اے مرے غمخوار تجھ کو کھا گیا درد فراق [1]

اسی طرح دوسری غزلیں بھی ہیں۔ لیکن اکبر نے اپنی استادانہ فنّی خوبیوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا اور اس لحاظ سے وہ یقیناً تمام نعت گو شعراء میں ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ ان کے کلام کی لطافتیں ان اشعار میں بھی ملاحظہ ہوں:

کر دیا ہے آبروئے حسن سے تو نے نہال
گدّا گدّا ڈالی ڈالی پتا پتا پھول پھول [2]

پھر ترا آیا تصور پھر گیا میں آپ سے
پھر میں بیٹھا تھام کر دل پھر اٹھا درد فراق [3]

یہ کالی بلا سر سے اتر جائے گی میرے
پھنس جائے تری زلف کے پھندے میں اگر رات [4]

لٹوں کو دیکھ کر رخسار پر دل لوٹ جاتا ہے
ہے لٹ لٹ میں تمہاری زلف کی تسخیر کا شکار [5]

یہ تو پہنچے نہیں ہے عشق کا صدمہ پہنچا
پہنچے پر باندھ دیا پہنچے ہوئے کا تعویذ [6]

حسن تعلیل کے محاسن بھی بکثرت پائے جاتے ہیں اور اکبر نے اپنی ذکاوت کی خوب داد دی ہے:

رہ گئی حیران سوسن لیتے ہی وہ نام پاک
کھل گئیں نرگس کی آنکھیں حسن جاناں دیکھ کر

---

۱ باغ کلام اکبر: صفحہ-۲۳
۲ باغ کلام اکبر: صفحہ-۲۵
۳ باغ کلام اکبر: صفحہ-۲۴
۴ باغ کلام اکبر: صفحہ-۲۹
۵ باغ کلام اکبر: صفحہ-۳۰
۶ باغ کلام اکبر: صفحہ-۱۷

تیری بے پروائی تیری بے نیازی کھل گئی
گل کو خنداں دیکھ کر بلبل کو نالاں دیکھ کر[1]

......

خون روکے سرخ سرخ ہوئے داغدار پھول
عشق محمدی ﷺ میں ہیں سینۂ فگار پھول[2]

جوش ہجر شہ میں ہر آنسو بنا ہے آبلہ
بلبلے پانی میں ہیں یا شاخ دریا پھول پھول[3]

ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔اسی طرح صحیح جذبات کی ترجمانی ایسی خوبی کے ساتھ کی ہے کہ قلبی واردات عین حقیقت معلوم ہوتے ہیں۔مثلاً:-

تھی خواب میں اس غیرت یوسف کی تجلی
جب آنکھ کھلی چیخ اٹھا ''ہائے محمد ﷺ''[4]

ہجر شہ کوثر میں پروتا تھا گہر رات
باران مسلسل تھے مرے دیدۂ تر رات

دن یاد رخ غیرت خورشید میں گزرا
کی گیسوئے شب رنگ کے سودے میں بسر رات

اس اکبر بے تاب کو فرقت میں نبی ﷺ کی
دن رات سے بدتر ہے،تو ہے دن سے بہتر رات[5]

گوکہ اکبرعربی اور فارسی میں تبحر رکھتے ہیں اوران زبانوں میں بھی نعت لکھتے ہیں لیکن اردو میں سلاست اور روانی کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔روانی اور بندش کی چستی اور

---

1. باغ کلام اکبر:صفحہ-۱۷
2. باغ کلام اکبر:صفحہ-۲۴
3. باغ کلام اکبر:صفحہ-۲۵
4. باغ کلام اکبر:صفحہ-۲۴
5. باغ کلام اکبر:صفحہ-۹

صفائی اس قدر ہے کہ وہ یقیناً اردو کو بہترین اساتذہ کی صف میں شمار ہو سکتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

براق آپ کا اک آن میں شب معراج کیا دعا کی روش آ گیا گمان کی طرح [1]

جنت ملے کہ دوزخ کچھ غم نہیں کہ مولا
راضی تری رضاء میں خوش ہوں تری خوشی میں [2]

حقا ہے تری یاد سے آباد زمانہ
گلزار بھی، آبادیاں بھی، بحر بھی، بر بھی

شادی ہے ہر مقام میں نخل ہیں سب قیام میں
ڈالیاں ہیں سلام میں سر ہے جھکا چمن چمن

ان نرگسی آنکھوں کا بیمار ہی رہنے دو
کیا لوگے دوا دے کر کیا ہوگا شفا ہو کر [3]

ہم یہاں ایک نہایت مشہور اور مرصع غزل پیش کرتے ہیں۔ جس میں اکبر کی شاعری کی تمام خوبیاں بیک وقت موجود ہیں اور وہ پڑھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں:

جب باغ جہاں کے مالی نے کی دیکھا بھالی پھولوں کی
اک پھول کو اس میں سے چھانٹ لیا تھی جتنی ڈالی پھولوں کی

وہ پھول عرب کے گلشن کا سب پھولوں سے خوشبو والا
جس نے کھل کر اس عالم میں اک شان نکالی پھولوں کی

اس گل کا محمد ﷺ نام ہوا جس سے تازہ اسلام ہوا
شاخ اس نے کاٹی کانٹوں کی بیل اس نے ڈالی پھولوں کی

اس کی ہی مہک سے مہکی ہے اس کی ہی چمک سے چمکی ہے
ہے جتنی نکہت غنچوں کی ہے جتنی ڈالی پھولوں کی

---

۱؎ باغ کلام اکبر: صفحہ-۱۱
۲؎ باغ کلام اکبر: صفحہ-۲۷
۳؎ اصلی میلاد اکبر۔ ناشر جلیل بک ڈپو، حیدر آباد دکن۔ صفحہ-۳۶

جنت سے اسے نسبت کیا ہے یہ میرے گل کا روضہ ہے
یاں رنگ جدا ہے پتوں کا یاں شان نرالی پھولوں کی

ہے رشک جگر کے زخموں کو حسرت ہے دل کے داغوں کو
روضے پر شاہ کے چڑھتے ہیں کیا شان ہے عالی پھولوں کی

طیبہ کا مالی کہلاؤں، روضے پہ چڑھانے کو آؤں
اک ہاتھ میں گجرا پھولوں کا اک ہاتھ میں ڈالی پھولوں کی

یہ مدح سرائے حضرت ہے اس سے اس کو کیا نسبت ہے
اکبر متوالا مولیٰ کا بلبل متوالی پھولوں کی [۱]

اس غزل کے علاوہ اکبر کا بہت سا کلام مقبول خاص و عام ہے۔ اس لئے امید ہے کہ مقبول بارگاہ بھی ہوگا۔ اکبر کی حسب ذیل غزلیں اور نظمیں ملک کے طول وعرض میں بچے بچے کی زبان پر ہیں اور اپنی دلکشی کی بناء پر اہل دل اور اہل ادب سب کے نزدیک لائق ستائش ہیں:

دونوں عالم میں نورٌ علیٰ نور کیوں؟     کیسی رونق فزا آج کی رات ہے
یہ مسرت ہے کس کی ملاقات کی     عید کا دن بنا آج کی رات ہے

......

جب عرب کے چمن میں وہ نور خدا     ہر طرف اپنا جلوہ دکھانے لگا
کفر غارت ہوا بت گرے ٹوٹ کر     منھ پہاڑوں میں شیطاں چھپانے لگا

......

آمد مصطفیٰ ﷺ ہے اب، پھولا پھلا چمن چمن     آئی بہار ہر طرف کھلنے لگا چمن چمن
خاتم الانبیاء حق کا پیارا نبی ﷺ     سارے نبیوں سے افضل ہمارا نبی ﷺ
جب کہ پیدا وہ شاہ زمن ہوگیا     اک جہاں غیرت صد چمن ہوگیا
اللہ غنی رتبہ والائے محمد ﷺ     ہیں شمس و قمر نقش کف پائے محمد ﷺ

بچے اور بوڑھے تو اکبر کا کلام پڑھتے ہی ہیں لیکن انہوں نے تو اپنے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ:

---

[۱] اصلی میلاد اکبر۔ ناشر جلیل بک ڈپو، حیدرآباد دکن۔ صفحہ: ۴۸-۴۹

پڑھتی ہیں حوریں اکبر کی نعتیں ہوتے ہیں ایسے دیوان والے

فنّی اعتبار سے اکبر کے کلام میں کہیں اسقام نظر نہیں آتے اور یہ ان کی بہت بڑی ادبی کامیابی ہے۔

یہ سوزِ عشقِ نبی ﷺ سے ہے طبعِ اکبر گرم
کہ پھول جھڑتے ہیں خامے سے گلفشا کی طرح

## چودھری دِلّو رام کوثری

اردو نعت گو شعراء میں کوثری کا مقام اس حیثیت سے بھی ممتاز ہے کہ ایمان کی دولت سے محرومی کے باوجود شاعر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ لگاؤ کا ثبوت دیا ہے۔ اس بناء پر پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے انہیں ''حسان الہند'' کا خطاب دیا تھا۔ شاعر نے بھی مداح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے اپنے اس شرف اور مقام کا اس طرح اظہار کیا ہے:

ہے حسان پہلا تو میں دوسرا ہوں نہیں فرق اوّل میں ثانی میں رکھا
خدا نے اسے سونپی محفل عرب کی مجھے بزم ہندوستانی میں رکھا [۱]

کوثری کے خودنوشت حالات درج ذیل ہیں۔

''نام دِلّو رام'' تخلص کوثری۔ باپ کا نام بھورارام۔ مولد قصبہ نانندڑی ضلع حصار۔ قوم بشنوئی۔ پیشہ زراعت۔ تاریخ ولادت پوہ سمّت ۱۹۳۹ بکرمی۔ بشنوئیوں کو تعلیم کا شوق مطلق نہیں۔ میں پہلا بشنوئی ہوں جس نے سب سے پہلے اپنی قوم میں تعلیم پائی۔ انٹرنس میں انگریزی پڑھتا تھا کہ شوق شاعری نے دل میں ایسی گدگدی کی کہ اسکول چھوڑ دیا۔ والد صاحب مرحوم نے کوشش کر کے لاہور میں ایک ڈاکٹری کالج میں داخل کرادیا، مگر وہاں لفظ مسیحا کے سوا کچھ نہ سیکھا اور کالج چھوڑ کر غزل گوئی میں مصروف ہوا اور مشاعروں میں جانے لگا۔

اسلامی روایات پر بے شمار نظمیں لکھیں۔ خصوصاً اہل بیت اطہار کی مدح وثناء میں اب تک مصروف رہا اور ہوں۔ اگرچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء

---

۱؎ اذان بت کدہ۔ مرتبہ محمد الدین فوق۔ مطبوعہ ۱۹۲۴ء، صفحہ ۲۴

میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں بھی متعدد نظمیں لکھی ہیں بلکہ ہندول سکھ، مرہٹوں، آریاؤں وغیرہ کے متعلق بھی چند منظوم کتابیں لکھی ہیں اور سرکار انگریز کی مدح سرائی بھی کی ہے۔

حیدرآباد دکن۔ بھوپال۔ رام پور۔ بہاول پور۔ پٹیالہ کے درباروں میں نظمیں پڑھیں۔ پچھلی چار ریاستوں میں مہمان ہوا۔ ان کے والیان ذی شان سے نیاز خاص ہوا۔ انعام وصلہ و خلعت بھی عنایت ہوئے۔ رام پور میں چھ سات مرتبہ مہمان ریاست ہوا اور دربار میں نواب صاحب نے بزبان خود بہ آواز بلند داد دی۔ بھوپال میں دو مرتبہ مہمانِ ریاست ہوا۔ سرکار عالیہ بیگم صاحبہ نے پس پردہ بیٹھ کر نعتیہ کلام سماعت فرمایا۔"

کوثریؔ کا انتقال ۱۹۳۳ء میں ہوا۔

کوثریؔ کو ایک ہندو ہونے کی وجہ سے بارگاہ نبوت کے ایمانی رشتے سے محرومی کا شدید احساس ہے لیکن وہ اس کی تلافی کے لئے شہنشاہ کونین کی مدح خوانی کو سہارا بنا لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس نوع کی یگانگت کی خیال آرائی ہندوستان کی صوفی مشربی میں کثرت سے ملتی ہے:

کرائے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمد ﷺ کا
مسلمان مان جائیں لوہا سب تیغ مہنّد کا

جدا کیا لام دلو رام ہے دین محمد ﷺ سے
تعلق سو طرح کا ہے مشدّد سے مشدّد کا

محمد ﷺ اور دلورام میں نقطہ نہیں کوئی
کہ ہے مداح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا

کبھی گنگا میں آ ڈوبا کبھی کوثر پہ جا نکلا
پتہ کچھ بھی نہیں مخصوص درویش مجدّد کا[1]

شاعر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء خوانی سے بڑی امیدواری ہے۔ وہ اس کو اخروی نعمتوں کے حصول کا وسیلہ سمجھتا ہے۔ اس نیازمندانہ عقیدت میں خلوص کی فراوانی پائی جاتی ہے:

---

[1] اذان بت کدہ۔ صفحہ-۱۹

ہندو سہی مگر ہوں ثنا خوانِ مصطفیٰ [۱]

شاعر کی نظر میں یہ شرف کیا کم ہے کہ وہ ثنا گر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

کیوں کوثری مجھے ہو طلب عز و جاہ کی
کیا کم ہے یہ شرف ہوں ثنا گر رسول ﷺ کا [۲]

اس کے لئے کوثری کا یہ ایمان ہے کہ اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے:

ہندو سمجھ کے مجھ کو جہنم نے دی صدا — میں پاس جب گیا تو نہ مجھ کو جلا سکا
بولا کہ تجھ پہ کیوں مری آتش ہوئی حرام — کیا وجہ تجھ پہ شعلہ جو قابو نہ پا سکا
میں نے کہا کہ جائے تعجب نہیں ذرا — واقف نہیں تو میرے دل حق شناس کا [۳]

مذہبی عقیدے کے لحاظ سے یہ امر یقیناً حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے کہ جس شخص کو پیامِ توحید کو قبول کرنے کی توفیق نہیں ہوئی جو زندگی بھر کفر اور شرک سے وابستہ رہا وہ کیونکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے نوازا جاسکتا ہے۔ لیکن شاعر کی نظر اس تخیلی منظر کو دیکھ رہی ہے جب کہ وہ رسول عربی کا دامن قیامت میں تھامے ہوئے ہے۔ شاعر کا تخیل یہ نقشہ نہایت دلکش اور حسین طرز میں پیش کرتا ہے۔ جس میں نعت گو کے خلوص عقیدت اور اس کے سہارے مغفرت پر ایمان اور ایقان کا پتہ چلتا ہے۔ شاعر کا والہانہ انداز ملاحظہ کیجئے:

غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

اور پھر ظاہر ہے کہ معیت پیمبر کے حصول کے بعد اللہ تعالیٰ کی معیت خود بہ خود حاصل ہو جاتی ہے۔ شاعر اُخروی زندگی کے سنوارنے اور نجات حاصل کرنے کے لئے اسی کو کافی سمجھتا ہے:

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہے
جو نبی ﷺ کے ساتھ ہے وہ کبریا کے ساتھ ہے

---

۱ اذان بت کدہ۔ صفحہ-۲۱

۲ اذان بت کدہ۔ صفحہ-۵۳

۳ اذان بت کدہ۔ صفحہ-۲۱

انکشاف مدعا پیش احد میں کیا کروں
میم احمد ہے کہ جو میری دعا کے ساتھ ہے

لے کے دلورام کو حضرت ﷺ گئے جنت میں جب
غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے[۱]

کوثؔری نے اس مضمون کو کئی طرح سے باندھا ہے اور مختلف پیرایوں میں اپنی عقیدت مندی اور امیدواری کا اظہار کیا ہے۔

۲-کوثؔری کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار ہے جس میں تغزل کا رنگ غالب ہے۔ وصف محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اشعار کم کہے ہیں۔ ذاتی عقیدت مندی نے محبت اور عشق کا رنگ اختیار کرلیا ہے اور یہ مضامین جا بہ جا نکلتے ہیں۔ ہجر کی بے قراری ہے، وصال کی تمنا ہے، غریب الدیاری کی شکایت ہے، عشق کے ہاتھوں ستائے جانے کا گلہ ہے، اپنی مجبوری اور بیکسی کا اظہار ہے، نظر عنایت کی خواستگاری ہے۔ شاعر شروع سے آخر تک بس ایک عشق محمدی کا دم بھرتا ہے:

مدینہ میں مجھ کو بلا یا محمد ﷺ — ذرا اپنا کوچہ دکھا یا محمد ﷺ
نہ کھولوں گا برق تجلی سے آنکھیں — تصور ہے تیرا سدا یا محمد ﷺ
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہیں ہے — تو یکتا ہے بعد از خدا یا محمد ﷺ[۲]

داخلی جذبات کے اظہار کے علاوہ شاعر نے اوصاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیان کئے ہیں۔ وصف کے اشعار یہ ہیں:

عظیم الشان ہے شان محمد ﷺ — خدا ہے مرتبہ دانِ محمد ﷺ
شریعت اور طریقت اور حقیقت — یہ تینوں ہیں کنیزانِ محمد ﷺ
نبی ﷺ کا نطق ہے نطق الٰہی — کلام حق ہے فرمان محمد ﷺ
خدا کا نور ہے نور پیمبر — خدا کی شان ہے شان محمد ﷺ[۳]

---

[۱] اذان بت کدہ۔ صفحہ-۲۵
[۲] اذان بت کدہ۔ صفحہ-۱۷
[۳] اذان بت کدہ۔ صفحہ-۱۸

آخری دو شعروں میں "**ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوجی**" (قرآن) اور "**انا من نور اللّٰہ**" (حدیث) کے مضامین ہیں جو وصف کے اچھے نمونے ہیں لیکن ایسے شعر بہت کم پائے جاتے ہیں۔

کوثریؔ کے کلام کے مندرجۂ ذیل نمونے سے ان کی نعت گوئی کی خصوصیات کی بہ خوبی وضاحت ہوتی ہے:

اللہ غنی رونق بازار محمد ﷺ — معبود جہاں بھی ہے خریدار محمد ﷺ
آیا ہے حدیثوں میں نبی ﷺ نور خدا ہے — اللہ کا دیدار ہے دیدار محمد ﷺ
ہے جنس معاصی کا صلہ نقد شفاعت — زاہد سے رہا اچھا گنہگار محمد ﷺ
سنتا ہوں کہ کہتے ہیں یہی دیکھنے والے — اللہ کا دربار ہے دربار محمد ﷺ

کچھ عشق پیمبر میں نہیں شرط مسلمان
ہے کوثریؔ ہندو بھی طلب گار محمد ﷺ [۱]

ہم مرد ہیں اور عشق ہے مردانہ ہمار — محبوب الٰہی سے ہے یارانہ ہمارا
کیا پوچھتے ہو کوثر و فردوس کا قصہ — یہ باغ ہمارا ہے وہ میخانہ ہمارا
محشر میں بچائیں گے یہی مجھ کو یہ کہہ کر — چھوڑو نہ اسے یہ تو ہے دیوانہ ہمارا
آقا ہے نبی ﷺ اور علی اپنا ہے مولا — ملتا ہوا سلمان سے ہے افسانہ ہمارا [۲]

......

خدا ہے محمد ﷺ ہے اور آل ہے — سوا ان کے جو کچھ ہے جنجال ہے
سمند قلم کی دم وصف شاہ — نئی ہے روش اور نئی چال ہے
رسائی ہے جس کی در شاہ پر — وہی صاحب جاہ و اقبال ہے
ہے پائے محمد ﷺ سر دلو رام — یہ نسبت مرے اوج پر دال ہے

مدینے کے آنے لگے خواب روز
میاں کوثریؔ نیک یہ فال ہے [۳]

---

[۱] اذان بت کدہ۔ صفحہ-۲۰ [۲] اذان بت کدہ۔ صفحہ-۲۰
[۳] اذان بت کدہ۔ صفحہ: ۲۲-۲۳

## سید محمد ہادی ہادیؔ

سید محمد ہادی نام، ہادیؔ تخلص، ۱۸۶۳ء میں حسن پور میں پیدا ہوئے تعلیم کی بنیاد عربی اور فارسی علوم پر رکھی گئی تھی۔ بعد ازاں کلکتہ سے انٹرنس کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ پھر علم زراعت کی تحصیل کے لئے انگلستان گئے۔ جب اس سے فراغت حاصل کرلی تو عملی تجربہ حاصل کرنے کی خاطر ۱۸۸۹ء میں امریکہ کا سفر اختیار کیا۔ ایک سال فرانس میں تحقیقی کام بھی کیا اور بالآخر اتر پردیش میں ناظم زراعت مقرر ہوئے۔ اس خدمت پر ۱۹۱۹ء تک کارگزار رہے۔ اس سال وظیفہ پر علاحدہ ہونے کے بعد بھوپال میں سکریٹری جنرل کے عہدے پر فائز رہے۔ یہ خدمت ۱۹۳۰ء تک انجام دی۔ پھر وطن میں سکونت اختیار کرلی۔ وفات ۱۹۳۹ء میں ہوئی۔ محکمۂ زراعت کا ذکر ادبی دنیا کے ساتھ کرتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ ان دونوں کے ماحول میں کیا مناسبت ہوسکتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ ناظم زراعت ایک ہی قسم کا ناظم نہیں ہے بلکہ وہ اپنی خداداد قابلیت سے شعر و سخن کی سنگلاخ زمینوں میں بھی عمدہ مضامین پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ہادیؔ نے جملہ اصناف سخن میں اپنے کمال کے جوہر دکھائے ہیں۔ جہاں ان کی ظریفانہ شاعری سے ''اودھ پنچؔ'' کے قارئین ناآشنا نہیں ہیں وہاں ان کے قصیدے، غزلیں، رباعیات، قطعے سبھی خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن حضرت ہادیؔ ہمیشہ شہرت سے گریز کرتے رہے۔ چنانچہ ان کے کلام کا مجموعہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکا۔ فیض آباد کی موتی مسجد میں ماہ رجب میں ہر سال محفل میلاد کا انعقاد ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ ایک عرصے تک موقوف رہنے کے بعد ۱۹۰۷ء میں حضرت ہادیؔ اور مولانا صفیؔ کی مساعی سے پھر شروع ہوا جس میں ہادیؔ ضرور شریک ہوتے۔ طرح مصرع صفی صاحب مقرر فرماتے۔ اس میں ہادیؔ کی نعت اور منقبت ہی جلسے کی جان ہوتی۔

ہادیؔ نے نعت اور منقبت میں جو طبع آزمائی کی ہے اس کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے جو نعت اور منقبت میں قصائد اور خمسوں پر مشتمل ہے۔ اس کا مقدمہ مولانا صفیؔ لکھنوی نے لکھا ہے۔ جس میں ہادیؔ کے کلام کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کی نعت گوئی کے متعلق صفیؔ صاحب لکھتے ہیں:

"نعت اور منقبت میں جو کارنامے جہاں کہیں بیان کئے ہیں
وہ اور لوگوں کے طرز بیان سے بالکل الگ معلوم ہوتے ہیں۔ پرانی
سی پرانی سومرتبہ کی سنی ہوئی باتیں سید صاحب کے قصیدے میں جب
دیکھیں تو طرز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل نئی بات ہے۔"

حضرت ہادیؔ کے کلام میں یہ خصوصیت جابجا موجود ہے۔ وہ تاریخی واقعات کے بیان میں سادہ لیکن پراثر الفاظ اور ترکیبوں سے واقعہ کو جاندار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ بعثت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب کی حالت کا نقشہ یوں پیش کیا ہے:

عجب حالت وہاں تھی جاہلیت کے زمانے میں
فقیروں سے تھی برتر زندگی واں کے تونگر کی

نہ دولت بخش دریا کھیتیاں سیراب کرتے تھے
نہ مالا مال کانوں سے نکلتی تھیں سلیں زر کی

تمدن سے تنفر تھا وہاں کے رہنے والوں کو
فقط کچھ بستیاں آباد تھیں دو چار سو گھر کی

بہت سے خانہ بردوشوں کے صحرا ہی میں مسکن تھے
وہ خیمے جن پہ پھبتی کہہ سکیں چمڑوں کے چھپر کی

واقعہ کی بیان کی جاذبیت ہر جگہ موجود ہے۔ ان کے ایک نعتیہ قصیدے کا مطلع ہے:

چھٹا ہے اٹھ کے حرم سے جو اک بلند غبار — خبر لئے نظر آتا ہے کوئی ناقہ سوار

اس قصیدے میں حضرت مقبول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اس طرح بیان کیا ہے:

چھبی ہوئی ہے بدن میں قبائے استبرق — بندھی ہے فرق پہ سندس کی لٹپٹی دستار
قبائے نو میں وہ دل دوز حسن بخیہ گری — کہ پھر نہ سوزن ادریس سے ہوئی تیار
نہ جبرئیل جو باندھیں یہ پیچ پگڑی کے — بندھے کبھی نہ فرشتوں سے یہ چڑھاؤ اتار
کمر کے گرد وہ پٹکا دلیل پا مردی — پیمبری کی خدا داد ہمتوں کا حصار
وہ رُخ کہ جلوۂ یوسف کا جل سکے نہ چراغ — وہ لب کہ عیسیٰؑ گردوں کے معجزے ہوں نثار
ذہن میں لب کی طرح بند اک خزینۂ ذکر — رگ گلو سے قریں ذات ایزد غفار

۲۲ر نومبر ۱۹۳۱ء کو جو قصیدہ کہا اس کا طرح مصرع یہ تھا:

فضائے ہستی مہک رہی ہے چمن میں کعبے کے گل کھلا ہے

قصیدے کے جملہ اشعار سینتیس ہیں۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

حرم کا در بند لیکن اندر کسی خدا رس کا داخلہ ہے
دراز دیوار کی تو دیکھو یہ آج کیا تازہ گل کھلا ہے

فضا ہے سنسان، گھر اکیلا، زمیں اچھوتی، جگہ نرالی
نہ گرم کمرہ، نہ نرم تکیے، نہ ہم نشیں ہے نہ قابلہ ہے

وہ وسوسہ ہے نہ غم نہ الجھن نہ ڈر نہ کھٹکا نہ بے قراری
یقیں یہ ہے نفس مطمئن کو کہ قدرت حق تو کاملہ ہے

خضوع بھی ہے خشوع بھی ہے نیاز و عجز و فروتنی بھی
خدا شناسی کی خوبیوں کا محیّر العقل سلسلہ ہے

حیا و صدق و صفا و عصمت امان و ایمان و استقامت
کمال قدرت نے ان محاسن سے قلب روشن کیا جلا ہے

یوں اسلامی ادب میں منقبت کے ساتھ نعت کا مضمون بھی ملتا ہے۔ اردو ادب میں بھی یہ صورت ضرور ہے لیکن اس کی حیثیت بالکل ضمنی ہے۔ البتہ ہادؔی نے منقبت کے مضامین میں نعت کو لازماً شامل کر دیا ہے اور ضمنی طور پر نہیں، بلکہ مستقلاً نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخن سنجی کی ہے۔ مثلاً وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدح بڑے شد و مد سے شروع کرتے ہیں لیکن تخیل فوراً اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں سے ممدوح کو اس کمال کی بخشش نصیب ہوئی۔ اب شاعر نعت احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم میں کھو جاتا ہے۔ چنانچہ ان منقبت کے قصائد میں کوئی قصیدہ ایسا نہیں ہے جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شامل نہ ہو۔ اس کے علاوہ کبھی پنج تن کی محبت میں وہ اہل بیت کی مدح سرائی شروع کر دیتے ہیں۔ کہیں مدح کے مضمون کے ساتھ اہل بیت کا ذکر بھی چھیڑ دیتے ہیں۔ غرض کہ ہادؔی نے نعت اور منقبت کے مضامین کو کچھ اس طرح سے ملا دیا ہے گویا وہ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ اگر ہم عربی ادب کی تقلید میں منقبت کو بھی نعت ہی میں شمار کریں تو ہادؔی کا کلام اس کا اچھا نمونہ ہے:

رسالت نے دعائے فتحمندی برمحل دی تھی مسیحائی نے اکسیر دہن آنکھوں میں مل دی تھی
فرس تھا یا علی کو حق نے اک بجلی کی کل دی تھی بہت فتح وظفر کی راکب ومرکب کو جلدی تھی
درِ خیبر پہ دُلدل اُڑ کے پہنچا دوطراروں میں

جنوں سے جس جگہ ٹکرا گیا تھا زور انسانی مقابل تھے یہودی یا نبرد آرا تھے نصرانی
زبان تھی ترجمان جوشش جذبات ایمانی علی نے دی ہے کس کس بزم میں دادِ رجز خوانی
یہ بلبل جا کے چہکارا ہے کن کن شاخساروں میں

چھڑایا کفر کی قیدوں سے دے کر دیں کی آزادی انہیں منزل پہ جو پہنچا سکے وہ راہ بتلائی
یہاں اور عاقبت میں جیت کی ہر گھات بتلا دی کیا ان پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق نے غالب ورنہ اے ہادؔی
نہ چلتا کوئی بھی سیدھا عرب کے بے مہاروں میں

کبھی شاعر کا تخیل قصیدے کے مدحیہ پہلو سے گریز کر کے اہل بیت کے مصائب کے بیان کو بھی شامل کر دیتا ہے۔ گویا کہ ہادؔی کی نعت، منقبت اور مرثیہ اہل بیت تینوں ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ اختیار کر کے ہم آہنگ ہو گئے ہیں۔ شاعر مصائب اہل بیت میں یوں نوحہ سنج ہے:

اب کہاں وہ حدہائے بے بہائے اہل بیت اک پھٹی چادر نہیں باقی برائے اہل بیت
ہیں قیامت کے ستم صبر آزمائے اہل بیت کربلا میں جل رہے ہیں خیمہ ہائے اہل بیت
آسماں تک جارہا ہے دود آہ مرتضٰی

محفل میلاد کے موقع پر نعت ومنقبت میں بہاریہ خمسہ کے قوافی کو دیکھئے اور کلام کی لطافت کا اندازہ کیجئے:

چمن کے دن پھرے صبح بہاری کا ہوا تڑکا خزاں کے ظلم گلشن سوز کا دل لے گیا دھڑکا
سواری کس گل رعنا کی آتی ہے سنو کڑکا مبارک اے اسد کی لاڈلی یہ پھول سا لڑکا
دل روح الامیں اس گل پہ بلبل کی طرح پھڑکا

طبیعت ہے مئے ناب تولّا بو سے متوالی اسی کے نقشہ سے آنکھوں کے ڈورے میں ہے یہ لالی
اِدھر اک بوترابی ملک دارا کا اُدھر والی مے حبِّ علی یاں دل میں ہے واں جام جم خالی
تقابل جام جم سے ہو مرے مٹّی کے کلّھڑ کا

کوئی تازہ قرابہ کوثر و تسنیم والا لا　　　عرق وہ تند جس کا ہو نہ ممکن استحالا لا
سقاہم پہم کا معتقد بندہ ہوں لالا لا　　　شراب زنجبیلی کا کوئی ساقی پیالہ لا
ذرا اس گرمیٔ جوش ولا کو اور بھی بھڑکا

چھپائے ملتوں نے کفر کے دھبّے بہ چالا کی　　　حقیقی شرک پر تاویلِ باطل خاک ڈالا کی
کہاں یہ آب وتاب دلربا مولائے مولا کی　　　چمک اسلام کی توحید خالص نے دوبالا کی
نہیں اک شائبہ بھی اس کھری چاندی میں سوبڑ کا

(چاندی یا سونا جو خالص نہ ہو)

سرورِ کائنات کی آمد آمد ہے، ان کے جلو میں دنیا کی زیب وزینت کا کوئی سامان نہیں ہے کہ جس سے شاعر اپنے بیان کو سنوار سکے۔ ابھی اسلام کا ہادی صلی اللہ علیہ وسلم بے سروسامانی کی حالت میں مصائب سے دوچار، اعداء میں گرفتار، افلاس سے پریشان، اللہ کے پیغام کو لے کر کوچہ بہ کوچہ اور دربدر پھر رہا ہے۔ اس بےبسی میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو پُرعظمت رنگ میں پیش کر کے ہادؔی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال اور دبدبہ کی کیسی صحیح تصویر کھینچی ہے:

زبان پر تیری وہ اعلان دینی ذمہ داری کا　　　شرف جبرئیل کو ہمراہی وخدمت گزاری کا
جلو میں اک خزانہ لاتعد نغمات باری کا　　　تزک اللہ اکبر ہے نبی ﷺ تیری سواری کا
سروش غیب سا کڑ کیت اور تکبیر سا کڑ کا

(نقیب)

## زاہدہ خاتون

زاہدہ خاتون شروانیہ بھیکم پور کے مشہور شروانی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ مرحومہ نواب سرمزمل اللہ خاں مرحوم کی بیٹی تھیں۔ ولادت دسمبر ۱۸۹۴ء میں ہوئی۔ تعلیم گھر ہی میں حاصل کی۔ اور اپنی محنت اور ذہانت سے شعر کہنے کا ملکہ پیدا کیا۔ شعر وادب میں جو کچھ حاصل کیا اپنی کوششوں سے حاصل کیا۔ چنانچہ کہتی ہیں:

بے فیض تلمذ ہوئی استاد سخن میں　　　یہ فخر ہے اس احقر خود ساز سے مختص

۴؍فروری ۱۹۲۲ء کو بعالم دوشیزگی اس دنیا کو خیر باد کہا اور اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

زاہدہ نہایت عبادت گزار اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ اسلام سے شیفتگی ان کی زندگی کے طور طریق سے ٹپکتی ہے۔ پاکیزہ سرشت اور پردہ نشین خاتون تھیں۔ عربی فارسی اور اردو میں اچھی استعداد رکھتی تھیں۔ ان کے کلام کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ''آئینہ حرم'' اور ''فردوسِ تخیل'' جو دارالاشاعت پنجاب نے طبع کرائے۔ ایک مجموعہ ''آئینہ حرم'' ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا جب کہ زاہدہ بقید حیات تھیں۔ یہ ۳۹ صفحات کا رسالہ ہے، دوسری کتاب ''فردوس تخیل'' ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ مجموعہ کلام ۱۲۱ منظومات پر مشتمل ہے۔ اس میں آئینہ حرم کی نظمیں شامل کر دی گئی ہیں۔ شاعرہ نے زاہدہ کے علاوہ نزہت اور ز۔خ بھی تخلص کیا ہے۔

''فردوس تخیل'' کے عنوانات یہ ہیں۔

نذر دل، درد دل، درد ثانی، درد ثالث، مجمع احباب، بزم طرب، بزم نما، حسن تضمین، بکھرے ہوئے موتی، قطعات، رباعیات، مفردات۔

زاہدہ کی علمیت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مرحومہ عربی اور فارسی میں بھی شعر کہتی تھیں جو فردوس تخیل میں درج ہیں۔ اُردو کے علاوہ فارسی میں بھی نعت کہی ہے۔ مرحومہ کے کلام میں عموماً اخلاقی مضامین پائے جاتے ہیں اور جا بہ جا قرآن اور حدیث کی تلمیحات ملتی ہیں۔ زاہدہ نہایت پرگو شاعرہ تھیں۔ مرحومہ کے کلام میں مختلف عنوانات اور اصناف سخن ملتے ہیں۔ قصیدے، غزلیں، مسدس، قطعہ بند، رباعیاں، سہرے، تضمین اور تاریخیں سب ہی ہیں۔ یہاں صرف نعتیہ کلام کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ شاعرہ نے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جس انوکھے رنگ میں پیش کیا ہے وہ صنف لطیف کی اسی حسّی کیفیت کا آئینہ دار ہے جو ایک شاعر کے تخیل کی زد سے باہر ہے۔ یہ ایک ایسا مضمون ہے جو ایک عورت ہی کے ذہن میں آ سکتا ہے۔ زاہدہ نے بی بی آمنہ کو بستر مرگ پر بتایا ہے۔ ماں کے قلب کی کیفیت کا اندازہ کیجئے جب کہ وہ دنیا کو چھوڑ رہی ہے اور اس کے ساتھ اپنے جگر کے ٹکڑے اکلوتے کو بھی ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ رہی ہے۔ اس وقت ماں کے جذبات کا فطری بہاؤ اور اس انداز سے اس کی ترجمانی شاعرہ کے حسنِ مذاق اور حسن احساس کی اچھی مثال ہے۔ اس میں جو زاہدہ نے نعت کا مضمون

پیدا کیا ہے وہ بصد اندوہ وغم نہایت حسین ہے۔ ماں کی زبان سے بچے کے عالم طفلی میں مکارم اخلاق کا بیان نعت کا وہ انوکھا انداز ہے جس پر نعت گو شعراء تخیل اندازی سے محروم رہے۔ زاہدہ کی نعتیہ شاعری کی یہ خصوصیت نہایت اہم اور نمایاں ہے:

مرا پیارا محمد ﷺ کہاں ہے لاؤ ذرا　　جمال مجھ کو میرے لال کا دکھاؤ ذرا
کنار شوق میں دل کے قریں بیٹھاؤ ذرا　　میرے لبوں سے وہ ننھے سے لب لگاؤ ذرا
میں اپنے پیارے کو جی بھر کے پیار تو کرلوں
دم و دماغ ذرا ہم کنار تو کرلوں

مرے ستارے! مرے چاند میرے مہر جبیں　　مزار میں بھی نہ بھولے گی مادر غم گیں
تری ادائیں تیرا حسن اصبح و نمکیں　　یہ تیرے عارض گلگوں پہ تابناک جبیں
یہ چشم مست و سیہ یہ نگاہ دزدیدہ
یہ حلقہ بندئ زلف و دراز و پیچیدہ

ترا یہ جھوٹ سے چڑنا دغا سے گھبرانا　　یہ ہم سنوں کو صداقت کا رمز بتلانا
دمِ غضب یہ ترا شان حلم دکھلانا　　ہنسی کے وقت فقط مسکرا کے رہ جانا
عجیب تیری ادائیں عجیب شانیں ہیں
عرب میں ورد زباں تیری داستانیں ہیں

چلی ہوں چھوڑ کے گدڑی میں گنج ہفت اقلیم　　چلی ہوں چھوڑ کے اک لعل ایک در یتیم
نہیں کسی سے کچھ امید ہے تو بیم ہی بیم　　کرم کرم مرے معبود میرے رب کریم
ترے کرم سے یہ بچہ اگر جواں ہوگا
یقیں ہے قوت اجسام ناتواں ہوگا

سنی اگرچہ بغور اس نے شرح رنج و ملال　　مگر ہوا متزلزل نہ پائے استقلال
یہ چھ برس کا سن اور ضبط نفس میں نہ کمال　　بچائیو نظر بد سے ایزد متعال
بسانے جاتی ہے ماں اس کی کنج تربت کو
تجھی کو سونپ رہی ہے تری امانت کو[1]

---

[1] فردوس تخیل۔ صفحہ۔ ۲۱۱

## محمد الیاس برنؔی

مولوی محمد الیاس برنی کا وطن بلند شہر ہے۔ سن پیدائش ۱۸۸۲ء ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم.اے. اور ایل.ایل.بی. کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں دارالترجمہ حیدرآباد میں مترجم کی حیثیت سے ملازم ہوگئے۔ دو سال بعد جامعہ عثمانیہ میں معاشیات کے مددگار پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر وہیں پروفیسر ہوگئے۔ ۱۹۳۵ء میں دارالترجمہ کے ناظم بنائے گئے اور اس خدمت پر ۱۹۴۷ء تک کارگزار رہ کر وظیفہ حسن خدمت حاصل کیا۔ آج کل حیدرآباد ہی میں مقیم ہیں۔ برنؔی صاحب مغربی تعلیم یافتہ حضرات کی اس صف میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی فراست سے دینی علوم میں گہری نظر پیدا کی۔ یوں برنؔی صاحب معاشیات کے پروفیسر رہے۔ لیکن موصوف کو علوم دینیہ اور ادب سے جو شغف ہے وہ ان کی تصانیف اور تالیفات سے ظاہر ہے۔ خصوصاً نعتیہ کلام سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ چنانچہ معارف ملت جلد اوّل سے ان کے حسن انتخاب اور حسن مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ تحفۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم چار جلدوں میں شائع کر کے نعتیہ کلام کا انتخاب ارباب ذوق کے لئے پیش کیا ہے۔ جن میں شعرائے دَور جدید کے نعتیہ کلام کا اچھا نمونہ ملتا ہے۔ برنؔی صاحب کی اس ادبی خدمت کا اعتراف عبدالسلام صاحب نے بھی اپنی کتاب شعراء الہند حصہ دوم میں کیا ہے۔ نعتیہ کلام سے اتنے گہرے لگاؤ کے ساتھ برنؔی صاحب کی طبیعت کا خود بھی نعت گوئی کی طرف مائل نہ ہونا تعجب خیز ہوتا۔ عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوشیدہ شرارے ان کے حالیہ شائع شدہ نعتیہ کلام کے مجموعہ ''معروضہ'' میں ان کی اس حیثیت کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ برنؔی صاحب کے کلام کے بیشتر حصے کو پڑھنے سے کسی خاص جاذبیت کا پتا نہیں چلتا۔ اس کا اظہار موصوف نے خود بھی اس طرح کیا ہے:

شاعری کا شوق ہے گو شاعری آتی نہ ہو
شاعروں کو گرچہ ایسی شاعری بھاتی نہ ہو

برنیؔ باتیں دل کی کہہ دی ہیں زبانِ شوق میں
شاعری کے فن میں گرچہ وہ سند پاتی نہ ہوا[1]

تاہم کلام میں جگہ جگہ وہ محاسن بھی پائے جاتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے خلوص کے آئینہ دار ہیں۔ بیان میں کشش اور جاذبیت کے نمونے جا بہ جا ملتے ہیں۔ سادہ الفاظ اور صاف طرز بیان کے علاوہ سادگی، سلاست، روانی، جذب، کیف اور اثر بھی ان کے کلام میں موجود ہے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے:

وہ دِن وہ ہے کہ سدا جس پہ کوئی ناز کرے
کرے بھی ناز جو اس پر تو بے نیاز کرے

اسے رؤف و رحیم اور کریم کہتے ہیں
وہ ایسا عبد کہ عالم کو سرفراز کرے

صلوٰۃ اس پہ سلام اس پہ انس و جاں و ملک
سب ہی ہیں بھیجتے کافر جو اعتراض کرے

عبادت اس کی عبادت کہ رب بھی بس کہہ دے
جو سمجھیں راز تو اعجاز کیا نماز کرے

خدا کی یاد سے لپٹی ہے یاد اس کی بھی
ہے بے خبر ابھی برنیؔ جو اعتراض کرے

ا۔ "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی سادگی اور سلاست نے مضمون کو عام فہم بنا دیا ہے:

سارے نبیوں کے حاصل ہمارے نبی ﷺ — سارے نبیوں میں فاضل ہمارے نبی ﷺ
سارے نبیوں کی دعوت ہے قرآن میں — سارے بنیوں میں شامل ہمارے نبی ﷺ
بحر عرفاں میں کشتی ہزاروں چلیں — سارے نبیوں کے ساحل ہمارے نبی ﷺ
کون پہنچا سر عرش سبحان کے ساتھ — سارے نبیوں میں واصل ہمارے نبی ﷺ
خاتم الانبیاء کیا عجب شان ہے — سارے نبیوں کے فاضل ہمارے نبی ﷺ
یوں تو کل انبیاء ہیں کمال ظہور — سارے نبیوں میں کامل ہمارے نبی ﷺ[2]

---

[1] معروضہ: صفحہ-۱۲۷    [2] معروضہ: صفحہ-۸۰

آسان زبان لیکن دلکش پیرائے میں وصف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفان کے مسائل کے بیان میں ان کا قدم جادۂ اعتدال سے کہیں ڈگمگاتا نظر نہیں آتا۔ بیان کا اعجاز یہ ہے کہ بچے سے لے کر بڑے تک اور جاہل سے لے کر عالم تک یکساں اپنی اپنی استعداد کے موافق لطف اندوز ہوتے ہیں۔

۲-صفات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں برنیؔ صاحب قرآنی مضامین سے کبھی صرف نظر نہیں کرتے چنانچہ ان کے کلام میں جا بجا قرآنی تلمیحات ملتی ہیں۔اس پابندی کے باوجود اشعار میں شعریت کا عنصر غالب ہے۔رحمت کے مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے:

رحمت جو عالمیں میں بنے آشکار ہے　　رحمٰن کے فیض وجود کا ان پر مدار ہے
رحمت بھی ہیں کریم و رؤف و رحیم بھی　　گلزار کائنات میں کیسی بہار ہے
سجدہ ہے اک خدا کو مگر ان کی راہ میں　　نقش قدم پہ سجدہ یہ اپنا شعار ہے
اتمام نعمت ان پہ ہے ملت کے واسطے　　ملت کا عزم اس پہ ہے دل و جاں نثار ہے
برنیؔ ہے گو غلام غلامان مصطفیٰ ﷺ
رحمت کی پھر بھی اس پہ نظر بار بار ہے[۱]

تصوف اور فلسفہ کے رنگ میں بھی وہی کیفیت سموئی ہوئی ہے:

ساقی کوثر کو پایا جو کوئی مے خانہ تھا　　فرش سے تا عرش ہر جا ساغر و پیمانہ تھا
سر حق اسرار عالم حکمت کون و مکاں　　جس نے سمجھا کچھ محمد ﷺ کا وہی دیوانہ تھا
عبدیت محبوبیت ختم رسالت کا امین　　دست حق دست محمد ﷺ تھا تو کچھ بیجا نہ تھا
اللہ اللہ سطوت محبوب رب العالمین　　تھے ملائک پاسباں احمد کا وہ کاشانہ تھا
دیکھنے کو رنگ محفل یوں پتنگے تھے ہزار　　جان دے دی شمع پر جس نے وہی پروانہ تھا[۲]

عشق کی گہرائیوں میں شاعر کی غواصی اور تخیل کی ہمہ گیری بھی دیدنی ہے:

عشق احمد، بحر حیرت، بحر ناپیدا کنار　　کیا خبر عالم کو کوئی آشنا تھا یا نہ تھا

شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے الفاظ میں نہایت خوبی سے واضح کیا ہے:

---

۱ معروضہ:صفحہ-۶۷

۲ معروضہ:صفحہ-۶۲

نشان اَبرو مدّ بسم اللہ سے ملتی ہوئی — ان کی صورت صاف وجہ اللہ سے ملتی ہوئی
خلق ان کا خلق ہے کونین میں خلق عظیم — ان کی سیرت ہے کتاب اللہ سے ملتی ہوئی
خلق کے حق میں سراپا رحمۃ للعالمیں — شان رحمت ہے رسول اللہ سے ملتی ہوئی
کیسے ہیں محبوب امر حق یہ ہے صلوا علیہ — یاد ان کی بھی ہے ذکر اللہ سے ملتی ہوئی
غلغلہ کیسا رفعنا لک ذکرک سے ہوا — شہرت ان کی بھی ہے حمد اللہ سے ملتی ہوئی
کیسے ہیں سیاح سبحان الذی اسریٰ تو دیکھ — سیر ان کی بھی ہے سیر اللہ سے ملتی ہوئی
چشم حق میں کیا ہے مازاغ البصر وماطغیٰ — دید ان کی بھی ہے علم اللہ سے ملتی ہوئی
کیا تقرب کیا اطاعت مارمیت اذ رمیت — ان کی جنبش بھی ہے فضل اللہ سے ملتی ہوئی
جن کی شان قل یعبادی ان کا ہے الیاسؔ عبد — ان کی نسبت بھی ہے عبد اللہ سے ملتی ہوئی[1]

غرض یہ کہ برنیؔ صاحب کے کلام میں تبحر علمی خلوص سادگی سلاست اور روانی کے ساتھ گہرائی پائی جاتی ہے۔ وہ تصوف کے نازک مسائل کو اس خوبی سے بیان کر جاتے ہیں کہ جو لوگ اس پر نظر نہیں رکھتے انہیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ شاعر نے یہ بات بھی پیدا کی ہے۔ کلام کی سنجیدگی سے طبیعت کی متانت کے اس اعلیٰ مرتبہ کا ثبوت ملتا ہے، جو شاعر کے ذاتی اخلاقی محاسن سے متعلق ہے۔

## ابوالاثر حفیظ جالندھری

حضرت حفیظ ۱۴؍جنوری سن ۱۹۰۰ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباء و اجداد سورج بنسی راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو تقریباً سوا دو سو سال پہلے اسلام لائے۔

ابتدائی تعلیم جالندھر میں حاصل کی۔ شعر و شاعری کا ذوق بچپن ہی سے رہا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ گیارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ یہ حفیظؔ کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں مولانا غلام قادر گرامی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کا موقع ملا۔ ان کے کلام میں استاد کا فیض نمایاں ہے۔

۱۹۲۵ء میں فرمانروائے خیرپور نے تین روپیہ مشاہرے پر درباری شاعر مقرر کیا۔ لیکن حفیظؔ کی طبیعت نے اس زندگی کو ناپسند کیا۔ وہاں سے واپس ہو کر اپنے کلام کا پہلا مجموعہ ”نغمۂ زار“ شائع کیا۔

---

[1] معروضہ: صفحہ–۴۸۔

اب حفیظؔ نے ''شاہ نامۂ اسلام'' کو نظم کرنے پر کمر باندھی۔ یہ کام جتنا مشکل تھا اسے اتنا ہی آسان کر دکھایا۔ اب تک شاہ نامۂ اسلام کی چار جلدیں شائع ہو سکیں۔ شاہنامہ کے سلسلے میں جو کام انجام پا چکا ہے وہ اردو ادب میں حفیظؔ کی بقائے دوام کے لئے کافی ہے۔ حفیظ دوسری جنگ میں حکومت ہند کے محکمہ نشر و اشاعت میں اچھی خدمت پر مامور رہے۔

حضرت حفیظؔ کی شاعری میں ہمیں صرف ان کے نعتیہ کلام سے مطلب ہے اور اس خصوص میں ان کی مثنوی ''شاہ نامہ اسلام'' ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بے مثل کتاب ہے۔

اس سے پہلے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات نظم کرنے کی اردو شعراء نے کوشش کی ہے چنانچہ معراج نامے، وفات نامے، ولادت نامے، شمائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس نوع کی کثرت سے تصنیفیں ملتی ہیں لیکن ایک تو ان میں سے اکثر میں صحت روایات کا خیال نہیں رکھا گیا اور اس طرح بہت سی غلط سلط باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے متعلق مشہور ہو گئیں۔ دوسرے یہ کہ پیشتر شعراء نے عام رسم و رواج کے ماتحت صرف حصول ثواب کی خاطر یہ کام انجام دیا۔ بلا لحاظ اس کے کہ اس کی لیاقت کسی حد تک ان میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ان میں شعری عنصر کم پایا جاتا ہے۔ اس نوع کی کاوشوں میں نوازش علی شیدا کی ''اعجاز احمدی'' (۱۱۸۶ھ) اور محمد باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ) کی ''ہشت بہشت'' منظوم سیرت النبی کے اچھے نمونے ہیں جو اپنی ضخامت اور صحت مضامین کے لحاظ سے اردو ادب کی نعتیہ شاعری میں نہایت گرانقدر ہیں۔ لیکن جو بات حضرت حفیظؔ کے شاہنامۂ اسلام کو حاصل ہے وہ کسی اور جگہ نہیں ملتی۔

قومی شاعری کا دور جو مولانا حالیؔ سے شروع ہوتا ہے وہ حقیقت میں اس احساس کا زمانہ ہے جو مسلمانوں کے لئے عموماً خواب غفلت سے بیداری کا دَور کہا جاتا ہے۔ حضرت حفیظؔ ان مصلحین شعراء کے سلسلے کی ایک کڑی ہیں جنہوں نے ایک ایسا موضوع منتخب کیا جو اکثر شعراء کے لئے ہمت شکن ثابت ہوتا ہے۔

حضرت حفیظؔ نے اس کے لئے طبیعت بھی مناسب پائی تھی۔ ان کی تربیت جس ماحول میں ہوئی اس نے حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش زندگی کے معصوم ایام طفلی ہی میں ایسے گہرے بٹھائے تھے کہ وہ ان کے جان و مال میں پیوست ہو کر رہ گئے۔ فطری طور پر بچے کا پہلا

مکتب گھر کا ماحول ہے۔ جو زندگی کے احساسات پر شدت سے اثر انداز ہوتا ہے۔ حفیظؔ نے اس تربیت کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

وظیفہ تھا کلام پاک ہی میرے جد واب کا
دیا مجھ کو زبان مادری نے درس مذہب کا
وہ کہتا تھا محمد ﷺ کی محبت جان ایماں ہے
بنائے وحدت ملت پشتیبانِ ایماں ہے

حفیظؔ کا بچپن آخر اس ماحول سے نکل کر جدید نظام تعلیم کے حوالے ہوتا ہے۔ شاعر کی فطرت صالحہ اس تعلیم کے مسموم اثرات کا شدید احساس رکھتی ہے۔ وہ اپنے تلخ نتیجے کی روشنی میں نئی نسلوں کو فریبِ تعلیم کا شکار ہوتا ہوا دیکھ کر تڑپ جاتا ہے:

نئی تعلیم کی تکمیل ہے ناکام ہونا ہے     ہزاروں اور ہیں جن کا یہی انجام ہونا ہے

یہ حقیقت ہے کہ موجودہ نظام تعلیم اور اس کے ماحول نے، مقصود تعلیم و تربیت یعنی زندگی کی پاکیزگی اور طہارت کو جس بری طرح داغدار کیا ہے وہ مقصد کی ناکامی پر شاہد ہے۔ کتنے ہی جوہر اس شر انگیز فضاء میں اپنی تابنا کی سے محروم رہ گئے اور کتنی ہی صلاحیتیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ ماحول کی اس ناسازگاری میں حفیظؔ کی حمیت اور غیرت قومی انہیں اصلاح کے لئے اُبھارتی رہی۔ وہ اس خدمت کے لئے خلوص کو لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ یہی ایک جذبہ شاہ نامہ اسلام کی تصنیف کا محرک ہوا جس کا اظہار حفیظؔ نے سبب تصنیف میں کیا ہے:

تمنا ہے کہ اس دُنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمت اسلام کر جاؤں

شاہ نامۂ اسلام کے مضامین میں صحت کا جو التزام حضرت حفیظؔ نے ملحوظ رکھا ہے، اسے خود بھی بیان کیا ہے۔

''اور نوادر ایسی روایات سے حتی الوسع پرہیز کیا گیا ہے جو کافی سند کے بغیر مولود شریف کی عام کتابوں اور بعض کتب سیر میں درج کر دی گئی ہیں یا عوام کی محفل میں گرمئ محفل کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔''[۱]

---

۱ دیباچہ شاہ نامہ اسلام جلد چہارم۔ صفحہ-۱۰۔

تخیل پر نہیں بنیاد میرے شاہ نامے کی
صداقت کی طرف جاتی ہے راہ راست خامے کی
مجھے ہے عاقبت کی فکر میں اللہ سے ڈرتا ہوں
ادب لازم ہے محبوب خدا کا ذکر کرتا ہوں

......

یہ قرآنی بیاں ہے ایک کالی کملی والے کا
کہ جس کے نور سے ظلمت نے منھ دیکھا اُجالے کا
بیاں میں اختصار و سادگی ملحوظ رکّھی ہے
بڑی مشکل سے جان واقعہ محفوظ رکھی ہے[1]

حفیظؔ کو نعت گوئی کے لئے صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اُبھارتا ہے جس کا اظہار حفیظؔ نے نہایت تفصیل سے کیا ہے:

ہوئی اس راہ وحدت میں تلاش رہنما مجھ کو
نظر آیا نہ کوئی کملی والے کے سوا مجھ کو
وہ سادی کملی والا جو شہنشاہوں کا آقا تھا
جسے مرغوب سادہ زندگی تھی فقر و فاقہ تھا
اسی کی زندگی نے زندگی کو زندگی بخشی
گلوں کو رنگ ماہ و مہر کو تابندگی بخشی
محمد ﷺ جس نے جوش زندگی بخشا ضعیفوں کو
شریروں پر مسلط کر دیا آخر شریفوں کو
محمد ﷺ جس نے گمراہوں کو سیدھی راہ دکھلائی
خدائے واحد و رحمٰن کی درگاہ دکھلائی[2]

شاعر کو اپنی کاوش کے صلہ میں جو امیدواری ہے اس کا خلوص اور سادگی ایک مہتمم بالشان

---

[1] شاہ نامۂ اسلام از ابوالاثر حفیظؔ جالندھری مطبوعہ لاہور۔ (۱۹۳۲ء) جلد دوم، صفحہ۔۲۱۴

[2] شاہنامہ اسلام: از ابوالاثر حفیظ جالندھری، مطبوعہ لاہور (۱۹۳۲ء) جلد دوم۔ ص۔۲۱۵

آرزو اور اس کی تڑپ کا پتہ دیتی ہے۔ جس کی حلاوت ایک صاحب ایمان ہی محسوس کر سکتا ہے:

کسی کی مغفرت کا یہ اگر سامان ہو جائے　　　　تو شاید حشر میں مشکل مری آسان ہو جائے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گدائی میں حفیظ افتخار محسوس کرتے ہیں اور حقیقت میں یہی ایمانی جذبۂ محبت وخلوص شاعر کے کلام میں گرمی پیدا کرتا ہے۔ آستانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حفیظ کی تمنا ان کے ان احساسات کی ترجمانی کرتی ہے:

حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے دامن دولت　　　　عقیدت کی جبیں تیری مروت سے ہے نورانی

ترا در ہو مرا سر ہو مرا دل ہو تیرا گھر ہو　　　　تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی [۱]

حفیظ کا شمار اُردو کے ان رفیع الدرجات اور جلیل القدر نعت گو شعراء میں ہے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنا ہدیۂ عقیدت پیش کر کے ادب میں بقائے دوام حاصل کر لی۔ حفیظ ان میں اپنی نعتیہ مثنوی شاہ نامۂ اسلام کے انفرادی رنگ کی وجہ سے نمایاں اور منفرد ہیں۔ ان کی شاعری کے محاسن گوناگوں ہیں لیکن ہم اپنے بیان کو سیرت پاک کے ان حصوں تک محدود کر دیں گے جن میں وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ پایا جاتا ہے۔

ناقدین نے حفیظ کے کلام کی خامیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہمیں نعتیہ کلام کی ناہمواریوں کو ٹٹولنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ جو کچھ شاعر نے کہا ہے کیا اس سے بہتر بھی ہو سکتا ہے یا ہو چکا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حفیظ نے سراپا، معراج اور اس نوع کے دیگر نفیس بیانات کو کلام میں جگہ نہیں دی جو عام طور پر نعت گوئی کے موضوع بنے ہوئے ہیں لیکن شاعر کے پیش نظر جو مقصد ''شاہ نامہ اسلام'' کے لکھنے کا رہا اس کی روشنی میں ہمارا یہ اعتراض وقیع نہیں رہتا۔

حفیظ نے سیرت پاک کے ان مرقعوں کو پیش کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دیا ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جیتا جاگتا اسوۂ حسنہ بن کر ہماری رگوں میں زندگی کا خون دوڑا سکتا ہے، جھنجھوڑ سکتا ہے، جگا سکتا اور انسانی صلاحیتوں کو سنوار کر اس کے فروغ سے بزم ہستی کو آراستہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس منظوم سیرت پاک میں زندگی ابلتی ہے، اچھلتی ہے، رقص کیف اور مستی سے سرشار ہو کر ستاروں سے آگے پرواز کو حرکت دیتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ کمی جسے ہم خامی سے تعبیر کر سکتے ہیں خوبی بن گئی ہے۔

---

[۱] شاہنامہ اسلام: از ابوالاثر حفیظ جالندھری، مطبوعہ لاہور (۱۹۳۵ء) جلد اوّل۔ صفحات-۱۴۲-۱۴۳

شاعر نے افلاک کی وہ سیر دکھانے سے پرہیز کیا ہے جس سے عملی زندگی کو واسطہ نہیں ہے۔ گو وہ اپنے مقام پر عروج انسانی کی ایک مہتم بالشان حقیقت ضرور ہے۔ یوں آج تک اُردو شاعری میں بے شمار ولادت نامے، معراج نامے، شمائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وفات نامے لکھے گئے۔ لیکن ان سب میں ان کے ہزاروں محاسن کے باوجود ایک حسن کی کمی ہے اور وہ یہ کہ سرفروشانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس جذبہ کو تیز کرنے کا کہیں سامان نہیں ملتا۔ بیان کی گرمی، اثر، جذب، کیف اور طوفان سے محروم رہتا ہے۔ گویوں ٹھنڈی ٹھنڈی یثرب کی ہوائیں بھی محسوس ہوتی ہیں، دل وجگر میں میٹھا میٹھا درد اور خنک خنک کوثر ونسیم کی لذت بھی پیدا ہوتی ہے، انوار کی بارش جمالیاتی کیفیات کو وجود میں پھیلا بھی دیتی ہے اور کلام کی لطیف ترنم ریزی میٹھی نیند کے غلبے سے قلب مطمئن کو خواب سے بھی ہم آغوش کرتی ہے۔ اکثر نعت گو شعراء کے کلام میں یہ سب کچھ ہے مگر ان کے کلام سے وہ طوفان برپا ہونے نہیں پاتا جو سمندروں کے سینوں میں بھی زیر وبم پیدا کر دے اور اپنی آتش فشانی کیفیت سے وجود کے ناپاک عنصر کو سوخت کرنے کی تڑپ لے کر اٹھے۔ حفیظؔ کے کلام کی یہی خصوصیت ہے جس نے ''شاہ نامۂ اسلام'' کو لافانی بنا دیا اور زندگی کا وہ سامان پیش کیا ہے جس میں حق وصداقت بسی ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ حق کو کبھی فنا نہیں۔

اب یہ سوال کہ اس سے بہتر بھی ہو سکتا تھا، تو اس کا جواب مستقبل کی صلاحیتیں ہی دے سکتی ہیں۔

حفیظؔ کی نعت گوئی پر تبصرہ کرنے سے پہلے ان فنّی لوازم کو بھی نظر میں رکھ لینا ضروری ہے جن سے نعت گو شاعر کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس راستے میں شاعر کے لئے جگہ جگہ پابندیاں ہیں۔ ایک تو بیان کی واقعیت اور صداقت میں سرمو فرق نہ آئے۔ شاعر کا دل و دماغ ان معلومات کا منبع ہو جس کا سرشتہ خود ممدوح کی ذات گرامی ہے۔ تخیل کی بے اعتدالیوں کو وہ ہمیشہ دباتا رہے۔ جذب وشوق کو حدود کے اندر رکھے۔ محبت کے طوفان کو آداب اور تہذیب سکھائے۔ الفاظ نپے تُلے استعمال کرے۔ ترکیبیں حسب موقع ممدوح کے شایان شان ہوں۔ خطاب کے لئے بارگاہ کی عظمت کا ہر لمحہ دھیان رہے۔ جس مقام پر آواز بلند کرنا بھی گناہ عظیم قرار پائے نعت گو شاعر کی لب کشائی کے لئے وہ کتنی دشوار گزار منزل ہے۔ ان تمام

پابندیوں کے ساتھ مضمون میں شعریت کو برقرار رکھنا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے اور اگر کوئی شاعران تمام مشکلات سے کامیاب گزر گیا تو سبحان اللہ کیا کہنا۔ لیکن نعت گو شعراء کی بھی قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنہوں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فقط محبت کے گیت گائے ہیں اور والہانہ جذبے سے سرشار ہو کر شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر پروانہ وار تصدق اور نثار ہونے کے مضامین باندھے ہیں۔ یہاں داخلی جذبات کی ترجمانی اور تغزل کا رنگ پایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب وصف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ رنگ شامل ہو جائے تو جذبات کا غلبہ اوصاف کے بیان کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور کلام کا والہانہ انداز فقط کیف و مستی کا سامان کرتا ہے۔ اس قسم کی نعت میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہیں پتہ نہیں چلتا اور نتیجتاً نعت کا وہ رنگ نہیں رہتا جو اس کا مقصود ہے۔ یہاں شاعر کے فکر کو آزادی ضرور حاصل ہوتی ہے جو ایک سیرت نگار یا وصف نگار شاعر کو نصیب نہیں۔ نعت کی پابندیوں کے ساتھ وصف نگاری میں یہ خدشہ بھی ضرور لگا رہتا ہے کہ کہیں اشعار سے شعری عنصر ختم یا کم نہ ہو جائے۔ چنانچہ یہاں شاعر کو اپنی شعری صلاحیت کے استعمال میں بڑی کاوشوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ہم حفیظ کی شاعری کو اس نظر سے دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام دشوار گزار منزلوں سے اس قدر کامیاب گزر گئے کہ پڑھنے والے کو محسوس تک نہیں ہوتا کہ بیان وصف میں شاعر کی فکر ان مشکلات سے کبھی دوچار بھی ہوئی ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حفیظؔ کی شاعرانہ صلاحیتوں کے ساتھ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نظروں میں پیام حیات کی طرح بسی ہوئی ہے اور جان و دل کے ساتھ پیوست ہے۔ محبت کا ابال ہے، خلوص کی فراوانی ہے، اسوۂ حسنہ کے محاسن اپنی رعنائیوں کے ساتھ شاعر کے تخیل کو مسحور کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیان واقعہ میں بھی شعریت دبنے نہیں پاتی اور شاعر کا جوش و جذبہ کہیں تھکتا نہیں۔ وہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر مسیحائی محسوس کرتا ہے اور زندگی کے چشمے ابلتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اس لئے حفیظؔ کے بیان نے ایک الہامی صورت اختیار کر لی ہے کلام کیا ہے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس کے ساتھ شاعر اپنے مقام کی نزاکت کا احساس بھی رکھتا ہے اور اس لئے وہ ایک جذب و کیف میں خیالات کو سمیٹتا ہوا، الفاظ کو تولتا ہوا، آداب کو ملحوظ رکھ کر جناب سرکار کے خطاب سے بارگاہ نبوی میں عقیدت کا ہدیہ

پیش کرتا ہے۔ بیان میں وہ جاذبیت اور اثر ہے کہ رقت طاری ہو جاتی ہے، دل امنڈ آتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ حقیقت میں یہی شاعر کا کمال بھی ہے۔

۱۔اثر آفرینی حفیظ کے کلام کی پہلی بڑی اور اہم خصوصیت ہے۔ مثال کے طور پر (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص اسیران جنگ بدر میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے شوہر کے فدیہ کی رقم وہی ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیٹی کے جہیز میں دیا تھا۔ حفیظ نے اس بیان میں جو اثر بھر دیا ہے اس کا احساس پڑھنے کے بعد ہی بخوبی ہوسکتا ہے:

ملا تھا قیمتی اک ہار ان کو تحفۂ شادی — اسی کو بھیج کر چاہی گئی شوہر کی آزادی
نظر آیا جونہی یہ ہار دل حضرت ﷺ کا بھر آیا — سمٹ کر ابر گوہر بار پلکوں پر اتر آیا
خدیجہ طاہرہ کا ہار مرحومہ رفیقہ کا — رسالت کی انیسہ اور امت کی شفیقہ کا
خدیجہ طاہرہ اس قلب میں آباد تھی اب تک — محبت اور نیکی اور خدمت یاد تھی اب تک
کہا بیٹی نے ماں کی یادگار ارسال کردی ہے — یہ دولت بہر شوہر آج استعمال کردی ہے[۱]

بیان کی روانی، سلاست اور دل آویزی سیدھے سادھے الفاظ میں رعایت لفظی اور صناعی سے عاری ہو کر کس قدر حسین ہے۔ حقیقت میں یہی سادگی حفیظ کے کلام کو نکھار دیتی ہے۔

(۲) مدینے کی ایک پاکدامن لڑکی یہودی کے اوباشانہ مذاق سے یوں فریادی ہوئی:

نہ حفظ آبرو کی جب کوئی صورت نظر آئی
تو اس مظلوم لڑکی نے محمد ﷺ کی دہائی دی

پکاری کیا نہیں غیرت کسی انساں کے سینے میں
کہ یوں بے آبرو ہوں میں محمد ﷺ کے مدینے میں[۲]

حفیظ نے صرف ان دو اشعار میں سارا قصہ کہہ ڈالا جس میں لڑکی کی پاکدامنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی اور اس معصوم کے درد و کرب کی کیفیت سب کچھ سما گیا۔

(۳) اب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی کی کیفیت میں سادگی اور بے

---

۱ شاہنامہ جلد دوم۔ص-۱۹۰

۲ شاہنامہ جلد دوم۔ص-۱۹۷

پایاں تاثیر بھی ملاحظہ کیجئے:

وہ زہرا ہاں وہی زہرا رسول اللہ کی بیٹی — وہی زہرا شہنشاہوں کے شاہنشاہ کی بیٹی
وہ کملی اوڑھنے والے مجسم نور کی بیٹی — وہ عبداللہ کی پوتی آمنہ کے پور کی دختر
وہ خواہر ام کلثوم و رقیہ اور زینب کی — وہ سب بہنوں سے چھوٹی اس لئے نورِ نظر سب کی
وہ قاسم کی بہن وہ طیب و طاہر کی ماں جائی — جو ماں کی گود میں اتمام نعمت کی طرح آئی
وہی آئینہ عفت کا سب سے خوشنما جوہر — خدیجہ طاہرہ کے بطن کا اِک بے بہا گوہر
وہ صبح نور چشم رحمۃ للعالمیں زہرا — نگین خاتم تسکین ختم المرسلیں ﷺ زہرا
وہ زہرا جو شبیہ اسوۂ سرکار عالی تھی — علی سے آج اس زہرا کی شادی ہونے والی تھی
وہ زہرا جس کے گھر تسنیم و کوثر کی تھی ارزانی — ملی تھی مشک ان کو تاکہ خود لایا کریں پانی
ملا تھا فقر و فاقہ ہی مگر اصلی جہیز ان کو — کہ بخشی تھی خدا نے اِک جبینِ سجدہ ریز ان کو
چلی تھی باپ کے گھر سے نبی ﷺ کی لاڈلی پہنے — حیا کی چادریں عفت کا جامہ صبر کے گہنے
ردائے فقر بھی حاصل تھی توفیق سخاوت بھی — کہ ہونا تھا اسے سرتاج خاتونان جنت بھی
اسی کی تربیت میں اسوہ تھا یمن و سعادت کا — اسی کی گود سے دریا اُبلتا تھا شہادت کا
وہی غیرت جو مہر خاتم حق کا نگینہ تھی — امیں کی لاڈلی ہی اس امانت کی امینہ تھی
پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہرا اپنے گھر آئی — توکل کے خزانے دولت مہر و وفا لائی

شاعر نے اس بیان میں محاسن کا دریا بہا دیا ہے۔ وصف نگاری میں یہاں حفیظ کا فن اپنی انتہائی بلندی پر نظر آ رہا ہے۔ تسنیم و کوثر سے دُھلی ہوئی زبان، تاثیر میں ڈوبا ہوا بیان، تشبیہ و استعارے کی ندرت، الفاظ کی لطافت، شگفتہ طرز، تخیل کی پاکیزگی اور سب سے بڑھ کر محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم و اہلبیت کا طوفان شاعر کے ہر لفظ کو قبولیت کا درجہ بخش کر ہر صاحب ایمان کے دل میں نشتر کا کام کر رہا ہے۔

حفیظ کے کلام کی یہی خوبیاں ان کی عظمت کا اعتراف کرتی ہیں۔

(۴) حفیظ کی صناعی میں بھی اثر اور سادگی ملحوظ ہے۔ بیان میں کہیں الجھاؤ نہیں ہے۔ دور از کار تشبیہوں کا کہیں استعمال نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیان اسلام کی مراجعت کا نقشہ پیش ہے:

نوید سرخوشی دیدی زمینوں آسمانوں میں
فرشتے لے اُڑے اللہ اکبر کی اذانوں میں

ہوا جلوہ فگن طیبہ میں جب اسلام کا ہادی
منور ہوگئی شمس الضحیٰ کے نور سے وادی

صحابہ ہم عناں تھے صف بصف محبوب داور کے
شعاعیں گرد تھیں چاروں طرف خورشید خاور کے

زمیں سے جب صدائے نعرہ ہائے مرحبا گونجی
فلک سے بھی خدائے نغمۂ صل علی گونجی

مبارکباد کی آنے لگیں پرجوش آوازیں
مئے حب رسول اللہ سے مدہوش آوازیں

پیمبر اس طرح داخل ہوا اپنے مدینے میں
دم رفتہ پلٹ کر جس طرح آتا ہے سینے میں

محبت کی ہوائیں وجد میں آئیں شجر جھومے
جھکی محراب مسجد فرش نے بچھ کر قدم چومے

فروکش ہوگئے مسجد میں آکر حضرت والا
صحابہ نے بنایا چاند کے چاروں طرف ہالا

بشر کی شان وحدت کے جو یہ جلوے نظر آئے
ستارے بھی مبارک باد دینے کو اتر آئے

مہاجر اور انصار آکے بیٹھے سب حضوری میں
رہا کوئی نہ بعد و قرب خاکی اور نوری میں[۱]

تشبیہیں نہایت بدیع اور رقصاں ہیں۔ حسن تعلیل کی صورتیں بھی نہایت حسین ہیں۔
حفیظؔ کا یہ کہنا کہ:

محبت کی ہوائیں وجد میں آئیں شجر جھومے
جھکی محراب مسجد فرش نے بچھ کر قدم چومے

---

۱ شاہنامہ جلد دوم۔ ص-۱۵۸

جذب وکیف کا طوفان برپا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جس شاعر کے تخیل نے یہ مضمون پیدا کیا ہو اس کے شوق کی شدت کا صحیح اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں حفیظ ہمیشہ اپنی انتہائی بلندیوں پر نظر آتے ہیں۔

حسن تعلیل کی پُر کیف مثالیں جا بہ جا پائی جاتی ہیں:

کیا کرتی تھی غسل آفتابی اس لئے وادی
کہ گزرے گا یہاں سے ایک دن اسلام کا ہادی

میدان بدر میں نور سحر کا نمودار ہونا شاعر کی نظروں میں کچھ اور ہی نقشہ پیش کر رہا ہے۔

زرہ پہنے ہوئے جب لشکر نور سحر نکلا
شہ خاور اٹھا بہر مدد سینہ سپر نکلا

شعاعیں برچھیاں بنکر اندھیروں کی طرف لپکیں
بلائیں بھاگ اٹھیں اپنے ڈیروں کی طرف لپکیں[۱]

ہوا عرش معلیٰ سے نزول رحمت باری
تو استقبال کو اٹھی حرم کی چار دیواری[۲]

۲-حفیظ کے بیان کی ڈرامائی کیفیت:

حرم کی حد میں یوں جب چیرہ دستی کا سماں دیکھا
زمیں نے خوف سے تھرّا کے سوئے آسماں دیکھا[۳]

گروہ اشقیا کو سر نگوں ہوتا ہوا پایا
علی کو سایۂ شمشیر میں سوتا ہوا پایا[۴]

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا میں ورود اور پرستاران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جوش وولولہ جو شاعر نے پیش کیا ہے ایک تصویر بن کر آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور نعروں کی آوازیں کانوں میں گونج اٹھتی ہیں:

---

[۱] شاہنامہ اسلام جلد اوّل۔ص-۲۷۶

[۲] شاہنامہ اسلام جلد اوّل۔ص-۶۱۴

[۳] شاہنامہ اسلام جلد اوّل۔ص-۱۳۲

[۴] شاہنامہ اسلام جلد اوّل۔ص-۲۳۰

علی اٹھا لیجئے ذرّوں کے گھر میں آفتاب آیا — زمین و آسماں کا نور جس کے ہمرکاب آیا
اکٹھے ہوگئے ہر سمت سے طالب زیارت کے — شعاعوں کی طرح سے گردِ خورشید رسالت کے
نظر آتی جونہی پہلی جھلک روئے منور کی — سلامی گونج اٹھی نعرۂ اللہ اکبر کی [۱]

اب مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے داخلے کی شان بھی دیکھئے:

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی

جوان و پیر و مرد و زن سراپا چشم بیٹھے تھے
بہار آنے کو تھی گلشن سراپا چشم بیٹھے تھے

جنوبی سمت اٹھا ایک نورانی غبار آخر
سواد شہر میں داخل ہوا ناقہ سوار آخر

فضا میں بس گئی توحید کی آزاد تکبیریں
یہ تکبیریں تھیں باطل کے گلو پر تیز شمشیریں

مہاجر پیچھے پیچھے چل رہے تھے سر بکف ہوکر
کھڑے تھے راہ میں انصار ہر سو صف بصف ہوکر

در و دیوار استادہ ہوئے تعظیم کی خاطر
زمیں کیا آسماں بھی جھک گئے تسلیم کی خاطر [۲]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درپئے آزار کفار کا میدان بدر میں جمع ہونا اور بغض و عداوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طوفانوں کو اپنے جلو میں رکھنا ہر سیرت نگار اور مورخ کے بیان میں ملتا ہے لیکن حفیظ نے جس قوت سے اس میں حسن بھرا ہے وہ شاعر کے ڈرامائی انداز کی آئینہ داری کرتا ہے:

تکبر، ظلم، گستاخی، دل آزاری، من و مانی
تشدد، کینہ توزی، ناز، خود بینی، خود آرائی

---

۱ شاہنامہ اسلام جلد اوّل۔ص-۲۴۰

۲ شاہنامہ اسلام جلد اوّل۔ص-۲۴۳

ستانے کے طریقے قتل کر دینے کی ایجادیں
یہ بچے مادرِ شب کے اندھیرے کی یہ اولادیں
ہوئی آ آ کے سب شامل گروہ اہل باطل میں
یہ فتنے آ بسے کفار کے تہ خانۂ دل میں ا؎

الفاظ کا زیر و بم محل اور موقع کے مطابق نہایت مناسب صوتیت پیدا کرتا ہے اور سننے والے کا دل مسحور ہو کر اپنی کیفیت میں اسی کے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔

ابن عبدود عرب میں ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا اس کے نام سے عرب میں سب ہی کانپتے تھے۔ جنگ احزاب میں مدینے پر سارا عرب دھاوا کرتا ہے اور یہ نامی پہلوان خندق کے پار گھوڑا اگرا کر للکارتا ہے۔ اس واقعہ کی ڈرامائی کیفیت کی ترجمانی کا حفیظ نے پورا پورا حق ادا کیا ہے:

پکارا جان جاؤ عمر و ابن عبدود میں ہوں
ذرا پہچان جاؤ اور کوئی ہے کہ خود میں ہوں ۲؎

اس کے جواب میں صدائے شیر خدا:

یہ سنتے ہی علی المرتضیٰ نے دی صدا میں ہوں
فدا کار محمد مصطفیٰ ﷺ نام خدا میں ہوں ۳؎

ابن عبدود پھر للکارتا ہے:

وہ کافر پھر پکارا ہے کوئی جو سامنے آئے
نبرد آرا ہو مجھ سے آ کے جرأت اپنی دکھلائے ۴؎

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب:

نہ بولا اور کوئی شاہ مرداں نے کہا میں ہوں
یکے از سر فروشان محمد مصطفیٰ ﷺ میں ہوں ۵؎

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

---

ا؎ شاہنامہ اسلام جلد اوّل۔ص-۲۷۶
۲؎ شاہنامہ اسلام جلد چہارم۔ص-۱۹۲
۳؎ شاہنامہ اسلام جلد چہارم۔ص-۱۹۲
۴؎ شاہنامہ اسلام جلد چہارم۔ص-۱۹۲
۵؎ شاہنامہ اسلام جلد چہارم۔ص-۱۹۲

رسول اللہ نے شفقت سے رکھا ہاتھ شانے پر
کہا یہ ابن عبدود ہے اے فرزند اے حیدر

محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب:

کہا بے شک یہ ابن عبدود ہے جانتا ہوں میں
مرے سرکار اس ابلیس کو پہچانتا ہوں میں[۱]

کافر کی لاف زنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے:

میں وہ ہوں جس سے زہرہ آب ہے جنگل کے شیروں کا
شجاعوں کا کشندہ اور قاتل ہوں دلیروں کا
تیرا کیا نام ہے تو کون ہے او پیکر خاکی
کہ حدو انتہا سے بڑھ گئی ہے تیری بے باکی

کہا مجھ کو علی کہتے ہیں اک بندہ خدا کا ہوں
میرا اتنا ہی دعویٰ ہے کہ خادم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوں

حضرت حفیظؔ کے بیان میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرت کا یہ پہلو ہمیشہ نمایاں ہے کہ وہ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دیوانے ہیں۔

۳- کسی واقعہ کی جان واقعہ کے ساتھ بیان کرنے میں حضرت حفیظؔ کو کمال حاصل ہے۔ بات صرف اس قدر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے ناقہ بہ قیمت خریدا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق، حضرت عامر اور ایک رہبر اس پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ اب شاعر کا بیان بھی سنئے:

بہ قیمت لے کے ناقہ شان رحمت نے سواری کی
بڑھیں یثرب کی جانب نکہتیں باد بہاری کی

رسول اللہ اور صدیق تھے اک پشت ناقہ پر
تھا عامر دوسری پر اور اس کے ساتھ اک رہبر

بہ ظاہر چند اہل کارواں معلوم ہوتے تھے
مگر ان کے جلو میں دو جہاں معلوم ہوتے تھے[۲]

---

[۱] شاہنامہ اسلام جلد چہارم۔ ص-۱۹۲ [۲] شاہنامہ اسلام جلد اوّل۔ ص-۲۳۳

کہیں کہیں حفیظؔ کا تخیل پابندیوں کو توڑ کر آزاد بھی ہو جاتا ہے تو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ شاعر حدود سے تجاوز کر گیا ہے بلکہ بیان کی واقفیت کو ثابت کرنے کے لئے ظاہری شواہد کی عدم موجودگی میں بھی ضمیر کی آواز یہی کہتی ہے کہ واقعہ کو یوں ہی ہونا چاہئے۔ مثلاً صحرا کی دعا جو حفیظؔ نے نظم کی ہے اس کی سند میں نہ قرآنی آیت ہے نہ حدیث ہے لیکن زبان حال سے صحرا کا دُعا کرنا بعید از قیاس نہیں ہے۔ جب استن حنانہ کی آہ وزاری پر حدیثیں شاہد ہیں تو شاعر کے تخیل کا صحرا کو دعا کرتے ہوئے سن لینا ایک ایسا امر ہے جسے ہم زیادہ سے زیادہ حسن تعلیل کی بدعت حسنہ پر محمول کر سکتے ہیں:

خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئے گا
کہ تیرا ساقی کوثر یہاں تشریف لائے گا
اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتی
مرے دل کی کدورت خود بہ خود معدوم ہو جاتی
خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آ کے ٹھہریں گے
شہید آرام فرمائیں گے غازی آ کے ٹھہریں گے
خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا
چھپا کر ایک گوشے میں مصفا حوض بھر رکھتا
وہ پانی ان مقدس مہمانوں کو بھی پلا دیتا
میں اپنی تشنگی دیدار حضرت سے بجھا لیتا
حضورِ ساقئ کوثر میں میری لاج رہ جاتی
مری عزت، مری شرم عقیدت آج رہ جاتی
ترے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے
الٰہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے
اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی
تو مجھ کو رحمۃ للعالمیں سے شرم آئے گی[1]

---

[1] شاہنامہ اسلام جلد دوم۔ ص: ۴۷-۴۸

جنگ کے موقع پر بارش کا نزول ایک تاریخی واقعہ ہے۔ لیکن اس کی علت کے بیان میں جو حسن ہے اس کی سادگی شاعر کی کرامات کو ظاہر کر رہی ہے:

انہیں کی منتظر تھی غالباً شان الٰہی بھی
کہ پیاسے تھے محمد ﷺ بھی محمد ﷺ کے سپاہی بھی

کرم کی شان وابستہ اسی شان کرم سے تھی
یہ رحمت رحمۃ للعالمین کے دم قدم سے تھی

مدینے کی بلندی سے جو رحمت کی گھٹا آئی
تو استقبال کو فردوس کی ٹھنڈی ہوا آئی [۱]

۴-حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

نعت گوئی کی ابتداء ہی حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہے اور ہر نعت گو شاعر اسی جذبہ کی کارفرمائی میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔ چنانچہ شعراء نے تصوف کی لطیف آمیزش سے تغزل کے رنگ میں طرح طرح سے گلفشانیاں کی ہیں۔ لیکن اس میں حفیظؔ کی خصوصیت یہ ہے کہ تغزل سے ہٹ کر اسوۂ حسنہ کے بیان کو محبت آمیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ شاعر کے گرد و پیش حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہو کر اسے ایک جذب، تڑپ اور اضطرابی کیفیت سے دوچار کرتی ہے۔ ذکر حبیب میں وہ کھو جاتا ہے اور اس کے اندر زندگی کی شمع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر پروانہ وار نثار ہونے کے لئے بے چین ہوتی ہے۔ حفیظؔ کے کلام میں الفاظ کا زیر و بم اسی داخلی کیفیت کی ترجمانی کرتا ہے:

سما سکتی ہے کیونکر حبّ دنیا کی ہوا دل میں — بسا ہو جب کہ حبّ نقش محبوب خدا دل میں
محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے — اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد ﷺ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی — خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی
محمد ﷺ کی محبت آن ملت شان ملت ہے — محمد ﷺ کی محبت روح ملت جان ملت ہے
محمد ﷺ ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا — پدر، مادر، برادر، مال، جان اولاد سے پیارا [۲]

---

[۱] شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۴۹

[۲] شاہنامہ اسلام، جلد دوم۔ ص-۱۱۲

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت آقائے نامدار سے:

کوئی سامان نہیں تھا ایک ہی سامان تھا ان کا
خدا واحد نبی ﷺ صادق ہے یہ ایمان تھا ان کا ا

غلاموں کو جو آقا کا رخ انور نظر آیا قلوب مطمئن نے انتہائی حوصلہ پایا ۲

......

ہمارا فخر یہ ہے ہم غلامان محمد ﷺ ہیں ہمیں باطل کا ڈر کیا زیر دامان محمد ﷺ ہیں ۳

صحابہ سو رہے تھے صحن مسجد میں تھکے ہارے
ردائے ماہ میں لپٹے ہوئے ہوں جس طرح تارے
نبی ﷺ نے کروٹیں بدلیں جو یوں بے تاب ہو ہو کر
صحابہ جاگ اٹھے خواب سے بے خواب ہو ہو کر
گزارش کی سبب کیا ہے حضور اس بے قراری کا
مزاج اچھا تو ہے نام خدا محبوب ﷺ باری کا ۴

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا میں والہانہ استقبال آپ سے محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور اس شوق کی ترجمانی کر رہا ہے جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں گھر کیے ہوئے تھا۔ شاعر نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

غل اٹھا لیجئے ذروں کے گھر میں آفتاب آیا
زمین و آسماں کا نور جس کے ہمرکاب آیا
اکٹھے ہوگئے ہر سمت سے طالب زیارت کے
شعاعوں کی طرح سے گرد خورشید رسالت کے ۵

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جوش جہاد کا فروغ ملاحظہ کیجئے:

---

ا شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۲۷۹
۲ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۱۲۸
۳ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۱۲۸
۴ شاہنامہ اسلام، جلد دوم۔ ص-۱۶۰
۵ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۲۴۰

نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے مرتضیٰ نے حوصلہ پایا　　　محبت نذر گردانی محبت ہی صلہ پایا [1]

شمع نبوت کے پروانے ایک ہی مقصد کے لئے جی رہے تھے اور وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ لیکن وہاں عشق کا مفہوم خیالی اور اس قسم کا جذباتی نہیں تھا جو موسیقی کے زیر و بم سے اکثر نام نہاد فریب خوردہ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس عشرت افزا کو گرمائے ہوئے ہے۔ یہاں سرفروشی کی تمنا ان کے جلو میں تھی اور حوصلوں کی بلندیاں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہاڑوں کو تلواروں پر اٹھانے کے ولولے رکھتی تھیں۔ احد کے میدان کارزار میں جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر مشہور ہو چکی اور ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی تھی تو فقط حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پرور نوید نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں زندگی دوڑا دی اس مضمون کو حفیظ نے جس اثر انگیز طریقے سے بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ تشبیہوں کی سادگی حسن کلام کو چار چاند لگا رہی ہے:

سمائی تازگی اس طرح اندام فسردہ میں　　　پلٹ آتی ہیں روحیں جس طرح اجسام مردہ میں
رخ امید دیکھا روشنی آئی نگاہوں میں　　　یقیں آیا، ہم اب تک ہیں محمد ﷺ کی پناہوں میں
کھنچے عاشق اڑیں جس طرح سوتے کہربا تنکے　　　نبی ﷺ کو دیکھ کر پر لگ گئے ہر مرد مومن کے
قلم کرتے سروں کو بازوؤں کو چھانٹتے آئے　　　متاع ضرب کاری دشمنوں میں بانٹتے آئے [2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بارش اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری کا منظر بھی دیدنی ہے:

ادھر جسموں کی دیواریں اٹھادیں باوقاروں نے
بساط عشق پر جانیں بچھادیں جاں نثاروں نے [3]

شہادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی افواہ پر مدینے کی بے چینی اور گھروں سے ضعیفوں، بیواؤں اور بچوں کا نکل آنا حفیظ کی واقعہ نگاری کا درد انگیز کرشمہ ہے:

وہ کم سن نوجواں پلٹا دیا تھا راہ سے جن کو
محبت تھی مگر سرکار عالی جاہ سے جن کو

---

[1] شاہنامہ اسلام، جلد سوم۔ ص-۱۰۸
[2] شاہنامہ اسلام، جلد سوم۔ ص-۱۸۸
[3] شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۱۹۰

وہ مائیں پالتی تھیں جو گھروں میں بال بچوں کو
لئے بیٹھی تھیں گودوں میں بلند اقبال بچوں کو
وہ بیوائیں نبی ﷺ کے فیض پر جن کا گزارہ تھا
ضعیف افراد جن کا بازوئے حق ہی سہارا تھا
مساکین و یتامیٰ جن کے سر پر تھا وہی سایہ
وہی تھا آسرا جن کا وہی تھا جن کا سرمایہ

......

سماعت میں جو یہ دلریش اخبار وفات آئیں
مدینے سے نکل کر مومنات قط نتات آئیں
نبی ﷺ کو ڈھوڈتی تھیں اس ہلاکت خیز میداں میں
لئے پھرتی تھیں اک تصویر حسرت چشم حیراں میں
نہ رشتے اور نہ کوئی مامتا مطلوب تھی ان کو
وجود پاک ہادی کی بقا مطلوب تھی ان کو

غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ استقامت اور ثابت قدمی کے بے مثال نمونے حبِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت خیز کیفیت اپنی شدت میں ہزاروں قیامتوں کا سامان رکھتی ہے۔ اسی حبِّ رسول میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت کا واقعہ مکہ کے کفار کی سفاکی کی بدترین مثال ہے۔ ایک شخص سعید بن عامر جو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے مکہ کی اس قربان گاہ کے تماشائیوں میں تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب یہ ہولناک واقعہ انہیں یاد آتا تو ان پر غشی طاری ہو جاتی۔ قتل گاہ میں عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق کا مضمون شاعر کے طرز بیان کی ساری خوبیوں کو لئے ہوئے ہے۔ واقعہ کی پوری کیفیت کے ساتھ اس کی صحیح ترجمانی میں حفیظؔ کس قدر کامیاب ہیں۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید ایک مدت کی قید سخت کے بعد جس طرح ملتے ہیں اس کے فطری اور حسین بیان سے شاعر نے ایک دردناک لیکن ولولہ انگیز نقشہ کھینچ دیا ہے:

نگاہوں میں ثبات و صبر کی پر زور تاکیدیں
جبینیں اس طرح پرنور تھیں قربان تھیں عیدیں[1]

دار کے نیچے ان کا نعرۂ حق بھی سنئے:

محمد ﷺ سے نہ پلٹیں گے ملے ہم کو خدائی بھی  بغیر اسلام کے ہم کو جہنم سے رہائی بھی[2]

قتل سے پہلے عاشق رسول کی آخری نماز میں عجلت اشتیاق شہادت اور جرأت خداداد کا ایک قیامت خیز نقشہ ہے۔ قربانی کا یہ ہولناک جذبۂ شوق فقط حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی کا وار کی طرف یہ کہہ کر بڑھنا کہ:

چلو خیر اب میں فارغ ہوں چڑھاؤ مجھ کو سولی پر

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اس کی ترجمانی میں شاعر کا بیان بھی دیدنی ہے۔ حسن ہی حسن، کیف ہی کیف، سبحان اللہ ساری منزلیں دو مصرعوں میں طے کر دیں:

یہ کہہ کر یادِ حق میں گم ہوا اللہ کا دیوانہ
سر شمع شہادت آ گیا خود آپ پروانہ

خدا جانے محبت کے یہ کیا اسرار ہوتے ہیں
جو سر سجدوں میں جھکتے ہیں وہ زیب دار ہوتے ہیں[3]

تماشائیوں نے جب برچھے اور نیزے لے کر چاروں طرف سے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم مبارک کو چھلنی کرنا شروع کیا اور ابوسفیان نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے انکار کو اس قیامت سے نجات کا ذریعہ بنایا تو حضرت کا جواب جان ایمان کو تڑپا دیتا ہے اور اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہونے کے جذبے سے دل سرشار ہو جاتا ہے:

نہ چھوڑوں گا کبھی میں احمد مختار ﷺ کا دامن
کہ دو جگ کا سہارا ہے خیال یار کا دامن[4]

---

[1] شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ ص-۱۱۴
[2] شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ ص-۱۱۴
[3] شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ ص-۱۱۴
[4] شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ ص-۱۱۲

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی دعا بھی سنئے:

یہ کہہ کر عرش کی جانب نظر کی اور دعا مانگی
خدا سے جذبۂ حب نبی ﷺ کی انتہا مانگی[1]

سبحان اللہ! کیا دردانگیز بیان ہے۔ شاعر کے کلام کی اثر آفرینی قابل صد تحسین ہے۔

۵- حفیظ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان میں حقیقت میں قرآن اور حدیث کے مضمون کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس میں شاعرانہ رنگ آمیزی ضرور پائی جاتی ہے۔ جو فقط تفسیر اور تشریح کی حد تک ہے جسے شاعر کے تخیل نے بہم پہنچایا ہے۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے تمہید کے بیان میں حضرت حفیظ کا انداز شاعرانہ ضرور ہے لیکن اس میں ایک ابدی صداقت کی آئینہ داری ہے جس کی حقانیت روز روشن کی طرح ہر صاحب ایمان پر عیاں ہے۔ شاعر کا بیان نکھرا، ستھرا راز ہستی کے پردے اٹھاتا ہوا حاصل زندگی کی تفسیر میں یوں نغمہ ریز ہے:

طلسم کن سے قائم بزمِ ہست و بود ہو جانا
اشارے ہی سے موجودات کا موجود ہو جانا

عناصر سے شعور زندگی کا بہرہ ور ہونا
لپٹ کر آب و خاک و باد و آتش کا بشر ہونا

یہ کیا تھا کس لئے کس کے لئے تھا مدعا کیا تھا
یوں ہی تھا یا کوئی مقصد تھا آخر ماجرا کیا تھا

یہ کس کی جستجو میں مہر عالم تاب پھرتا تھا
ازل کے روز سے بیتاب تھا بے خواب پھرتا تھا

کروڑوں رنگتیں کس کے لئے ایام نے بدلیں
پیاپے کروٹیں کس دھن میں صبح و شام نے بدلیں

یہ کس کے واسطے مٹی نے سیکھا گل فشاں ہونا
گوارا کرلیا پھولوں نے پامال خزاں ہونا

---

[1] شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ ص-۱۱۴

مشیت تھی کہ یہ سب کچھ تہِ افلاک ہونا ہے
یہ سب کچھ ایک دن نذرِ شہِ لولاک ہونا ہے

ولادت کے مضمون ہی کو لے لیں تو نعتیہ شاعری کے کئی محاسن بیان میں آ جائیں۔ یہاں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف چند اشعار کے نمونے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یوں تو مولانا حالیؔ نے بھی ولادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مضمون نہایت شگفتہ طور پر بیان کیا ہے لیکن حفیظؔ کی تفصیلات شگفتہ تر ہیں:

خلیل اللہ نے جس کے لئے حق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے وقت ذبح جس کی التجائیں کیں

جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوب میں آیا
جسے یوسف نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا

کلیم اللہ کا دل روشن ہوا جس ضوفشانی سے
وہ جس کی آرزو بھڑکی جواب لن ترانی سے

وہ جس کے نام سے داؤد نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہ سلیماں نے گدائی کی

دل یحییٰ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے
لبِ عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شان رحمت کے

مرادیں بھر کے دامن میں مناجات زبور آئی
امیدوں کی سحر بڑھتی ہوئی آیات نور آئی

تبسم ہی تبسم تھے نظارے لالہ زاروں کے
ترنم ہی ترنم تھے کنارے جوئے باروں کے[۱]

استقبال کی شان بھی دیدنی ہے:

ہوا عرشِ معلیٰ سے نزول رحمت باری     تو استقبال کو اٹھی حرم کی چار دیواری[۲]

---

۱؎ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۱۴۰

۲؎ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۱۴۱

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مضمون حسن بیان کی نہایت حسین صورت ہے:

بصد انداز یکتائی بغایت شان زیبائی　　امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی [۱]

اب یہ بھی دیکھئے کہ حاصل زندگی کی جلوہ نمائی نے کائنات میں خوشی کی لہر کس طرح دوڑا دی:۔

ندا ہاتف کی گونج اٹھی زمینوں آسمانوں میں
خموشی دب گئی اللہ اکبر کی اذانوں میں
حریم قدس سے میٹھے ترانوں کی صدا گونجی
مبارک باد بن کر شادیانوں کی صدا گونجی
بہر سو نغمۂ صل علیٰ گونجا فضاؤں میں
خوشی نے زندگی کی روح دوڑا دی ہواؤں میں [۲]

حضرت حفیظ کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر ان اوصاف کا بیان پایا جاتا ہے جو بعثت کی غرض و غایت کی ترجمانی کرتا ہے۔ ساتھ ہی شاعر اپنے تخیل کی آمیزش سے مضمون کو بے جا نہیں ہونے دیتا، الفاظ اور ترکیبوں کے حسن انتخاب سے موسیقی کا سماں باندھ دیتا ہے۔ ایسی موسیقی جو سوتوں کو جگا دے نہ کہ جاگتوں کو سلا دے۔ ان کے کلام میں جذب، کیف، اثر سب کچھ ہے جو سننے والے کو بے چین کئے بغیر نہیں رہتا:

محمد مصطفیٰ ﷺ محبوبِ داور، سرورِ عالم
وہ جس کے دم سے مسجود ملائک بن گیا آدم
کیا ساجد کو شیدا جس نے مسجود حقیقی پر
جھکایا عبد کو درگاہِ معبودِ حقیقی پر
دلائے حق پرستوں کو حقوق زندگی جس نے
کیا باطل کو غرق موجۂ شرمندگی جس نے
محمد مصطفیٰ ﷺ مہر سپہر اوج عرفانی
ملی جس کے سبب تاریک ذروں کو درخشانی

---

۱ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۱۲۱　　۲ شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ ص-۱۴۱

وہ جس کا ذکر ہوتا ہے زمینوں آسمانوں میں
فرشتوں کی دعاؤں میں موذن کی اذانوں میں[1]

......

حفیظؔ کا سلام بھی انہیں مضامین پر مشتمل ہے:

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی

سلام اے ظلِّ رحمانی سلام اے نور یزدانی
ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی

سلام اے سر وحدت اے سراج بزم ایمانی
زہے یہ عزت افزائی زہے تشریف ارزانی

سلام اے صاحب خلق عظیم انساں کو سکھلا دے
یہی اعمال پاکیزہ یہی اشغال روحانی

تری صورت تری سیرت ترا نقشا ترا جلوہ
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے ہیں۔ آپ کی آمد آمد میں حفیظؔ نے یوں مدح سرائی کی ہے:

کہ عدل و بذل کا مختار امن و صلح کا حامی
مجسم رحمت عالم محمد مصطفیٰ ﷺ نامی

وہ ابر لطف جس سے ہر گل گلزار خنداں ہے
انیس بے کساں ہے درد مند درد منداں ہے

جہاں کو از سر نو نور سے معمور کرنے کو
دلوں سے کفر کی رنگ کدورت دُور کرنے کو

---

[1] شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص:۳۶-۳۷

[2] شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۱۴۲-۱۴۳

وہ جس کا اک اشارہ روح مردہ کو جلاتا ہے
وہی تشریف لاتا ہے وہی تشریف لاتا ہے[۱]

شاعر کے بیان نے جو ترنم پیدا کیا ہے وہ اپنی لطافت سے مدح کے مضمون کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

اب خلق عظیم کے مختلف پہلوؤں پر نظر کریں۔ رحمۃ للعالمین کی رحمت وکرامت ہر موقع پر ایک نرالی شان رکھتی ہے۔ کفار کی ایذاؤں کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے آپ کا اضطراب فطرت کے سارے عداوت اور نفرت کے رجحانات کو باطل ٹھہرا رہا ہے اور بنی نوع انسان کی محبت کا بے مثال نمونہ پیش کر کے حلم، صبر، ضبط اور درگزر کا درس دے رہا ہے۔ اسوۂ حسنہ کا یہ رخ حفیظؔ نے جس سادگی سے پیش کیا ہے اس میں اتنی ہی قوت اور اثر ہے:

قریشی عورتیں کانٹے بیابانوں سے لاتی تھیں
گذر گاہ گل گلزار وحدت میں بچھاتی تھیں
مگر وہ منبع علم و صفا خاموش رہتا تھا
دعائے خیر کرتا تھا جفا و ظلم سہتا تھا[۲]

پتھروں کی بارش بھی دیکھئے اور دعائے خیر بھی سنئے:

بڑھے انبوہ در انبوہ پتھر لے کے دیوانے
لگے باران سنگ اس رحمت عالم پہ برسانے
وہ ابر لطف جس کے سائے کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اس کے جسم پر پتھر برستے تھے
وہ بازو جو غریبوں کو سہارا دیتے رہتے تھے
پیاپے آنے والے پتھروں کی چوٹ سہتے تھے
فرشتے جن پر آ آ کر جبین شوق رکھتے تھے
وہ پائے نازنیں زخموں کی لذت آج چکھتے تھے

---

۱؎ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۲۳۹ ۲؎ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ ص-۱۸۵

غلام باوفا زید ابن حارث ڈھونڈتا
متاع نور کو طائف سے کندھوں پر اٹھا لیا
کہا سرکار! ان لوگوں کے حق میں بدعا کیجئے
شکایت اس جفا و جور کی پیش خدا کیجئے
جناب رحمۃ للعالمیں نے سن کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر وغضب بن کر نہیں آیا
یہ فرما کر نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر اک دُعا مانگی
خدا کا فضل مانگا خوئے تسلیم و رضا مانگی
دُعا مانگی الٰہی قوم کو چشم بصیرت دے
الٰہی رحم کر ان پر انہیں نورِ ہدایت دے
فراخی ہمتوں کو، روشنی دے ان کے سینوں کو
کنارے پر لگا دے ڈوبنے والے سفینوں کو
الٰہی فضل کر کہسار طائف کے مکینوں پر
الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر [۱]

وصف رحمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں ابوطالب کے نعتیہ اشعار کا ترجمہ حفیظؔ نے نہایت خوبی سے کیا ہے:

وہ دامن جو یتیموں کو پناہیں دینے والا ہے
جو اندھوں کو بصیرت کی نگاہیں دینے والا ہے
وہ جس نے اجڑی بچھڑی آدمیت کو سنوارا ہے
جو بے یاروں کو یارا بے سہاروں کا سہارا ہے
محمد ﷺ ابر رحمت بن کے بے جانوں کو جاں بخشے
چمن کو رنگ بخشے اور بلبل کو زباں بخشے
محمد ﷺ نوع انساں کو غلامی سے رہائی دے
محمد ﷺ پنجۂ مرگِ دوامی سے رہائی دے [۲]

---

۱ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ص-۲۱۲ ۲ شاہنامہ اسلام، جلد اوّل۔ص-۲۰۷

خلق خدا کے غم میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آہ وزاری اور امت کی فلاح کے لئے بیتابی کا مضمون ہے۔ جنگ بدر میں شب بیداری کی عکاسی میں شان رحمت کی جلوہ گری شاعر کے حسن کلام کی شہادت دے رہی ہے۔ حفیظ نے واقعہ کا بیان کس قدر سادہ اور پراثر انداز میں کیا ہے:

سلا کر پہلوؤں میں سب کو سوئی بدر کی وادی
نہ تھا بیدار کوئی ہاں مگر اسلام کا ہادی

یہی سر تھا کہ سجدہ ریز تھا درگاہ باری میں
یہی روشن جبیں مصروف تھی طاعت گزاری میں

یہ پر انوار آنکھیں اشک کی لڑیا پروتی تھیں
خدا کے سامنے خلق خدا کے غم میں روتی تھیں

اسی پر منحصر تھی گلشن ہستی کی شادابی
یہ قلب مطمئن تھا اور دنیا بھر کی بیتابی

پڑے تھے اک طرف افراد امت خوابِ راحت میں
محمد ﷺ کی زباں وقف دعا تھی فکر امت میں[۱]

میدان جنگ میں رحمت عالم کے فیض کرم سے دشمن بھی اس طرح سیراب ہو رہا ہے جس طرح ان کے نام لیوا اور فدائی۔ ساقیٔ کوثر کا یہ فیض عام جنگ کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ شاعر نے اس بیان کو حسب معمول سادگی لیکن اس آب وتاب سے پیش کیا ہے کہ اسے سن کر دوست تو دوست دشمن کے دل بھی احترام کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں:

مزاج کائنات اس وقت محو شعلہ باری تھا
مگر ہاں رحمۃ للعالمیں کا فیض جاری تھا

وہی اک حوض تھا اس وقت ان لوگوں کی قسمت سے
مسلمانوں نے جس کو بھر لیا تھا آب رحمت سے

مروت پوچھتی تھی نام مومن کا نہ کافر کا
کہ پینے دو یہ اذن عام تھا ساقیٔ کوثر کا[۲]

---

۱ شاہنامہ اسلام، جلد دوم۔ ص-۵۵ ۲ شاہنامہ اسلام، جلد دوم۔ ص-۱۰۸

جلالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حفیظؔ نے جہاں جمالی شان دکھائی ہے وہاں جلال کے نقشے بھی پیش کئے ہیں جو ہمہ ماہتاب ہمہ آفتاب حسن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین عکاسی ہے۔ شاعر کی رعنائی خیال خلق عظیم کے ہر حسین پہلو کو اس کے صحیح رنگ میں پیش کرتی ہے۔ جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں جلالی شان حفیظؔ کے محاکاتی کمال کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رنگ میں رونق افروز ہونا آنکھوں دیکھی بات محسوس ہوتی ہے۔ بیان صاف سادہ اور پُراثر ہے:

رسولِ پاک ﷺ نے کفار کی جانب نظر ڈالی　　جلالت آفریں چہرے سے کملی اور سر کالی
شعاع طور کے انوار چمکے روز روشن میں　　لگادی بجلیوں نے آگ سی باطل کے خرمن میں
رسالت پر رسالت کا جلالی رنگ تھا طاری　　اٹھائی ایک مٹھی خاک اور کفار پر ماری

رحمۃ للعالمین لباس جہاد میں ہیں۔ جمالی شان کا جلالی رنگ غیر معمولی صورت حال کی روداد ہے۔ اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو پیش کرنے میں شاعر کے تخیل کے لئے جو الجھنیں ہیں وہ بھی ظاہر ہیں۔ اس لئے کہ لباس جہاد میں بھی رحمت کی صفت کو جلوہ گر دکھانا بیان کی ندرت اور تخیل کی قوت چاہتا ہے۔ اس پُرشکوہ مضمون کو بیان کرنے کے لئے شاعر اپنے تخیل کے سارے محاسن کو بروئے کار لاتا ہے۔ پہلے وہ اس منظر کی صحیح کیفیت کو اپنے دل و دماغ پر طاری کر لیتا ہے اور پھر بیان کی حسب معمول سادگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی صحیح عکاسی کرتا ہے:

نبوت کا جلالی رنگ چہرے سے ہویدا تھا
کہ جس کی ضو سے ذرے ذرے میں خورشید پیدا تھا

لباس جنگ پہنا آج سردار دوعالم نے
خدا کی فوج اوّل کے سپہ سالار اعظم نے

شرف بخشا زرہ کو چشم ہستی کے اجالے نے
سرِ اقدس ﷺ پہ رکھا خود کو کالی کملی والے نے[۱]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصحاب کرام کے درمیان جلوہ فرما ہونا ایک ایسا منظر ہے جو جلالت رسول اور فدائیوں کی نیاز مندانہ شان کا پُرشکوہ نقشہ پیش کرتا ہے۔ اسے ہم روائح حفیظؔ

---

۱ شاہنامہ اسلام، جلد دوم۔ ص۔ ۲۴۷

میں شامل کریں گے:

ادھر مسجد میں مردان مجاہد سر بکف ہو کر
کھڑے تھے انتظار مصطفیٰ ﷺ میں صف بصف ہو کر

ہوئے حضرت ﷺ برآمد حجرۂ خلوت سے جلوت میں
ضیائے نور پھیلی نور کی جلوت سے جلوت میں

نبی ﷺ کو آج امت نے لباس جنگ میں دیکھا
جمال مصطفیٰ ﷺ کو اس نرالے رنگ میں دیکھا

زرہ، مغفر، کمان و تیر و شمشیر و تبر بھالا
مجسم نور جس کے گرد گرد ایک نور کا ہالا

ہویدا تھا جمالِ سرمدی سرکار عالی سے
دل مردان عالم کانپ اٹھے شان جلالی سے [۱]

لشکر اسلام اور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان کے تحت حفیظؔ نے وصف جلالی کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں ہادئ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نیازمندانہ شان بتائی ہے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا میں للّٰہیت اور شان کبریائی جلوہ گر ہے، جس میں راز و نیاز کے کرشمے بھی پائے جاتے ہیں:

نہ تھا بیدار کوئی ہاں مگر اک کملی والا تھا
اسی کا روئے انور چشم ہستی کا اجالا تھا

وہی اک پیکر یمن و سعادت تھا مصلے پر
دوزانو قبلہ رو محو عبادت تھا مصلے پر

دمیدہ اور پوشیدہ مجسم نور کملی میں
کہ جیسے چاند ہو بدلی میں وہ مستور کملی میں

پئے نوع بشر رحمت طلب درگاہ باری میں
زبان الحمد میں مشغول سر سجدہ گزاری میں [۲]

---

[۱] شاہنامہ اسلام، جلد دوم۔ص-۲۴۸ [۲] شاہنامہ اسلام، جلد دوم۔ص-۲۷۵

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں زندگی کی سیاست کا پورا سامان پایا جاتا ہے اِسی لئے یہاں نہ تو ہمہ جمال ہے نہ ہمہ جلال۔ حسب موقع اور ضرورت دونوں کی نمود ہے اور شان رحمت ہر جگہ موجود ہے:

خدا حافظ بھی تھا اور مالک ومختار بھی ان کا
محمد ﷺ رہنما بھی تھا سپہ سالار بھی ان کا[1]

میدان جنگ میں اقتدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مجاہدین کی صف آرائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک ایسا جلی واقعہ ہے جس سے للّٰہیت کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور وصف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رزمیہ پہلو میں بھی کریمی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ حفیظ نے اس مضمون کو جس خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے یہ انہیں کا حصہ ہے۔ بیان کی خوبی یہ ہے کہ شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کو دیکھ کر روح پھڑک اٹھتی ہے اور حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دل بیتاب ہو جاتا ہے:

طلسم خواب توڑا نعرۂ اللہ اکبر نے
صفیں آراستہ کیں امت محبوب داور نے

میسر تھی امام الانبیاء کی اقتدا ان کو
رسولوں کی تمناؤں کا حاصل مل گیا ان کو

سعادت لائی تھی خود شان رحمت کے قریب ان کو
محمد ﷺ کی امامت میں نمازیں تھیں نصیب ان کو

بسایا روح کو آیات قرآں کی سماعت نے
ادا کرلی نماز صبح اسلامی جماعت نے[2]

حفیظ کا تخیل سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر بیان کے ساتھ شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے دکھانے کی فکر میں رہتا ہے اور وصف میں وصف رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے گن گاتا ہے اور اس میں ایسے مضامین پیدا کرتا ہے جو تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] شاہنامہ اسلام، جلد دوم۔ص-۲۷۶

[2] شاہنامہ اسلام، جلد دوم۔ص-۲۷۷

برکات کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مدینے کے ذکر کو بعنوان ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ'' ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔ وصف مدینہ میں شعراء نے مختلف مضامین باندھے ہیں جن میں زیادہ تر زیارت دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات کو سمویا گیا ہے۔ یہاں بھی حفیظ نے اپنے نرالے انداز میں مدینے کی بہار کیا دکھائی ہے گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحیمی ہی کی ترجمانی کی ہے:

مچا تھا جن دنوں اندھیر دنیا کے سفینے میں
وجود اہل حق موجود تھا بس اک مدینے میں

محمد ﷺ کا مدینہ ہی جہاں میں ایک بستی تھی
جہاں راحت کا سایا تھا جہاں رحمت برستی تھی

محمد ﷺ کا مدینہ ہی تھا فردوس بہار آرا
وگرنہ باغ آدم زاد تھا وقف خزاں سارا

محمد ﷺ بھی یہاں موجود اصحاب محمد ﷺ بھی
پناہ رحمۃ للعالمین ﷺ بھی فضلِ ایزد بھی

مساوات و اخوت کی یہاں تعلیم ہوتی تھی
بشر کو دولت انسانیت تقسیم ہوتی تھی

طمانیت کے جلوے تھے نگاہ درد منداں میں
مسرت مسکراتی تھی جبین صبح خنداں میں

قبولیت کے دامن تھام رکھے تھے دعاؤں نے
مراد زندگی کے ساز چھیڑے تھے ہواؤں نے

حیات نو میسر تھی چمن کو اپنے مالی سے
امیدیں پھوٹتی تھیں پتے پتے ڈالی ڈالی سے[1]

حضرت حفیظ نے شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مختلف جلوے دکھائے ہیں ان میں سیرت کے ہر پہلو کو نعتیہ رنگ دے کر پیش کیا ہے۔ شاعر نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ ص-۱۵۶-۱۵۷

مزدور کے لباس میں جس حسن وخوبی سے دیکھا ہے وہ اس کی نعتیہ شاعری کی نادر مثال ہے۔ وصف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رنگ کو نعت گو شعراء نے کماحقہٗ اہمیت نہیں دی۔ حالانکہ شان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلو نہایت ہی مہتم بالشان ہے جو اپنی انتہائی سادگی میں دنیا کو انسانی کبریائی کے کرشمے دکھا رہا ہے۔ حفیظؔ کے حسن شناس تخیل نے جمال کی اس صورت کو خوب محسوس کیا ہے:

زمیں پر دیدنی تھی آسمانی نور کی صورت
نبی ﷺ شامل تھا مزدوروں میں اک مزدور کی صورت

یہ محنت فی سبیل اللہ تھی حق سرمایہ تھا ان کا
یہ تھے اللہ کے مزدور عالی پایہ تھا ان کا

نگاہ عرش سوئے فرش تھی حیرت سی آئینہ
جمی تھی بازوؤں پر گرد، اٹا تھا خاک سے سینہ[1]

اللہ اللہ! سلطان دو عالم کی مزدوری پر شہنشاہیت قربان۔ یہی اللہ کا مزدور بندگان خدا کی فکر میں آرام و راحت کو زندگی پر حرام کر کے جہاں سلطانی کا سامان اپنے جلو میں رکھتا ہے وہاں فلاح انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ کا یہ پہلو پیش کر کے زندگی کو حیات پرور سامان سے نواز رہا ہے۔ اس مزدور اور شہنشاہیت کی جنگ میں ہتوڑی کی ہر ضرب سے شرارے نکل کر قیصر و کسریٰ کے محلات شاہی پر بجلی گرا رہے ہیں۔ لیکن اس ہمہ گیر زندگی کے حسن کے مشاہدے کے لئے ابھی دنیا کو پاکیزہ سرشت کے ساتھ بلند نظری پیدا کرنے کی محتاجی ہے۔ یہ فاقہ مست مزدور صرف روٹی کی خاطر قصرات کو نہیں ڈھا رہا ہے بلکہ یہ جدوجہد زندگی کو استبداد کے خونیں پنجے سے چھڑانے کی خاطر ہے جو انسان کے داخل اور خارج میں صلاحیتوں کے فطری نشوونما کے لئے تباہ کن رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ زندگی اکثر افراط و تفریط کا شکار ہو کر خیر کی راہ میں بھی شر کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ فطرت شناس صلاحیتیں اس شر کو خیر کی راہ پر لگا کر زندگی کی اصلاح کا سامان کرتی ہیں۔ حقیقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ زندگی کی ہر رنگ میں تفسیر ہے۔ تعبیر ہے اور اپنی ہر حرکت میں عظیم الشان، عظیم المرتبت اور جلیل القدر

---

[1] شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ ص۔ ۱۶۷

ہے۔سلطانی سیاست کی مدبرانہ کارفرمائیوں سے لے کر معاشی اور معاشرتی پہلو کی بظاہر حقیر فعلی اور فکری کیفیت اپنے درجوں کے فرق سے زندگی کی اصلاح کے لئے یکساں اہمیت رکھتی ہے جو روح اور جسم کی دوامی بقا کی ضامن ہے۔محبوب خدا کو مزدور کے لباس میں شاعر نے دکھایا ہے۔اب اس مشقت میں فاقہ کشی اور پیٹ پر پتھر بھی ملاحظہ کیجئے:

کیا نظارہ حسنِ صابری کا چشم شاہد نے
کہ پتھر باندھ رکھا تھا شکم پر ہر مجاہد نے
تبسم لب پہ آیا اور شکم سے پیرہن سر کا
ہوا آئینہ سب پر حوصلہ صبر پیمبر کا
عجب عالم نظر آئے یہاں فاقہ گزاری کے
کہ دو پتھر بندھے تھے پیٹ پر محبوب ﷺ باری کے
کئی دن سے میسر تھا نہ کچھ جز آب حضرت کو
کسی نے بھی نہ پایا تھا مگر بیتاب حضرت ﷺ کو[۱]

دست مبارک کدال اور ضرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں قیصر وکسریٰ کے جبروت کی سرنگونی اور قصر ہائے احمر بن شام وقصر مدائن کی تباہی کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے:

اڑا دی چادر حیرت فلک پر اس نظارے نے
لیا دست مبارک میں کدال اللہ کے پیارے نے
زبانِ پاک سے اللہ اکبر کی صدا نکلی
لگائی ایک ضرب ایسی کہ پتھر سے ضیاء نکلی
ضیاء ایسی کہ چمکے جس سے دامن کوہساروں کے
کھلے اہل نظر پر باب کچھ رنگیں نظاروں کے
مرقع قصر ہائے احمریں میں شام کا پایا
اشارہ اہل دیں نے غلبۂ اسلام کا پایا
لگائی دوسری اِک ضرب جب اللہ والے نے
دکھایا اک نیا منظر مقدر کے اُجالے نے

---

۱ شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ص-۱۶۹

اُجالے میں جھلک تھی فارس کے قصر مدائن کی
یہ ضربِ دستِ حق کنجی تھی کسرائی خزائن کی [1]

غرض یہ کہ حضرت حفیظؔ کے نعتیہ کلام کی لطیف تشبیہوں، استعاروں اور دیگر محاسن کے ساتھ ان کی جذبات نگاری اور واقعہ نگاری کے جو نمونے ہم ان کے ''شاہ نامۂ اسلام'' میں پاتے ہیں وہ اس قدر ہیں کہ ان کے تفصیلی بیان کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے۔ اس مقالے میں جو کلام مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس سے حفیظ کی ان خصوصیات کا ایک خاکہ نظر میں آ جاتا ہے۔ ایک تو واقعہ کو تاریخ کی بندشوں سے جکڑ دینا، پھر اس میں شاعری کا رنگ بھرنے کے باوجود واقعہ کی نوعیت کو جوں کا توں رکھنا اور پھر اس کے لطیف اور جذباتی پہلوؤں کو اس کی روح کے ساتھ منظر عام پر لانا یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جن سے شاعر کی فطرت شناسی اور نکتہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

حفیظؔ نے ان تفصیلات کو جس خوش اسلوبی سے نبا ہا ہے وہ فنی اعتبار سے ان کے کمال پر شاہد ہے۔ پھر شاعر کی خوش گفتاری صوتیت کے لحاظ سے بھی الفاظ کی موزونیت، تناسب اور باہم ربط سے خوش آہنگ بن کر حواس پر گہرا اثر کرتی ہے۔ صدق وصفا کا بیان نہایت سلجھا ہوا، سادہ، رواں دواں، مترنم، نغمہ ریز اپنے اندر درد، تڑپ اور جذب و مستی لئے ہوئے کیفیت انگیز ہوتا ہے۔ حقیقت میں حضرت حفیظؔ کی نعت گوئی کی ان خصوصیات نے اسلامی ادب میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نئے ڈھنگ سے انفرادی رنگ میں پیش کیا ہے۔

## سردار احمد خاں بہزادؔ لکھنوی

حضرت بہزادؔ کے خود نوشت حالات یہ ہیں:

''سن پیدائش ۱۹۰۴ء وطن لکھنؤ ہے۔ مکان لکھنؤ کے وسطی محلّہ امین آباد میں تھا۔ غالبًا تیسرے درجے سے شعر کہنے شروع کئے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد جب کھانے کمانے کی فکر ہوئی تو ریلوے میں عرصہ تک ٹی ٹی آئی رہا۔ اختلاج قلب کی شکایت کی بناء پر ملازمت چھوڑ دی۔ سات برس تک عالم جذب میں رہا۔ لیکن ہوش تھا۔ قدرے سکون کے بعد آل انڈیا

---

[1] شاہنامہ اسلام، جلد چہارم۔ ص۔ ۱۶۹-۱۷۰

ریڈیو دہلی میں مصنف کی حیثیت سے رہا۔ ۱۹۴۰ء میں پنچولی فلم کمپنی لاہور میں بطور مکالمہ نویس ۱۹۴۳ء تک رہا۔ ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں بہ طور مصنف ۱۹۴۵ء تک رہا۔ ۱۹۴۶ء میں گیت نگار کی حیثیت سے راج کمل کلا مندر بمبئی میں ملازم ہو گیا۔ اور ۱۹۵۱ء تک قلمی حیثیت سے زندگی بسر کرتا رہا۔ متعدد مجموعہ کلام نکلے۔ نغمۂ نور، کیف و سرور، موج طہور اور چراغ طور وغیرہ کافی مقبول ہوئے۔ چالیس پینتالیس فلموں کے گانے لکھے۔ آدمی مذہبی ہوں۔ میرا تعلق خانقاہ نیازیہ بریلی شریف سے ہے۔ گوشہ نشین آدمی ہوں۔ نعت کہنے کا ذوق ہے۔ جیسا کہتا ہوں وہ آپ کے سامنے ہے اور کیا عرض کروں گا۔"[۱]

حضرت بہزاد اب پاکستان ریڈیو کراچی میں ملازم ہیں اور اب سوائے نعت کے اور کچھ نہیں لکھتے۔ حال ہی میں ادارہ فروغ اردو لکھنؤ سے ان کا نعتیہ کلام کا مجموعہ "ثنائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے شائع ہوا ہے جو ۱۱۵ نعتیہ کلام کے مضامین اور سلام پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ کا کلام پاکستان ریڈیو، کراچی سے اکثر نشر ہوتا رہا ہے۔ صبح کے پروگرام میں قرآن حکیم کی تفسیر کے بعد حضرت بہزاد کی آواز پاکستان ریڈیو سے اکثر سنائی دیتی ہے اور سننے والے مشتاق رہتے ہیں کہ وہ کب سناتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ عمر کے ساتھ عشق و محبت کے ولولے بھی سرد پڑ جاتے ہیں اور جذب و شوق کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی جو زندگی کا گرم خون پیدا کرتا ہے لیکن شاید یہ اس کیفیت کا آئینہ دار ہے جس کا تعلق زیادہ تر رگ و پے میں دوڑنے والے خون سے ہے جو دل حقیقت ابدی سے رشتۂ محبت جوڑ لیتا ہے اور اسی جمال عالم افروز کا فدائی رہتا ہے۔ اس کی کیفیتوں میں انحطاط کبھی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ حقیقت ابدی کو فنا نہیں اور نتیجتاً اس سے وابستہ نظام آفرینش کے اجزاء کو بھی زوال نہیں۔ حضرت بہزاد کا کلام جس قدر دلکش ہے اسی قدر ان کے پڑھنے کا انداز بھی دلکش ہے۔ ان کی آواز حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدی بنا کر سننے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں تڑپا دیتی ہے۔ جب وہ زیارت کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں تو دل بے اختیار ہو کر مدینہ پہنچنے کے لئے بیتاب ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر پر وجد کی کیفیت طاری ہے:

---

[۱] شعرستان (تذکرے شعرائے پاکستان) مرتبہ لقمان تاثیر و مظہر صدیقی۔ صفحہ ۷۲

وجد آتا ہے مجھے بہزؔاد جب پڑھتا ہوں نعت
خود بہ خود وہ لب پہ آتا ہے جو میرے دل میں ہے[1]

حضرت بہزؔاد کے کلام میں شروع سے آخر تک تغزل کارفرما ہے۔ ان کے کلام کا والہانہ انداز ان کی داخلی کیفیت کی وارفتگی کا آئینہ دار ہے۔ شاعر حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دنیا اور مافیہا سے بیزار نظر آتا ہے اور فقط لقائے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا میں تڑپتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے شاعر کو بڑی امیدواری ہے۔ اس کی نظر میں زندگی کے لئے یہی بس ہے کہ وہ غلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ذیل کی غزل ان کے ان واردات قلبی کی ترجمانی کرتی ہے:

خدایا نئی زندگی چاہتا ہوں ۔۔۔ فقط دل میں یاد نبی ﷺ چاہتا ہوں
ہے طیبہ کی خاطر تڑپنے کی خاطر ۔۔۔ الم کے لئے یہ خوشی چاہتا ہوں
پلا ساقیا جام عشق محمد ﷺ ۔۔۔ کہ ہر وقت اک بے خودی چاہتا ہوں
ہے یہ درد یاد نبی کا سہارا ۔۔۔ میں کب درد دل میں کمی چاہتا ہوں
جو بہزؔاد جاتی ہے سوئے مدینہ ۔۔۔ اسی راہ کی رہروی چاہتا ہوں[2]

اسی رنگ کی ایک غزل اور پیش کی جاتی ہے:

الٰہی مری بیقراری نہ جائے ۔۔۔ ہمیشہ رہوں تشنہ کام محمد ﷺ
عبادت کی جاں ہے عبادت کا دل ہے ۔۔۔ درود محمد ﷺ سلام محمد ﷺ
ہمیں انتہا کا بھلا خوف کیوں ہو ۔۔۔ کہ ہر ابتداء ہے یہ نام محمد ﷺ
مدینے پہنچ کر نظر سے بھی دیکھوں ۔۔۔ تصور میں ہے صبح و شام محمد ﷺ
فقط میں تو اب اس لئے جی رہا ہوں ۔۔۔ کوئی لے کے آئے پیام محمد ﷺ
میں بہزؔاد سمجھوں کہ معراج پائی ۔۔۔ جو دنیا پکارے غلام محمد ﷺ[3]

یہی عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے کہ ان کے یہاں بے قراری کے مضامین کثرت

---

[1] کفر و ایمان بہزاد لکھنوی۔ مطبوعہ اردو اکیڈمی لاہور۔ سنہ ۱۹۴۴ء۔ صفحہ ۱۴
[2] کفر و ایمان۔ صفحہ ۱۲
[3] کفر و ایمان۔ صفحہ ۱۶

سے ملتے ہیں۔شاعر ہمیشہ جذب وشوق کے پیچ وتاب میں مبتلا معلوم ہوتا ہے۔اس رنگ کے چنداور اشعار ملاحظہ ہوں:

دل ہے بیتاب حسرت طیبہ اک غم لا دوا ہے اور میں ہوں
بے قراری میں مل رہا ہے سکون درد مشکل دوا ہے اور میں ہوں [۱]

......

دل کی حالت کیا کہوں یاد مدینہ دل میں ہے
میں یہاں پر ہوں مگر یہ دل اسی محفل میں ہے

سرورِ کون و مکاں میری مدد فرمایئے
حسرت طیبہ کے صدقے زندگی مشکل میں ہے

دل کے ہر گوشے میں ہے یاد شہ دیں جلوہ گر
میں اسے بھی دل سمجھتا ہوں کہ میرے دل میں ہے [۲]

بہزآد کی اکثر غزلوں میں اس لطیف عنصر کی وجہ سے بڑی دلکشی پائی جاتی ہے۔

بہزآد کے کلام میں صرف جذبات کی ترجمانی ہی نہیں پائی جاتی۔ان کی والہانہ عقیدت مندی جہاں انہیں ان کیفیات کے اظہار کے لئے ابھارتی ہے وہاں حقیقت کا سررشتہ بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔عقیدت اور حقیقت دونوں کی آمیزش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اوصاف کو ہمیشہ مضامین کی زینت بنایا۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں وہ بے اعتدالیاں نظر نہیں آتیں جنہیں عشق ومحبت کے مذہب میں اکثر نعت گو شعراء نے روا اور جائز قرار دیا ہے:

اے شاہ ہدیٰ سبحان اللہ جب نام تمہارا آتا ہے
اک روح کو تسکیں ملتی ہے اک کیف سا دل میں چھا جاتا ہے

یاد آتی ہے اپنی مجبوری اس ارض مقدس سے دوری
دل خون کے آنسو روتا ہے جب کوئی مدینے جاتا ہے

امید مدینہ کے صدقے کچھ حال نرالے ہیں دل کے
یہ پھول کبھی کھل جاتا ہے یہ پھول کبھی مرجھاتا ہے

---

[۱] کفر وایمان۔صفحہ-۱۳-۱۴ [۲] کفر وایمان۔صفحہ-۱۶

اک آگ لگی ہے سینے میں اک لطف ہے حاصل جینے میں
میں اس کی صورت دیکھتا ہوں جو کوئی مجھے سمجھا تا ہے[۱]

حضرت بہزؔاد کے سوگیتوں کا مجموعہ جو ''موج نور'' کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں ان کا نعتیہ رنگ یہ ہے:

چلو آؤ چلیں یثرب نگری
یہاں ہند میں ہے بڑی درد سری

وہاں رونے والے روتے ہیں
اور داغ گنہ کے دھوتے ہیں
وہاں ذرے سے سورج ہوتے ہیں

کب تک یہ رہے گی بے خبری
چلو آؤ چلیں یثرب نگری

ارے جانے والے جا بھی چکے
بگڑی کو اپنی بنا بھی چکے
اس در پہ سر کو جھکا بھی چکے

اب شاخ تمنا کرکے ہری
چلو آؤ چلیں یثرب نگری

اب گیت میں بھی شاعر نے ایک مخصوص رنگ میں اپنی عام وادراتِ قلبی کو بیان کیا ہے۔ حضرت بہزؔاد کے جذبات کی یہ کیفیت دراصل ان کے عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلوص کی آئینہ داری کرتی ہے۔

اب تک جو کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے اس میں تغزل ہی کارفرما ہے۔ شاعر نے اپنے درد کی کہانی موثر انداز میں پیش کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان کہیں نہیں ملتا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت بہزؔاد کا کلام وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل

---

۱ کفر وایمان۔ صفحہ۔ ۱۵

خالی ہے۔ان کے یہاں غزلوں میں مسلسل ایسے مضامین ملتے ہیں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف کو دل نشیں پیرائے میں بیان کیا گیا ہے مثلاً:

دہر کے ہادی شاہِ ہدا مالک کوثر صلِّ علیٰ
وجہ بنائے الااللہ ختم پیمبر صلِّ علیٰ

آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں آپ سے بہتر کوئی نہیں
سب سے افضل اور برتر سب سے بہتر صلِّ علیٰ

مظہر ذات رب علا مرکز چشم فکر و رسا
پشت و پناہ ہر دوسرا شافع محشر صلِّ علیٰ

آپ کی ہے ہر سو تنویر کیا قمر کیا مہر منیر
آپ کی ہے تابانی سے دہر منور صلِّ علیٰ

کون نہیں ممنون کرم کس کی نہیں ہے گردن خم
صاحب جود و لطف و سخا ساقیٔ کوثر صلِّ علیٰ

آپ ہیں نبیوں کے سرتاج آپ نے پائی ہے معراج
نوح کے ہم دم کیا کہنا خضر کے رہبر صلِّ علیٰ[۱]

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان میں بھی اکثر شاعر کا اصلی رنگ یعنی رنگ تغزل عود کر آتا ہے:

مولائے کل ہو ختم پیمبر تمہیں تو ہو — حقا کہ دوجہان کے سرور تمہیں تو ہو
جس نے بتایا حق کو تمہاری ہی ذات ہے — جس نے بتائی راہ وہ رہبر تمہیں تو ہو
تم سے کروں نہ عرض تو کس سے ہو التجا — میرا نصیب میرا مقدر تمہیں تو ہو
تم کو ہی تک رہی ہے ہر اک چشم آرزو — محبوب خاص حضرت داور تمہیں تو ہو
تم سے ہیں آسمان و زمیں کی یہ زینتیں — ماہ تمام و مہر منور تمہیں تو ہو
تم ہی بتاؤ چشم خطا کار کیا کہے — بیکس نواز و شافع محشر تمہیں تو ہو[۲]

---

۱ چراغ طور، بہزاد لکھنوی۔ناشر ساقی بکڈ پو دہلی۔طبع سوم۔صفحہ-۷-۸
۲ چراغ طور۔صفحہ-۹

غرض یہ کہ کیا باعتبار مضامین اور کیا باعتبار زبان حضرت بہزآد کا نعتیہ کلام محاسن سے خالی نہیں ہے، زبان نہایت صاف وشستہ اور بحریں اکثر چھوٹی اور مترنم ہوتی ہیں۔ الفاظ کا حسن انتخاب موسیقیت پیدا کرتا ہے بیان سادہ، رواں دواں اور مضامین عام فہم ہوتے ہیں۔ نہ تو ان میں عالمانہ دقت پسندی اور لفظی صناعی سے کام لیا گیا ہے اور نہ عقیدت مندانہ بے احتیاطی کو دخل ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عبدیت کو دکھانے میں شاعر نے سارا زور صرف کردیا ہے۔ وہ اکثر نعت گوشعراء کی طرح آپ صلی اللہ علیہ ولم کی عبدیت سے فارغ ہوکر معبود کے رنگ میں جلوہ گر کرنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے غلو کی وہ صورتیں بالکل مفقود ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف پر حرف آتا ہے۔ ان خصوصیات کی بناء پر حضرت بہزآد کا مقام جدید دور کے نعتیہ غزل گوشعراء میں ممتاز ہے۔

## منظور حسین ماؔہر القادری

شاعر کے خودنوشت حالات درج ذیل ہیں:

''میرا نام منظور حسین جس کے تاریخی عدد ۱۳۲۴ھ ہوتے ہیں اور یہی میرا سن پیدائش ہے۔ والد کا نام محمد معشوق علی ظریف تخلص کرتے تھے۔ مگر انہوں نے ایک شعر بھی ظریفانہ انداز میں نہیں کہا۔ شروع میں عاشقانہ غزلیں کہیں اور آخری عمر میں صرف حمد ونعت کہتے تھے۔ میرا وطن کیسر کلاں ضلع بلند شہر ہے۔ یہ میرا آبائی وطن ہی نہیں مولد ومنشا بھی ہے۔ اس زمانے میں جب پی ایچ۔ڈی ہونا بھی کوئی خاص فخر وامتیاز کی بات نہیں ہے کسی کا یہ کہنا کہ میں نے میٹرک میں کامیابی حاصل کی ہے، ایک مضحکہ خیز سی بات ہے۔ میرا فکر ونظر کی تربیت، نشو ونما بلکہ یوں سمجھئے کہ اس کی تشکیل کا دارو مدار مطالعے پر ہے۔ ساری عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزری ہے۔ ہر فن کی کتابیں پڑھی ہیں اور ہزاروں راتیں چراغ کے سہارے گزاری ہیں۔ ''مولانا'' میں کسی صورت سے بھی نہیں ہوں لیکن یار لوگوں نے مجھے مولانا بنادیا ہے۔ یا تو لوگوں نے یہ میرے ساتھ مذاق کیا ہے یا وہ بیچارے میری شخصیت اور ذات کے بارے میں شدید غلط فہمی کا شکار ہیں۔ حیدرآباد دکن میں میرا تقریباً پندرہ سولہ سال قیام رہا۔ میری زندگی کا بہترین زمانہ دکن میں گزرا ہے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت صدر اعظم دولت آصفیہ

کی ذات وہاں میرے لئے قیام کا سبب تھی۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بڑے علم دوست اور شاعر نواز تھے۔ چھوٹے پیمانے پر وہ برمکی وزراء کی یادگار تھے۔ دکن میں سرکاری ملازمت سے بھی میرا تعلق رہا ہے۔ میں نے ۱۹۳۳ء میں عراق کا سفر کیا اور وہاں کے عمائد علماء اور مشاہیر کے علاوہ ہزمجسٹی غازی الاول شاہ سے بھی ملاقات کی۔ حیدرآباد دکن تقریباً ۱۹۴۳ء میں چھوڑ دیا اور دہلی کو اقامت گاہ بنایا۔ اسی دوران میں مشاعروں کے سلسلے میں بمبئی آتا جاتا رہا اور وہاں چند دن فلمی دنیا سے بھی تعلق پیدا ہو گیا۔ فلمی دنیا میں میرے لئے شہرت اور جلب منفعت کے بعد زریں مواقع حاصل تھے مگر اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ میں اس دلدل سے بہت جلد نکل گیا۔ اس چندروزہ فلمی تعلق پر آج تک متاسف ہوں۔ تقسیم ہند کے بعد دہلی ہی میں مقیم تھا۔ مگر جب دہلی میں ہنگامہ ہوا تو ان دنوں اپنے وطن کسیر کلاں میں تھا۔ لیکن اس قیامت کا سامنا کرنا مقدر میں لکھا تھا۔ ۱۳؍ستمبر ۱۹۴۷ء کو چالیس ہزار مسلح ہندوؤں نے خود ہمارے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ میں عین محاذ پر تھا۔ اللہ کے فضل وکرم سے میں آخر وقت تک مورچے پر جما رہا اور ہر قسم کی گزند سے محفوظ رہا۔ یوں سمجھئے کہ موت کا قافلہ میرے قریب سے بلکہ یوں کہئے کہ مجھے چھوتے ہوئے گزر گیا۔ کراچی یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو پہنچا۔ میرٹھ سے اسپیشل ٹرین کے ذریعے آنا ہوا اور راستے میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ چند ماہ ملتان میں بھی رہنا ہو گیا مگر مستقر کراچی ہی رہا۔ تین سال سے رسالہ ''فاران'' نکال رہا ہوں۔ فاران کے ذریعے جو کچھ تھوڑی بہت علم و ادب اور اخلاق و اسلام کی خدمت انجام دے رہا ہوں وہ اہل نظر کے سامنے ہے۔ اپنی زبان سے کیا کہوں۔ میری نظم ونثر کی تقریباً بیس کتابیں اب تک چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ افسانوں کا ایک مجموعہ (میخانے) جو چھپ چکا تھا اور جلد بندی ہو رہی تھی، دہلی کے آشوب کی نذر ہو گیا۔ اس کا مسودہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔

مشاعرے اتنے پڑھے ہیں کہ کم شاعروں نے پڑھے ہوں گے۔ بعض اوقات ایک ایک ماہ کا سلسلۂ سفر رہا ہے۔ شام مدراس میں ہوئی تو چوتھی صبح سواد بنگال میں طلوع ہوئی۔ تمام مشاہیر شعراء کے ساتھ ملاقاتیں اور صحبتیں رہی ہیں۔ تجربے نے بتایا ہے کہ شاعری کی جو اسلام نے حوصلہ افزائی نہیں کی اس کا ایک سبب شاید یہ بھی ہے کہ شاعر کی جوانی رنگینیوں سے بچ نہیں سکتی۔ اس سمندر میں کوئی ڈوبے گا تو تردامن ضرور ہو جائے گا۔ شعر وادب کی شہرت

اپنی جگہ خود ایک فتنۂ عظیم ہے:

نغمۂ شعر و جوانی کا وہ عالم توبہ
میری آنکھوں میں قصیدہ ترے ہونٹوں پہ غزل

شاعری میں کسی سے مجھے تلمذ نہیں ہے۔ مجھ سے بیسیوں نے مشورۂ شعر وسخن کیا ہے مگر میں اپنا کسی کو شاگرد نہیں سمجھتا اور شعر وسخن میں شاگردی اور استادی کا بھی زیادہ قائل نہیں ہوں۔ شاعر کی طبیعت اور فطرت خود اس کی راہنمائی کرتی ہے۔ شاعروں کی کثرت کو میں قوم، ملک بلکہ معاشرے کے لئے زوال ونقصان کا سبب سمجھتا ہوں۔ ہر کنکر ہیرا بن جائے تو ہیروں کو کون پوچھے۔ نام نہاد ''ترقی پسندی'' کا میں شروع سے ہی مخالف رہا ہوں۔ برسوں سے اس کے خلاف زبان وقلم سے سچ مچ جہاد کر رہا ہوں۔ میں ''ترقی پسندی'' کی طرف ذرا بھی مائل ہو جاتا تو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا مگر میں نے حق کی خاطر اپنی شہرت کا نقصان گوارا کر لیا۔ ترقی پسند تنقید نگار مجھ سے بہت ناخوش ہیں اور ان کو میرا ذکر کرنا کسی صورت سے بھی گوارا نہیں۔ اسلام کے سوا کسی اور ازم (ISM) پر عقیدہ نہیں رکھتا۔ میرے نزدیک اسلام اور صرف اسلام ہی مکمل ترین دستور حیات ہے اور جہاں جہاں اسلام سے دوری اور بیگانگی پائی جاتی ہے وہاں بگاڑ پایا جاتا ہے۔ تمنا یہ ہے کہ ایک بار ان آنکھوں سے اللہ کے دین کو پورے کا پورا برپا اور قائم دیکھ لوں۔ اسی جدوجہد کو عملی طور پر مقصد حیات بنا رہا ہوں۔''[۱]

۱۹۵۴ء میں ماشاءاللہ حج بھی کر لیا ہے۔

ماؔہر القادری کا شمار دور جدید کے ان ممتاز شعراء میں ہے جنہوں نے شاعری کو زندگی کی تفسیر کے لئے اختیار کیا۔ اس لحاظ سے زندگی سے متعلق جتنے بھی تاثرات ان کے تجربے نے پیش کئے ہیں۔ انہیں ماؔہر نے شعر کا جامہ پہنایا ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں جہاں تغزل اپنی پوری شان میں جلوہ گر ہے وہاں ان نظموں کی بھی کمی نہیں ہے جو مسائل حیات کی توضیح اور تشریح کرتی ہیں۔ ان کی طبیعت زندگی کے مختلف مظاہر سے اثر پذیر ہوتی ہے اور وہ ان نقوش تاثر کو اپنے فکر ونظر کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔

ماؔہر کو ہم ترقی پسندوں کے زمرے میں اس لئے شمار نہیں کرتے کہ ان کی نظر اخلاقی ہے اور

---

[۱] ماخوذ از شعرستان (تذکرہ شعرائے پاکستان) مرتبہ نعمانی تاثیر ومظہر صدیقی۔ صفحہ ۳۱۶ تا ۳۱۸

وہ زندگی کی عمارت کو پاکیزہ کردار پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقتاً معنوی حیثیت سے اس سے بڑھ کر ترقی پسندی اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن آج کل ترقی پسندی بھی ایک خاص طبقے کا اجارہ بن کر رہ گئی ہے اور اس نام نہاد اشتراکی سرمایہ دارانہ ذہنیت نے خود پسندانہ مزاج کے ساتھ چند ٹکے بندھے تصورات رکھنے والوں کے سوا ساری دنیا کو اس زمرے سے خارج گردانا ہے۔

اگر ادب کا مقصد زندگی کی تفسیر ہے تو ماؔہر کی شاعری اسی مقصد کو پورا کرتی ہے۔ انہوں نے زندگی سے متعلق گوناگوں مسائل کو حکیمانہ انداز میں شعر وسخن کے ذریعے پیش کیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ان کے فکر ونظر پر مذہب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے لیکن ان کی نظر میں مذہب خود ایک حکیمانہ نظام حیات سے عبارت ہے جس نے زندگی کا مکمل دستور العمل پیش کیا ہے۔ اس لئے اگر ماؔہر کا نظریۂ حیات نظریۂ اسلام بن گیا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ان کا نعتیہ کلام بھی اسی فکر ونظر کی تحریک کا نتیجہ ہے اور اسلام پر ان کا فداکارانہ جذبہ بھی دراصل ہادیٔ اسلام کے اسوۂ حسنہ کا پیدا کردہ ہے جس نے شاعر کو جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا فریفتہ بنایا ہے۔ اس کی توضیح انہوں نے اس طرح کی ہے:

> ”قادر مطلق اور حکیم وخبیر نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو انسانیت کا مکمل ترین نمونہ بنا کر بھیجا۔ انسانی حیات کا ہر مفید اور روشن پہلو آپ کی سیرت میں موجود ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اسوۂ حسنہ زندگی کی ہر منزل اور دنیا کے ہر انقلاب میں دلیل راہ اور مشعل ہدایت بن سکتا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی انسانیت کو ضرورت ہے اور ہمیشہ رہے گی۔“[۱]

جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ماؔہر کی فریفتگی رسمی۔ روایتی اور وراثتی نہیں ہے جو صرف ایک خاص ماحول میں پیدا ہونے کی بناء پر نصیب ہوتی ہے۔ اس میں ان کے عقیدت مندانہ جذبہ کی کارفرمائی نہیں پائی جاتی بلکہ ان کی فطرت صالحہ کی حق پسندی کو دخل ہے۔ چنانچہ اس کا اظہار انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> ”اگر میں خدانخواستہ مسلمان گھرانے میں پیدا نہ ہوا ہوتا اور

---

[۱] ذکر جمیل مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن طبع اوّل۔ صفحہ ۔۱۱

میرے ماں باپ مجھے کافر بنا دیتے تو جس طرح عبداللہ بن سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے۔ ''قسم ہے خدا کی یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا۔'' تو میری فطرت بھی نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پاک سے متاثر ہوکر چیخ اٹھتی کہ زمین و آسمان کے مالک کی قسم یہ زندگی سچے اور نیک ہی کی ہوسکتی ہے۔''[۱]

پھر اس جذبے کی جلا کے لئے اور اس کو سنوارنے کے لئے شاعر کی فطرت سلیم کی یہ خوش بختی رہی ہے کہ آنکھ کھولی تو اس ماحول میں جہاں ذکر رسول صلی اللہ علی وسلم کے چرچے تھے اور جو نقش اوّل زندگی کی ابتدائی تربیت میں بٹھایا گیا تھا وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ دراصل ماؔہر کو نعت گوئی ورثہ میں ملی تھی۔ والد مرحوم ''آخر میں نعت اور صرف نعت کہتے تھے۔[۲] سارے گھر کو حمد و نعت سے خاص شغف تھا۔''[۳] اپنی نعت گوئی کی ابتداء کے متعلق لکھتے ہیں:

''یوں کہئے کہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری گھٹی میں پڑی تھی۔ ہوش سنبھالا تو شعر گوئی کے لئے طبیعت کو موزوں بلکہ آمادہ پایا۔ میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ میری شاعری کی ابتداء حمد و نعت سے ہوئی اور انشاء اللہ خاتمہ بھی اسی پر ہوگا۔ مجھے اپنی فاسقانہ شاعری کا بہرحال کفارہ دینا ہے۔''[۴]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے والہانہ جذبے اور وفور شوق میں اکثر نعت گو شعراء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی باتیں کہہ گزرتے ہیں جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف سے کوئی تعلق نہیں۔ مذہب عشق میں غلو کی ان صورتوں کو اس حد تک راہ گردانا گیا ہے کہ عوام تک پہنچ کر سبھی باتیں عقائد کا جزو بن گئیں۔ اللہ اور بندے کے حدود کو توڑ دینا ہمیشہ سے عقیدت مندوں کے پرخلوص کارنامے رہے ہیں۔ نعتیہ شاعری کا یہ رنگ اردو ادب میں بہت نمایاں ہے۔ سابقہ صفحات میں ان پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے برعکس اردو

---

۱۔ ذکر جمیل مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن طبع اوّل۔ صفحہ-۱۱
۲۔ ذکر جمیل۔ صفحہ-۱۲
۳۔ ذکر جمیل۔ صفحہ-۱۲
۴۔ ذکر جمیل۔ صفحہ-۱۳

شاعری میں ہوشمند اور باشعور والہانہ جذبہ رکھنے والے نعت گوشعراء کی بھی کمی نہیں ہے۔ دورحاضر کے شعراء میں حضرت ماؔہر القادری کو نعتیہ شاعری کی ان بدعنوانیوں کا شدید احساس ہے جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا:

''یہ دیکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ شاعری کا تاریک پہلو نعت ومنقبت میں بھی نمایاں ہوکر رہا۔ بہت سی غلط موضوع اور بے سروپا باتیں شاعری کی بدولت اس قسم کے تمام چٹخاروں کو لوگ گوارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان چٹخاروں نے مستقل عنوانات کی صورت اختیار کرلی۔ اس حقیقت کو نظرانداز کردیا گیا کہ محبت، عقیدت اور پرستش میں بہت ہی نازک فرق ہے۔ غیر محتاط عقیدت پرستش بن جاتی ہے۔''[۱]

دوسری جگہ نعتیہ ادب کی ان بے احتیاطیوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن پاک میں اکثر وبیشتر مقامات پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا ہے وہاں ''عبد'' کا لفظ ضرور استعمال فرمایا گیا ہے کہ عقیدت مند کہیں بندے کو خدا نہ سمجھ لیں۔ مسلمان کی شان ''انا الحق'' میں نہیں ''انا العبد'' کہنے میں ہے کہ صاحب معراج اورواقف اسرار ''لی مع اللہ'' نے بار بار اپنے کو بندہ کہا۔

مگر عجمی ذوق کا برا ہو کہ مسلمانوں میں بہت سی ایسی مشرکانہ بدعات رواج پاگئیں جن کا کتاب وسنت میں کہیں پتہ نہیں۔''[۲]

اور نعت گوئی کی ان بدعات کو حضرت ماؔہر نے اپنے کلام میں داخل نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے بڑی حد تک کوشش کی ہے کہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی رنگ آمیزی سے دور رکھا جائے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''احمد بے میم'' نہیں کہا کہ یہ شاعرانہ نزاکت خیال

---

[۱] ذکر جمیل۔ صفحہ۔۱۷

[۲] ذکر جمیل۔ صفحہ۔۱۸

توحید کے بنیادی تصور سے ٹکراتی ہے۔ دین حنیف کا کمال رنگینیوں
اور نزاکت آفرینیوں میں نہیں۔ سادگی اور خلوص میں ہے۔''[۱]

نعتیہ شاعری کے متعلق ماؔہر کے خیالات انہی کے قلم سے پیش کرنے کے بعد اب ہم ان کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کریں گے۔

ماؔہر کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''ذکرجمیل'' ہے۔ یوں تو ان کے دیگر مجموعوں میں بھی نعتیہ کلام پایا جاتا ہے لیکن ''ذکرجمیل'' خالص نعتیہ مضامین پر مشتمل ہے۔ زیرِ نظر نسخہ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن کے جملہ صفحات ۱۲۷ ہیں۔ اس میں مختلف عنوانات کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کی گئی ہے۔ مثلاً صلی اللہ علیہ وسلم اسیران بدر، ذکرجمیل، ظہور قدسی حریت کا مبلغ اعظم پیغمبر انسانیت، نذر عقیدت فریاد وغیرہ۔

''ذکرجمیل'' کی چند نظمیں ان کے دیگر مجموعوں میں بھی درج ہیں۔ مثلاً۔

''نغمات ماؔہر'' میں ''دربار اقدس میں'' ''حریت کاملہ کا مبلغ اعظم'' وغیرہ شامل ہیں۔

۱- ماؔہر نعت گو شعراء کے اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نعتیہ کلام کو ہر نعت گو برائے سیرت اور نعت برائے محبت کے رنگ میں دیکھتا ہے۔ جہاں ماؔہر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف کے بیان سے آپ کے اسوۂ حسنہ کو دلنشیں پیرائے میں نظم کیا ہے وہاں اپنے خلوص اور محبت کو جان ایمان بنا کر پیش کیا ہے۔ ان کے کلام سے ان کی اسی باطنی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار زندگی ہی نے شاعر کو نغمۂ حیات کے لئے ابھارا ہے:

میں ایسے شوق سے بے شوق و آرزو اچھا ترے حضور میں جو شوق باریاب نہیں[۲]

ان کی نظر میں مومن کی ساری کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے وابستگی ہے۔

مرد مومن را محمد ﷺ ابتداء است مرد مومن را محمد ﷺ انتہا است[۳]

اسی لئے ماؔہر نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو عین ایمان قرار دیا ہے۔

انہی کی محبت ہے ایمان ماؔہر جو کونین کا مدعا بن کے آئے[۴]

---

۱ ذکرجمیل۔ صفحہ-۱۹ ۲ ذکرجمیل۔ صفحہ-۹۲
۳ ذکرجمیل۔ صفحہ-۵۲ ۴ ذکرجمیل۔ صفحہ-۷۰

اور عقدہ کشائی کے لئے کسی سے امید وابستہ ہے تو وہ بھی حضور ہی ہیں:

زندگی میں جو کوئی سخت مقام آتا ہے — اس گھڑی لب پہ محمد ﷺ ہی کا نام آتا ہے[۱]

اس زندگی کی حاجت روائی کے ساتھ اخروی زندگی میں بخشش کا سہارا بھی عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتے ہیں:

درحقیقت میری بخشش کی کوئی صورت نہ تھی
سچ یہ ہے ماؔہر کہ عشق مصطفیٰ ﷺ کام آ گیا[۲]

اسی لئے نیازمندی اور ذرہ نوازی کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔

درود اس پر کہ جو ماؔہر کی امیدوں کا ملجا ہے
درود اس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے[۳]

ساقیٔ کوثر تری دریا دلی کا ہو بھلا — نظم ماؔہر بن گئی آب روان سلسبیل[۴]

شکر ہے ماؔہر کہ کوشش ہو رہی ہے کامیاب
میری نظموں کا مدینہ سے جواب آنے کو ہے[۵]

مداح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہونے پر شاعر کا ناز بھی اسی نیازمندانہ شان میں جلوہ گر ہے۔

بنادیا مجھے مداح مصطفیٰ ﷺ ماہر — یہ کیوں کہوں کہ دعا میری مستجاب نہیں[۶]

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر ناز بھی اسی کیفیت کا آئینہ دار ہے:

میں سر حشر کچھ اس شان سے پہنچا ماؔہر — شور اٹھا کہ محمد ﷺ کا غلام آتا ہے[۷]

اس کے علاوہ ان کے کلام میں بیقراری اور جذب وشوق کا اظہار بھی اسی عشق کا نتیجہ ہے۔ ذیل کی غزل ماؔہر کے نعتیہ کلام کی اس خصوصیت کو خوب اجاگر کرتی ہے:

کوئے نبی ﷺ میں اس طرح جانا نہ چاہیے — اک اک قدم پر سجدہ شکرانہ چاہیے
اک لمحہ ان کی یاد سے غفلت ہے معصیت — آٹھوں پہر تصور جانانہ چاہیے

---

۱ ذکر جمیل۔صفحہ-۶۳ — ۲ ذکر جمیل۔صفحہ-۸۰
۳ ذکر جمیل۔صفحہ-۵۱ — ۴ ذکر جمیل۔صفحہ-۳۵
۵ ذکر جمیل۔صفحہ-۶۰ — ۶ ذکر جمیل۔صفحہ-۹۲
۷ ذکر جمیل۔صفحہ-۶۳

مخمور جس شراب سے تھے بوذر و بلال — مجھ کو اسی شراب کا پیمانہ چاہیے
جالی سے چھن رہا ہے وہ نورِ مزار پاک — ایسے میں صرف جرأت رندانہ چاہیے
پی تو لیا ہے بادۂ حبِّ نبی ﷺ کا جام — اب اس کے بعد ہوش میں آنا نہ چاہیے
ممکن نہیں جوان کی طرف سے نہ ہو کشش — انداز گفتگو کا کلیمانہ چاہیے
ماؔہر غم و الم سے ہو کتنا ہی دل نڈھال — شکوہ مگر زبان پہ لانا نہ چاہیے [۱]

ماؔہر کے نعتیہ کلام میں رنگ تغزل اسی نکھرے ستھرے انداز میں ان کی باطنی کیفیات کی ترجمانی کرتا ہے جس میں والہانہ سرمستی کا اظہار مترنم اور پراثر الفاظ میں کیا گیا ہے۔ شاعر منتخب الفاظ اور ترکیبوں کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی عقیدت مندی اور محبت کو پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک اور غزل درج ہے:

یہ بزم آب و گل بھی برہم ہوتی جاتی ہے
محمد ﷺ کی شریعت اور محکم ہوتی جاتی ہے

مدینے کی زمیں میں جاذبیت کس غضب کی ہے
جبین شوق اک اک گام پر خم ہوتی جاتی ہے

مرے غم پر زمانہ کی ہزاروں عشرتیں قرباں
تصور میں نبی ﷺ کے آنکھ پرنم ہوتی جاتی ہے

مدینہ جانے والے! میری جانب سے یہ کہہ دینا
تمہاری یاد بھی اب مستقل غم ہوتی جاتی ہے

مری فرد عمل پر ہے قیامت میں نظر ان کی
طلوع صبح ہے خود جذب شبنم ہوتی جاتی ہے

ہوئی ہے یاد میری آج شاید بزم اقدس میں
خلش ماؔہر دل بے تاب کی کم ہوتی جاتی ہے [۲]

ماؔہر نے ۱۹۵۴ء میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی حاضری کا شرف بھی

---

۱ ذکر جمیل۔ صفحہ۔۶۱-۶۲

۲ ذکر جمیل۔ صفحہ۔۱۰۰-۱۰۱

حاصل کرلیا۔ جوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باریابی کی خوش بختی کے پر کیف سرور کی لذت سے تو شاعر کا دل ہی آشنا ہے۔ دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کے وقت جو دل کی کیفیت ''الوداع'' کے عنوان سے بیان کی ہے ہم اس میں اس باطنی کیف و سرور کا پرتو پاتے ہیں جس سے شاعر کے خلوص کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ نظم کے چند منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں:

الوداع اے عرب کی پاک زمین　　　تیرے ذرے ہیں رفعتوں کے امین
الوداع اے جہان ذکر و صلوٰۃ　　　الوداع اے مقام عفو و نجات
الوداع اے فضائے کیف و سرور　　　الوداع اے ہوائے دامن نور
رخصت اے روضۂ نبی ﷺ کریم　　　رخصت اے حجلۂ رؤف و رحیم
رخصت اے جلوہ گاہ قدس جناب　　　رخصت اے بارگاہ وحی و کتاب
رخصت اے جالیوں کے نظارے　　　رخصت اے رحمتوں کے گہوارے
رخصت اے منبر رسولِ ﷺ خدا　　　رخصت اے مرکز پیام ہدیٰ
اللہ اللہ مسجد نبوی ﷺ　　　رخصت اے سجدہ گاہ مصطفوی ﷺ
الوداع اے حدود ملک حجاز　　　رخصت اے سجدہ گاہ اہل نیاز
شان حق کا ظہور کیا کہنا　　　تیری راتوں کا نور کیا کہنا
اے عناں گیر گردش ایام　　　تیری شام و سحر کو میرا سلام
اب بھی باقی ہے میرے دل میں خلش　　　اے کہ تو ہے جہان جذب و کشش
پھر مرے سامنے یہ منظر ہو　　　پھر مجھے حاضری میسر ہو[1]

۲- ماؔہر کے کلام کی دوسری خصوصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف کا بیان ہے۔ وہ کبھی داخلی جذبات سے مغلوب ہوکر ثنائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد کو فراموش نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے والے کی یہ ہوشمندی جذب وشوق کی سرمستی میں بھی اس شعور کو بیدار رکھتی ہے۔ وہ جب بزم خیال میں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نغمہ سرائی کے لئے پہنچتا ہے تو نپے تلے اور شایان شان الفاظ میں ہدیۂ خلوص پیش کرتا ہے۔ عشق و

[1] ماہنامہ ''فاران'' کراچی۔ جنوری ۱۹۵۵ء، صفحہ-۳۳

محبت کی کیفیتوں کے والہانہ جذب وشوق کے باوجود آقا اور غلام کے حدود کو پہچانتا ہے اور اسی مناسبت سے نغمہ سرائی کی جرأت بھی کرتا ہے۔ اسی لئے ہم جذبات کی فراوانی کے باوجود ماہر کے نغمۂ کلام میں متانت، سنجیدگی اور معنی آفرینی کی اچھی مثالیں پاتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر شاعر ایک طوفان سے دوچار ہے۔ لیکن جب ان جذبات کی ترجمانی میں لب کشائی کرتا ہے تو ہمیشہ جادۂ اعتدال پر قائم رہ کر:

کیف و سرمستی کا اک پیغام رنگیں تیرا نام
انبساط روح کی دعوت ترا ذکر جمیل

لحن داؤدی کی ہر لَے تیرے نغمہ کی شہید
ہر ادائے حسن یوسف تیرے ابرو کی قتیل

تیرے گیسو حامل ناموس اسحاق و ذبیح
تیرے عارض باعث رنگینی باغ خلیل

سب کی تیرے چشمۂ رحمت ہی سے بجھتی ہے پیاس
اس میں قلزم ہو کہ دجلۂ رود گنگا ہو کہ نیل

تیرے سطوت کے اثر سے ریزہ ریزہ پاش پاش
خواہ خندق کی چٹانیں ہوں کہ خیبر کی فصیل

خاک میں تو نے ملادی سطوت لات و ہبل
تیرا مرہون نوازش کعبۂ رب جلیل [۱]

۳- جدید اُردو شاعری میں نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاحی رنگ میں پیش کرنے کا سہرا مولانا حالؔی کے سر ہے۔ ان کا یہ مقصدی رنگ زمانے کے رجحانات، زندگی کے تقاضے اور شاعر کے اپنے نظریۂ حیات کا ترجمان ہے۔ ان کے بعد اس لَے نے وقت کے لحاظ سے نئے نئے نغموں کے روپ میں اپنا پیام پہنچایا دَورِ حاضر میں ماؔہر کی نعتیہ شاعری بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ انھوں نے اپنی نعتیہ نظموں کے لئے جو مضامین منتخب کئے ہیں ان سے ان کا مقصدی رنگ واضح ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "**یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه و**

---

۱ ذکر جمیل۔ صفحہ ۳۴-۳۵

**سلموا تسلیما** کو عنوان بنا کر جو سلام لکھا ہے اس میں مولانا حالؔی کے مسدس کے مشہور بندوں کا انداز جھلکتا ہے:

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا

سلام اس پر کہ جس کی سادگی درس بصیرت تھی
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخر آدمیت تھی

سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی[۱]

سلام میں شاعر یکے بعد دیگرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے اور سیرت پاک کا ایک ایسا مرقع پیش کرتا ہے جس میں دنیا کے لئے بصیرت اور ہدایت کا سامان ہے۔

۴- ان خصوصیات کے علاوہ بیان کو شگفتہ اور روح افزا بنا کر پیش کرنے میں ماہرؔ کو اچھی دستگاہ حاصل ہے۔ اس کے نمونے ان کے کلام میں کثرت سے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا مضمون مختلف عنوانات کے تحت اکثر نعت گو شعراء نے نظم کیا ہے اور اس میں نہایت شگفتہ مضامین پیدا کئے ہیں۔ اس خصوص میں مولانا حالؔی، محسنؔ کاکوروی اور حفیظؔ جالندھری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا حالؔی کے اختصار کا اعجاز محسنؔ کاکوروی کی صبح تجلی کی لطافت اور فروغ تخیل، حفیظؔ کی روح افزا تمہید اردو کے نعتیہ ادب میں

---

۱ ذکر جمیل۔ صفحہ ۴۵-۴۶-۴۷

نہایت بلند پایہ ہیں۔ ہم اس زمرے میں حضرت ماؔہر کی نظم ''ظہور قدسی'' کو شامل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شاعر نے بہاریہ تمہید سے مضمون کو نہایت شگفتہ انداز میں پیش کیا ہے۔ حقیقت میں شاعر کو ذیلی عنوان یعنی

**وَمَا اَرۡسَلۡنَاكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِیۡن** کی بہار دکھانا مقصود ہے۔ اس کے لئے تخیل کی رنگ آمیزی سے اس حقیقت ابدی کو نہایت حسن وخوبی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ بیان کی لطافت حسین منظر کشی کے ساتھ دلکش سماں باندھتی ہے اور ماؔہر کی شاعرانہ صلاحیت کی داد اور تحسین کا مطالبہ کرتی ہے۔ ''ظہور قدسی'' کی ابتداء اس طرح کی ہے:

سحر کا وقت ہے معصوم کلیاں مسکراتی ہیں
ہوائیں خیر مقدم کے ترانے گنگناتی ہیں

مئے عشرت جھلکتی ہے ستاروں کے کٹوروں سے
ابلتی ہے شراب خلد مٹی کے سکوروں سے

پسینہ شادمانی سے ہے پھولوں کی جبینوں پر
بطوں کا دیدنی ہے رقص تالابوں کے سینوں پر

چمن میں ہر طرف شبنم کے موتی جھلملاتے ہیں
نسیم صبح کے جھونکے دلوں کو گدگداتے ہیں

کبھی جاتی ہے آنکھوں میں گل ولالہ کی رعنائی
کہ جیسے درحقیقت خاک پر جنت اتر آئی[۱]

اس انداز کے اشعار کئی ہیں۔ جن میں شادمانی اور مسرت کی بہار نہایت حسن وخوبی سے دکھائی ہے کہ ہر بار پڑھنے میں نیا لطف آتا ہے۔ پھر ولادت باسعادت کا بیان ہے جس کے اشعار یہ ہیں:

ازل کی صبح آئی جلوۂ شام ابد بن کر
کیا ہستی کے محور پر جہاں نے آخری چکر

زمانہ کی فضا میں انقلاب آخری آیا
نچھاور کر دیا قدرت نے سب فطرت کا سرمایہ

---

۱؎ ذکر جمیل: صفحات-۳۶-۳۷

ابھی جبریل اترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے
کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے

مبارک ہو شہ ہر دوسرا تشریف لے آئے
مبارک ہو محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لے آئے[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مژدہ سنا کر شاعر حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان مسلسل کرتا ہے اور یکے بعد دیگرے ظہور قدسی کی برکات کو گناتا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رحمۃ للعالمین بن کر نظام عالم کے پراگندہ گیسوؤں کو سنوارنے کا باعث ہوئی۔ لہٰذا اسی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں مضامین بھی نظم کئے ہیں:

وہ آئے جن کی ٹھوکر پر نچھاور سطوت دارا
وہ آئے جن کے آگے سرد ہو باطل کا انگارا

وہ آئے جن کی آمد ظلم کو پیغام بربادی
وہ آئے جن کا آنا دہر کو اعلان آزادی

وہ آئے جن کا آنا باعث الطاف یزداں تھا
وہ آئے جن کی پیشانی کا ہر خط شرح قرآں تھا

وہ آئے جن کے آنے کو گلستاں کی سحر کہئے
وہ آئے جن کو ختم الانبیاء خیر البشر کہئے[۲]

۵- ماؔہر نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے صرف اخلاقی مضامین کے بیان ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے نعتیہ کلام میں سیاسی رنگ بھی نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ اصل میں ماؔہر کے اسلامی تصورات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''مسلمان کو دنیا کی فرمانروائی سے کم کسی چیز پر قانع نہیں ہونا چاہئے۔''[۳]

---

۱ ذکر جمیل: صفحات-۳۹

۲ ذکر جمیل: صفحات-۴۴

۳ راقم الحروف کے نام حضرت ماؔہر کا خط موصولہ ۲۶ رفروری ۱۹۵۵ء

اسی لئے ان کے نعتیہ کلام میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے وہ پہلو بھی نہایت واضح طور پر پیش کئے گئے جو شاعر کے سیاسی نظریہ سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ان کی نظم ''حریت کاملہ کا مبلغ اعظم'' ان کے کلام کی اس خصوصیت کی آئینہ دار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا کے استبدادی نظام کا نقشہ پیش کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی برکات کے سیاسی نتائج کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

فضا غلامی کی کانپ اٹھی اک انقلاب آ گیا جہاں میں
امارتوں کی بلندیوں نے جھکا ہی دیں خاک پر جبینیں
جھکی اخوت کے آستاں پر مداین و نینوا کی سطوت
اتر گیا چشم خودسری سے خمار صہبائے قیصریت
گزر گیا حریت کا طوفاں غرور ونخوت کی چوٹیوں سے
ابھر کے پہنچیں بلندیوں پر غلام اقوام پستیوں سے
حبیب حق کے نثار جاؤں بدل دیا یوں نظام دنیا
کھڑے کئے ایک صف میں لاکر امیر و مفلس غلام و آقا
بدل گئیں نغمۂ طرب سے ستم رسیدوں کی آہ شیون
کئے گئے عرصہ جہاں میں اصول جمہوریت مدون[۱]
سلام اے حریت کے داعی سلام اے رحمت مجسم
سلام اے مرکز اخوت سلام اے رحمت دوعالم[۲]

دراصل ماہر کی نعتیہ شاعری کا یہ رنگ اس دور میں مسلمانان ہند کے عام سیاسی رجحانات کا آئینہ دار ہے۔ اس کی مثالیں ہم مولانا ظفر علی خاں کے کلام میں زیادہ پاتے ہیں۔ ساتھ ہی اسلامی فکر ونظر پیدا کرنے میں دور حاضر کے جو شعراء علامہ اقبال کی شاعری سے نہایت متاثر ہوتے ہیں ان میں ماہر امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ داخلی جذبات کی لطافت، حکیمانہ مضامین کا عام فہم بیان، تشبیہ واستعارات کی

---

۱ قرآنی حکومت (ذکر جمیل فٹ نوٹ صفحہ-۶۷)
۲ ذکر جمیل۔ صفحہ-۶۷

سادگی، زبان کی صفائی، سلاست، روانی اور شگفتگی بحروں کی ترنم ریزی اور جاندار الفاظ اور ترکیبوں کی جاذبیت سے ماہرؔ نے اپنے کلام کو دلآویز اور پراثر بنا کر پیش کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری وابستگی اور محبت ان کا جزوایمان ہی نہیں بلکہ اصل ایمان ہے۔ ساتھ ہی شاعر کی ہوش مندی عبد ومعبود اور غلام و آقا کے حدود کو بھی پہچانتی ہے۔ اسی لئے والہانہ انداز بیان کے باوجود ان کے کلام میں بے اعتدالی کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور اخلاقی بحران کے شدید احساس نے ماہرؔ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے ابھارا ہے جو ان کی دانست میں مسلمانوں کے لئے بالخصوص اور سارے عالم کے لئے بالعموم اصلاح حال کا باعث ہوسکتے ہیں۔ ان کے دل ودماغ پر یہ خیال کچھ اس طرح چھایا ہوا ہے کہ نعت کی کوئی لے اس مضمون سے خالی نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ماہر کا شمار ان نعت گوشعراء میں ہے جنھوں نے نعت کو حسن وخوبی اصلاح حال کے لئے استعمال کیا اور اس طرح نعتیہ ادب میں اپنے لئے ایک ممتاز مقام پیدا کرلیا۔

## نور جہاں بیگم نورؔ

محترمہ نور جہاں بیگم نورؔ عارف پور نوادہ نامی بستی میں ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد چودھری اساس الدین وہاں کے رئیسوں میں سے تھے۔ بچپن ہی میں والد کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت نورؔ صاحبہ چار سال کی تھیں۔ ان کی بہن محترمہ رسول جہاں بیگم بیدلؔ کی عمر دوسال کی تھی اور بھائی چار ماہ کا تھا۔ والد کے انتقال کے تین سال بعد بھائی کا بھی انتقال ہوگیا۔ شادی ڈاکٹر امیر حسن صدیقی سے ہوئی تھی۔ جو مسلم یونیورسٹی میں تاریخ اسلام کے پروفیسر تھے اور اب کراچی میں ہیں۔ محترمہ نورؔ کی شاعری کے متعلق ڈاکٹر عندلیب شادانی کی رائے ہے۔

> ''بہت اچھی شاعرہ ہیں...... نظم کہتی ہیں اور خوب کہتی ہیں۔
> میرا خیال ہے کہ ان کی طرح مضبوط کہنے والی خواتین دَورِ حاضرہ میں کم ہیں۔''[۱]

شاعرہ کے کلام میں درد، سوز اور اثر ہے۔ جذبات کی فراوانی ہے۔ یہ لازمی نتیجہ ہے محترمہ کی زندگی کے المناک حالات کا۔ لیکن مذہبی جذبہ تسلیم ورضا کی بے پایاں قوت عطاء

---

۱؎ تذکرہ شاعرات اُردو: صفحہ-۱۵۷

کئے ہوئے ہے۔محترمہ کے کلام سے ان کی اسلامیت ہر جگہ جھلکتی ہے۔قومی اور مذہبی جذبات کی ترجمانی میں مختلف عنوانات سے مضامین قلمبند کئے ہیں۔ان میں نعت کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مضمون کو ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے۔نظم کا عنوان ہے۔''قدرت کا پیغام خورشید رسالت کے نام'':

جب ختم نبوت کے ستاروں کا ہوا کام
خورشید رسالت کو دیا حق نے یہ پیغام

آدم کے سفینے پہ ہے ابلیس کا قبضہ
کر دور کہ بیڑے کو ڈبو دے نہ بد انجام

پوشیدہ تن کعبہ میں اب روح بتاں ہے
یزداں کی جگہ جلوہ کناں پیکر اصنام

بالکل ہی مجھے بھول گئی فطرت انساں
اب اور ہی کچھ ہو گئے ان کے سحر و شام

اے دوست نکل پردے سے اور بزم جہاں دیکھ
خلوت کا نہیں وقت یہ جلوت کا ہے ہنگام

تنویر نظر بن کے ہر اک دل میں سما جا
چمکا مری دنیا کے سب ایوان و در و بام

آفاق سے ظلمات کے لشکر کو بدل کر
عشاق جہاں کی شبِ ہجراں کو سحر کر

ہر شخص کا سر پھر مرے سجدے کو جھکا دے
پھر خالق و مخلوق کے رشتہ کو ملا دے

دروازے سے مندر کے برہمن کو اٹھا کر
لا کعبہ میں اور زینت محراب بنا دے

قشقہ کی جگہ سجدۂ خالق کا نشان ہو
پیشانیِ آدم کو پھر اگلی سی ضیا دے

کر غرق تو سرمایہ پرستی کا سفینہ
تابندہ ہو مزدور کی قسمت کا نگینہ

انجم نے سر چرخ سے مژدہ یہ سنایا
خورشید رسالت افق دہر پہ آیا

خالق نے اسے رخصت تنویر عطا کی
وہ مہر مبیں برج شرف سے نکل آیا

آئینہ ایام میں چمکا مہِ قدرت
توحید نے رنگ رخ تثلیث اڑایا

تاباں ہوا وہ نور الٰہی جو زمیں پر
کہنے لگی ہے چرخ سے افضل مرا پایا

آمد جو ہوئی مرکب محبوب خدا ﷺ کی
اک دھوم مچی صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کی [۱]

شاعرہ کے کلام میں علامہ اقبال کی شاعری کا اثر نمایاں ہے اس لئے جذب، کیف اور اثر پایا جاتا ہے۔ لفظوں اور ترکیبوں کا استعمال بھی کلام میں جان پیدا کر دیتا ہے۔ ان کی دیگر نظمیں شب عاشورہ، اسلام، مسلم سے خطاب وغیرہ بھی انہیں خصوصیات کی حامل ہیں۔

## محترمہ انیسہ ہارون شروانیہ

محترمہ انیسہ ہارون، حاجی مولوی محمد یونس خاں صاحب شروانی رئیس وتاولی ضلع علی گڑھ کی بیٹی ہیں اور نواب سر مزمل اللہ خاں صاحب رئیس بھیکر پور کی حقیقی بھانجی ہیں۔ اس طرح موصوفہ ایک اور نعت گو شاعرہ زاہدہ مرحومہ کی پھوپی کی بیٹی ہوئیں (زاہدہ کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔) آپ کے دادا حاجی فیض احمد خاں صاحب شروانی مہاجر مکی علوم دینیہ کے نہایت فاضل بزرگ گزرے ہیں۔

محترمہ انیسہ بیگم کی تعلیم کسی مدرسے میں نہیں ہوئی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب سے گھر ہی پر تعلیم حاصل کی۔ حدیث، فقہ اور تفسیر اپنے والد سے پڑھی۔ ۱۹۲۲ء میں آپ کی شادی

---

[۱] تذکرہ شاعرات اُردو: صفحات: ۲۵۔۷۲۶۔۷۲۷۔۷

آپ کے چچازاد بھائی پروفیسر ہارون خاں شروانی سے ہوئی۔ شادی کے بعد حیدرآباد آ گئیں۔ ۱۹۲۸ء میں فریضۂ حج ادا کیا۔ ۱۹۳۸ء میں آپ نے مغربی ممالک کا سفر بھی کیا۔ شاعری میں کسی سے تلمذ حاصل نہیں ہے۔ حقیقت میں محترمہ کی شاعری ان کے سفرحج کا تحفہ ہے۔ کلام کیا ہے۔ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں جذبات کی ترجمانی ہے۔ محترمہ انیسہ کے کلام کا مجموعہ انیسیات کے نام سے شائع ہوا ہے جو تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دور اوّل، دور ثانی اور دّورِ حاضر۔ اس مجموعہ کلام کے شروع صفحات میں تقریظ کے طور پر حضرت کیفی چڑیاکوٹی نے ان کے کلام پر مختصر تبصرہ بھی کیا ہے۔

محترمہ انیسہ نے مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے جو زیادہ تر اخلاقی اور مذہبی ہیں۔ ان کے کلام میں نعت کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ شاعرہ نے توحید کے بیان میں بھی نعتیہ مضامین کو شامل کیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ محترمہ انیسہ کی شاعری کا محرک بھی یہی ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کا اعتراف اور اقرار شاعرہ نے اپنے مجموعے کے سرورق پر اس طرح کیا ہے:

شعر کی مشق بڑھی عشق نبی ﷺ کی دھن میں
فیض کس کا اسے سمجھوں جو خدا داد نہیں

حمد اور وحدت کے نغموں کے بعد شاعرہ ''جادۂ دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچتی ہے:

مجھے تو نے یا رب مدینہ دکھایا — سنہری کلس سبز قبہ دکھایا
سفر میں مدینے کے منزل پہ منزل — ان آنکھوں کو قدرت کا نقشہ دکھایا
صفت جن کی آئی ''عزیز علیہ'' — انہیں حق نے اپنا پیمبر بنایا
سزاوار ہو مجھ کو یا رب یہ الفت — مدینے کے سا جن سے ہے دل لگایا

شاعرہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا رشتہ جوڑ کر اپنے کلام میں والہانہ کیف، جذب اور شوق کے ساتھ تغزل کا رنگ پیدا کیا ہے۔ انیسہؔ کے کلام میں یہ بڑی خصوصیت ہے کہ جہاں وہ بارگاہ نبوت کے جلال سے سہمی سہمی باادب خطاب کے لئے زبان کھولتی ہیں وہاں بیباکانہ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ بھی کر جاتی ہیں۔ الفاظ کے استعمال میں احتیاط سے ضرور کام لیا ہے لیکن مضمون وہی ہے جسے خالص تغزل سے تعبیر کریں گے۔ اس رنگ کے چند شعر ملاحظہ کیجئے:

جب مرقد حبیب ﷺ سے آنکھیں ہوئیں دوچار — ہاتھوں سے دل کو تھام لیا اور آہ کی
اس درجہ اشکبار کیا یاد ہجر نے — صورت نہ جسم نہ جاں میں رہی کچھ نباہ کی ۱

......

ترستی ہیں مری مہجور آنکھیں — مچلتے ہیں مرے ارمان محمد ﷺ ۲

......

کیا ہجر نے مجھ کو بیمار دیکھو — تڑپتا ہے ہر دم دل زار دیکھو
جہاں میں کسی سے نہیں پیار دیکھو — فقط ہوں تمہاری طلبگار دیکھو ۳

شاعرہ کے انتہائی خلوص اور محبت کی وجہ سے بیتابی اور بیقراری کے مضامین بہ کثرت پائے جاتے ہیں:

مجھے یاد فرما رہے ہیں دوبارہ — مقدر کا چمکا ہے شاید ستارہ
وہ انوار باری وہ دربار احمد ﷺ — ان آنکھوں سے دیکھوں گی پھر یہ نظارہ
کروں میں اگر نالہ ہجر نبی ﷺ میں — فلک پر پہنچ جائے بن کر شرارہ ۴

......

خواب میں جلوہ دکھاتے کیوں نہیں — بے کلی دل کی مٹاتے کیوں نہیں
پر خطا ہوں یا محمد مصطفیٰ ﷺ — اپنے دامن میں چھپاتے کیوں نہیں ۵

......

نالۂ فراق کی بے قراری بھی دیدنی ہے:

آج پہلو میں ہمارے دل ناشاد نہیں
کس کو دے آئے کہاں بھول اٹھے یاد نہیں

مہر بر لب ہوں مجھے طاقت فریاد نہیں
کچھ بھی رونے کے سوا بار خدا یاد نہیں

---

۱ انیسیات: صفحہ-۲۹ — ۲ انیسیات: صفحہ-۷۹
۳ انیسیات: صفحہ-۸۱ — ۴ انیسیات: صفحہ-۸۳
۵ انیسیات: صفحہ-۱۸۷

سحر عید میں یہ شام محرم کیسی
لذت اندوز ہوا بھی دل ناشاد نہیں

خلش خار مغیلاں میں مزہ آتا ہے
در خور شوق گل و گلشن و شمشاد نہیں

کیسے جاؤں کہ محمد ﷺ سے زیادہ محبوب
ماں نہیں باپ نہیں شوہر و اولاد نہیں[۱]

انیسہؔ نے آخری شعر میں بےقراری کے بیان کے ساتھ حدیث شریف کے اس مضمون کو ادا کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "**لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْن احب الیه من ولده و والده والناس اجمعین۔**"

محترمہ انیسہؔ کے کلام میں سوز و گداز جذب اور شوق کے علاوہ سادگی اور روانی بے ساختگی اور جستگی بھی پائی جاتی ہے۔ موصوفہ بحروں اور الفاظ کے انتخاب میں اپنے اعلیٰ شاعرانہ حسن مذاق کا ثبوت دیتی ہیں۔ ان کا کلام ترنم ریز اور اثر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ نموناً چند اشعار اور پیش کئے جاتے ہیں جن سے کلام کی ان خصوصیات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا:

گلشن عالم میں وہ جان بہار آ ہی گیا — بوٹے بوٹے پتہ پتہ پر نکھار آ ہی گیا
حضرت عیسیٰ نے دی جس کی نبوت کی نوید — چشم موسیٰ کو تھا جس کا انتظار آ ہی گیا
جس کی خدمت میں سلاطین زمن دیں گے خراج — فقر کے ملبوس میں وہ تاجدار آ ہی گیا
میں نہ بھولوں گی کبھی احسان تیرا یا حبیب ﷺ — تجھ سے دل کی بیقراری میں قرار آ ہی گیا[۲]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء میں شاعرہ کی خوش گفتاری کا ایک اور نمونہ درج کیا جاتا ہے:

مرے پیش نظر ہیں روز و شب جلوے محمد ﷺ کے
دو عالم سے کیا فارغ نشیں صدقے محمد ﷺ کے

محمد ﷺ حکمراں ہیں مرد مومن کے دل و جاں پر
نہیں منظور ہفت اقلیم بھی بدلے محمد ﷺ کے

---

۱ انیسیات: صفحہ-۳۳-۳۴
۲ انیسیات: صفحہ-۸۴-۸۵

نہیں جائے تعجب جاں نثاری ہم غلاموں کی
کہ رہتے ہیں لب اغیار پر چرچے محمد ﷺ کے[۱]

داخلی جذبات کے اظہار کے علاوہ محترمہ انیسہ کے کلام میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان بھی ملتا ہے۔ نمونۂ کلام پر مصرعہ طرحی:

''محمد ﷺ سرورِ کون و مکاں ہے''

محمد ﷺ سرور کون و مکاں ہے — محمد ﷺ افتخار انس و جاں ہے
محمد ﷺ رہنمائے گمرہاں ہے — محمد ﷺ چارۂ بیچارگاں ہے
وہ صادق معترف تھے جس کے دشمن — وہ ناطق جس کی الہامی زباں ہے
وہ موصوفِ علیٰ خلقٍ عظیم — یہ خود خلاق عالم کا بیاں ہے
وہ محبوب دوعالم جس کی شہرت — زمیں سے تا بہ ہفتم آسماں ہے[۲]

اصلاحی نعت گوئی کی بڑی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ زمانے کی چارہ سازی کے لئے حالات کے لحاظ سے اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا جائے۔ مولانا حالی اوران کے رنگ کے دیگر شعراء کے یہاں یہ خصوصیت نمایاں ہے۔ محترمہ انیسہ کے یہاں بھی اس رنگ کے اصلاحی مضامین پائے جاتے ہیں:

بے کسوں کا سہارا محمد ﷺ — درد مندوں کا چارا محمد ﷺ
دلنشین و دل آراء محمد ﷺ — نام کتنا ہے پیار محمد[۳]

......

مژدہ ''فقر فخری'' سنایا — حوصلہ مفلسوں کا بڑھایا
فرق شاہ و گدا سب مٹایا — سب کو آپس میں بھائی بنایا[۴]

## پنڈت بال مکند عرشؔ ملسیانی

نام بال مکند، تخلص عرشؔ ہے۔ ادبی دنیا میں عرشؔ ملسیانی کے نام سے مشہور ہیں۔ تاریخ

---

۱ انیسیات: صفحہ-۸۰-۸۱ — ۲ انیسیات: صفحہ-۸۰-۸۱
۳ انیسیات: صفحہ-۱۲۲ — ۴ انیسیات: صفحہ-۱۲۳

پیدائش ۲۰/ستمبر ۱۹۰۸ء ہے۔ آپ کے والد جوشؔ ملسیانی مشہور شاعر اور ادیب ہیں جن کی تصنیفات میں "حزن و ہوش"، "مجموعہ کلام" اور "شرح دیوان غالبؔ" مشہور ہیں۔ جوشؔ تلامذہ داغؔ میں سے ہیں۔

عرشؔ کو بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق رہا۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی، اے کا امتحان پاس کیا۔ اوورسیر کی ٹریننگ حاصل کی اور نہر کے محکمے میں ملازم ہو گئے۔ طبیعت شاعرانہ پائی ہے لہٰذا غیر ادبی ماحول میں نباہ کی صورت نظر نہ آئی۔ ایک سال کی مدت میں تین بار ملازمت ترک کی۔ آخر اس محکمے سے قطع تعلق کر لیا۔ اس کے بعد ایک صنعتی مدرسے میں بارہ سال تک مدرس رہے۔ پھر حکومت ہند کے دفتروں میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۴۸ء میں ماہنامہ "آج کل" سے منسلک ہو گئے اور نائب مدیر کی حیثیت سے کارگزار ہیں۔

عرشؔ کو شاعری میں کسی سے تلمذ حاصل نہیں رہا۔ والد یعنی جوشؔ ملسیانی کا فیضان ظاہر ہے۔ طبیعت میں سادگی اور خلوص پایا جاتا ہے۔ نمائش کو دخل نہیں ہے۔ چنانچہ راقم الحروف کے نام ایک خط محررہ ۲۳/مارچ ۱۹۵۵ء میں لکھتے ہیں:

> "ہندو پاکستان کے مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ ریڈیو پر بے شمار تقریریں ڈرامے اور فیچر نشر ہوئے ہیں۔ ادبی مجلسوں کی صدارت کی ہے طبیعت زیادہ نمائش کی قائل نہیں۔ اس لئے اب سوچ رہا ہوں کہ مشاعروں میں جانا ترک کر دوں۔"

اردو کی خدمت عرشؔ کا مقصد زندگی بن گیا ہے۔ چنانچہ اسی خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> "اردو میرا اوڑھنا بچھونا ہے اور اسی کے لئے زندگی وقف کر رکھی ہے۔"

اردو ادب کی امتیازی خصوصیات میں اس کا یہ پہلو نہایت درخشاں ہے کہ جہاں اس زبان کو دیگر حیثیتوں سے مالا مال کرنے میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کا ہاتھ رہا ہے وہاں اس کی مذہبی شاعری کو وسعت دینے میں بھی دونوں دوش بہ دوش رہے ہیں۔ اردو ادب نے ایسے شاعر ایک دو نہیں سیکڑوں پیدا کئے جنہوں نے تعصب اور مذہبی حد بندیوں سے بلند ہو کر جب بھی اور جہاں بھی حسن و خوبی کا مشاہدہ کیا اپنے حسن تخیل میں اسے ضرور بسایا اور اس سے

متعلق اپنے تاثرات کا اظہار بھی کیا۔ شاعر کی فطرت اگر حسن و جمال کی فدائی ہے تو ہم یہ فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے شعراء صحیح شعری کیفیتوں کے حامل ہیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قصیدہ خوانی میں ہم کچھ متبعین رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت نہیں پاتے بلکہ اس میں ان حضرات کی عقیدت مندانہ کاوشوں کی پر کیف مثالیں بھی ملتی ہیں جو بہ ظاہر مذہبی رشتہ کے واسطے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ نہیں ہیں اس سے پہلے اس رنگ کے چند نعت گو شعراء کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب ہم دور حاضر کے ایک نعت گو شاعر کا تذکرہ کریں گے جس نے اپنی استادانہ معقولیت، اپنے پاکیزہ اور پر خلوص انداز بیان، اپنے بلند مطمح نظر اور بالآخر گرمی اور نرمی کے امتزاج سے دورِ حاضر کے شعراء میں اپنا مقام پیدا کرلیا ہے۔ ہمارا مطلب حضرت عرشؔ ملسیانی سے ہے۔

عرشؔ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''آہنگ حجاز'' (مطبوعہ ۱۹۵۳ء) جملہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا پیش لفظ اور آخر میں قدسیؔ کی نعتیہ غزل بھی شامل ہے۔

عرشؔ اپنی شاعری کی داد جوشؔ ملیح آبادی، مولانا نیازؔ فتح پوری اور پروفیسر رشید احمد صدیقی جیسے سخن فہموں سے حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے کلام کے دو مجموعے ''ہفت رنگ'' اور ''جنگ آہنگ'' ان کی کارآگہی پر شاہد ہیں۔ ان کے علاوہ مزاحیہ مضامین کا ایک مجموعہ ''پوسٹ مارٹم'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

زیرِ نظر کتابچے میں عرشؔ کے ان جذبات کا اظہار ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے شاعر کے خلوص کا نتیجہ ہیں۔ اس میں ان کی جملہ دس نعتیہ غزلیں شامل ہیں۔ یوں ضخامت کے لحاظ سے دس غزلیں کوئی خاص وزن نہیں رکھتیں لیکن اس کی معنوی حیثیت نہایت گرانقدر ہے اس لئے نہیں کہ یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے عقیدت مند کا ہے جس کی پیدائش مسلم گھرانے میں نہیں ہوئی بلکہ اس بناء پر کہ عرشؔ کے بے پایاں خلوص کے علاوہ ان کے کلام کے شعری محاسن انہیں مستقل نعت گو شعراء کی صف میں جگہ دیتے ہیں۔

عرشؔ کے نعتیہ کلام کی پہلی خصوصیت اس کا خلوص ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

جگہ جگہ اپنی نیازمندانہ وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سجدہ ریزی کی تڑپ شاعر کی داخلی کیفیت کی آئینہ دار ہے۔ عرشؔ اسے مقدر کی سازگاری سمجھتے ہیں۔ اگر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ رحمت میں جگہ نصیب ہو:

اے عرشؔ در محبوب خدا ملجا ہے مقدر واروں کا
کٹتے ہیں تصور میں اپنے گو صبح و شام مدینے میں[1]

شاعر کی پُر آشوب تمنا اور بارگاہِ رسالت میں امیدواری کی آشفتہ حالی شعر کی لطافت اور اثر بخشتی ہے:

در محبوب پر سجدہ اگر اک بار ہو جائے
دل پر آرزو سرچشمۂ انوار ہو جائے
تجلی عام ہو اور وارد اسرار ہو جائے
جبین دل جو نقش آستان یار ہو جائے
مری کشتی ہے میں ہوں اور گرداب محبت ہے
جو وہ ہوتا خدا میرا تو بیڑا پار ہو جائے
جو وہ چاہے تو مجھ کو اک نظر سے زندگی بخشے
جو وہ چاہے تو بخت خفتہ بھی بیدار ہو جائے
ترے پینے کو مئے آیا کرے گی عرش اعظم سے
مئے عشق محمد ﷺ سے جو تو سرشار ہو جائے[2]

عرشؔ ثنائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اکثر چھوٹی چھوٹی ترنم ریز بحریں اختیار کر کے بیان میں روانی پیدا کرتے ہیں اور کیف آور موسیقیت کا سماں باندھتے ہیں۔ مضمون کی شگفتگی اور الفاظ کی صوتیت سننے والے کے لئے مزید لطف کا سامان کرتی ہے:

معطر فضا مست ساری خدائی — صبا مشک افشاں مدینے سے آئی
غنیمت ہے قرب نبی ﷺ کی یہ صورت — وگرنہ کہاں ہم میں تاب جدائی

---

[1] آہنگ حجاز: صفحہ-۱۶

[2] آہنگ حجاز: صفحہ-۱۷-۱۸

یہ امّی پیمبر ﷺ کا جوش فصاحت　　بشر کی یہ شان حقیقت نمائی
وہی نور نور آفریں ہر جگہ ہے　　عرب میں ہوئی جس کی جلوہ نمائی
امید شفاعت پہ جیتا رہا ہوں　　مری عمر بھر کی یہی ہے کمائی
چل اے عرشؔ ہو تو مدینہ کا عازم
نہیں راس دنیا کی ہنگامہ رائی [1]

ذیل کی مثال میں جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ عرشؔ کے کلام کی سلاست، روانی، بے ساختگی، جذب، کیف اور خلوص کا حسین مرقع ہے۔ شاعر کا فکرِ جمال عالم افروز سے مسحور ہوکر کیف انگیز تاثرات نہایت لطیف انداز میں پیش کرتا ہے:

رخ مصطفیٰ ﷺ کا جمال اللہ اللہ　　زباں کا وہ حسن مقال اللہ اللہ
جہاں کے لئے مژدۂ عید عرفاں　　عرب کے فلک کا ہلال اللہ اللہ
جہاں ذکر احمد ﷺ سے لبریز مستی　　سرور مئے وجد و حال اللہ اللہ
یہ نور ہدایت یہ تفسیر وحدت　　عمل سے بھی افضل خیال اللہ اللہ
اتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے　　نبوت کا اوج کمال اللہ اللہ [2]

حضرت عرشؔ کے کلام میں صرف کیف و مستی ہی کا اظہار نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان بھی ملتا ہے۔ اس میں داخلی کیفیت کی آمیزش سے کلام کی دلآ ویزی نہایت لطیف پیرایہ اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی اچھی مثال مندرجۂ ذیل اشعار میں ملتی ہے:

حامل جلوۂ ازل پیکر نور ذات تو
شان پیمبری سے ہے سرور کائنات تو
فیض عمیم سے ترے قلب و نظر کی وسعتیں
مومن حق پرست کا حوصلۂ نجات تو
تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خون ہر بشر
حسن نمود زندگی رنگ رخ حیات تو

---

[1] آہنگ حجاز: صفحہ-۱۹-۲۰
[2] آہنگ حجاز: صفحہ-۱۳-۱۴

عقدہ کشائے این و آں نور فزائے ہر مکاں
قبلہ اہل دل ہے تو رونق شش جہات تو
شان بشر کا منتہا خالق دہر کا حبیب ﷺ
مرد خدا پرست کا آئینۂ حیات تو[1]

عرشؔ کی نعت گوئی پر خلوص، پراثر اور پر مغز شعری دلآویزیوں سے مالا مال ہے۔ وہ اپنے کلام کو باطنی کیفیت سے جاندار بنا کر روح کی تازگی کا سامان کرتے ہیں۔ وہ منتخب الفاظ اور دلکش ترکیبوں سے مضمون کو دلنشیں بنا دیتے ہیں۔ عرشؔ کا اعلیٰ مذاق شاعری ان کے کلام میں وہ سارے محاسن پیدا کر دیتا ہے جو ایک صداقت پسند اور حقیقت شناس شاعر کے کلام کی بناء پر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی اس رائے سے ہمیں اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ ''مسلموں اور غیر مسلموں کو ملا کر بھی جو مختصر فہرست منتخب نعت گو شعراء کی تیار کی جائے گی یقین ہے کہ ذوقِ سلیم اس میں بھی ایک جگہ ان کے لئے مخصوص رکھے گا۔''[2]

## محترمہ رسول جہاں بیگم بیدلؔ

محترمہ بیدلؔ ۱۹۰۳ء میں عارف پور نوادہ کے متولی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام چودھری اساس الدین تھا۔ ۱۹۲۱ء میں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئیں۔ ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی ایم.ایس.سی. پی.ایچ.ڈی. (علیگ) ڈی.فل (آکسن) آپ کے شریک حیات تھے۔ تعلیم خانگی طور پر گھر کی چار دیواری ہی میں حاصل کی۔ شعر و شاعری سے مناسبت شروع عمر ہی سے رہی۔ بیدلؔ اپنی بہن نورؔ کی طرح موجودہ دَور کی ممتاز شاعرات میں شامل ہیں۔ ان کا کلام تمام تر قومی اور مذہبی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ سرور کائنات ہادی عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت محترمہ کا ایمان ہے اور حقیقت میں یہی جذبہ ایمان کی کسوٹی بھی ہے۔ شاعرہ کے فکر کا سارا پیچ و تاب اسی شمع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا نتیجہ ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وابستگی کا اظہار بیدلؔ نے شعر و سخن کے

---

[1] آہنگ حجاز: صفحہ-۹-۱۰

[2] آہنگ حجاز: صفحہ-۸

ذریعے نہایت خوبی سے کیا ہے۔ کلام میں جذب، کیف، خلوص اور ذات والا سے امیدواری کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ قرآن اور حدیث کے مضامین نعت اور دیگر نظموں میں بلاتکلف باندھے ہیں۔ جس سے اسلامی ادب کے وسیع مطالعے کا پتہ چلتا ہے۔ نعتیہ مسدس کے چند بند بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:

وہ رسول ہاشمی والا نصب عالی جناب　　مظہر نور خدا برج شرف کا آفتاب
رحمۃ للعالمین جس کو دیا حق نے خطاب　　وہ شہ امی لقب اور صاحب ام الکتاب
رونق بزم جہاں وہ گلشن قدرت کا پھول
باعث تخلیق عالم جس کی ہے شان نزول

جس نے باطل کے سفینے کو ڈبویا وہ رسول ﷺ　　جس نے کفر و جہل کی ظلمت کو کھویا وہ رسول ﷺ
امت عاصی کی خاطر جو نہ سویا وہ رسول ﷺ　　پیش خالق رات بھر سجدہ میں رویا وہ رسول ﷺ
جس نے اپنے خوں سے سینچا گلشن اسلام کو
کردیا روشن زمانے میں خدا کے نام کو

نور یزداں سے منور جس کی ذات پاک ہے　　عطر عرفاں سے معطر جس کی ذات پاک ہے
خلق کی حامی و یاور جس کی ذات پاک ہے　　قاسم تسنیم و کوثر جس کی ذات پاک ہے
جس کی چشم لطف ہے غم خوار ہر دلگیر کی
جس کے در کی خاک میں تاثیر ہے اکسیر کی

وہ مجسم رحم لیکن ظالموں پہ سخت گیر　　جس کی شان پاک میں آیا بشیر اور نذیر
مالک کونین اور لذت کش نان شعیر　　بہترین خلق لیکن بندہ رب قدیر
فقر شاہی کو ہے نازش جس کی ذات پاک پر
عرش پر جس کے قدم لیکن جبیں ہے خاک پر[1]

غزل کا رنگ یہ ہے:

مہکا وہ گل لولاک لما جب یثرب کے گلزاروں میں
توحید کی نکہت پھیل گئی تثلیث کے سارے اداروں میں

---

[1] تذکرہ شاعرات اردو: صفحہ-۷۷۹-۷۸۰

عالم سے جہالت دور ہوئی دنیا سے جفا کافور ہوئی
مندر میں اذاں کا شور ہوا، تھی توبہ کی صدا میخواروں میں
وہ دولت سر خفی و جلی جو طیبہ کی گلیوں میں لٹی
ارباب ہوس کو وہ نہ ملی سلطانوں کے درباروں میں
اے ابر سخاہاں جھوم کے آ ہے شور عطش پیاسوں میں بپا
اے جان مسیحا چشم کرم اب تاب نہیں بیماروں میں
جو رنگ جہاں میں ظہور کا ہے صدقہ یہ اسی کے نور کا ہے
ہے اس کی تجلی تاروں میں ہے اس کی مہک گلزاروں میں
سر سبز ہوا گلزار جہاں فیضان سحاب رحمت سے
پھولوں کا تو بیدلؔ ذکر ہی کیا باقی نہیں سختی خاروں میں[۱]

''یثرب کے جانے والے'' کے عنوان سے جو مسدس محترمہ نے لکھا ہے اس میں شوق، تڑپ آشفتگی اور دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے بے کلی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں خلوص اور محبت کا پتا دیتی ہے۔ اس مسدس کے ۱۲ بند ہیں۔ جس میں اثر آفرینی شروع سے آخر تک پائی جاتی ہے:

اے دیار شہ ذی جاہ کے جانے والے　　خاص دربار شہنشاہ کے جانے والے
سرور خلق کی درگاہ کے جانے والے　　منزل رحمت اللہ کے جانے والے
ہم سے برگشتہ نصیبوں کی خبر لیتا جا
تو سلام دل تفسیر جگر لیتا جا
ضوفشاں جب تری قسمت کا ستارہ ہوگا　　سامنے مسکن محبوب دل آراء ہوگا
گنبد سبز کا جی بھر کے نظارہ ہوگا　　باریابی کا سر بزم اشارہ ہوگا
اپنی رنگین بیانی میں اثر لیتا جا
تو سلام دل تفسیر جگر لیتا جا
جب ملے آہ رسا کو تیری اذن پرواز　　پہنچے تقدیر تجھے لے کے سر محفل ناز

---

[۱] تذکرہ شاعرات اردو: صفحات ۔۷۸۰۔۷۸۱

کوئی تحفہ تو نہیں لائق سلطان حجاز　　مگر اک عرض ہے ناچیز کی اے بندہ نواز

نذر کو چشم عقیدت کے گہر لیتا جا

تو سلام دل تفسیر و جگر لیتا جا

آہ میں طاقت پرواز نہیں ہے نہ سہی　　عشق میں جذب کا انداز نہیں ہے نہ سہی

نالہ تاثیر سے دمساز نہیں ہے نہ سہی　　دل تجلی سے سرافراز نہیں ہے نہ سہی

میری شب کرنے کو مانند سحر لیتا جا

تو سلام دل تفسیر جگر لیتا جا

شاعرہ کی شگفتگی کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

پہنچے جب سرورِ کونین کے کاشانے پر　　کہیو اب روح ہے آمادہ نکل جانے پر

تنگ ہے دامن ہستی ترے دیوانے پر　　دل بیتاب بہلتا نہیں بہلانے پر

خبرِ شیفتۂ خاک بسر لیتا جا

تو سلام دل تفسیر جگر لیتا جا

دل ہے آشفتہ طبیعت ہے فغانی میری　　قلق انگیز ہے اندوہ بیانی میری

نہ کہی جائے گی تجھ سے یہ کہانی میری　　خوب ہوتا جو بیاں ہوتی زبانی میری

تو پئے ذکر مرا قلب و جگر لیتا جا

تو سلام دل تفسیر جگر لیتا جا

بیدلؔ کی نعت گوئی انہیں نہ صرف طبقہ نسواں کی نعت گو شاعرات میں منفرد حیثیت بخش رہی ہے بلکہ عام نعت گو شعراء میں ان کا یہ رنگ ممتاز ہے۔ بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ عقیدت کی رواں دواں کیفیت پرخلوص تاثیر کو لئے ہوئے اپنے محاسن میں اچھے نعت گو شعراء کے کلام سے پیچھے اور کم درجہ نہیں ہے۔ جذبات کی ترجمانی میں جو طرز بیان شاعرہ نے اختیار کیا ہے اس کی شیفتگی قابل داد ہے۔ عقیدت کی فراوانی ہر جگہ موجود ہے۔ اس لئے بے تابی اور بیقراری کے مضامین بہ کثرت پائے جاتے ہیں:

السلام اے شہ مکی مدنی العربی　　السلام اے قریشی ہاشمی و مطلبی

السلام اے مہِ اوج فلک خوش لقبی　　السلام اے گہرِ قلزم والا نبی ﷺ

درِ آقا پہ عقیدت سے غلام آئے ہیں
ہند کے خستہ جگر بہر سلام آئے ہیں

لیجئے یا شہ کونین فقیروں کا سلام — لیجئے بند مصیبت کے اسیروں کا سلام
قوم کے طفلوں کا برناؤں کا پیروں کا سلام — فاقہ مستوں کا غریبوں کا اسیروں کا سلام

گر سلام اپنا قبول شہ والا ہوجائے
شب تاریک مصائب میں اجالا ہوجائے[۱]

اس سلام میں جو والہانہ جذبہ کارفرما ہے وہی حقیقت میں نعت گوئی کی جان ہے۔ دوسری جگہ شاعرہ نے عورتوں کی مظلومی کے بیان میں جہاں موجودہ دَور کے مردوں کی شکایت کی ہے وہاں اس احسان کا بھی ذکر ہے جو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طبقے کے ساتھ کیا ہے۔

حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بیدلؔ کے دل و دماغ پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ نعتِ رسول جگہ جگہ ٹپک پڑتی ہے۔ دراصل یہ حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجمانی ہے جو شاعرہ کے رگ وپے میں بسی ہوئی ہے۔

''روداد نسواں'' میں نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم:

وہ کل کی عقل پر غالب تھی جس کی عقل نکتہ داں — وہ محبوب خدا سردار عالم ہادیٔ دوراں
بنا جس کا کرم ہم بیکسوں کی زیست کا ساماں — کفیل طبقہ نسواں تھا جس کا سایہ داماں

دیئے تھے جو حقوق زندگی اس پاک ہستی نے
کئے نذر فنا وہ سب تمہاری چیرہ دستی نے[۲]

اس طرح ''مسلم سے خطاب'' میں محترمہ نے غیرت قومی کو پر اثر طور پر جھنجھوڑا ہے اور نہایت بلند مضامین پیدا کئے۔ ساتھ ہی نعت اور منقبت کو بھی اسی نظم میں شامل کر کے اسوۂ حسنہ کی طرف بلایا ہے۔ نعت گوئی کا یہی رنگ نعت کے مقصد کو پورا کرتا ہے:

جس کے پرتو سے ہوئی روشن عرب کی سرزمیں — چارہ سازِ دردِ ملت حامل دین متیں
باعث تخلیق عالم رحمۃ للعالمیں — کی عطا حق نے جسے سرداریٔ دنیا و دیں

---

۱۔ تذکرہ شاعرات اُردو: صفحہ-۴۸۷

۲۔ تذکرہ شاعرات اردو: صفحہ-۴۸۷

قول اکملت لکم ہے جس کے افسر کا نگیں
قاب قوسین اور او ادنیٰ کی خلوت کا مکیں [۱]

چھوڑ کر راہ رضائے سیّد ابرار کو  بھول کر عہد وفائے احمد مختار کو
پھینک کر سر سے ردائے رحمت غفار کو  محو کر کے یاد سے اسلاف کے کردار کو

روح آزادی کو پابندِ غلامی کرلیا
ملت اسلام کو تو نے مقامی کرلیا [۲]

زندگی کا مقام شاعرہ کو فقط بارگاہ رسالت میں نظر آتا ہے جہاں ابدی حیاتِ نو کے سامان ہوتے ہیں اور موت کی جمودی کیفیت سے نجات ملتی ہے۔ ہماری زندگی کی ساری مصیبتوں کی اصل یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نسبت ہمیں حاصل نہیں رہی:

توڑ دے جتنے بھی ہیں اصنام باطل توڑ دے  رشتۂ الفت محمد مصطفیٰ ﷺ سے جوڑ دے [۳]

## زائرِ حرم حمیؔد صدیقی لکھنوی

راقم الحروف کے معروضے کے جواب میں جناب حمیؔد صدیقی لکھنوی کے خودنوشت حالات حسب ذیل ہیں:

''شاید خاک لکھنؤ کا اثر تھا کہ بچپن ہی سے گنگنانے اور غلط یا صحیح طور پر دوسروں کے شعروں کو طفلانہ ترنم سے پڑھنے کی عادت تھی۔ یہ ذوق بڑھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ الٹے سیدھے شعر کہہ کر میں شعر و سخن کی محفلوں میں بھی جانے لگا اور اس طرح مشاعروں کی شرکت ''سرود بستان یاد دہانیدن'' میرے لئے بن گئی۔ رفتہ رفتہ اپنی خامیوں کا بھی احساس ہوا اور باقاعدہ حضرت جگر مرادآبادی مدظلہ العالی سے مشورۂ سخن لینے لگا۔ چند ہی روز عرفی اور عام پسند رومانی شاعری میں گزرے تھے کہ توفیق الٰہی نے یاوری فرمائی اور یہ خیال ہوا کہ نادیدہ اور موہوم معشوق سے بات چیت کرنے کے بجائے اس محبوب ازلی کی تعریف کی جائے جو کل تو نادیدہ نہ

---

[۳] تذکرہ شاعرات اردو: صفحہ-۹۵-۷
[۱] تذکرہ شاعرات اردو: صفحہ-۹۴-۷
[۲] تذکرہ شاعرات اردو: صفحہ-۹۴-۷

تھا اور آج بھی خوش نصیبوں کے دلوں کی آنکھوں کے لئے نادیدہ نہیں ہے اور وہ، وہ ہے کہ جس کی دنیائے مخلوقات میں سب سے زیادہ عقیدت سب سے زیادہ محبت اور سب سے زیادہ منت پذیری کے ساتھ تعریف کی گئی ہے اور جو نام ہی کا نہیں حقیقت میں ''محمدؐ'' ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بخت کی یاوری دیکھئے کہ نعت میں چند ہی غزلیں کہی تھیں کہ ان کے چرچے ہونے لگے اور خود مجھے ان غزلوں کی تیاری اور فکر میں ایسی لذتِ روحانی آنے لگی جو ایک بیدار دل عابد کو عبادتوں میں آتی ہوگی۔ مگر چند ہی دنوں کے بعد نعت کا وہ میدان جس کو میں بہت وسیع سمجھے ہوئے تھا مجھے تنگ نظر آنے لگا۔ اس کے پہلے معشوق کو ظالم بے پیر اور کافر سب ہی کچھ کہنے میں لطف آتا تھا۔ اس کوچہ کو مقتل، کربلا اور مذبح عشاق کہنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اس کی مکر معدوم، اس کا دہن موہوم اور اس کی زلف شبگول کا ذکر بڑے مزے لے لے کر کیا جاتا۔ واعظ کے چپت لگانا، زاہد پر مئے اُچھالنا اور محتسب کا سر بھی توڑنا جائز تھا۔ غرض غزل کی پہلی دنیا بہت وسیع ہونے کے ساتھ بہت سے قیود و احترامات سے آزاد تھی لیکن اب نئے مرکز محبت اور فقہائے فکر بلند کے ذکر میں ان میں سے ہر چیز حرام ہی نہیں، بھونڈی اور انملی تھی۔ ان حدود و قیود میں فکر کرتے ہوئے آگے بڑھ کر اور دشواریاں نظر آئیں۔ یعنی بہت سے نعت گو شعرائے اردو چند باادب مستثنیات کے ساتھ منقبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے ہی بے قید نظر آئے جتنے کہ کسی معشوق بازاری کے ذکر میں اور مشکل یہ ہوئی کہ ایسی مستانہ غزلوں کو بازاروں ہی نہیں خانقاہوں میں بھی وجد آفریں پایا۔ جن میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف ورخسار کا ذکر عام انداز سے ہوتا، دوسرے نبیوں کا ذکر حضور انور کے ذکر کے ساتھ مقابلتاً اس طرح ہوتا جس سے دوسرے نبیوں کی کھلی ہوئی توہین ہوتی۔

خدا کا شکر ہے کہ طبع آزاد ان جسارتوں اور گستاخیوں سے بچتی رہی، اور گویا تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں میں قلم لیتے وقت ادب واحترام اور اس سے زیادہ شریعت کے آئین کو ملحوظ رکھتے ہوئے تراوش فکر میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ چند ہی نظموں کی اشاعت اور اگر اجازت ہو تو مقبولیت کے بعد میرے انداز سخن کی بھی ہر حلقے سے مجھے داد ملنے لگی اور بازاروں سے نکل کر علمی وادبی حلقوں نے میری ہمت افزائی شروع کر دی۔

مجھے اپنی بے بضاعتی پر بھی ناز ہے کہ جس نے میرا رشتہ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

سے مربوط بنایا۔

بہتر تو یہ ہوتا کہ میرے متعلق آپ میرے کسی جاننے والے دوست سے پوچھ لیتے یا خود میری کتاب ''گلبانگ حرم'' کے ابتدائی صفحات میں ان بعض حصوں کا اقتباس کر لیتے جو حقیقت میں بے لاگ اور صحیح انتقاد کے ماتحت لکھے گئے ہیں۔ لیکن آپ کی محبت کے شکریہ کے ساتھ میں یہ عرض کروں گا کہ آپ نے مجھ سے خود مجھے دریافت فرما کے ایک سخت الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ بہرحال آپ کے ہر سوال اور اس کے بعد ہونے والی ہر جرح و استفسار پر صرف اس قدر عرض کر دینا یقیناً بہت کافی ہے کہ میں ''حمید صدیقی لکھنوی'' ہوں۔ لفظ ''صدیقی'' نے میرے نسب سے آپ کو مجمل طور پر باخبر کر دیا۔ لکھنوی ہوں اس لئے شعر و شاعری کا ذوق فطری بھی واضح ہو گیا۔ ''حمید'' ہوں۔ حمید کے معنی آپ کو معلوم ہیں کہ پسندیدہ اور مستحق ستائش کے ہیں کسی کے قابل بننے کا سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے سزاوار ستائش، مستحق تعریف پیدائشی حق دار حمد و منقبت کی تعریف کرتا رہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ ازلی مستحق تعریف پیدائشی حقدار حمد اور سراپا منقبت و مدحت اس دنیا میں صرف وہی انسان ہے جس کو آج بھی دنیا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کہتی ہے:

محمد ﷺ بگویم ترا یا محمد ﷺ     کہ وصف تو بیروں ز امکان من

اسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (علیہ الف تحیات وصلوٰۃ) کی مدح کی کوشش نے مجھے اربابِ ذوق کی محفل میں ''زائر حرم'' یا ''شاعر حرم'' مشہور کر دیا ہے اور بس۔''

حمید صاحب ۸/ربیع الاول ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۰/مارچ ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔

حمید صدیقی صاحب کے کلام کا مجموعہ ''گلبانگ حرم'' (مطبوعہ ۱۳۶۵ھ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں زیادہ حصہ نعتیہ کلام کا ہے۔ جس کے دو حصے ہیں، ایک عالم حضوری اور دوسرا شوق حضوری۔ اس کے علاوہ پر پرواز کے نام سے عام غزلوں کو ایک جا جمع کیا ہے۔ متفرقات میں سہرے وغیرہ شامل ہیں۔

گلبانگ حرم کے شروع میں زائر حرم کے عنوان سے عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون ہے۔ پھر مولانا عبدالماجد دریابادی کے قلم سے پیش لفظ ہے۔ اس کے بعد حضرت جگر مرادآبادی، مولانا احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی اور مولانا مناظر احسن صاحب

گیلانی کی تقریظیں ہیں۔ حرف گفتنی مصنف کا نوشتہ ہے۔ حمیدؔ صاحب کے کلام کے متعلق حضرت امجدؔ کا خیال ہے:

"کلام میں ایک خاص کیفیت اور والہانہ انداز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کسی کی محبت میں وارفتہ اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دل کے اسرار زبان پر لا رہے ہیں۔"[۱]

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی لکھتے ہیں:

"بحریں عموماً رواں و شگفتہ، زبان صاف و سادہ، مضامین اغراق و غلو سے پاک، کلام جاندار اتنا کہ گویا صفحہ و کاغذ پر چھپا ہوا نہیں، زندہ و ذی روح شاعر کی دنیا سے ترنم کے لہجے میں ادا ہو رہا ہے اور دل کا شوق نیاز ہے کہ ابلا پڑتا ہے۔"

نعت گو اردو میں بھی بہت سے ہوئے ہیں اور ہیں لیکن کم ایسے ہیں جو ایسا مذاق سلیم رکھتے ہیں اور اتنے ادب شناس دربار نبوت ہوں۔ یہاں نہ دوسرے انبیاء کرام سے تقابل ملے گا، نہ ان حضرات کے لئے شائبہ توہین کہیں سے نکلے گا، نہ دنیا کے اس سب سے بڑے معلم، مزگی، ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کوئی مدحیہ کلمہ رکیک یا بازاری انداز کا ملے گا اور نہ (نعوذ باللہ) استخفاف سوء ادب کا کوئی نشان کعبۃ اللہ و شعائر دین کے حق میں پایا جائے گا۔ یہ وصف عام نہیں خاص ہے۔ معمولی نہیں غیر معمولی ہے۔"[۲]

حضرت جگرؔ مرادآبادی کی رائے ہے:

"جناب حمیدؔ مجاز میں بھی کہتے ہیں اور حمد و نعت میں بھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس درجہ کا سوز و گداز، درد و اثر ان کے نعتیہ کلام میں پایا جاتا ہے ان کی عشقیہ شاعری میں اس حد تک اس کی افراط نہیں۔"[۳]

حمیدؔ صاحب کے کلام میں جو خلوص و محبت اور کیف و تاثیر موجود ہے اس سے اس بات کا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف درک حقیقت سے بہرہ مند ہیں بلکہ اپنی ذات میں گمشدہ

---

[۱] گلبانگ حرم: صفحہ-۲۰۔ (مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ۔ سنہ ۱۳۶۵ھ)

[۲] گلبانگ حرم: صفحہ-۱۶

[۳] گلبانگ حرم: صفحہ-۱۸

حقیقت ہونے کا امکان رکھتے ہیں۔ان کی روح حسن حقیقی کی تلاش میں سرگرم رہتی ہے اور ان کا دل نشۂ عشق میں سرشار۔ موصوف کو بارگاہ رسالت سے حد درجہ عشق ہے...... لیکن ان کی فطرت صالحہ ''با محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار'' کی راز دار ہے۔''[۱]

حمید صاحب کی شاعری کے متعلق ارباب علم وفضل نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں ان سے ایک حد تک ان کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ دراصل حمید صاحب کی نعتیہ شاعری نے جن حالات میں فروغ پایا وہ ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کسی کے فطرتاً شاعر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سریع الحس اور شدید الاحساس ہونے کے علاوہ حسن و جمال کا فدائی بھی ہے۔ یہ فریفتگی زیادہ مجازی رنگ میں جلوہ گر ہوتی ہے اور انسان ہر رعنائی کو دیکھ کر کلیجہ تھام لیتا ہے۔ حسن کی ہر ادا اس کے اندر ایک تلاطم بر پا کر دیتی ہے اور لطائف کے بند کھولتی جاتی ہے۔ احسان کی فراوانی صدق وصفا کی دولت سے نوازتی ہے۔ خلوص اور محبت کی پرورش اس جذبے کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ ایک دفعہ پیمان وفا باندھنے کے بعد نفع وضرر کی ترغیب وتہدید سے انسان بے پروا ہو جاتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے کسی کے لئے کرتا ہے، اپنے لئے نہیں۔ وہ کسی اور کا ہو جاتا ہے، اپنا نہیں رہتا۔ لیکن یہ جذبہ جس قدر صلاح وفلاح کا ضامن ہے اسی قدر صحیح تربیت کا محتاج بھی ہے۔ انسان کا یہ جوہر اسی وقت چمک سکتا ہے جب کہ وہ اس کے مجازی کھوٹ کو دور کر کے اسے حقیقت کا رنگ بخشے۔ اگر شاعری انسان کے جذبات کی ترجمان ہے تو اس طرح شاعری کی بھی دو قسمیں ہوئیں۔ ایک مجازی اور دوسری حقیقی۔ حمید صاحب کی شاعری جو ہمارا موضوع بحث ہے وہ دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کے کلام کا والہانہ انداز عارفانہ شان میں جلوہ گر ہے۔ جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رگ وپے میں بسا ہوا ہے۔ اس لئے ان کے کلام میں وارفتگی کی صورتیں ان کی گوناگوں قلبی کیفیات کی آئینہ دار ہیں۔ حمید صاحب کے کلام کی بڑی خصوصیت حبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی آشفتہ حالی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر شاعر کا دل بے چین ہو جاتا ہے اور وفور شوق میں وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو کر قلب کے اسرار بے اختیار زبان پر لاتا ہے۔

---

[۱] گلبانگ حرم: صفحہ-۱۹

نمونۂ کلام:

خدا کا حریم جلال آرہا ہے — نگاہوں میں حسن و جمال آرہا ہے
تصدق ہیں جس پر دوعالم کے جلوے — وہی کوچۂ بے مثال آرہا ہے
عجب مستیاں ہیں عجب لغزشیں ہیں — کہ پھر حال کے بعد حال آرہا ہے[۱]

''معراج شوق'' میں شاعری کی اس کیفیت کی ترجمانی ہے:

پیش نظر ہے کون سی محفل نہ پوچھئے — اظہار لطف دید ہے مشکل نہ پوچھئے
دل جانب مدینہ ہے رخ جانب حرم — کچھ انتہائے کشمکش دل نہ پوچھئے
اک جذبہ محویت میں چلا جارہا ہوں میں — مجھ سے نشان جادہ و منزل نہ پوچھئے
گو اٹھ گئے بہت سے حجابات اٹھ گئے — پھر بھی حجاب زیست ہے حائل نہ پوچھئے
کس کی تجلیاں ہیں تصور میں جلوہ گر — آئینہ بن گیا ہے مرا دل نہ پوچھئے
معراج شوق ہوگئی حاصل مجھے حمیدؔ — اب مجھ سے میری زیست کا حاصل نہ پوچھئے[۲]

حمیدؔ صاحب کا یہی خلوص جذب وشوق کی راہ سے گزر کر ان کی اس باطنی کیفیت کی ترجمانی کرتا ہے اور شاعر کا جذبۂ شوق اس شیفتگی میں استغراق کی آخری منزل میں پہنچ جاتا ہے۔ لیکن ''با محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار'' کی حقیقت سے وہ ہر حال میں خبردار ہے۔ جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر فریفتہ فطرت صالحہ اپنے آقا کے جلال کی عظمت کا بھی پوری طرح احساس رکھتی ہے اور اس احساس کا یہ شعور انتہائی سرمستی میں بھی بارگاہ نبوت کے آداب کو ملحوظ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشاری کے باوجود حمیدؔ صاحب کے کلام میں ''دین باختگی'' کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ نہ ان کے یہاں دیگر انبیائے کرام سے تقابل کے مضمون سے سوئے ادب کا شائبہ ملے گا اور نہ احمد بے میم اور عرب ورب کی عینیت کی کوئی صورت نظر آئے گی۔ شاعر کی خاطر کو آداب بارگاہ اس درجہ ملحوظ ہے کہ اس جانب نگاہ شوق کا اٹھنا بھی گوارا نہیں:

آرام گہ سیّد لولاک کی جانب — اٹھنا نگہ شوق کا بھی بے ادبی ہے[۳]

---

[۱] گلبانگ حرم: صفحہ-۳۱
[۲] گلبانگ حرم: صفحہ-۳۱
[۳] گلبانگ حرم: صفحہ-۱۵۲

اگر عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ یعنی سیرت طیبہ سے عشق ہے اور اس قرآن مقدس پر فدا کارانہ جذبے کی پرورش ہے تو حمید صاحب کی زندگی عملی طور پر بھی ان کے ان خیالات اور جذبات کی آئینہ دار ہے۔ اسی لئے ان کے کلام میں طریقت یعنی تصوف کا جذب و حال مفقود ہے۔ شریعت کا سرفروشانہ اور نیازمندانہ جذبہ ہر جگہ موجود ہے۔

حمید صاحب کے کلام کی ایک اور خصوصیت سوز و گداز ہے۔ اس کی مثالیں ان کے کلام میں کثرت سے ملتی ہیں۔ عشق و محبت کی دولت کے ساتھ لذت و درد سے کبھی محرومی نہیں ہوتی۔ دراصل نگاہ لطف کی یہ کرشمہ سازی جس کے بھی شامل حال ہو جاتی وہ لطائف کی اس دولت سے ضرور نوازا جاتا ہے۔ حمید صاحب کا نعتیہ کلام اس خصوصیت سے مالا مال ہے۔ بیقراری کے مضمون کو سوز و گداز کی زبان میں نہایت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں:

تیرے کوچے میں حمید خستہ حال آ ہی گیا
میرے آقا تجھ کو بندہ کا خیال آ ہی گیا
آج اک جھونکا نسیم صبح کا میرے لئے
لے کے آخر مژدہ شوق وصال آ ہی گیا
جس کو آنکھیں ڈھونڈتی تھیں اور دل بیتاب تھا
آ گیا وہ مظہر حسن و جمال آ ہی گیا
ہوشیار اب اے دل بیتاب دیکھ اب ہوشیار
ہاں سنبھل جانا مقام وجد و حال آ ہی گیا
اللہ اللہ مجھ سے عاصی پر بھی ان کی رحمتیں
المدد اے ذوق توبہ انفعال آ ہی گیا [1]

بیان کی سادگی ہر شعر سے عیاں ہے۔ زبان صاف اور سادہ، لکھنوی لفظی، صناعی سے بالکل پاک ہے۔ بحریں اکثر رواں اور مترنم ہیں۔ مضامین نہایت شگفتہ لیکن رنگ ہر جگہ وہی

---

[1] گلبانگ حرم: صفحہ-۴۵

عاشقانہ یعنی رنگ تغزل ''ضبط غم'' کے عنوان کے تحت جو اشعار حمیدؔ صاحب نے لکھے ہیں وہ ان کے کلام کے ان محاسن کو بڑی حد تک اجاگر کرتے ہیں:

دل کے پورے گر ارمان نہ ہونے پائے
روضۂ پاک پہ قربان نہ ہونے پائے

چارہ گر درد کا درمان نہ ہونے پائے
دیکھ مشکل مری آسان نہ ہونے پائے

جوش وحشت ہو مبارک تجھے اے دل لیکن
پرزے پرزے کہیں دامان نہ ہونے پائے

بجلیاں ٹوٹ پڑیں دل پہ غم وحزن کی
سفر طیبہ کے سامان نہ ہونے پائے[1]

ایک اور پر کیف غزل کے چند اشعار یہ ہیں:

بھینی بھینی پھر شمیم جانفزا آنے لگی ٹھنڈی ٹھنڈی پھر مدینے کی ہوا آنے لگی
اضطراب دل کا سامان پھر بہم ہونے لگا مژدۂ لطف و کرم لے کر صبا آنے لگی
پھر سکون دل نے کروٹ لی کہ تڑپانے لگا دل سے پھر بیساختہ لب تک دعا آنے لگی
میں نے چھیڑا نغمۂ نعت اور ادھر ہر سمت سے جیسے کانوں میں صدائے مرحبا آنے لگی[2]

حمیدؔ صاحب کا نعتیہ بیان حقیقت میں ان کے جذب وشوق کا بیان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء میں اپنی باطنی کیفیات کی ترجمانی ہی کو حاصل نعت گوئی سمجھتا ہے۔ کلام کا والہانہ انداز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں آپ کے اوصاف کو کما حقہٗ بیان میں آنے نہیں دیتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حمیدؔ صاحب کا نعتیہ کلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف سے خالی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس کی مثالیں ان کے یہاں بہت کم ملتی ہیں۔ ''سلام بدرگاہ خیر الانام'' سے اس رنگ کے اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

آفتاب رسالت پہ لاکھوں سلام ماہتاب نبوت پہ لاکھوں سلام

---

[1] گلبانگ حرم: صفحہ-۱۰۴
[2] گلبانگ حرم: صفحہ-۱۱۵

خودسروں کو پڑھایا سبق عجز کا — مصدر علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
دشمنوں سے بھی پیش آئے جو خلق سے — ایسی پاکیزہ سیرت پہ لاکھوں سلام
اک اشارے میں شق کر دیا چاند کو — ایسے ماہ رسالت پہ لاکھوں سلام
عاصیوں کو جو دامان رحمت میں لے — ایسے تاج شفاعت پہ لاکھوں م سلام
جس کے جلوے سے عالم منور ہوا — اس ظہور حقیقت پہ لاکھوں سلام[1]

لیکن شاعر اوصاف کو بیان کرتے ہوئے پھر اپنے اصلی رنگ کی طرف عود کر آتا ہے اور دل کی لگی کو بیان کرنے لگ جاتا ہے۔ اس لئے حمید صاحب کو ہم نعت گو شعراء کے اس طبقے میں شامل نہیں کر سکتے جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کے ذریعے آپ کے اسوۂ حسنہ کی تبلیغ کو اپنی نعتیہ شاعری کا مقصد قرار دیا، اور اس طرح اصلاح امت کا سامان کیا۔ حمید صاحب نے جو کچھ کہا وہ اپنے لئے کہا اور آپ بیتی کہہ سنائی۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کا یہ بیان اپنی افادیت اور مقصدیت سے بھی عاری ہے۔ حبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان ایمان کی اس کیفیت کی تبلیغ ہے۔ جس کے بغیر ایمان ہی باقی نہیں رہتا ہے۔ دراصل جذب وشوق کا یہ نعتیہ بیان دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گرمی اور ایمان میں تازگی پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ایک یہی دولت نصیب ہوگئی تو ایمان کا حاصل مل گیا اور زندگی کا مدعا پورا ہو گیا۔ اس لحاظ سے حمید صاحب کا درجہ موجودہ دور کے ان نعت گو شعراء میں نہایت ممتاز ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف حضور کی خاطر چاہتے ہیں اور آپ پر جان دینے کو عین زندگی سمجھتے ہیں۔

## نوشابہ خاتون

نوشابہ خاتون مولوی عبدالحق صاحب سابق مددگار صدر ناظم کوتوالی اضلاع حیدر آباد کی بیٹی ہیں۔ ولادت غالباً (۱۳۲۰ھ) میں ہوئی۔ تعلیم خانگی طور پر حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کے امتحان میں کامیابی کے بعد جامعہ عثمانیہ حیدر آباد سے ۱۹۲۴ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ خواتین مغربی تعلیم سے بہرہ ور شاذ و نادر ہی ہوتی تھیں۔ شعر گوئی کا شوق اور مشغلہ دس سال کی عمر سے رہا۔ خلافت کی تحریک کے زمانے میں ان کی

---

[1] گلبانگ حرم: صفحہ-۲۹

نظمیں نہایت مقبول ہوئیں۔

ان کے کلام کا مجموعہ ''موج تخیل'' کے نام سے موسوم ہے۔شروع میں گذارش کے طور پر شاعرہ نے اپنے جوش ملت کی دردمندی کا اظہار کیا ہے کہ انہیں ملت کی خستہ حالی اور درد ہمیشہ سے رہا۔اس کے ساتھ ان کی زندگی کی پریشانیوں کا ذکر بھی ہے۔صحت کی خرابی کی بھی شکایت ہے کہ ایک عرصے تک بستر پر کروٹ بدلنے کی بھی سکت نہ رہی۔آخراس پریشانی سے خداوندتعالیٰ نے نجات دلائی۔

محترمہ نوشابہ خاتون نے مختلف عنوانات پرطبع آزمائی کی ہے۔چنانچہ ان کے کلام کا مجموعہ ۱۶۸صفحات پر مشتمل ہے۔کلام میں اخلاقی مضامین کونظم کرنے کا التزام پایا جاتا ہے۔ شاعرہ نے حمداورنعت بھی لکھی ہے۔''چندآرزوئیں'' کےتحت جن جذبات کی ترجمانی کی ہے اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا اظہاراس طرح ہے:

روضۂ پاک میں حسرت رہی مدفن ہوتا  گر مدینہ نہ تھا قسمت میں کہ مسکن ہوتا
ہوتی جاروب کشی مرقدانورﷺ کی نصیب  کاش ظلمت کدۂ ہند نہ قدغن ہوتا
حب نبویﷺ جورگ وپے میں سرایت کرتی  جسم خاکی مرا انور کا معدن ہوتا
سایۂ گنبد خضراء جو مجھے مل جاتا  طائر روح کا طوبیٰ پہ نشیمن ہوتا [۱]

آخری شعرمیں خاتون نے وہی مضمون ادا کیا ہے جوشہیدیؔ کے لئے سرمایۂ آخرت بنا۔ ساتھ ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کوزندگی کے لئے مایۂ افتخارگردانا ہےاور اس کے حصول کی تمنا کا اظہار کیا ہے:

پیرویٔ سنت نبویﷺ کی میسر ہوتی  داغ دل پھر تو مرا لالۂ گلشن ہوتا [۲]

''ہدیۂ عقیدت بہ حضور حبیب خالق اکبر'' کے عنوان سے ایک ۲۱ بند کا مسدس بھی لکھا ہے جس کا نمونہ درج ذیل ہے:

نبیﷺ کی روح مطہر پہ ہو درود وسلام  رسولِ اکرم و انور پہ ہو درود و سلام
اس آفتاب منور پہ ہو درود و سلام  ہمارے ہادی و رہبر پہ ہو درود و سلام

---

۱ موجِ تخیل:صفحہ-۱۶-۱۷۔(مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد،دکن ۱۳۵۷ھ)

۲ موجِ تخیل:صفحہ-۱۶-۱۷۔(مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد،دکن ۱۳۵۷ھ)

حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام [1]

شاعرہ نے ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتداء سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے ہیں جو حقیقت میں خطاب کا مشروع طریقہ ہے۔اس کے بعد وصفِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نغمہ سرائی کر کے ہر چار مصرعوں کے بعد ہدیۂ درود پیش کیا ہے:

وہ آفتاب ہدایت وہ نور صل علیٰ — چراغ محفل آفاق شمع بزم ہدیٰ
ضیائے مجلس عالم رسول رب علا — لقب ہے جن کا کہ شمس الضحیٰ و بدر الدجیٰ
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر ﷺ پہ ہو درود و سلام

سپہر برج شرافت کا نیّر توحید — وہ آسمان ہدایت کا اختر توحید
وہ تاج راس سعادت کا گوہر توحید — وہ یعنی بزم صداقت کا سرور توحید
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر ﷺ پہ ہو درود و سلام

نبی ﷺ وہ ہے جسے سرتاج انبیاء کہیے — رسول ﷺ وہ ہے جسے رحمت خدا کہیے
وہ شاہ جس کو حق اندیش وحق نما کہیے — محمد ﷺ عربی جس کو مصطفیٰ ﷺ کہیے
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر ﷺ پہ ہو درود و سلام

اس طرح نعتیہ بیان کو طول دے کر اوصاف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو یکے بعد دیگرے گنایا ہے اور آپ کی تعلیمات کو پیش کیا ہے۔محترمہ نوشابہ خاتون کی نعت گوئی میں اصلاحی اور مقصدی رنگ نمایاں ہے۔ چنانچہ صاف، سادہ اور مؤثر طریقے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے خاص پہلوان کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ ذیل کے نمونے سے مولانا حالیؔ کے اصلاحی انداز کی اتباع صاف ظاہر ہے:

دلوں سے زنگ کدورت چھڑا دیا جس نے — وہ ذات نقش عداوت مٹا دیا جس نے

---

[1] موجِ تخیل: صفحہ-۱۸۔ (مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد، دکن ۱۳۵۷ھ)

وہ ذات ذکر خصومت بھلا دیا جس نے　　وہ جام بادۂ الفت پلا دیا جس نے
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر ﷺ پہ ہو درود و سلام

وہ جس نے ظلم کا بدلہ سدا دُعا سے دیا　　عوض ستم کا تلطف سے اور کرم سے دیا
جو راہ حق سے کبھی اک قدم نہ پیچھے ہٹا　　ہزار جور اٹھائے نہ آیا لب بہ گلہ
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر ﷺ پہ ہو درود و سلام

غلام و بندہ برابر ہیں جس کی ہے تعلیم　　نہیں ہے رومی و تازی میں رنگ کی تقسیم
خدا کی ذات ہے بس ایک واجب التعظیم　　جھکے نہ خلق کے آگے کبھی سرِ تکریم
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر ﷺ پہ ہو درود و سلام

شہ حجاز و عرب جس کا ٹاٹ بستر تھا　　بایں ہمہ جسے گنج شہی میسر تھا
ردائے کہنہ میں ملفوف جسم اطہر تھا　　عبائے شاہی تھی تن پر نہ تاج و افسر تھا
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر ﷺ پہ ہو درود و سلام

(موج تخیل صفحہ ۲۱۔۲۲)

## محترمہ تہنیت النساء بیگم صاحبہ

محترمہ تہنیت النساء بیگم صاحبہ دختر نواب رفعت یار جنگ مرحوم صوبہ دار اورنگ آباد کا سن ولادت ۱۹۱۱ء ہے۔ آپ کی تعلیم محبوبیہ گرلس ہائی اسکول حیدرآباد میں ہوئی۔ شادی اردو کے مشہور ادیب، نقاد اور محقق جناب ڈاکٹر محی الدین قادری زور سے ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ ان کے بڑے فرزند شاہ نقی الدین احمد صاحب قادری اپنی خاندانی خانقاہ عنایت اللہ حسینی کے سجادہ ہیں۔

محترمہ تہنیت النساء بیگم صاحبہ کی تربیت دوسرے ماحول میں ہوئی جو گہرا مذہبی رنگ لئے

ہوئے تھا۔ ایمان کی کسوٹی اگر حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو ہم اس خاندان میں اس کی فراوانی پاتے ہیں۔ زندگی نہایت سنہری، پاکیزہ، زمانے کے بدلتے ہوئے رجحانات سے الگ، اعلیٰ اخلاقی قدروں پر فریفتہ حبِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہے۔اس لئے اسلام کا گہرا رنگ چڑھا ہوا ہے نعت گوئی اس خاندان کے طبقہ نسواں کی روایت رہی ہے اور دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ وابستگی اس کا شیوہ۔ چنانچہ محترمہ کی پھوپھیاں بھی نعت کہتی تھیں۔اوران کی والدہ ماجدہ اورنانی مرحومہ تو ہندوستان کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ ہی میں جا کر مقیم ہوگئی تھیں اور بالآخر وہیں دفن بھی ہوئیں۔عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی مثالیں خصوصاً اس زمانے میں کم ملتی ہیں۔محترمہ دوسال قبل کافی عرصے مدینہ طیبہ میں قیام کرکے آئیں۔مدینہ طیبہ میں ان کا ایک مکان بھی ہے۔ جواُن کے نانا نے وہاں بنایا تھا۔محترمہ تہنیت النساء بیگم صاحبہ نے نعت کے علاوہ حمد اور منقبت بھی کہی ہے۔ان کا کلام مرتب ہورہا ہے راقم الحروف کی نظر سے گزرا جس میں شاعرہ نے اپنے شوق جذب اور کیف کو نہایت سلجھے ہوئے انداز میں ظاہر کیا ہے۔ کلام جوش اور تڑپ سے مملو ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں خلوص ومحبت کا نتیجہ ہے۔انہوں نے حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جزو ایمان ہونے کو اس طرح بیان کیا ہے:

نہ ہو قلب و نظر معمور و خرم تہنیت کیونکر
خدا رکھے پیمبر کی محبت جزو ایمان ہے

نعتیہ کلام کا نمونہ یہ ہے:

ازل میں نور نبی ﷺ ہویدا ہوا ہے جن و بشر سے پہلے
نمودِ شام و سحر سے پہلے وجود شمس و قمر سے پہلے

تمہارے حسن جہاں نما سے ہوا ہے عرش بریں منور
زمیں سے پہلے زماں سے پہلے حجر سے پہلے شجر سے پہلے

ملا نہ رتبہ کسی کو ایسا کہ خود ثنا خواں خدا ہو جس کا
نبی اگرچہ بہت ہیں گزرے جناب خیر البشر سے پہلے

ہوئی ہیں آسان مشکلیں سب ہوئے روانہ جو سوئے یثرب
عجب کشاکش میں زندگی تھی ہمارے عزم سفر سے پہلے

حبیب حق ضامن شفاعت ہے دل میں آل نبی ﷺ کی الفت
یہ زاد رہ مل گیا ہے ہم کو رہ عدم کے سفر سے پہلے
ہوئی ہے اب موت بھی گوارا کہ تہنیتؔ مل گیا سہارا
مٹی جو دل میں تھی اک خلش سی کسی کے لطف نظر سے پہلے

خلوص کی فراوانی کی وجہ سے بے قراری کے مضامین جا بجا پائے جاتے ہیں:

آج دل مائل گفتار نظر آتا ہے — پھر تصور میں وہ دربار نظر آتا ہے
جب سے ہم لوٹ کے آئے ہیں ترے کوچہ سے — ہمیں ہر پھول یہاں خار نظر آتا ہے
بند کی آنکھ تصور جو کیا طیبہ کا — روضۂ احمد ﷺ مختار نظر آتا ہے
لو خبر تہنیتؔ زار کی یا شاہ امم — اس کا دل غم میں گرفتار نظر آتا ہے

شاعر کی نظر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے بڑھ کر دنیا کی کوئی نعمت نہیں ہے۔

عطا کی ہیں ہزاروں نعمتیں دنیا میں انساں کو
محمد ﷺ کی غلامی سب سے بڑھ کر فضل یزداں ہے
حبیب کبریا ہیں، رحمۃ للعالمیں ہیں وہ
انہی کے نور سے ہر ذرۂ عالم درخشاں ہے

اسی رنگ کی ایک اور غزل یہ ہے:

مقصود مرا لطف شہ ہر دوسرا ہے — محبوب مرا اصل میں محبوب خدا ہے
وہ باعث تخلیق دوعالم ہے حقیقی — اللہ کی قدرت کا وہی جلوہ نما ہے
وہ نور ازل ہے وہی خورشید ابد ہے — کہنے کو ہے مخلوق پہ کب حق سے جدا ہے
گزرے ہیں نبی ﷺ اور ولی تو ہزاروں — مرتبہ مرے سرکار کا ان سب سے سوا ہے
میں کیا ہوں زباں میری کرے اس کی جو توصیف — مداح نبی ﷺ خالق کل ارض و سما ہے
مسرور نہ ہوں کیوں کہ ملی نعمت عظمیٰ — پہنچی جو میں اس در پہ مرا بخت رسا ہے

روضے پہ بلا لیجئے پھر مجھ کو دوبارہ
یہ تہنیتؔ زار کی ہر وقت صدا ہے

## بشیرؔ زوّاری

محمد بشیر اللہ نام، بشیر تخلص۔ ۱۹۱۳ء میں ساگر (سی. پی) میں پیدا ہوئے۔ جبل پور اور اٹاوہ میں تعلیم پائی۔ زبان و ادب کا ذوق کچھ کچھ پہلے ہی سے تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی سے حسنِ عقیدت کے باعث محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سوز پیدا ہوا۔ پھر حضرت مولانا حافظ سید زوّار حسین شاہ نقشبندی مجددی سعیدی سے شرفِ بیعت و توجہاتِ باطنی نے قلب کو قبلۂ قدسیاں کی طرف کچھ ایسا پھیرا کہ دردِ عشق کے مزے سے بہرہ ور ہو گئے، چنانچہ ایک نعت میں فرماتے ہیں:

دردِ عشقِ نبی ﷺ کا ہے کیا پوچھنا — جس سے جینے کا ہم کو مزا مل گیا
ہے وہی لذتِ درد سے آشنا — جس کو دل ایک درد آشنا مل گیا

ان کی نعتیہ نظموں کا مجموعہ ''خزینۂ نعت'' کے نام سے چھپ گیا ہے۔ زبان سادہ تصنع و تکلف سے پاک اور مضمون خلوص و قلبی واردات کا آئینہ دار ہے۔ اظہارِ عقیدت و محبت میں کہیں افراط و تفریط نہیں۔ ذیل کی نعت میں ان اوصاف کے علاوہ حسن شعریت بھی نمایاں ہے:

تم آفتاب نہیں ہو کہ ماہتاب نہیں — جہانِ حسن میں کیا حسنِ انتخاب نہیں
جا نظر میں ہے، دل سے تو اجتناب نہیں — نظر نہیں ہے جہاں، پھر وہاں حجاب نہیں
کمالِ دید یہی ہے کہ موند لوں آنکھیں — نگاہ دیکھ سکے ان کو اتنی تاب نہیں
تم آگئے تو کسی کی نہیں رہی حاجت — ہے آفتاب منور تو ماہتاب نہیں
بشیرؔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں آخر — ہے دل میں شوقِ نظارۂ نظر میں تاب نہیں

مدینہ منورہ کا سفر کرتے ہیں۔ جب دُور سے شہر کے آثار نظر آتے ہیں، تو والہانہ انداز میں قلبی واردات کا اس طرح اظہار کرتے ہیں:

سنبھل دل، دیارِ حبیب آرہا ہے — وہ لمحہ بہ لمحہ قریب آرہا ہے
وہ آنے لگی نکہتِ باغِ طیبہ — نگہ اُٹھ مدینہ قریب آرہا ہے
بس اب اضطرابِ دل زار رخصت — مرے دردِ دل کا طبیب آرہا ہے
اسے بھی تو چمکا دے چمکانے والے — چمکنے کو میرا نصیب آرہا ہے

کرم ہو بشؔیر گنہگار پر بھی　　　مدینے کو وہ بھی غریب آ رہا ہے

## دؔرد کاکوروی

میر نذر علی نام، دؔرد تخلص۔ قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ میں ۱۳۱۰ہجری میں پیدا ہوئے۔ مشہور نعت گو شاعر حضرت محسؔن کاکوروی آپ کے والد ماجد (مولانا حکیم سید حبیب علی علوی) کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔ بسلسلۂ معاش اورنگ آباد دکن میں عمر کا بیشتر حصہ گزرا۔

سنِ شعور ہی سے طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل تھی۔ پھر وقت کے نغز گو شعراء کی صحبت نے جلادی۔ مشاعروں میں شرکت کرتے رہے۔ حضرت مولانا شاہ علی حیدر قلندر کاکوروی نے کلام کا انداز دیکھ کر درد تخلص کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست
درد را جز آدمی در خورد نیست

اسی ارشاد کی تعمیل میں دؔرد تخلص رکھا۔ نظمیں معروف ادبی رسالوں نگاؔر، جامعؔہ نیرنگ خیال وغیرہ میں چھپتی رہیں۔ اس وقت تک نعتیہ نظموں کے دو مجموعے ''درد کا درماں'' اور ''جامِ کوثر'' شائع ہو چکے ہیں۔

نعتیہ نظموں کے علاوہ صوفیانہ کلام بھی منظر عام پر آ گیا ہے۔ کلام میں شعری محاسن کے باوجود سوز و گداز بھی ہے۔ جو صوفیانہ ذوق اور عشق حقیقی کی نشاندہی کرتا ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:

نبی کریم ﷺ کی صبح ولادت کا حسین منظر:

صلِّ یارب کہہ کے خود فطرت ملاریں گائے ہے

دیکھئے صبح ولادت کی تجلی جلوہ بار　　　ہے محمد ﷺ نے کیا ساری خزاں کو لالہ زار

دم بدم کوثر کا ساقی کیف سا برسائے ہے۔ صلی یارب......

سورۂ والنجم کی، والشّمس کی جلوہ گری　　　والضحیٰ والفجر ہے یہ جلوۂ روئے نبی ﷺ

گیسوئے واللیل سے یہ کون دل مہکائے ہے۔ صلِّ یارب......

ہو درود ان پر کہ جن کا بوریا بستر رہا　　　ہو سلام ان پر جنہوں نے دین کو چمکا دیا

سنتے ہی ذکر نبی ﷺ، امت کا دل لہرائے ہے۔ صلِّ یارب......

ہو درود ان پر کہ ہیں نصر من اللہ کے نقیب ہو سلام اللہ اُن پر ہیں جو خالق کے حبیب
حسنِ محبوب خدا رنگینیاں دکھلائے ہے۔ صلِّ یا رب......

ہو درود ان پر جنہیں دھن حق کی ہے مستانہ وار ہو سلام ان پر کہ جن کی دین گاتا ہے ملار
رحمتِ خالق حیاتِ تازہ لے کر آئے ہے۔ صلِّ یا رب......

ہو درود ان پر جنہوں نے ظلم غیروں کا سہا ہو سلام ان پر جو گالی سن کے دیتے تھے دعا
ابر رحمت کا چھما چھم کیف سا برسائے ہے۔ صلِّ یا رب......

ہو درود ان پر کہ جن سے کھل گئے رنگین چمن ہو سلام ان پر کہ جن سے حق ہوا جلوہ فگن
احمد ﷺ مختار سے امت پہ خلعت پائے ہے۔ صلِّ یا رب......

منظر صبح ولادت ہے فضاؤں کا سرور ہیں فضا کے دامنوں میں مستیاں در پردہ نور
کس کے ارمانوں سے برقِ جذب ٹکر کھائے ہے۔ صلِّ یا رب......

آج ہے صبح ولادت سو بہاروں کی بہار صلِّ یا رب سلّموا گاتے ہیں سب مستانہ وار
نکہت یتلو علیہم یوں صبا پھیلائے ہے۔ صلِّ یا رب......

ہر طرف چھائی ہوئی باطل کی ظلمت دیکھ کر ساری دنیا میں ہوئے ہیں حق کے جلوے جلوہ گر
دینِ احمد ﷺ کی گرج کیا بجلیاں چمکائے ہے۔ صلِّ یا رب......

گونجتا ہے سلّموا کیسا فضا کی گود میں صلِّ یا رب کی تجلی ہے ہوا کی گود میں
سارا عالم جلوۂ حق سے چمکتا جائے ہے۔ صلِّ یا رب......

رحمت خالق کا میخانہ طرب بر دوش ہے ساقیٔ کوثر کی آنکھوں سے جہاں مینوش ہے
دم بہ دم حسن نبی ﷺ کیا جھلکیاں دکھلائے ہے۔ صلِّ یا رب......

دردؔ کہتا ہے مرا اللہ رب العالمیں مصطفیٰ ﷺ ما جاء الا رحمۃ للعالمیں
صلِّ یا رب کیا جھما جھم نور سا برسائے ہے۔ صلِّ یا رب......

## برگؔ یوسفی

شفیع اللہ خاں نام اور برگ تخلص۔ فتح پور سیکری ضلع آگرہ میں ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے حیدرآباد سندھ میں سکونت اختیار کی۔ ادب اور شاعری کا

ذوق فطری ہے۔ ان کا نعتیہ کلام زیادہ تر رسالہ ''المصطفیٰ'' میں چھپتا رہا ہے۔ نعتیہ دیوان بھی مرتب کر چکے ہیں جو اس وقت تک زیر طبع ہے۔ مختلف غزلیہ نعتوں سے ذیل کے منتخبات سے اُن کے شعری ذوق اور محبت و عقیدت کے جذبات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:-

کہہ رہے ہیں صاحبِ توریت وانجیل وزبور ۔۔۔ حرفِ آخر احمد مختار کی آواز ہے

تمہیں اے شہِ مدینہ ہو مآلِ کبریائی ۔۔۔ زہے شان مجتبائی، زہے شانِ مصطفائی

وہ ہے جادۂ مدینہ، وہ ہے منزلِ مدینہ ۔۔۔ ذرا اور حوصلہ کر اے مری شکستہ پائی

اُنہی کی شانِ عبودیت ہی محیطِ کعبہ بنی ہوئی ہے ۔۔۔ رکوع جن کے، قیام جن کا سجود جن کے سلام جن کا

اُنہی کے صدقے میں برگِ تیرا چمن بھی نکہت بدوش ہوگا
بہارِ جنت کی خوشبوؤں سے بسا ہوا ہے مشام جن کا

# نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانیٔ دارالعلوم دیوبند کی ایک طویل نعت موسوم بہ ''قصیدۂ بہاریہ'' سے ماخوذ چند اشعار:

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

اُڑا کے باد میری مشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حضور ﷺ کے روضہ کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاک قاسم کا
کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بن کے غبار

کرے ہے ذرۂ کوئے محمدی ﷺ سے خجل
فلک کے شمس و قمر کو زمین لیل و نہار

فلک پہ عیسیٰ و ادریس ہیں تو خیر سہی
زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمد ﷺ مختار

فلک پہ سب سہی، پر ہے نہ ثانیٔ احمد ﷺ
زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار

الٰہی کس سے بیاں ہوسکے ثنا اُس کی
کہ جس پہ ایسا تیری ذاتِ خاص کا ہو پیار

جو جبرئیل مدد ہو فکر کی میرے
تو آگے بڑھ کے کہوں اے جہان کے سردار

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں
امیر لشکر پیغمبراں شہہ ابرار

تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی
تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمع نہار

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بے کس کا کوئی حامیٔ کار

# ہدیۂ نیاز بحضور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ایک قدیمی قلمی بیاض سے غیر مطبوعہ چند نعتیہ اشعار پیش خدمت ہیں۔

ادا کیونکر کریں اور کس زباں سے شکر ہم تیرا
کہ تو نے اُس نبی ﷺ کی ہم کو امت میں کیا پیدا
وہ کملی اوڑھنے والا فقیری پہ جو نازاں تھا
گدا تھے جس کے کوچہ کے سکندر قیصر و کسریٰ
گدائی جس کے گھر کی بادشاہی سے بھی بہتر تھی
زمیں جس شاہ کے کوچہ کی رشک قصر قیصر تھی

رسل امتی ہونے کی جس کے آرزو کی ہو
لقب محبوب دے کر حق نے جس کی آبرو کی ہو
قدم بوسی کی جس کے آسماں نے آرزو کی ہو
بلا کر عرش پر جس سے خدا نے گفتگو کی ہو
وہ شاہِ دو جہاں لولاک کی پوشاک تھی جس کی
فقیر ایسا کہ ادنیٰ ملک ہفت افلاک تھی جس کی

سر فاران چمکا تھا جو خورشید جہاں ہوکر
بتائی راہ جس نے رہنمائے گمرہاں ہوکر
گیا تھا عرشِ اعظم پر جو حق کا مہماں ہوکر
شرف پایا تھا جس نے انبیاء میں آسماں ہوکر
رہی شیدا چمن پر جس کے فصل بے خزاں برسوں
قدم چوما کیا جس کی زمیں کے آسماں برسوں

# مقالے کا خلاصہ

اس مقالے کے سابقہ ابواب میں اُردو میں نعت گوئی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ شروع میں نعت پر عمومی تبصرہ ہے۔ جس میں نعت کی تعریف کے علاوہ اسلامی ادب میں لفظ نعت کے پہلے پہل استعمال کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔ مضامین نعت کے ماخذ کے تحت قرآن اور حدیث کے نعتیہ مضامین درج ہیں۔ پھر نعتیہ شاعری کو بحیثیت نوع سخن پرکھا گیا ہے۔ نعت کے لوازم کے بیان کے بعد نعت کی قسمیں اور نعت گو شعراء کے طبقات کا بیان ہے یعنی ان میں اکثر شعراء ایسے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو محض رسمیہ طور پر یا برکت کے لئے اپنے دیوان میں چند نعتیہ غزلیں یا قصیدے شامل کر دیتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو سیرت طیبہ کے محاسن اور اوصاف کی وجہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت رکھتا ہے۔ تیسری جماعت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اُن کی وجہ سے چاہتی ہے۔

اردو شاعری کے ماخذ کے بیان میں عربی اور فارسی نعت پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز نعت پر ہندوستانی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد اُردو نعت گوئی کی تلاش ہوتی ہے۔ اُردو کے ابتدائی دور میں نعتیہ اشعار کا نمونہ عہد بہ عہد نہایت اختصار سے دیا گیا ہے، یہاں تک کہ اس آغاز سے ہم دکنی دور تک پہنچ جاتے ہیں۔ دکن میں نعتیہ ادب کی کمی نہیں ہے۔ اس دور میں معروف شعراء کے معراج نامے، وفات نامے اور سیرت پاک کے خاص خاص پہلوؤں سے متعلق منظوم روایات کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ دراصل یہ دور مذہبی شاعری کا دور ہے جس میں نعتیہ ادب افراط سے ملتا ہے۔ نعت گوئی کے اس عام رجحان نے جہاں نعتیہ ادب کو نہایت فروغ دیا وہاں اس میں ایسے عنصر کو بھی شامل کر دیا جس نے نعت گوئی کے مقصد کو بری طرح متاثر کیا۔ یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق روایات کو شاعرانہ رنگ

دیا گیا تو اس میں عقیدت مندانہ غلط بیانی نے بھی راہ پائی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق وہ روایات مشہور ہوگئیں جن کی اصل نہ تو قرآن میں ملتی ہے اور نہ حدیث میں۔ اُردو کے قدیم شعراء میں محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں نعت اور منقبت کثرت سے پائی جاتی ہے۔ تقریباً اس کا ہر مقطع نعتیہ مضمون پر مشتمل ہوتا ہے۔ مستقل نعتیہ کلام اس کے علاوہ ہے۔ اس دور کے دیگر شعراء جنہوں نے نعت کہی ہے وہ ملا وجہی۔ غواصی۔ صنعتی۔ ابن نشاطی۔ نصرتی۔ سید بلاقی۔ طبعی۔ مختار۔ قدرتی۔ فتاحی وغیرہ ہیں۔ ولی کے زمانے سے پہلے اُردو شعراء کے کلام میں زیادہ تر مذہبی مضامین ملتے ہیں۔ مگر ولی کے دور میں شاعری کی اس لے میں تبدیلی پیدا ہوئی اور اب دیگر مضامین اردو شاعری میں داخل ہونے لگے۔ لیکن ولی کے یہاں نعتیہ مضامین کی بھی کمی نہیں ہے۔

متقدمین کے دور میں عام طور پر نعت کی طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ سودا کے یہاں مذہبی جوش پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ سراج، آگاہ اور شیدا ہیں جن کے یہاں نعتیہ کلام ملتا ہے۔ آگاہ اور شیدا کی ضخیم مثنویاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل منظوم سیرت ہے جو اس دور کے نعتیہ ادب میں گرانقدر اضافہ ہے۔

متوسطین کے دَور میں مومن، شہید، لطف اور شہیدی جیسے نامور شعراء نے نعتیہ ادب میں وسعت کا سامان کیا۔ خصوصاً غلام امام شہید کا نعتیہ کلام اپنے تنوع کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ قدما کے دور میں نعت اور منقبت کے لئے زیادہ تر قصائد لکھے جاتے تھے۔ مومن کے یہاں بھی یہی صورت ہے لیکن غلام امام شہید نے جہاں مختلف اصناف سخن میں نعت لکھی وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سے متعلق گوناگوں مضامین نظم کئے۔ نعت گوئی کا یہ ایک نیا باب ہے۔ جو غلام امام شہید سے شروع ہوتا ہے۔

یوں تو دکن کے قدیم شعراء نے بھی مضامین کے لحاظ سے نعت میں بڑی وسعت پیدا کی لیکن ان میں شاعری بہت کم ہے۔ صرف منظوم واقعات کا سیدھا سادا بیان ملتا ہے۔ شہید نے ان میں شعری دلآویزی پیدا کی اور واقعات کو موثر انداز میں پیش کیا۔ ان کے یہاں الفاظ کا حسن انتخاب اور تشبیہوں اور استعاروں کی شگفتگی نے واقعات کو نہایت دلچسپ بنا دیا۔ ان کا شاعرانہ بیان ایک ایک لفظ سے ٹپکتا ہے۔ اس دَور میں لطف علی خاں لطف نے بھی نعت گوئی

میں اپنا خاص رنگ جمایا اور جو کچھ لکھا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا۔ ان کے کلام میں جوش ان کی عقیدت اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر شاہد ہے۔ متوسطین کے دور میں شہیدی نے کم لیکن لطف نے نعتیہ غزلیں زیادہ کہی ہیں۔ اس طرح نعت میں غزل کا فروغ بھی اسی دور سے شروع ہوتا ہے۔ یہ رنگ زمانے کے ساتھ شعراء کے لئے نہایت محبوب اور مرغوب ہوتا گیا۔ اب نعتیہ قصیدوں کی طرف توجہ کم ہوگئی۔

متاخرین شعراء میں منشی امیر مینائی اور محسن کاکوروی امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس دور میں تغزل کا رنگ پوری طرح جلوہ گر ہے۔ البتہ اس رنگ سے محسن کاکوروی کو مستثنیٰ قرار دیا جائے گا کہ ان کے یہاں نعتیہ غزلیں برائے نام ہیں۔ منشی امیر مینائی کے کلام میں غزلیات، قصائد، رباعیات، ترجیع بند وغیرہ سب شامل ہیں۔ انہوں نے متعدد نظمیں بھی لکھیں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات وغیرہ نظم کئے۔ ان کا یہ کارنامہ ان کی آخری عمر میں فروغ پایا، ورنہ ان کی شاعری کا عام رنگ جداگانہ ہے۔ اس دور میں محسن نے بھی اپنا سارا کمالِ شاعری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء کے لئے وقف کر دیا اور لکھنؤ کی شاعری کے معائب کو محاسن کا رنگ بخشا۔ ان کے یہاں رعایت لفظی قدم قدم پر پائی جاتی ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ شاعرانہ محاسن کو قائم رکھتے ہوئے شاعر کا فکر اور التزام کا کیونکر متحمل ہوسکتا ہے۔ حقیقت میں یہ محسن کے کلام کا اعجاز ہے۔ ان کے یہاں استعارات کی جدّت تشبیہات کی ندرت، الفاظ اور ترکیبوں کی لطافت، بیان کی دلآویزی، صفائی اور سادگی کے ساتھ مضامین اور بیان کا عالمانہ رنگ، کلام میں متانت اور تقدس کی پُر کیف فضا قائم کر دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رعایت لفظی کے التزام میں اس درجہ مبالغہ کہیں کہیں کلام کو ادق بھی بنا دیتا ہے، جس کو سمجھنے کے لئے گہری نظر درکار ہے۔ نعت گوئی کا یہ رنگ محسن پر ختم ہوجاتا ہے۔ نعتیہ ادب میں اس کی مثال نہ تو محسن سے پہلے والوں نے پیش کی اور نہ بعد والوں سے یہ روش نبھ سکی۔ متاخرین کے دور سے جو نعتیہ کلام ملتا ہے اس میں عاشقانہ مضامین کی کثرت پائی جاتی ہے۔ ان میں شعراء نے جو موشگافیاں کی ہیں اکثر ناہمواریوں کے شکار بھی ہوئے ہیں۔ چنانچہ اب نعت گو شعراء کا ایک ایسا طبقہ مستقل طور پر فروغ پانے لگا جس نے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ اظہار میں مناسب اور نامناسب دونوں مضامین کو جائز گردانا۔ وقتی جذب وشوق کا انداز جوش وخروش

کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ پھر زمانے کے مزاج کے مطابق نئے نئے مضامین نئے نئے عقیدوں کو لے کر نعتیہ ادب میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ اب نعتیہ شاعری میں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار اور جمال محمدی کے ان اوصاف کا بیان ہونے لگا جن کی تشریح صرف تصوف کی زبان کر سکتی ہے۔ ان لطیف مسائل کا تعلق شریعت سے کم ہے اور طریقت سے زیادہ۔ یہ ضرور ہے کہ اس طرح نعت گوئی کو شاعری کی حیثیت سے ایک حد تک فائدہ پہنچا، اس لئے کہ اب لطافت بیان میں لطیف جذبات کو برافروختہ کرنے والے الفاظ اور فقرے جو شاعری کی جان ہیں نعت میں شامل ہونے لگے۔ شعراء نے وہی نازک خیالیاں یہاں بھی پیدا کیں جو اردو شاعری کے رنگ تغزل میں راہ پا چکی تھیں۔ اس جذبات کی فراوانی اور دیگر شعری محاسن نے نعتیہ شاعری کا ادبی پایہ بہت بلند کر دیا۔ لیکن نعت کے مقصدی رنگ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ایک عام ہوا یہ چل گئی کہ بغیر سوچے سمجھے شعراء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بالاتر دکھانے میں فقط بے پایاں عقیدت مندی سے کام لیا اور اس غلط جذبۂ خلوص نے وہ حدیں بھی توڑ دیں جو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کا یہ جذبہ سجدے میں درود پڑھنے کی تلقین کرنے لگا۔ یہ جذبات سے مغلوب زندگی جس میں وجد کی کیفیت نعت گو شعراء پر عموماً طاری رہی، زمانے کے اس مزاج کی آئینہ دار ہے جہاں سیرت سے زیادہ صورت پرستی اور حقیقت پسندی سے زیادہ فریب خیالی کی کارکردگی پائی جاتی ہے۔ مزاج کی یہی کیفیت تغزل کے رنگ میں نمودار ہوئی اور افراط و تفریط کی ہر منزل سے گزر گئی۔ اللہ جل شانہٗ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت کے کتنے ہی مضامین اندھادھند باندھے گئے۔ یہاں تک کہ پڑھنے والے کو عبد و معبود میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ شمع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی عقیدت مندانہ جرأت وحدانیت کو پارہ پارہ کر کے بھی بارگاہ ایزدی سے انعام و اکرام پانے کی حق الیقینی سے سرشار ہے۔ حقیقت میں اس قسم کے مضامین نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج ہیں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف کا بیان نہیں ملتا۔

دوسری خصوصیت جو اس دَور میں نعتیہ شاعری میں داخل ہوئی وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کے اظہار میں عاشقانہ الفاظ کی بے احتیاطی ہے جس میں شان رسالت کا پاس نہیں کیا گیا۔ یعنی چہرے، رخسار، لب و دہن، دندان، زلف و گیسو، گوش، بینی، چشم وغیرہ

کے وصف میں وہی رنگ اختیار کیا گیا جو ایک شاہد مجازی کے لئے رائج ہے۔اس لئے اکثر شعراء نے بلا تکلف وصل، فراق، ہجر، سبزۂ خط، دلربا، پیارے، میرے بانکے، یار بن ٹھن کے چلنا، متوالی ادا وغیرہ جیسے نامناسب الفاظ اور ترکیبوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کرنا جائز اور روا گردانا۔اس کی مثالیں اکثر نعت گو شعراء کے کلام میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان کو الفاظ کے بھیڑ میں الجھا دیا اور اس طرح معنی سے زیادہ الفاظ پر زور دیا۔رعایت لفظی، معشوقانہ تشبیہیں اور استعارے اور لفظی صنّاعی کی آب وتاب میں نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی درخشاں پہلو بھی دَب گیا۔

تیسری جدت جو نعتیہ شاعری میں دخیل ہوئی وہ موضوع روایتیں ہیں۔لیکن یہ صورت اس دور کے لئے نئی نہیں ہے بلکہ اس روش کا احیاء ہے جو دکن کے قدیم اردو نعتیہ ادب میں پائی جاتی ہے۔اس کے علاوہ صحیح روایات کو بھی شاعرانہ مبالغے نے غلط رنگ دیا اور اس طرح نعت کی صحیح صورت کو بھی بگاڑ کر بیش کیا۔اس کے بعد کا دور درحقیقت نعتیہ شاعری کا ایک جدید دور ہے جس میں نعت نے زندگی سے ہم آہنگ ہو کر نغمہ پیدا کیا۔یہ ایک شعوری دور ہے جس میں قومی احساس نے زندگی کو اس کے صحیح رنگ میں دیکھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو سمجھنے میں ہوش مندی کا ثبوت دیا۔یہ انقلابی فکر ونظر اس دور کے رجحانات کا آئینہ ہے۔اس کی ترجمانی ہم مولانا حالؔی اور مولانا شبلؔی کے نعتیہ کلام میں پاتے ہیں۔اس جدید دور کو اصلاحی یا انقلابی دور سے تعبیر کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔اس دور کی حقیقت پسندی نے شاعری کی بنیاد جذبات نگاری پر نہیں رکھی بلکہ وقت کی ضرورت کو سمجھ کر اس لحاظ سے زندگی کا مرقع پیش کیا۔چنانچہ مولانا حالؔی نے قوم کی زبوں حالی پر نوحہ کر کے اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی یاد دلائی اور عمل کے لئے اُبھارا۔اس دور کی نعتیہ شاعری کو ہم قومی شاعری سے جدا نہیں کر سکتے۔درحقیقت نعتیہ مضامین کا نظم ہونا صرف اس مقصد سے تھا کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آقا کے اس نمونے کو عمل کے ذریعے اپنے رگ وپے میں بسائے اور اس طرح زندگی کی اصلاح کا سامان کرے۔مولانا حالؔی اور مولانا شبلؔی کے نعتیہ اشعار نے نعتیہ شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی۔اب نعت گو شعراء میں ایک ایسا طبقہ ابھرنے لگا جس نے نعت کو جذبات نگاری سے نکال کر حقیقت پسندی کا رنگ دیا۔اب نعتیہ شاعری مجالس مولود ہی کی

زینت نہیں رہی بلکہ قومی اور سیاسی اجتماعوں کی گرمی کا سبب بنی۔ نعتیہ شاعری کا یہ معاشرتی اور سیاسی پہلو اردو میں نعت گوئی کا نہایت درخشاں باب ہے جس نے آنے والوں کے لئے اس قسم کے مضامین کی راہیں کھول دیں۔ اس دور کی برکات ہم تا حال نعتیہ شاعری میں نمایاں پاتے ہیں۔

دور حاضر نعتیہ شاعری کے لئے انتہائی عروج کا زمانہ ہے جس نے اقبالؔ، عزیزؔ لکھنوی، مولانا ظفر علی خاں، امجدؔ حیدر آبادی، حفیظؔ جالندھری، ماہر القادریؔ وغیرہ جیسے نامور شعراء پیدا کئے۔ ان اصحاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو مصلحانہ، حکیمانہ اور استادانہ رنگ میں پیش کیا، اور نعتیہ ادب کو شعری دلآویزیوں سے مالا مال کر دیا۔ یہ دور دراصل دور جدید کی صورت کا حسین ترین پہلو ہے جس میں شعراء نے اپنی بصیرت اور مصلحانہ بے کلی سے چار چاند لگا دیئے۔ اس دور کی شاعری زیادہ تر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ''خلقہ القرآن'' کی تفسیر بن گئی اور نعتیہ بیان قرآن اور حدیث کے مضامین پر مشتمل، زندگی کا ترجمان نظر آنے لگا۔ نعتیہ شاعری کا یہ دور دراصل سیرت پرستی کا دور ہے یہاں تک کہ سیاسی تحریکیں بھی اب مذہب کے نام پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اٹھیں۔ اب نعتیہ شاعری میلاد کی محفلوں سے زیادہ، سیاسی مجلسوں کی رونق بن گئی۔

اس دور میں نعتیہ قصیدے صرف عزیزؔ لکھنوی کے دم سے قائم ہیں۔ ورنہ عام طور پر نعت میں مسلسل نظمیں، مثنویاں اور غزلیں زیادہ ملتی ہیں۔ غزل کا رنگ بھی حقیقت پسندانہ ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر والہانہ تصدق کے باوجود بارگاہ نبوت کی ادب شناسی کا ثبوت کم و بیش ہر ممتاز نعت گو شاعر کے یہاں ملتا ہے الا ماشاء اللہ۔ بحریں رواں اور شگفتہ ہوتی ہیں۔ زبان کی صفائی، سادگی اور خوش آہنگی میں بھی کلام نہیں۔ اس کے علاوہ تاثیر اور ترنم کی بھی کمی نہیں ہے۔

غرض یہ کہ دور جدید اور دور حاضر کی نعتیہ شاعری دیگر ادوار کے مقابلے میں زیادہ حقیقت پسندانہ، زیادہ پرشکوہ، زیادہ متین، موثر اور دلآویز ہے۔

# فہرست ماخذات

## (ا) قلمی

(۱) چکی نامہ۔ موجودہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اُردو، حیدرآباد، دکن
(۲) کسب محویت۔ // // // //
(۳) مولودنامہ۔ عبدالمالک بھروچی // // //
(۴) مثنوی چنداولوک غواصیؔ۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ //
(۵) معراج نامہ، بلاقیؔ۔ موجودہ کتب خانہ ادبیات اُردو //
(۶) معراج نامہ مختارؔ موجودہ کتب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد //
(۷) ہشت بہشت آگاہؔ // // // //
(۸) وفات نامہ سرورکائنات، دریاؔ، موجودہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد، دکن
(۹) وفات نامہ دریا۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، دکن
(۱۰) وفات نامہ، امامی، موجودہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد، دکن
(۱۱) دیوان مکھن لال۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ
(۱۲) مفیدالیقین، فتاحیؔ۔ موجودہ کتب خانہ سرسالار جنگ
(۱۳) اعجاز احمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ نوازش علی شیداؔ۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ۔ حیدرآباد، دکن
(۱۴) قصص الانبیاء (ہندی) قدرتی۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ۔ حیدرآباد، دکن
مثنوی بہرام وگل اندام۔ طبعی // // // //

# (۲) مطبوعات

## (الف) تذکرہ جات

(۱۵) نکات الشعراء۔ میر تقی میرؔ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو
(۱۶) تذکرہ گلشن گفتار۔ مرتبہ پروفیسر سید محمد صاحب
(۱۷) تذکرہ ہندی گویا مصحفی۔ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو
(۱۸) تذکرہ ریاض الفصحاء۔ مصحفی۔ // // //
(۱۹) چمنستان شعراء۔ لچھمی نرائن شفیقؔ // // //
(۲۰) تذکرۂ گلشن ہند، مرزا علی لطف، مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور سنہ ۱۹۰۶ء
(۲۱) تذکرۂ جلوۂ خضر
(۲۲) تذکرۂ ریختہ گویاں گردیزی مطبوعہ انجمن ترقی اُردو
(۲۳) تذکرۂ گلشن بیخار، مطبوعہ نول کشور پریس
(۲۴) تذکرۂ گلزار اعظم۔ محمد غوث خاں اعظم۔ مطبع سرکاری ۱۲۷۲ھ
(۲۵) آبِ حیات۔ آزاد
(۲۶) گل رعنا۔ مولانا عبدالحیٔ۔ دارالمصنّفین، اعظم گڑھ ۱۳۵۲ھ
(۲۷) تذکرۂ یارگار ضیغم۔ عبداللہ خاں ضیغم۔ مطبوعہ مطبع گلزار دکن، حیدر آباد، دکن
(۲۸) شعر الہند حصہ اوّل و دوم۔ عبدالسلام ندوی۔ مطبع معارف، اعظم گڑھ
(۲۹) خم خانۂ جاوید۔ لالہ سری رام۔ مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس ۱۹۱۷ء
(۳۰) دبدبۂ امیری۔ عبدالحکیم حکمت
(۳۱) تاریخ ادب اُردو۔ رام بابو سکسینہ۔ مطبوعہ نول کشور۔ لکھنؤ

(۳۲) مقدمۂ شعر و شاعری۔ حالؔی
(۳۳) بہار گلشن کشمیر جلد اوّل و دوم۔ مرتبہ برج کشن کول بیخبر و پنڈت جگموہن ناتھ شوق ۱۹۳۱ء
(۳۴) داستان تاریخ اُردو۔ پروفیسر حامد حسن قادری
(۳۵) مختصر تاریخ ادب اُردو۔ ڈاکٹر اعجاز حسین
(۳۶) دکن میں اُردو۔ نصیر الدین صاحب ہاشمی۔ مطبوعہ سویرا آرٹ پریس، لاہور ۱۹۵۲ء
(۳۷) مرقع سخن جلد اوّل۔ مطبوعہ مکتبہ ابن اسیمیہ حیدر آباد، دکن۔ ۱۹۳۵ء
(۳۸) مرقع سخن جلد دوم۔ // // // ۱۹۳۷ء
(۳۹) مرقع سخن جلد سوم۔ // // //
(۴۰) مرقع سخن جلد چہارم // // // ۱۹۳۹ء
(۴۱) پنجاب میں اردو۔ محمود شیرانی صاحب
(۴۲) اردو شہ پارے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ
(۴۳) تذکرۂ اُردو مخطوطات۔ مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ ۱۳۶۲ھ
(۴۴) لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۱۹۴۴ء
(۴۵) دلی کا دبستانِ شاعری۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی۔ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو، کراچی ۱۹۴۹ء
(۴۶) المدائح النبویہ۔ زکی مبارک مصری
(۴۷) مصنّفین اردو، حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر، دہلی۔ ۱۹۳۹ء
(۴۸) شعرالعجم۔ مولانا شبلی نعمانی
(۴۹) خواتین دکن کی اردو خدمات۔ نصیر الدین صاحب ہاشمی
(۵۰) تذکرہ شاعرات اُردو۔ محمد جمیل احمد، بریلی الکٹرک پریس، بریلی ۱۹۴۴ء
(۵۱) جدید اُردو شاعری، پروفیسر عبدالقادر سروری، مکتبۂ ابراہیمیہ، حیدر آباد، دکن ۱۹۳۳ء
(۵۲) اذان بتکدہ۔ مرتبہ محمد الدین فوق۔ مدیر اخبار کشمیر جدید، سری نگر، کشمیر ۱۹۳۴ء
(۵۳) نقوش، شخصیات نمبر۔ مرتب طفیل احمد، ادارۂ فروغ اُردو، لاہور ۱۹۵۵ء
(۵۴) کتاب العمدۃ جلد اوّل

## (ب) نظم کلیات، دواوین، مثنویات وغیرہ

(۵۵) کلیات سلطان قلی قطب شاہ ۔ مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ

(۵۶) مثنوی سیف الملک و بدیع الجمال ۔ غواصیؔ، مرتبہ میر سعادت علی خاں صاحب

(۵۷) طوطی نامہ ۔ غواصیؔ ۔ مرتبہ میر سعادت علی خاں صاحب

(۵۸) قصۂ بے نظیر ۔ صنعتیؔ ۔ مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری

(۵۹) پھولبن ۔ ابن نشاطیؔ ۔ مرتبہ 〃 〃 〃

(۶۰) مثنوی گلشن عشق ۔ نصرتیؔ ۔ مرتبہ عبدالحق صاحب شائع کردہ انجمن ترقی اُردو، کراچی ۱۹۵۲ء

(۶۱) کلیات ولیؔ ۔ انجمن ترقی اردو

(۶۲) کلیات سراجؔ، مرتبہ پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری

(۶۳) کلیات سوداؔ ۔ مطبوعہ نول کشور پریس

(۶۴) ہشت بہشت آگاہؔ ۔ مطبوعہ مطبع حیدری، بمبئی

(۶۵) کلیات مومنؔ

(۶۶) دیوان لطفؔ ۔ مطبوعہ مطبع نظامی، کانپور ۱۲۷۹ھ

(۶۷) دیوان شہیدیؔ

(۶۸) مولود شہیدؔ (غلام امام شہید)

(۶۹) محامد خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم ۔ امیرؔ مینائی، نول کشور پریس ۱۲۸۹ھ

(۷۰) مرأۃ الغیب

(۷۱) صنم خانۂ عشق

(۷۲) کلیات محسنؔ کاکوروی ۔ یوسفی پریس فرنگی محل، لکھنؤ

(۷۳) کلیات شائقؔ حیدرآبادی

(۷۴) دیوان صحوؔ ۔ (اُردو)

(۷۵) مسدس حالیؔ ۔ صدی ایڈیشن ۔ حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۳۵ء

(۷۶) دیوان حالیؔ

(۷۷) کلیات شبلی۔معارف پریس، اعظم گڑھ ۱۹۴۰ء
(۷۸) مجموعہ نظم طباطبائی۔
(۷۹) حدائق بخشش حصہ اوّل دوم وسوم مولانا احمد رضا خاں بریلوی
(۸۰) چمنستان حمزہ۔مطبع اعظم جاہی، حیدرآباد ۱۳۴۲ھ
(۸۱) ریاض معلیٰ۔عماد پریس، حیدرآباد ۱۳۴۰ھ
(۸۲) صحیفہ ولا۔عزیزؔ لکھنوی۔صدیق بک ڈپو، لکھنؤ
(۸۳) بانگ درا۔اقبالؔ
(۸۴) بال جبریل۔اقبالؔ
(۸۵) ضرب کلیم۔اقبالؔ
(۸۶) بہارستان۔مولانا ظفر علی خاں۔مطبوعہ عالمگیر الکٹرک پریس، لاہور ۱۹۳۷ء
(۸۷) چمنستان۔ظفر علی خاں۔پبلشرز یونائیٹڈ، لاہور ۱۹۴۴ء
(۸۸) خرقہ امجد۔سید احمد حسین امجدؔ
(۸۹) نذر امجدؔ // // // // //
(۹۰) ریاض امجدؔ حصہ اوّل ودوم // // // //
(۹۱) رباعیات امجدؔ // // // //
(۹۲) حج امجدؔ // // // // //
(۹۳) ہدیۂ شادؔ۔مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ۔مطبوعہ ۱۳۲۶ھ
(۹۴) سلطان سخن (الموسوم دیوان طوفان رحمت) ۱۳۵۱ھ
(۹۵) زفرات الاشواق۔حسرتؔ۔۱۳۵۳ھ
(۹۶) زمزمۂ محبت، حسرتؔ۔۱۳۵۳ھ
(۹۷) نسیم عرفان // // // // // //
(۹۸) معراج سخن، فصاحت جنگ جلیلؔ۔مطبوعہ نظامی پریس، لکھنؤ۔۱۳۴۶ھ
(۹۹) باغ کلام اکبر۔اکبرؔ میرٹھی، ۱۳۱۷ھ
(۱۰۰) نہال روضۂ اکبرؔ // // // ۱۳۲۰ھ

(۱۰۱) ریاض اکبر۔ اکبر میرٹھی

(۱۰۲) گلزار اکبر // // //

(۱۰۳) گلستان اکبر // // //

(۱۰۴) فردوس تخیل۔ زاہدہ خاتون

(۱۰۵) معروضہ۔ محمد الیاس برنی صاحب

(۱۰۶) تحفۂ محمدی حصہ اوّل۔ دوم سوم و چہارم۔ الیاس برنی۔ طبع سوم۔ تاج کمپنی، لاہور

(۱۰۷) شاہ نامۂ اسلام۔ جلد اوّل۔ حفیظ جالندھری۔ ۱۹۲۵ء

(۱۰۸) شاہ نامۂ اسلام۔ جلد دوم۔ حفیظ جالندھری۔ ۱۹۳۳ء

(۱۰۹) شاہ نامۂ اسلام۔ جلد سوم۔ حفیظ جالندھری۔ شائع کردہ سلطان بک ڈپو حیدرآباد

(۱۱۰) شاہ نامۂ اسلام۔ جلد چہارم۔ حفیظ جالندھری۔ شائع کردہ سلطان بک ڈپو حیدرآباد

(۱۱۱) کفر و ایمان۔ بہزاد لکھنوی۔ اردو اکیڈمی لاہور۔ سنہ ۱۹۴۴ء

(۱۱۲) چراغ طور۔ بہزاد لکھنوی۔ ساقی بک ڈپو، دہلی

(۱۱۳) انیسیات۔ انیسہ شروانیہ۔ انتظامی پریس، حیدرآباد

(۱۱۴) آہنگ حجاز۔ عرش ملسیانی۔ مطبوعہ محبوب المطابع، دہلی

(۱۱۵) ذکر جمیل۔ ماہر القادری۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد دکن

(۱۱۶) نغمات ماہر۔ ماہر القادری۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد دکن۔ ۱۹۴۴ء

(۱۱۷) گلبانگ حرم۔ حمید صدیقی لکھنوی۔ مطبوعہ نامی پریس، لکھنؤ۔ ۱۳۶۵ھ

(۱۱۸) موج تخیل، نوشابہ خاتون۔ مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد۔ ۱۳۵۷ھ

(۱۱۹) خزینۂ نعت حصہ اوّل مولفہ محمد شریف۔ ناشر فضل الدین، لاہور

(۱۲۰) دیوان حسان بن ثابت Edited by Dr. Hartwing, Hirsehfeld. Ph. D. 1910

(۱۲۱) قصیدہ بانت سعاد کعب بن زہیر

(۱۲۲) دیوان امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، مطبوعہ مطبع مجیدی، کانپور۔ ۱۳۴۹ھ

(۱۲۳) قصیدہ بردہ۔ مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور

(۱۲۴) شاہ نامہ فردوسی

(۱۲۵) حدیقۃ الحقائق۔ سنائی

(۱۲۶) منطق الطیر۔ فریدالدین عطار

(۱۲۷) مثنوی لیلیٰ مجنوں۔ نظامی۔ مرتبہ وحیدہ دستگر دی۔ تہران

(۱۲۸) دیوان خاقانیؔ

(۱۲۹) دیوان غزلیات رومیؔ۔ معروف بدایوں شمس تبریز مطبوعہ مطبع منشی نورکشور

(۱۳۰) مثنوی مولانا رومؔ۔ مطبع نامی، کانپور

(۱۳۱) گلستان۔ شیخ سعدی۔ مطبوعہ برقی پریس، حیدرآباددکن

(۱۳۲) قرآن السعدین۔ امیرؔ خسرو۔ علی گڑھ ایڈیشن

(۱۳۳) نغمات سماع۔ مولفہ نورالحسن۔ مطبوعہ نظامی پریس، بدایوں ۱۹۳۵ء

(۱۳۴) کلیات عرفی۔ مطبوعہ مطبع منشی نول کشور ۱۸۸۲ء

(۱۳۵) اسرار خودی و رموز بیخودی اقبالؔ۔ مطبوعہ ۱۹۴۰ء لاہور

(۱۳۶) پیام مشرق۔ اقبالؔ

(۱۳۷) ارمغان حجاز۔ اقبالؔ

(۱۳۸) پس چہ باید کرد۔ اقبالؔ

## (ج) قرآن، حدیث وفقہ

(۱۳۹) القرآن (ترجمہ اُردو) شاہ عبدالقادر

(۱۴۰) ترجمان القرآن۔ مولانا آزاد

(۱۴۱) جامع الترمذی۔ مطبع اصح المطابع، لکھنؤ۔ ۱۳۱۷ھ

(۱۴۲) صحیح بخاری۔ مطبوعہ عثمانیہ، مصری۔ ۱۹۳۲ء

(۱۴۳) صحیح مسلم۔ مطبوعہ اصح المطابع، لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ

(۱۴۴) شرح وقایہ۔ مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی۔ ۱۳۲۷ء

## (د) سیرۃ وشمائل

(۱۴۵) سیرۃ ابن ہشام

(۱۴۶) رحمۃ للعالمین۔ سلیمان منصور پوری

(۱۴۷) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ مولانا شبلی و مولانا سلیمان ندوی

(۱۴۸) جواہر البحار

## متفرقات

(۱۴۹) نوائے ادب۔ سہ ماہی رسالہ بمبئی

(۱۵۰) تمدن ہند۔ مترجمہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی۔ مطبوعہ شمسی آگرہ۔ ۱۹۱۳ء

(۱۵۱) History of Philosophy: Eastern adn western sponsord by ministry of education government of India Published in 1952

(۱۵۲) روح تنقید۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

(۱۵۳) نغمۂ روحی عرف مناقب اجمیری۔ تجمل حسین تجمل۔ مطبوعہ نامی پریس، بمبئی

(۱۵۴) ذوق نعت معروف بصلۂ آخرت۔ مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی

(۱۵۵) اذان بت کدہ۔ مرتبہ محمد الدین فوق۔ مطبوعہ ۱۹۳۴ء مکرر دیکھو صفحہ ۴۰۷ نمبر ۵۲

ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاقؔ، امراوتی ضلع کے تلے گاؤں کے ایک معزز خاندان کے فرد تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کھام گاؤں کے مشہور ادارے انجمن ہائی اسکول سے میٹرک کی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ گئے۔ عربی میں اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔ ناگپور کے مشہور مورس کالج میں عربی، فارسی اردو شعبہ میں بحیثیت لکچرار مقرر ہوئے۔ آزادی کے بعد انہوں نے اردو میں نعت گوئی پر ریسرچ کر کے ناگپور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔ وہ شعبۂ عربی فارسی اور اردو کے کالج میں ہیڈ بھی رہے اور یونیورسٹی میں چیرمین بورڈ آف اسٹڈیز بھی۔ ان کے مقالے کے مکمل ہونے کے بعد پروفیسر عبدالقادر سروریؔ نے اپنی نگرانی میں حیدرآباد میں اردو ٹائپ رائٹر پہ ٹائپ کروا کر جلد بندی کروائی تھی۔ سروریؔ صاحب سے رفیع الدین مرحوم کے گہرے تعلقات تھے۔ سروریؔ صاحب نے ناگپور یونیورسٹی میں گائڈ کی خدمات بھی انجام دی تھیں۔

ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کا مقالہ اردو ٹائپ میں کاغذ کی ایک سائڈ پر ہے۔ اس میں فل اسکیپ سائز کے کاغذ کا استعمال ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ڈگریاں ایم اے (عربی)، بی ٹی ایچ، علیگ، ایم اے فارسی، ایم اے اردو درج کی گئی ہیں۔ گائڈ کا نام نہیں ہے۔ اس میں نعت کی تعریف، مضامین نعت کے ماخذ (قرآن و حدیث)، لوازم نعت، محرّکات، اقسام نعت بیان کی گئی ہیں۔ اردو نعتیہ شاعری کے ماخذ، عربی فارسی نعت پر اظہار خیال، اردو نعت گوئی کا مفصل جائزہ، حضرت سید محمد حسینی اور دکن کے نعت گو شعرا۔ قدما کا دور، متوسطوں کا دور، متاخرین کا دور، دور جدید، دور حاضر کے نعت گو شعرا اور کچھ خواتین کی نعت گوئی کا جائزہ لیا گیا ہے، تلخیص کتابیات بھی شامل ہے۔

یہ مقالہ ۱۹۵۵ء میں پیش ہوا تھا۔ ۴۲۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔ قرآن، حدیث، مذہب اسلام ادبیات کی فہرست ۱۵۰ر کتابوں پر مشتمل ہے۔ زبان و اسلوب کی روحانی دلکشی کا کیا کہنا۔ یہ مقالہ بعد میں پاکستان میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر رفیع الدین میرے لئے بڑے مخلص اور ہمدرد و رہنما تھے۔ ان کے نجی گھریلو، خاندانی اور معاشرتی حالات و لوگوں سے تعلقات کا علم میں نے کبھی نہیں حاصل کیا۔ ان کے میرے تعلقات علمی، ادبی رہے۔ انہوں نے کشمکش اور کچھ اور کتابیں ڈراموں کی لکھی ہیں اور نعت گوئی پر ان کا مقالہ، یہی ان کی یادگار ہے۔ انہوں نے ناگپور سے باہر ایک بڑا علاقہ حاصل کر کے ایک سوسائٹی بنا کر ایک کالونی بسائی ہے جہاں اساتذہ، شاعر، ادیب اور اہلِ علم دوست لوگ آباد ہیں، وہ بھی ان کی یادگار ہے۔ کچھ عرصہ قبل ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔

**پروفیسر محمد سعداللہ**

جل گاؤں (مہاراشٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ناچیز عزیزم ڈاکٹر سراج احمد قادری کو بصد نیاز تہنیت پیش کرتا ہے۔ انہوں نے شعری تخلیق میں موجود مدح رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفہیم و اشاعت کے لئے اخلاص و عمل کے ساتھ اپنے وجود کو وقف کر دیا ہے۔ یہی صحفِ سماوی کی تاکید بھی ہے کہ مال و متاع سے قطع نظر عزیزِ جاں و جانِ جاں کوشہِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد کرنا ہی حبّ رسول کی منہاج اور معراج ہے۔ ان کے ذوق وشوق کو آفریں ہو کہ انہوں نے ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ ناگپوری کے فکر افروز تحقیقی مقالے ''اردو میں نعتیہ شاعری'' کی بازیابی اور اشاعت کو جس عزم جواں کے ساتھ روبہ عمل لانے کی سعی کی ہے۔ وہ قابلِ رشک ہے۔

نعت گوئی پر اردو میں یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے جس پر 1955 میں ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی گئی۔ کراچی کے بعد دبستان نعت (ہند) کی طرف سے یہ مقالہ پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ یہ مقالہ نعتیہ ادب کی تفہیم و تجزیہ کی شاہ راہ کا سنگِ نشاں ہے اور چراغ رہ گزر بھی جس نے منزل و منہاج کی رہ گزر کو منوّر کیا ہے۔ یہ نعتیہ ادب کے قلم قبیلے کا رحیلِ کارواں بھی ہے جس کی نور فشانی نے سیکڑوں مقالوں کی قبلہ نمائی کی ہے۔ دبستان نعت کی کارگہی کا میدان عمل بھی اس محترم موضوع کے جہاتِ ممکنات پر نظر رکھتا ہے اور ان کو صفحہ وجود پر لا کر خاص و عام کو کائنات کی سب سے برگزیدہ ذات صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہونے کا شرف بخشتا ہے۔

۲۸؍مارچ ۲۰۲۲

پروفیسر عبد الحق
پروفیسر ایمرطس
شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی

**Urdu Mein Naatia Shairi**
Prof. Dr. Syed Rafeeuddin Ashfaque Nagpuri

**Naat Research Center - India**
Mohalla Banjaria West, Khalilabad, Distt. Sant Kabeer Nagar, (U.P) India-272175
Mob.: 7985754611, 9415875761, www.naatresearchcenterindia.com
drsiraj123@gmail.com/anees11435@gmail.com

ISBN 81-956005-3-0
9788195600533